مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستۂ تفاسیر

مُرتّب
حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہٗ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

اردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

اول مکمل تفسیر عثمانی • تفسیر ابن کثیر
تفسیر مظہری • تفسیر عزیزی
معارف القرآن • معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم — حضرت مولانا کاندھلوی
تفسیر میرٹھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی — حکیم الامت حضرت تھانوی
شیخ الاسلام حسین احمد مدنی — حضرت علامہ شمس الحق افغانی

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

دورِ حاضر کی مُستند تفاسیر کا جامع خلاصہ

گُلدستۂ تفاسیر

جلد-۴

مرتب

حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی

مسترشد خاص

شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور العباسی المدنی نوراللہ مرقدہ

پسند فرمودہ

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہ العالی
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی
حضرۃ مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزمان شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان 061 4540513 4519240
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

فہرست عنوانات

(سورۃ الحجر تا سورۃ الحج)

سورۂ کہف

بقیہ فہرست آخر میں ملاحظہ فرمائیں

سورۃ الحجر

جس نے خواب میں اس سورۃ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان میں محفوظ رہے گا اور مسکین رہے گا۔ اور اگر اس کا پڑھنے والا بادشاہ ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی مدت قریب ہوگی اور اگر قاضی ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی سیر اچھی ہوگی اور اگر تاجر ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ خاندان والوں پر فضیلت حاصل کرے گا اور اگر عالم ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا عزت کی حالت میں انتقال ہوگا۔ (حضرت علامہ ابن سیرینؒ)

سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ننانوے آیات اور چھے رکوع ہیں۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ
سورہ حجر مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ
یہ آیتیں ہیں کتاب کی

یعنی یہ اس جامع اور عظیم الشان کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب ''کتاب'' کہلانے کی مستحق نہیں۔

وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①
اور واضح قرآن کی

واضح قرآن:

اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جس کے اصول نہایت صاف دلائل روشن، احکام معقول، وجوہ اعجاز واضح اور بیانات شگفتہ اور فیصلہ کن ہیں۔ لہٰذا آگے جو کچھ بیان کیا جانے والا ہے مخاطبین کو پوری توجہ سے سننا چاہئے۔

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②
ی وقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کیا اچھا ہوتا جو ہوتے مسلمان

کفار کی حسرت:

یعنی آج منکرین نے قرآن و اسلام جیسی عظیم الشان نعمت الٰہیہ کی قدر نہیں کی لیکن ایسا وقت آنے والا ہے جب یہ لوگ اپنی محرومی پر ماتم کرینگے اور دست حسرت مل کر کہیں گے کاش ہم مسلمان ہوتے وہ وقت کب آیگا؟ اس میں اختلاف ہوا ہے، ہم ابن الانباری کے قول کے موافق اس کو عام رکھتے ہیں یعنی دنیا و آخرت میں جو مواقع کافروں کی نامرادی اور مسلمانوں کی کامیابی کے پیش آتے رہیں گے۔ ہر موقع پر کفار کو رہ رہ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا اور نعمت اسلام سے محروم رہ جانے کی حسرت ہوگی۔ اس سلسلہ میں پہلا موقع تو ''جنگ بدر'' کا تھا جہاں کفار مکہ نے مسلمانوں کی طرف کھلا ہوا غلبہ اور تائید غیبی دیکھ کر اپنے دلوں میں محسوس کیا کہ جس اسلام نے فقرائے مہاجرین اور اوس وخزرج کے کاشتکاروں کو اونچی ناک والے قریشی سرداروں پر غالب کیا، افسوس ہم اس دولت سے محروم ہیں۔ اسی طرح اسلامی فتوحات وترقیات کی ہر ایک منزل پر کفار کو اپنی تہیدستی وحرمان پر پچھتانے اور دل سے اشک حسرت بہانے کا موقع ملتا رہا۔ انتہائی حسرت وافسوس کا مقام وہ ہوگا جب فرشتہ جان نکالنے کیلئے سامنے کھڑا ہوگا اور عالم غیب کے حقائق آنکھوں سے نظر آرہے ہوں گے۔ اس وقت ہاتھ کاٹیں گے اور آرزو کرینگے کہ کاش ہم نے اسلام قبول کرلیا ہوتا کہ آج عذاب بعد الموت سے محفوظ رہ سکتے۔ اس سے بھی بڑھ کر یاس انگیز نظارہ وہ ہوگا جو طبرانی کی حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے بہت سے آدمی اپنے گناہوں کی بدولت جہنم میں جائیں گے اور جب تک خدا چاہے گا وہاں رہیں گے بعدہ مشرکین ان پر طعن کرینگے کہ تمہارے ایمان وتوحید نے تم کو کیا فائدہ دیا؟ تم بھی آج تک ہماری طرح دوزخ میں ہو۔ اس پر حق تعالیٰ کسی موحد کو جہنم میں نہ چھوڑے گا۔ یہ فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔ ''رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ'' گویا یہ آخری موقع ہوگا جب کفار اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ میں حسرت:

ابن جریر، ابن مبارک اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے متعلق بیان کیا کہ ان دو بزرگوں نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا اللہ جب دوزخ کے اندر مشرکوں اور گناہگار مسلمانوں کو جمع کردے گا تو مشرک مسلمانوں سے کہیں گے تم کو بھی تمہارے اعمال کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اس پر اللہ ناراض ہو کر مسلمانوں کو دوزخ سے باہر نکال دے گا (رہا کردے گا بخش دے گا) ہناد، سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ شفاعت قبول فرما کر مسلسل جنت میں داخل فرمائے گا اور شفاعت کے بعد رحم فرمائے گا بالآخر فرمائے گا جو بھی مسلمان ہو جنت میں چلا جائے (اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے) آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ کا یہی مطلب ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور وہ دوزخ میں داخل ہوجائیں گے اور جتنی مدت تک اللہ چاہے گا وہاں رہیں گے پھر (دوزخ کے اندر) مشرک ان کو طعنہ دیں گے کہ تم نے جو تصدیق کی تھی (اور ایمان لائے تھے) اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس پر اللہ ہر موحد کو دوزخ سے نکال لے گا کسی موحد کو آگ کے اندر نہیں چھوڑے گا۔ یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ تلاوت فرمائی۔

طبرانی، ابن عاصم اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دوزخی دوزخ میں جمع ہوجائیں گے اور حسب مشیت خدا ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کافر مسلمانوں سے کہیں گے کیا تم مسلمان نہ تھے؟ مسلمان کہیں گے ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہم کو پکڑلیا۔ یہ گفتگو اللہ سنے گا تو حکم دے گا اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہوں اس کو نکال لیا جائے۔ چنانچہ سب مسلمان نکال لئے جائیں گے۔ دوزخی کافر جب یہ بات دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان (مسلمانوں) کی طرح نکال لیا جاتا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ تلاوت فرمائی۔

طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے کیا اس آیت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے سنا ہے؟ فرمایا ہاں میں نے سنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے انتقام لینے کے بعد اللہ دوزخ سے اپنی مشیت کے موافق مؤمنوں کو نکال لے گا، (لیکن شروع میں) جب مشرکوں کے ساتھ ان مسلمانوں کو دوزخ کے اندر اللہ داخل فرمادے گا تو مشرک کہیں گے تم تو دنیا میں دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں پھر آج ہمارے ساتھ دوزخ میں کیوں ہو، یہ بات سماعت فرمانے کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دیدیگا فوراً فرشتے اور انبیاء اور مؤمن شفاعت کریں گے یہاں تک کہ ان گناہگار مسلمانوں کو دوزخ سے بحکم خدا نکال لیا جائے گا۔ مشرک یہ بات دیکھ کر کہیں گے کاش ہم بھی تمہاری طرح ہوتے اور تمہاری طرح ہماری بھی شفاعت ہوجاتی۔ ان (رہا شدہ) مسلمانوں کے چہرے چونکہ سیاہ ہوں گے اس لئے (مسلمان) ان کو جہنمی کہیں گے ان کا نام جہنمی ہوجائے گا لیکن وہ اللہ سے دعا کریں گے اے ہمارے رب ہم سے یہ نام الگ کردے "حکم ہوگا نہر حیات میں غسل کریں غسل کے بعد ان کے چہرے گورے چمکدار ہوجائیں گے اور یہ نام (یا یہ خطاب) ان کا نہیں رہے گا۔

ابن جریر نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ (کافروں کی تمنا) اس وقت ہوگی جب گناہگار مسلمانوں کو دوزخ سے نکالا جارہا ہوگا ہناد نے اس آیت کے ذیل میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس وقت لا الہ الا اللہ کا ہر قائل (یعنی ہر مسلمان) دوزخ سے نکل آئے گا۔

اس کلام سے پرزور طور پر کافروں کے انکار اور استہزاء کی تردید کردی گئی۔ حفاظت کرنے سے مراد ہے ہر قسم کے الفاظ کی تغیر و تبدیل اور کمی بیشی سے حفاظت اب کسی طور پر بگاڑ اور تغیر اس میں ممکن نہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں تحریف و تغیر کا امکان ہوتا اور دین کے دشمن نکتہ چینی کرسکتے۔ افسوس کہ رافضی گروہ اس آیت کے باوجود قرآن کو بگڑا ہوا اور ناقص قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (چالیس پارے تھے) حضرت عثمان نے دس پارے جلوادیئے۔ (تفسیر مظہری)

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ

• چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت (فائدہ اُٹھائیں) لیں اور امید

الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۳﴾

میں (پر بھولے) لگے رہیں سو آئندہ معلوم کرلیں گے

چھوڑیئے! انہیں معلوم ہوجائے گا:

یعنی جب کوئی نصیحت کارگر نہیں تو آپ ان کے غم میں نہ پڑیں بلکہ چند روز انہیں بہائم کی طرح کھانے پینے دیجئے۔ یہ خوب دل کھول کر دنیا کے مزے اڑالیں اور مستقبل کے متعلق لمبی چوڑی امیدیں باندھتے رہیں۔ عنقریب وقت آیا چاہتا ہے جب حقیقت حال کھل جائیگی اور اگلا پچھلا کھایا پیا سب نکل جائیگا۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں مجاہدین کے ہاتھوں حقیقت کھل گئی۔ اور پوری تکمیل آخرت میں ہوجائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

بدبختی کی علامت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار چیزیں بدبختی اور بدنصیبی کی علامت ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری نہ ہونا (یعنی اپنے گناہوں، غفلتوں پر نادم ہوکر نہ رونا) اور سخت دلی، طول امل اور دنیا کی حرص۔ (قرطبی عن مسند البزار عن انسؓ)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے پہلے طبقہ کی نجات ایمان کامل اور دنیا سے اعراض کی وجہ سے ہوگی۔ اور آخری امت کے لوگ بخل اور طول امل کی وجہ سے ہلاک ہوں گے۔

اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ جامع مسجد دمشق کے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا اے اہل دمشق! کیا تم اپنے ایک ہمدرد خیر خواہ بھائی کی بات سنو گے سن لو! کہ تم سے پہلے بہت بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے مال و متاع بہت جمع کیا اور بڑے بڑے شاندار محلات تعمیر کئے اور دور دراز کے طویل منصوبے بنائے آج وہ سب ہلاک ہوچکے ہیں ان کے مکانات، ان کی قبریں ہیں اور ان کی طویل امیدیں سب دھوکہ اور فریب

ثابت ہوئیں قوم عاد تمہارے قریب تھی جس نے اپنے آدمیوں سے اور ہر طرح کے مال ومتاع سے اور اسلحہ اور گھوڑوں سے ملک کو بھر دیا تھا، آج کوئی ہے جو ان کی وراثت مجھ سے دو درہم میں خریدنے کو تیار ہو جائے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی زندگی میں طویل امیدیں باندھتا ہے اس کا عمل ضرور خراب ہو جاتا ہے۔ (قرطبی)

معارف ومسائل

مامون کے دربار کا ایک واقعہ:

امام قرطبیؒ نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث ومباحثہ اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت وشکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا۔ پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے (امتحان لینے کے لئے) کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا، بات ختم ہوگئی یہ شخص چلا گیا پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گزشتہ آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟

اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوشنویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ کتابت کر کے نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا۔

اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے اس لئے مسلمان ہو گیا۔ قاضی یحییٰ بن اکثم اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے حج کی توفیق ہوئی وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی تو یہ قصہ ان کو سنایا انہوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس کی تصدیق قرآن میں موجود ہے۔

یحییٰ بن اکثم نے پوچھا قرآن کی کونسی آیت میں؟ تو فرمایا کہ قرآن عظیم نے جہاں تورات وانجیل کا ذکر کیا ہے، اس میں تو فرمایا بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ یعنی یہود ونصاریٰ کو کتاب اللہ تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود ونصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ ومحرف ہو کر ضائع ہوگئیں، بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ، یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس لئے اس کی حفاظت حق تعالیٰ نے خود فرمائی تو دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود اس کے ایک نقطہ اور ایک زیر وزبر میں فرق نہ آ سکا۔ آج عہد رسالت کو بھی تقریباً چودہ سو برس ہو چکے ہیں تمام دینی اور اسلامی امور میں مسلمانوں کی کوتاہی اور غفلت کے باوجود قرآن کریم کے حفظ کرنے کا سلسلہ تمام دنیا کے مشرق ومغرب میں اسی طرح قائم ہے ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھوں، لڑکے اور لڑکیاں ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے، کسی بڑے سے بڑے عالم کی بھی مجال نہیں کہ ایک حرف غلط پڑھ دے اسی وقت بہت سے بڑے اور بچے اس کی غلطی پکڑ لیں گے۔

حفاظت قرآن کے وعدے میں حفاظت حدیث بھی داخل ہے:

تمام اہل علم اس پر متفق ہیں کہ قرآن نہ صرف الفاظ قرآنی کا نام ہے نہ صرف معانی قرآن کا، بلکہ دونوں کے مجموعے کو قرآن کہا جاتا ہے وجہ یہ ہے کہ معانی اور مضامین قرآنیہ تو دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں اور اسلامی تصانیف میں تو عموماً مضامین قرآنیہ ہی ہوتے ہیں مگر ان کو قرآن نہیں کہا جاتا کیونکہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں، اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم کے متفرق الفاظ اور جملے لے کر ایک مقالہ یا رسالہ لکھ دے تو اس کو بھی کوئی قرآن نہیں کہے گا اگرچہ اس میں ایک لفظ بھی قرآن سے باہر کا نہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صرف اس مصحف ربانی کا نام ہے جس کے الفاظ اور معانی ساتھ ساتھ محفوظ ہیں۔

فقط ترجمہ قرآن نہیں ہے:

اسی سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ کسی زبان اردو یا انگریزی وغیرہ میں جو صرف ترجمہ قرآن کا شائع کر کے لوگ اس کو اردو یا انگریزی قرآن کا نام دیتے ہیں یہ ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ قرآن نہیں، اور جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن صرف الفاظ قرآن کا نام نہیں بلکہ معانی بھی اس کا ایک جزو ہیں

تو حفاظت قرآن کی ذمہ داری اس آیت میں حق تعالیٰ نے خود اپنے ذمے قرار دی ہے اس میں جس طرح الفاظ قرآنی کی حفاظت کا وعدہ اور ذمہ داری ہے اسی طرح معانی اور مضامین قرآن کی حفاظت اور معنوی تحریف سے اس کے محفوظ رہنے کی بھی ذمہ داری اللہ تعالیٰ ہی نے لے لی ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ معانی قرآن وہی ہیں جن کی تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ بتلادیں لوگوں کو مفہوم اس کلام کا جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ اور یہی معنی اس آیت کے ہیں۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ، اور اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما بعثت معلماً ، یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معانی قرآن کے بیان اور تعلیم کے لئے بھیجا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو جن اقوال وافعال کے ذریعہ تعلیم دی، انہی اقوال وافعال کا نام حدیث ہے۔

مطلقاً احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر محفوظ کہنے والا درحقیقت قرآن کو غیر محفوظ کہتا ہے:

جو لوگ آجکل دنیا کو اس مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ جو مستند کتب میں موجود ہیں وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں کہ وہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت بعد میں مدون کیا گیا ہے، اوّل تو ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ حدیث کی حفاظت وکتابت خود عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شروع ہو چکی تھی، بعد میں اس کی تکمیل ہوئی اس کے علاوہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم درحقیقت تفسیر قرآن اور معانی قرآن ہیں، ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ محفوظ رہ جائیں معانی (یعنی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ضائع ہوجائیں؟ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ
اور کوئی بستی ہم نے غارت نہیں کی مگر اس کا وقت لکھا ہوا تھا
مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾
مقرر

مہلت پر مغرور نہ ہوں:

یعنی جس قدر بستیاں اور قومیں پہلے ہلاک کی گئیں خدا کے علم میں ہر ایک کی ہلاکت کا ایک وقت معین تھا جس میں نہ بھول چوک ہوسکتی تھی نہ غفلت اور نہ خدا کا وعدہ ٹل سکتا تھا۔ جب کسی قوم کی میعاد پوری ہوئی اور تعذیب کا وقت آپہنچا ایک دم میں غارت کردی گئی۔ موجودہ کفار بھی امہال وتاخیر پر مغرور نہ ہوں۔ جب ان کا وقت آئے گا خدائی سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ جو تاخیر کی جارہی ہے اس میں خدا کی بہت سی حکمتیں ہیں مثلاً ان میں سے بعض کا یا بعض کی اولاد کا ایمان لانا مقدر ہے۔ فوری عذاب کی صورت میں اس کے وقوع کی کوئی صورت نہیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا
نہ سبقت کرتا ہے کوئی فرقہ اپنے وقت مقرر سے
يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۵﴾
اور نہ پیچھے رہتا ہے

معین وقت نہیں ٹلے گا:

یعنی امم مہلکہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر قوم کے عروج وزوال یا موت وحیات کی جو میعاد مقرر ہے وہ اس سے ایک سیکنڈ آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ
اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص کہ تجھ پر اترا ہے قرآن (نصیحت)
اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۶﴾
تو بے شک دیوانہ ہے

مشرکین کا استہزاء:

مشرکین مکہ یہ الفاظ محض بطریق استہزاء واستخفاف کہتے تھے یعنی آپ سب سے آگے بڑھ کر خدا کے یہاں سے قرآن لے آئے دوسروں کو احمق وجاہل بتلانے لگے بلکہ ساری دنیا کو الٹی میٹم دیا، اس پر یہ دعویٰ ہے کہ آخر میں ہی غالب ہونگا اور ایک وقت آئے گا کہ منکرین حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوجاتے، یہ کونسی عقل وہوش کی باتیں ہیں؟ کھلی ہوئی دیوانگی ہے اور جو پڑھ کر سناتے ہو مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ (العیاذ باللہ)

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتوں کو
الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾
اگر تو سچا ہے

فرشتوں کی فوج کیوں نہ آئی:

اگر بارگاہ احدیت میں آپ کوایسا ہی قرب حاصل ہے اور ساری قوم میں سے خدا نے منصب رسالت کے لئے آپ کا انتخاب کیا ہے تو فرشتوں کی خدائی فوج آپ کے ساتھ کیوں نہ آئی۔ جو کھلم کھلا آپ کی تصدیق کرتی اور ہم سے آپ کی بات منواتی، نہ مانتے تو فوراً سزا دیتی۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا

ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر کام (ٹھیک) پورا کرکے اور اس

كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

وقت نہ ملے گی ان کو مہلت (ڈھیل)

ماننے والوں کیلئے کافی نشانیاں موجود ہیں:

یعنی ماننے والوں کے لئے اب بھی کافی زائد نشان موجود ہیں باقی جن کا ارادہ ہی ماننے کا نہیں وہ فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے پھر ان کے اتارنے میں کیا فائدہ ہے۔ حق تعالیٰ فرشتوں کو زمین پر اپنی حکمت کے موافق کسی غرض صحیح کے لئے بھیجتے ہیں، یوں ہی بے فائدہ تماشا دکھلانا مقصود نہیں ہوتا۔ عموماً عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور سارے مراحل تفہیم وہدایت کے طے ہوجاتے ہیں تو فرشتوں کی فوج اس کے ہلاک کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہے پھر اس کو قطعاً مہلت نہیں دی جاتی۔ اگر تمہاری خواہش کے موافق فرشتے اتارے جائیں تو اس سے صرف یہ ہی ایک مقصد ہوسکتا ہے کہ تم کو بلا تاخیر ہلاک کردیا جائے جو فی الحال حکمت الٰہی کے موافق نہیں کیونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا یہ تو آخری صورت ہے جو سب منزلیں طے ہوچکنے اور سب کام ختم کئے جانے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

ہم نے اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم آپ اس کے نگہبان ہیں

حفاظت قرآن کا وعدہ:

یعنی تمہارا استہزاء وتعنت اور قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا، قرآن وحامل قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ یاد رکھو اس قرآن کے اتارنے والے ہم ہیں اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ جس شان اور ہیبت سے وہ اترا ہے بدون ایک شوشہ یا زبر وزیر کی تبدیلی کے چار دانگ عالم میں پہنچ کر رہے گا اور قیامت تک ہر طرح کی تحریف لفظی ومعنوی سے محفوظ ومصئون رکھا جائے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول واحکام کبھی نہ بدلیں گے۔ زبان کی فصاحت وبلاغت اور علم وحکمت کی موشگافیاں کتنی ہی ترقی کر جائیں پر قرآن کی صوری ومعنوی اعجاز میں اصلا ضعف وانحطاط محسوس نہ ہوگا۔ قومیں اور سلطنتیں قرآن کی آواز کو دبانے یا کم کردینے میں ساعی ہونگی۔ لیکن اس کے ایک نقطہ کو گم نہ کرسکیں گی۔

وعدہ کی تکمیل:

حفاظت قرآن کے متعلق یہ عظیم الشان وعدہ الٰہی ایسی صفائی اور حیرت انگیز طریقہ سے پورا ہوکر رہا جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب ومغرور مخالفوں کے سر نیچے ہوگئے۔

غیر مسلموں کا اقرار:

''میور'' کہتا ہے جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو قرآن کی طرح صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں''۔

حفاظت کے اسباب:

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک جم غفیر علماء کا جن کی تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے ایسا رہا کیا جس نے قرآن کے علوم ومطالب اور غیر منقضی عجائب کی حفاظت کی کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا کی، حافظوں نے اس کے الفاظ وعبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے آج تک ایک زیر وزبر تبدیل نہ ہوسکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے کسی نے آیتیں شمار کیں، کسی نے حروف کی تعداد بتلائی حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب اور ایک ایک نقطہ کو شمار کرڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو۔ خیال کرو آٹھ دس سال کا ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جزء کا رسالہ یاد کرانا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے کس طرح فرفر سنا دیتا ہے پھر کسی مجلس میں ایک بڑے باوجاہت عالم وحافظ سے کوئی حرف چھوٹ جائے یا اعراب کی فروگزاشت ہوجائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے۔ چاروں طرف تصحیح کرنے والے للکارتے ہیں ممکن نہیں کہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ حفظ قرآن کے متعلق یہ ہی اہتمام واعتناء عہد نبوت میں سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے۔ اسی کی طرف ''وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' فرما کر اس وقت کے منکرین کو توجہ دلائی۔ (تفسیر عثمانی)

موجودہ قرآن ہی اصل ہے:

تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف وتحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاروں ہزار قرآن کے حافظ ہوتے چلے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی وبیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔ مشرق اور مغرب نے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملا لو ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

روئے زمین کے مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کے سب ایک ہی قرآن کی تفسیریں ہیں۔

اس دلیل عقلی ونقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہل بیت (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص وعام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال پیش کیا کرتے تھے اور (۴) اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور (۵) اپنے اہل وعیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۶) اپنے مردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۷) اسی قرآن سے مسائل شرعیہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۸) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور (۹) اسی قرآن کے اوامر ونواہی کے پابند تھے اور (۱۰) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیب عثمان تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکری اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکری کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علماء کی ایک جماعت مثلاً ابوعلی، طبرسی، اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صادق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر صراط مستقیم جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے۔ اس میں اس طرح ہے ای انا لہ **لحفظون من التحریف والتبدیل والزیادۃ والنقصان** اور سورۃ حم سجدہ میں ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ یعنی اس پر یعنی قرآن پر باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہ ہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپ نے صحابہ کو تعلیم دی۔

سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہ سے روایت ہے، **قال علی بن ابی طالب لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ مافعل الذی فی المصاحق الا علی ملامنا**۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمہ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمان نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمان غنی نے جس قدر نسخے قرآن کریم کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔

ان علماء شیعہ کی اصل عبارتیں اگر دیکھنا مقصود ہو تو ازالۃ الشکوک جلد دوم از صفحہ ۴ تا ۱۴ مصنفہ مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی قدس سرہٗ مراجعت کریں۔

فرقہ امامیہ کا عقیدہ:

مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہٖ صحیفۂ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقد تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلینی میں ہے عن ہشام بن سالم عن ابی عبداللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی **محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیۃ**. شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دو تہائی حصہ چوری اور خرد برد ہو گیا۔

یہ قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کماقال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۚ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ نے اس کو یہ ہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین نے یہ ہی قرآن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بشکل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آ رہا ہے اور جو قرآن شیخینؓ اور عثمان غنیؓ نے جمع کیا اور اس کی جمع وترتیب میں از اول تا آخر حضرت علیؓ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علیؓ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانہ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں وانزلت علیک کتابالا

یغسله الماء۔ یعنی اے نبی میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھوسکتا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمدللہ یہ دولت اہل سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمٰی سے محروم کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔ کماقال الله تعالیٰ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ تلاوت قرآن اہل سنت کا شعار ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ

اور ہم بھیج چکے ہیں رسول تجھ سے پہلے

الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ

اگلے فرقوں میں اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول

اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی۔

منکروں کا کام ہی یہی ہے:

آپ کو تسلی دی گئی کہ ان کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ہمیشہ منکرین کی عادت رہی ہے کہ جب کوئی پیغمبر آیا اس کی ہنسی اڑائی، کبھی مجنون کہا۔ کبھی محض دق کرنے کیلئے لغو اور دور از کار مطالبے کرنے لگے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی نسبت کہا تھا۔ "اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ" (شعراء رکوع ۲) اور وہ ہی فرشتوں کی فوج لانے کا مطالبہ کیا جو قریش آپ سے کررہے تھے۔ "فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ"۔ (زخرف رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اسی طرح بٹھا دیتے ہیں ہم اس کو دل میں گنہگاروں کے

انکار واستہزاء کی سزا:

یعنی جو لوگ ارتکاب جرائم سے باز نہیں آتے ہم ان کے دلوں میں اسی طرح استہزاء وتکذیب کی عادت جاگزیں کر دیتے ہیں جب ان کے دل میں کانوں کے راستہ سے وحی الٰہی جاتی ہے تو ساتھ ساتھ تکذیب بھی چلی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

المجرمین سے مراد ہیں مشرکین مکہ یعنی جس طرح گزشتہ کافر امتوں کے دلوں میں ہم نے کفر واستہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح مکہ کے ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر واستہزاء کو داخل کرتے ہیں سلک (پرونا) ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا جیسے سوئی میں ڈورے کو اور زخمی میں نیزے کی نوک کو داخل کر دینا۔ اس آیت میں فرقہ قدریہ کے قول کا رد ہے (فرقہ قدریہ قائل ہے کہ وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) آیت بتا رہی ہے کہ کافروں کے دلوں میں کفر واستہزاء کو پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

یقین نہ لائیں گے اس پر اور ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی

یعنی ہمیشہ یوں ہی جھٹلاتے اور ہنسی کرتے آئے ہیں اور سنت اللہ یہ رہی ہے کہ متمردین ہلاک ورسوا کئے جاتے رہے اور انجام کار حق کا بول بالا رہا۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا

اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان سے

فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

کہ باندھ دیا ہے ہماری نگاہ کو نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے

یہ ماننے والے نہیں ہیں:

یعنی فرشتوں کا اتارنا تو اس قدر عجیب نہیں، اگر ہم آسمان کے دروازے کھول کر خود انہیں اوپر چڑھا دیں اور یہ دن بھر اسی شغل میں رہیں تب بھی ضدی اور معاند لوگ حق کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ اس وقت کہہ دینگے کہ ہم پر نظر بندی یا جادو کیا گیا ہے۔ شاید ابتداء میں نظر بندی سمجھیں اور آخر میں بڑا جادو قرار دیں۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں برج

آسمان کے بُرج:

"برجوں" سے یہاں بڑے بڑے سیارات مراد ہیں بعض نے منازل شمس وقمر کا ارادہ کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ برج وہ آسمانی قلعے ہیں جن میں فرشتوں کی جماعتیں پہرہ دیتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان کے بارہ برج ہیں یعنی آسمان کے بارہ ٹکڑے مثل خربوزہ کے

پھاٹک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہو گئے ہیں ہر بروج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ برج اسی نام سے عرب میں مشہور ہو گیا۔ حمل، ثور، جوزہ، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت، یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٦﴾

اور رونق دی اس کو دیکھنے والوں کی نظر میں

آسمان کے ستارے قدرت کے نشان ہیں:

یعنی آسمان کو ستاروں سے زینت دی۔ رات کے وقت جب بادل اور گرد وغبار نہ ہو بیشمار ستاروں کے قمقموں سے آسمان دیکھنے والوں کی نظر میں کس قدر خوبصورت اور پرعظمت معلوم ہوتا ہے اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اس میں کتنے نشان حق تعالیٰ کی صنعت کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیت مطلقہ کے پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے فرشتے اتارنے یا ان کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر ماننا چاہیں تو آسمان وزمین میں قدرت کے نشان کیا تھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھ دار آدمی توحید کا سبق بہت آسانی سے حاصل کرسکتا ہے۔ ایسے روشن نشان دیکھ کر انہوں نے کیا معرفت حاصل کی؟ جو آئندہ توقع رکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بُرج کی تحقیق:

برج بڑا ستارہ، تبرج سے یہ لفظ ماخوذ ہے تبرج کا معنی ہے ظاہر ہونا تبرجت المرء ۃ عورت نمودار ہوگئی۔ عطیہ نے کہا بروج آسمان کے اندر بڑے بڑے محلات ہیں، اس آیت میں بروج سے مراد وہ معنی نہیں جو اہل ہیئت کی اصطلاح میں آتا ہے۔ اہل ہیئت کے اصطلاحی معنی کا وجود مندرجہ ذیل امور پر موقوف ہے تمام آسمان باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے پر حاوی ہیں کہ نویں آسمان کے گھومنے سے سب اسی طرف گھومنے پر مجبور ہیں جس طرف نویں آسمان کی حرکت ہو پھر نویں آسمان کی حرکت کے لئے ایک منطقہ اور دو قطب ہوں، پھر آٹھویں آسمان جس کو فلک ثوابت کہا جاتا ہے، کے لئے بھی ایک منطقہ اور دوسرے دو قطب ہوں اور سورج آٹھویں آسمان کے منطقہ پر قائم ہو اور دونوں منطقوں کا باہم ایک تقاطع بھی ہو اور چاروں قطبوں کے درمیان ایک خط کھینچا جائے جس سے چار قوس پیدا ہو جائیں اور ہر قوس میں تین برج ہوں۔ اس تمام خرافات کا شریعت انکار کرتی ہے شریعت سے آسمانوں کی حرکت ثابت نہیں بلکہ ستاروں کی حرکت ثابت ہوتی ہے اور ہر آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کے بقدر بتایا گیا ہے (ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے چسپاں ہونے کا انکار اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے) اور شریعت کے نزدیک آسمانوں کی تعداد سات ہے اس سے زائد نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿١٧﴾ اِلَّا

اور محفوظ رکھا ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے مگر

مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ

جو چوری سے سن بھاگا سو اس کے پیچھے پڑا

مُّبِيْنٌ ﴿١٨﴾

انگارہ چمکتا ہوا

شیطانوں کی چوری کا انسداد:

آسمانوں پر شیاطین کا کچھ عمل دخل نہیں چلتا۔ بلکہ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو ان کا گزر بھی وہاں نہیں ہوسکتا۔ اب انتہائی کوشش ان کی یہ ہوتی ہے کہ ایک شیطانی سلسلہ قائم کر کے آسمان کے قریب پہنچیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر اخبار غیبیہ کی اطلاعات حاصل کریں۔ اس پر بھی فرشتوں کے پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں کہ جب شیاطین ایسی کوشش کریں اوپر سے آتشباری کی جائے۔ نصوص قرآن وحدیث سے معلوم ہوا ہے کہ تکوینی امور کے متعلق آسمانوں پر جب کسی فیصلہ کا اعلان ہوتا ہے اور خداوند قدوس اس سلسلہ میں فرشتوں کی طرف وحی بھیجتا ہے تو وہ اعلان ایک خاص کیفیت کے ساتھ اوپر سے نیچے کو درجہ بدرجہ پہنچتا ہے آخر سماء دنیا پر اور بخاری کی ایک روایت کے موافق ''عنان'' (بادل) میں فرشتے اس کا مذاکرہ کرتے ہیں۔ شیاطین کی کوشش ہوتی ہے کہ ان معاملات کے متعلق غیبی معلومات حاصل کریں، اسی طرح جیسے آج کوئی پیغام بذریعہ وائرلیس ٹیلیفون جارہا ہو سے بعض لوگ راستہ میں جذب کرنے کی تدبیر کرتے ہیں ناگہاں اوپر سے بم کا گولہ (شہاب ثاقب) پھٹتا ہے۔ اور ان غیبی پیغامات کی چوری کرنے والوں کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔ اسی دوادوش اور ہنگامہ دار وگیر میں جو ایک آدھ بات شیطان کو ہاتھ لگ جاتی ہے وہ ہلاک ہونے سے پیشتر بڑی عجلت کے ساتھ دوسرے شیاطین کو اور وہ شیاطین اپنے دوست انسانوں کو پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کاہنوں کا کاروبار:

کاہن لوگ اسی ادھوری سی بات میں سیکڑوں جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر عوام کو غیبی خبریں بتلاتے ہیں۔ جب وہ ایک آدھ ساوی بات سچی نکلتی ہے تو ان کے معتقدین اسے ان کی سچائی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اور جو سیکڑوں بنائی ہوئی خبریں جھوٹی ثابت ہوتی ہیں ان سے اغماض وتغافل برتا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث نے یہ واقعات بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سی چھوٹی سچائی کا سرچشمہ بھی وہ ہی عالم ملکوت ہے۔

شیاطین الجن والانس کے خزانہ میں بجز کذب وافتراء کوئی چیز نہیں، نیز یہ کہ آسمانی انتظامات اس قدر مکمل ہیں کہ کسی شیطان کی مجال نہیں وہاں قدم رکھ سکے یا باوجود انتہائی جدوجہد کے وہاں کے انتظامات اور فیصلوں پر معتدبہ دسترس حاصل کرلے۔ باقی جو ایک آدھ جملہ ادھر ادھر کا فرشتوں سے سن بھاگتا ہے، حق تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ اس کی قطعاً بندش کردی جائے۔ وہ چاہتا تو اس سے بھی روک دیتا مگر یہ بات اس کی حکمت کے موافق نہ تھی۔ آخر شیاطین الجن والانس کو جن کی بابت اسے معلوم ہے کہ کبھی اغواء واضلال سے باز نہ آئیں گے اتنی طویل مہلت اور مغویانہ اسباب ووسائل پر دسترس دینے میں کچھ نہ کچھ حکمت تو سب کو ماننی پڑے گی۔ اسی طرح کی حکمت یہاں بھی سمجھ لو۔

(تنبیہ) شیاطین ہمیشہ شہابوں کے ذریعہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں ۔مگر جس طرح قطب جنوبی اور ہمالیہ کی بلند تر چوٹی کی تحقیق کرنے والے مرتے رہتے ہیں اور دوسرے ان کا یہ انجام دیکھ کر اس مہم کو ترک نہیں کرتے۔ اسی پر شیاطین کی مسلسل جدوجہد کو قیاس کرلو۔ یہ واضح رہے کہ قرآن وحدیث نے یہ نہیں بتلایا کہ شہب کا وجود صرف رجم شیاطین ہی کیلئے ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان کے وجود سے اور بہت سے مصالح وابستہ ہوں۔ اور حسب ضرورت یہ کام بھی لیا جاتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثانی)

آسمانوں پر شیطانوں کیلئے پابندی:

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول لکھا ہے کہ پہلے آسمانوں تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی۔ وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دلوں میں القاء کرتے تھے۔ جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمانوں پر جانے سے شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد مبارک ہوئی باقی چار آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کردی گئی اب جو کوئی شیطان چوری چھپے (اوپر جاکر) کوئی خبر سن پاتا تھا فوراً اس پر (ٹوٹنے والا ستارہ بشکل) انگارہ مارا جاتا تھا ان شیطانوں کی جب کامل بندش ہوگئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی نیا حادثہ ہوا ہے۔ جاکر دیکھو شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کی تلاوت کرتے پایا کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

شیطانوں پر شعلے پڑنا:

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ہاں جو چوری سے سن پاتا ہے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ آتشیں آپڑتا ہے۔ شہاب آتشیں شعلہ جو ستاروں سے نکلتا ہے۔ بغوی نے چوری سے سننے اور پیچھے سے شعلہ آتشیں پڑنے کی یہ تفصیل بتائی ہے کہ شیاطین نیچے سے آسمان دنیا تک ایک کے اوپر ایک سوار ہوکر (گویا) سیڑھیاں بنا لیتے ہیں اور چوری چھپے فرشتوں کی کچھ باتیں وہ سن لیتے ہیں فرشتے (مطلع ہوکر) ان پر آتشیں شعلے مارتے ہیں، کوئی انگارہ خطا نہیں جاتا۔ انگارہ پڑنے سے کوئی تو مرجاتا ہے کسی کا چہرہ یا پہلو یا ہاتھ یا کوئی اور حصہ حسب مشیت الٰہی جل جاتا ہے، کوئی بدحواس اور پاگل ہوجاتا ہے اور بھوت بن جاتا ہے جو زمین پر آکر جنگلوں میں مسافروں کو سیدھے راستہ سے بھٹکاتا ہے۔

خدائی فیصلہ پر فرشتوں کی اطاعت اور شیطانوں کی چوری:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آسمان میں اللہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو اطاعت اور احترام کے زیر اثر فرشتے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے سے ہوتی ہے جب دلوں سے خوف دور ہوجاتا ہے تو (آپس میں) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا بلاشبہ حق ہے، وہی (سب سے) بزرگ و بالا ہے۔ چوری سے سننے والے ایک کے اوپر ایک لگے ہوتے ہیں چنانچہ (سب سے اوپر) چوری سے سننے والا کوئی بات سن پاتا ہے اور اپنے نیچے والے کو بتادیتا ہے اور نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو بتادیتا ہے اس طرح سب سے نیچے والا جادوگر یا کاہن کی زبان پر وہ بات لے آتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نیچے والے تک پہنچانے سے پہلے اوپر والے پر شعلہ آتشیں آپڑتا ہے اور کبھی آتشیں شعلہ پہنچنے سے پہلے وہ نیچے والے کو بتا چکتا ہے ساحر یا کاہن (اس ایک بات میں) سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے (جب وہ ایک بات جو کاہن کی زبان سے لوگ سنتے ہیں اور وہ واقع ہوجاتی ہے تو) کہا جاتا ہے کیا کاہن نے ہم سے ایسی ایسی بات پہلے ہی نہ کہہ دی تھی۔ چنانچہ اس ایک آسمانی بات کی وجہ سے کاہن کی دوسری خرافات کی بھی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور وہاں اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہوچکا ہوتا ہے کوئی شیطان اس کو چوری سے سن پاتا ہے اور جاکر کاہن کے دل میں ڈال دیتا ہے ،کاہن اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کردیتے ہیں یہ روایت بخاری کی بھی ہے اور بغوی کی بھی۔ سند میں فرق ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہاب ثاقب:

ان آیات سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ شیاطین کی رسائی آسمانوں تک نہیں ہوسکتی ابلیس لعین کا تخلیق آدم علیہ السلام کے وقت آسمانوں میں ہونا اور آدم وحوا علیہما السلام کو دھوکہ میں مبتلا کرنا وغیرہ یہ سب آدم علیہ السلام کے زمین پر نزول سے پہلے کے واقعات ہیں، اس وقت تک جنات وشیاطین

کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع نہیں تھا نزول آدم علیہ السلام اور اخراج شیطان کے بعد سے یہ داخلہ ممنوع ہوا۔ سورۂ جن کی آیات میں جو یہ مذکور ہے۔

اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تک شیاطین آسمانوں کی خبریں فرشتوں کی باہمی گفتگو سے سن لیا کرتے تھے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیاطین آسمانوں میں داخل ہوکر سنتے تھے، نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ کے الفاظ سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے کہ چوروں کی طرح آسمانی فضا میں جہاں بادل ہوتے ہیں چھپ کر بیٹھ جاتے اور سن لیا کرتے تھے ان الفاظ سے خود بھی مترشح ہوتا ہے کہ قبل بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جنات وشیاطین کا داخلہ آسمانوں میں ممنوع ہی تھا مگر فضاء آسمانی تک پہنچ کر چوری سے کچھ سن لیا کرتے تھے بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حفاظت وحی کا یہ مزید سامان ہوا کہ شیاطین کو اس چوری سے بھی بذریعہ شہاب ثاقب روک دیا گیا۔

مسئلہ: رہا یہ سوال کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں کی گفتگو کو آسمانوں سے باہر شیاطین کس طرح سن سکتے تھے، سو یہ کوئی ناممکن چیز نہیں بہت ممکن ہے کہ اجرام سماویہ سماعت اصوات سے مانع نہ ہوں اور یہ بھی بعید نہیں کہ فرشتے کسی وقت آسمانوں سے نیچے اتر کر باہم ایسی گفتگو کرتے ہوں جس کو شیاطین سن بھاگتے تھے، صحیح بخاری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی حدیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے کہ فرشتے آسمان سے نیچے جہاں بادل ہوتے ہیں کبھی کسی وقت یہاں تک اترتے ہیں اور آسمانی خبروں کا باہمی تذکرہ کرتے ہیں شیاطین اسی فضاء آسمانی میں چھپ کر یہ خبریں سنتے تھے جن کو شہاب ثاقب کے ذریعہ بند کیا گیا، اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ سورۂ جن میں اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ کی تفسیر میں آئے گی۔

دوسرا مسئلہ: ان آیات میں شہاب ثاقب کا ہے قرآن کریم کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہاب حفاظت وحی کے لئے شیاطین کو مارنے کے واسطے پیدا ہوتے ہیں ان کے ذریعہ شیاطین کو دفع کیا جاتا ہے تاکہ وہ فرشتوں کی باتیں نہ سن سکیں۔

اس میں ایک اشکال تو یہ ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود کوئی نئی چیز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹنے کا مشاہدہ کیا جاتا تھا، اور بعد میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پیدا ہوتے ہیں جو کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اس سے تو بظاہر اسی بات کی تقویت ہوتی ہے جو فلاسفہ کا خیال ہے کہ شہاب ثاقب کی حقیقت اتنی ہی ہے کہ آفتاب کی تمازت سے جو بخارات زمین سے اٹھتے ہیں ان میں کچھ آتش گیر مادے بھی ہوتے ہیں اوپر جا کر جب ان کو آفتاب یا کسی دوسری وجہ سے مزید گرمی پہنچتی ہے تو وہ سلگ اٹھتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹا ہے اسی لئے محاورات میں اس کو ستارا ٹوٹنے ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے عربی زبان میں بھی اس کے لئے انقضاض کوکب کا لفظ استعمال ہوتا ہے جو اسی کا ہم معنی ہے۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں، زمین سے اٹھنے والے بخارات مشتعل ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ کسی ستارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے اور ایسا ہونا عام عادات کے مطابق ہمیشہ سے جاری ہو مگر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لے لیا گیا، کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو اس شعلے سے مارا جائے۔

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں یہی توجیہ بیان فرمائی ہے اور نقل کیا ہے کہ امام حدیث زہریؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟ فرمایا کہ ہاں، اس پر اس نے سورۂ جن کی مذکورہ آیت معارضہ کے لئے پیش کی تو فرمایا کہ شہاب ثاقب تو پہلے بھی تھے مگر بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب شیاطین پر تشدد کیا گیا تو ان سے شیاطین کے دفع کرنے کا کام لے لیا گیا۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایتؓ ابن عباسؓ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کے ایک مجمع میں تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم زمانہ جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ پیدا ہونے والا ہے یا کوئی بڑا آدمی مرے گا یا پیدا ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہاب ثاقب کے متعلق جو کچھ فلاسفہ نے کہا ہے وہ بھی قرآن کے منافی نہیں، اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ یہ شعلے براہ راست بعض ستاروں سے ٹوٹ کر گرائے جاتے ہوں مقصد قرآن دونوں صورتوں میں ثابت اور واضح ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیئے اس پر بوجھ (پہاڑ)

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲

اور اگائی اس میں ہر چیز اندازے سے

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

اور بنادیئے تمہارے واسطے اس میں معیشت کے اسباب اور وہ چیزیں جن کو

لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

تم روزی نہیں دیتے

توحید والوہیت کے دلائل:

یعنی نوکر چاکر حیوانات وغیرہ جن سے کام اور خدمت ہم لیتے ہیں اور روزی ان کی خدا کے ذمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے اس طرح ترجمہ کیا ہے ہم نے تمہارے اور ان کے لئے جن کے تم رازق نہیں ہو اسباب زندگانی پیدا کیے ہیں اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں اپنی ہستی کمال قدرت ہمہ گیر حکمت استحقاق الوہیت اور توحید ذاتی وصفاتی کے لئے مذکورہ اشیاء کی تخلیق کو پیش کیا ہے اور بندوں کو اپنے انعامات کی یاددہانی کی ہے تاکہ لوگ دوسروں کو اس کا شریک نہ بنائیں اور تنہا اسی کو معبود سمجھیں اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں کفران نعمت نہ کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا

اور ہر چیز کے ہمارے پاس خزانے ہیں اور

نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اتارتے ہیں ہم اندازۂ معین (ٹھہرے ہوئے اندازہ) پر

لامحدود خزانے:

یعنی جو چیز جتنی مقدار میں چاہے پیدا کرے نہ کچھ تعب ہوتا ہے نہ تکان ادھر ارادہ کیا ادھر وہ چیز موجود ہوئی، گویا تمام چیزوں کا خزانہ اس کی لامحدود قدرت ہوئی جس سے ہر چیز حکمت کے موافق ایک معین نظام کے ماتحت ٹھہرے ہوئے اندازہ پر بلاکم وکاست نکلی چلی آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم مثال: بغوی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا، خشکی اور سمندر میں اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے سب کی تمثال عرش میں ہے اور آیت وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ کی یہی تفسیر ہے۔ میں کہتا ہوں شاید امام کی مراد عرش سے عالم مثال ہے جس طرح انسان کا محل خیال دماغ ہے، (اور وجود خارجی وجود خیالی کے ظہور خارجی کا نام ہے) اسی طرح عالم کبیر (کے ظہور خارجی) کا محل عالم مثال ہے اور محل تمثال عرش ہے۔

بارش: بعض علماء کا قول ہے کہ خزائن سے مراد بارش ہے بارش ہر چیز کا خزانہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ. روایت میں آیا ہے کہ آسمان سے جو قطرہ اترتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ ضرور ہوتا ہے یہ فرشتہ اس بوند کو اس جگہ تک ضرور پہنچاتا ہے جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ

اور چلائیں ہم نے ہوائیں اوس (بوجھل کرنیوالی ابر کی) بھری پھر

مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ج

اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا

میٹھے پانی کی بارش:

یعنی برساتی ہوائیں بھاری بھاری بادلوں کو پانی سے بھر کر لاتی ہیں ان سے پانی برستا ہے جو نہروں چشموں اور کنوؤں میں جمع ہو کر تمہارے کام آتا ہے خدا چاہتا تو اسے پینے کے قابل نہ چھوڑتا، لیکن اس نے اپنی مہربانی سے کس قدر شیریں اور لطیف پانی تمہارے بارہ مہینہ پینے کیلئے زمین کے مسام میں جمع کر دیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اللہ ہوا کو بھیجتا ہے ہوا پانی کو اٹھا کر لاتی ہے۔ بادل پانی کو لے کر ہوا کی وجہ سے چلتا ہے اور اونٹنی کے دودھ دینے کی طرح پانی برستا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لواقح جنوبی ہوائیں ہیں۔ بعض آثار صحابہ میں آتا ہے جب بھی جنوبی ہوا چلتی ہے انگور کے خوشے (ساتھ) اٹھا کر لاتی ہے اور ریح عقیم عذاب کو لاتی ہے پھل نہیں پیدا کرتی۔

آندھی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

بغوی نے امام شافعیؒ وطبرانی کی سند سے حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے کہ جب کبھی کوئی تیز ہوا چلتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً دوزانو بیٹھ کر دعا کرتے تھے، اے اللہ اس کو رحمت بنا دے عذاب نہ بنا، اے اللہ اسکو رحمت کی ہوائیں کر دے، عذاب کی آندھی نہ کر دینا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں رحمت کی ہواؤں کے لئے لفظ ریاح بصیغہ جمع اور عذاب کی آندھی کے لئے لفظ ریح استعمال فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

جنوبی ہوا: ابن جریر میں بسند ضعیف ایک حدیث مروی ہے کہ جنوبی ہوا جنتی ہے، اس میں لوگوں کے منافع ہیں اور اسی کا ذکر کتاب اللہ میں ہے، مسند حمیدی کی حدیث میں ہے کہ ہواؤں کے سات سال بعد خدا تعالیٰ نے جنت میں ایک ہوا پیدا کی ہے، جو ایک دروازے سے رکی ہوتی ہے۔ اسی بند دروازے سے تمہیں ہوا پہنچتی رہتی ہے، اگر وہ کھل جائے تو زمین وآسمان کی تمام چیزیں ہوا سے الٹ پلٹ ہو جائیں۔ خدا تعالیٰ کے ہاں اس کا نام اذیب ہے، تم اسے جنوبی ہوا کہتے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سمندری پانی کھارا کیوں ہے:

سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انتہائی کھارا

اور ایسا نمکین بنایا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ عظیم الشان پانی کا کرہ جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے اور اسی میں مرتے اور سڑتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر پڑتا ہے اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا، اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی تندرستی اور زندگی بھی مشکل ہو جاتی، اس لئے قدرت نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنا دیا کہ دنیا بھر کی غلاظتیں اس میں پہنچ کر بھسم ہو جاتی ہیں غرض اس حکمت کی بناء پر سمندر کا پانی کھارا بلکہ تلخ بنایا گیا جو نہ پیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے پیاس بجھ سکتی ہے، نظام قدرت نے جو پانی کے ہوائی جہاز بادلوں کی شکل میں تیار کئے ان کو صرف سمندری پانی کا خزانہ ہی نہیں بنایا، بلکہ مان سون اٹھنے سے لے کر زمین پر برسنے تک اس میں ایسے انقلابات بغیر کسی ظاہری مشین کے پیدا کر دیئے کہ اس پانی کا نمک علیحدہ ہو کر میٹھا پانی بن گیا۔

اندازہ لگائیے کہ اگر ایسا کیا جاتا تو ہر انسان اتنی ٹنکیاں یا برتن وغیرہ کہاں سے لاتا جن میں تین یا چھ مہینہ کی ضرورت کا پانی جمع کر کے رکھ لے، اور اگر وہ کسی طرح ایسا کر بھی لیتا تو ظاہر ہے کہ چند روز کے بعد یہ پانی سڑ جاتا اور پینے بلکہ استعمال کرنے کے بھی قابل نہ رہتا۔ اس لئے قدرت الٰہیہ نے اس کے باقی رکھنے اور بوقت ضرورت ہر جگہ مل جانے کا ایک دوسرا عجیب وغریب نظام بنایا، کہ جو پانی برسایا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ تو فوری طور پر درختوں، کھیتوں اور انسانوں اور جانوروں کو سیراب کرنے میں کام آ ہی جاتا ہے، کچھ کھلے تالابوں، جھیلوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے بہت بڑے حصہ کو برف کی شکل میں بحر منجمد بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے جہاں تک نہ گرد وغبار کی رسائی ہے نہ کسی غلاظت کی۔ جہاں سے تھوڑا تھوڑا رس کر وہ پہاڑوں کی رگوں میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھر چشموں کی صورت میں ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور جہاں یہ چشمے بھی نہیں ہیں تو وہاں زمین کی تہہ میں یہ پانی انسانی رگوں کی طرح زمین کے ہر خطہ پر بہتا ہے اور کنواں کھودنے سے برآمد ہونے لگتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور تمہارے پاس نہیں اس کا خزانہ

یعنی نہ اوپر بارش کے خزانہ پر تمہارا قبضہ ہے نہ نیچے چشمے اور کنویں تمہارے اختیار میں ہیں، خدا جب چاہے بارش برسائے نہ تم روک سکتے ہو نہ اپنے حسب خواہش لا سکتے ہو اور اگر کنوؤں اور چشموں کا پانی خشک کر دے یا زیادہ نیچے اتار دے کہ تمہاری دسترس سے باہر ہو جائے تو کیسے قابو حاصل کر سکتے ہو۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم ہی ہیں جلانے والا اور مارنے والے اور ہم ہی ہیں پیچھے رہنے والے

یعنی دنیا فنا ہو جائیگی، ایک خدا اپنی کامل صفات کے ساتھ باقی رہے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، ''ہر کوئی مر جاتا ہے اور اس کی کمائی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔''

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ

اور ہم نے جان رکھا ہے آگے بڑھنے والوں کو تم میں سے

عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو

یعنی اگلا پچھلا کوئی شخص یا اس کے اعمال ہمارے احاطہ علمی سے باہر نہیں حق تعالیٰ کو ازل سے ہر چیز کا تفصیلی علم ہے، اسی کے مطابق دنیا میں پیش آتا ہے اور اسی کے موافق آخرت میں تمام مخلوق کا انصاف کیا جائیگا۔

(تنبیہ) آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے، ولادت میں ہو یا موت میں، یا اسلام میں، یا نیک کاموں میں، صفوف صلوٰۃ میں آگے پیچھے رہنا بھی نیک کام کے ذیل میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک خوبصورت عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی۔ کچھ لوگ اگلی صف میں بڑھ گئے تا کہ نماز میں (رکوع میں بھی) عورت پر نظر نہ پڑے اور کچھ لوگ اتنے پیچھے ہو گئے کہ آخری صف میں پہنچ گئے ان میں سے بعض لوگ رکوع میں گئے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے عورت کو دیکھنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی، (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان، حاکم، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

صف اوّل کی فضیلت:

قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اسی آیت سے نماز میں صف اول اور شروع وقت میں نماز ادا کرنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اذان کہنے اور نماز کی صف اول میں کھڑے ہونے کی کتنی بڑی فضیلت ہے تو تمام آدمی اس کی کوشش میں لگ جاتے کہ پہلی ہی صف میں کھڑے ہوں اور سب کے لئے جگہ نہ ہوتی تو قرعہ اندازی کرنا پڑتی۔

قرطبی نے اس کے ساتھ حضرت کعبؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ جب وہ سجدے میں جاتے ہیں تو جتنے آدمی اس کے پیچھے ہیں سب کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضرت کعبؓ آخری صف میں رہنا پسند کرتے تھے کہ شاید اگلی صفوف میں اللہ کا کوئی بندہ اس شان کا ہو تو اس کی برکت سے میری مغفرت ہو جائے، انتہی کلامہ،

اور ظاہر یہ ہے کہ اصل فضیلت تو صفِ اول ہی میں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۲۵

اور تیرا رب وہی اکٹھا کر لائے گا ان کو بے شک وہی ہے حکمتوں والا خبردار

سب زندہ کئے جائیں گے:

یعنی ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ جب اس کی حکمت مقتضی ہوگی کہ سب کو بیک وقت انصاف کیلئے اکٹھا کیا جائے تو کچھ دشواری نہ ہوگی، قبر کی مٹی جانوروں کے پیٹ، سمندر کی تہ، ہوائی فضا میں یا جہاں کہیں کسی چیز کا کوئی جز ہوگا وہ اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے جمع کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس چیز پر مریگا اللہ اسی چیز پر اس کو اٹھائے گا (رواہ احمد والحاکم والبیہقی) ضمیر ہو کا اضافہ بتا رہا ہے کہ اللہ ہی قادر اور سب لوگوں کو اٹھانے کا تنہا ذمہ دار ہے اس فعل میں اس کا کوئی شریک نہیں، حکیم ہے یعنی اس کی حکمت نمایاں اور اس کی ہر صفت محکم ہے۔ علیم ہے یعنی اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ

اور بنایا ہم نے آدمی کو کھنکھناتے (بجنے والی مٹی سے) سنے ہوئے

مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۶

(جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) گارے سے

آیات انفسیہ:

آیات آفاقیہ کے بعد بعض آیات انفسیہ کو بیان فرماتے ہیں جس کے ضمن میں شاید یہ تنبیہ بھی مقصود ہے کہ جس ذات منبع الکمالات نے تم کو ایسے انوکھے طریقہ سے اول پیدا کیا دوبارہ پیدا کر کے ایک میدان میں جمع کر دینا کیا مشکل ہے۔

کھنکھناتی مٹی اور گارے سے پیدا کرنا:

(تنبیہ) آدمی کی پیدائش کے متعلق یہاں دو لفظ فرمائے ''صلصال'' (بجنے والی کھنکھناتی مٹی جو آگ میں پکنے سے اس حالت کو پہنچتی ہے اسی کو دوسری جگہ ''کالفخار'' فرمایا) اور ''حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ'' (سڑا ہوا گارا جس سے بو آتی ہو) خیال یہ ہوتا ہے کہ اول سنے ہوئے گارے سے آدم کا پتلا تیار کیا۔ پھر جب خشک ہو کر اور پک کر کھن کھن بجنے لگا۔ تب مختلف تطورات کے بعد اس درجہ پر پہنچا کہ انسانی روح پھونکی جائے۔ روح المعانی میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ''کانه سبحانه افرغ الحما فصور من ذلک تمثال انسان اجوف فیبس حتی اذا نقر صوت ثم غیرہٗ طورا بعد طور حتی نفخ فیه من روحه فتبارک الله احسن الخالقین۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں مٹی پانی میں ترکی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی۔ وہی بدن ہوا انسان کا۔ اس کی خاصیتیں سختی اور بوجھ اس میں رہ گئیں اسی طرح گرم ہوا کی خاصیت (حدت وخفت) جن کی پیدائش میں رہی۔ راغب اصفہانی نے ایک طویل مضمون کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ ''حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ'' اور ''طین لازب'' وغیرہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ مٹی اور پانی کو ملا کر ہوا سے خشک کیا اور ''فخار'' کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ کسی درجہ میں آگ سے پکایا گیا یہی ناری جز آدمی کی شیطنت کا منشاء ہے اسی مناسبت سے ایک جگہ فرمایا ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ'' راغب کا یہ مضمون بہت طویل اور دلچسپ ہے افسوس ہے ہم اس کا خلاصہ بھی یہاں درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صلصال وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اس کو (اس کی جگہ سے) ہلایا جاتا ہے تو کھڑ کھڑ کی آواز دیتی ہے۔ مجاہد نے کہا بدبودار کیچڑ کو صلصال کہتے ہیں۔ صل اللحم اور اصل اللحم گوشت بدبودار ہو گیا۔ صلصال اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ حما دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی کے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ مسنون پتلا جس میں صورت بنادی گئی ہو۔ یہ لفظ سننت الوجه سے ماخوذ ہے۔ شروع میں مٹی، تراب، خاک پھر پانی میں گوندھے جانے کے بعد طین (کیچڑ) پھر ایک مدت تک یونہی رہنے کے بعد حما (لیسدار کیچڑ یا دلدل) پھر اس کا خلاصہ اور جوہر نکال لیا جائے تو اس کو سلالہ (خلاصہ) کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں نقوش صورت بنا دیئے جائیں (پتلا بنا دیا جائے) تو اس کو مسنون کہتے ہیں اور مسنون خشک ہو جائے تو اس کو صلصال کہتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا، مسنون خراب بدبودار یہ لفظ سننت الحجر علی الحجر سے ماخوذ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝۲۷

اور جان (جنوں کو) کو بنایا ہم نے اس سے پہلے لو کی آگ سے

جنات کا خمیر:

یعنی لطیف آگ ہوا ملی ہوئی کما قال وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن رکوع ۱) یا یوں کہو تیز ہوا جو آگ کی طرح جلانے والی ہو، جسے ہمارے یہاں ''لُو'' کہتے ہیں۔ بہرحال آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ترابی غالب تھا اور جنوں کا باپ اس مادہ سے پیدا

ہوا جس میں ناری عنصر کا غلبہ تھا، ابلیس بھی اسی قسم میں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

الجان (میں لام جنسی ہے) الانسان کی طرح جنس ہے۔ جب ایک شخص سے نکلے ہوئے مختلف افراد اسی جنس کے ہوں اور اس شخص کو کسی خاص مادہ سے بنایا گیا ہو تو تمام افراد کا قوام اسی اصلی مادہ سے مانا جائے گا (پس ابوالجن کو جب آگ کے مادہ سے بنایا گیا تو اس کی ساری نسل کو بھی اسی اصلی مادہ سے بنا ہوا کہا جائے گا اگرچہ اولاد کا سلسلہ تناسلی ہوگا براہ راست آگ سے ان کو نہیں بنایا گیا ہوگا)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، الجان سے مراد ہے تمام جنات کا باپ جیسے حضرت آدم تمام انسانوں کے باپ تھے، قتادہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ الجان جنات کا باپ ہے اور شیاطین کا باپ ابلیس ہے۔ جنات میں کچھ مسلمان ہیں کچھ کافر، مرتے بھی ہیں پیدا بھی ہوتے ہیں اور شیاطین میں سے کوئی بھی مسلم نہیں نہ کسی کو موت آتی ہے جب ابلیس مرے گا تو اس کے ساتھ سب مریں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناؤں گا ایک بشر کھنکھناتے
مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا
(بجنے والی مٹی سے جو بنی ہے سڑے ہوئے گارے سے) سنے ہوئے
سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا
گارے سے پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں
لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾
اپنی جان سے تو گر پڑیو اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے

آدم کیلئے سجدہ کا حکم:

یعنی آدم کا پتلا ٹھیک کر کے اس قابل کر دوں کہ روح انسانی فائض کی جا سکے پھر اس میں جان ڈال دوں جس سے ایک جماد انسان بن جاتا ہے، اس وقت تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ کہ سب سجدہ میں گر پڑو۔

روح کی نسبت اللہ کی طرف:

(تنبیہ): "روح" (جان) کی اضافت جو اپنی طرف کی یہ محض تشریف وتکریم اور روح انسانی کا امتیاز ظاہر کرنے کیلئے ہے۔ یعنی وہ خاص "جان" جس میں نمونہ ہے میری صفات (علم وتدبیر وغیرہ) کا، اور جو اصل فطرت سے مجھے یاد کرنے والی اور بسبب خصوصی لطافت کے مجھ سے نسبۃً قریبی علاقہ رکھنے والی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے دوسرے عنوان سے اس اضافت پر روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں اگر آفتاب کو قوت گویائی مل جائے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے نور کا فیض زمین کو پہنچایا، تو کیا یہ لفظ (اپنا نور) غلط ہوگا؟ جب یہ کہنا صحیح ہے حالانکہ نہ آفتاب زمین میں حلول کرتا ہے نہ اس کا نور اس سے جدا ہوتا ہے بلکہ زمین سے لاکھوں میل دور رہ کر بھی روشنی کی باگ اسی کے قبضہ میں ہے، زمین کا کچھ اختیار نہیں چلتا بجز اس کے کہ اس سے بقدر اپنی استعداد کے نفع حاصل کرتی رہے، تو وراء الوراء خدا کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم میں اپنی روح پھونکی حلول واتحاد وغیرہ کی دلیل کیسے بن سکتی ہے۔ "روح" کے متعلق مناسب کلام ان شاء اللہ آئندہ۔ "وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" میں کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آدمؑ جہت سجدہ تھے:

اللہ نے آدم کو ملائکہ کا قبلہ سجود بنایا جیسے کعبہ کو قبلہ عبادت انسانوں کے لئے قرار دیا۔ کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا بلکہ کعبہ کو تجلیات وانوار سے چونکہ ایک خصوصیت ہے اس لئے اس کو جہت سجدہ بنایا پس اسی طرح فرشتوں کے لئے سجدہ کی جہت بنا دیا مسجود لہ نہیں بنایا۔ (تفسیر مظہری)

روح کیا ہے:

امام غزالیؒ، امام رازیؒ، اور عموماً صوفیہ اور فلاسفہ کا قول یہ ہے کہ وہ جسم نہیں بلکہ جوہر مجرد ہے امام رازی نے اس کے بارہ دلائل پیش کئے ہیں۔ مگر جمہور علماء امت روح کو ایک جسم لطیف قرار دیتے ہیں۔ نفخ کے معنی پھونک مارنے کے ہیں۔ اگر بقول جمہور روح کو جسم لطیف قرار دیا جائے تو اس کو پھونکنا ظاہر ہے اور جوہر مجرد مان لیا جائے تو پھونکنے کے معنی اس کا بدن سے تعلق پیدا کر دینا ہوگا۔ (بیان القرآن)

روح اور نفس کے متعلق حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

یہاں اس طویل الذیل بحث کو چھوڑ کر ایک خاص تحقیق پر اکتفاء کیا جاتا ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تحریر فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ روح کی دو قسم ہیں، علوی اور سفلی، روح علوی مادہ سے مجرد اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے۔ جس کی حقیقت کا ادراک مشکل ہے۔ اہل کشف کو اس کا اصل مقام عرش کے اوپر دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ وہ عرش سے زیادہ لطیف ہے اور روح علوی بنظر کشفی اوپر نیچے پانچ درجات میں محسوس کی جاتی ہے وہ پانچ یہ ہیں، قلب، روح، سر، خفی، اخفی اور یہ سب عالم امر کے لطائف میں سے ہیں، جس کی طرف قرآن کریم نے اشارہ فرمایا ہے۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ اور روح سفلی وہ بخار لطیف ہے جو بدن انسانی کے عناصر اربعہ آگ، پانی، مٹی، ہوا، سے پیدا ہوتا ہے، اور اسی

روح سفلی کو نفس کہا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس روح سفلی کو جسے نفس کہا جاتا ہے، ارواح علویہ مذکورہ کا آئینہ بنادیا ہے، جس طرح آئینہ جب آفتاب کے مقابل کیا جائے تو آفتاب کے بہت بعید ہونے کے باوجود اس میں آفتاب کا عکس آجاتا ہے، اور روشنی کی وجہ سے وہ بھی آفتاب کی طرح چمک اٹھتا ہے اور آفتاب کی حرارت بھی اس میں آجاتی ہے۔ جو کپڑے کو جلا سکتی ہے، اسی طرح ارواح علویہ اگر چہ اپنے تجرد کی وجہ سے بہت اعلیٰ وارفع اور بہت مسافت بعیدہ پر ہیں مگران کا عکس اس روح سفلی کے آئینہ میں آکر ارواح علویہ کی کیفیات وآثار اس میں منتقل کر دیتا ہے۔ اور یہی آثار جو نفوس میں پیدا ہوجاتے ہیں ہر ہر فرد کے لئے ارواح جزئیہ کہلاتے ہیں۔

پھر یہ روح سفلی جس کو نفس کہتے ہیں اپنی ان کیفیات وآثار کے ساتھ جن کو ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے، اس کا تعلق بدن انسانی میں سب سے پہلے مضغہ قلبیہ سے ہوتا ہے اور اس تعلق ہی کا نام حیات اور زندگی ہے روح سفلی کے تعلق سے سب سے پہلے انسان کے قلب میں حیات اور وہ ادراکات پیدا ہوتے ہیں جن کو نفس نے ارواح علویہ سے حاصل کیا ہے۔ یہ روح سفلی پورے بدن میں پھیلی ہوئی باریک رگوں میں سرایت کرتی ہے جن کو شرائین کہا جاتا ہے اور اس طرح وہ تمام بدن انسانی کے ہر حصہ میں پہنچ جاتی ہے۔

روح سفلی کے بدن انسانی میں سرایت کرنے ہی کو نفخ روح سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہ کسی چیز میں پھونک بھرنے سے بہت مشابہ ہے۔

اور آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کر کے مِنْ رُّوْحِيْ اسی لئے فرمایا ہے کہ تمام مخلوقات میں روح انسانی کا اشرف واعلیٰ ہونا واضح ہوجائے کیونکہ وہ بغیر مادہ کے محض امر الٰہی سے پیدا ہوئی ہے نیز اس میں تجلیات رحمانیہ کے قبول کرنے کی ایسی استعداد ہے جو انسان کے علاوہ کسی دوسرے جاندار کی روح میں نہیں ہے۔

اور انسان کی پیدائش میں اگر چہ عنصر غالب مٹی کا ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، لیکن درحقیقت وہ دس چیزوں کا جامع ہے جن میں پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی، عالم خلق کے چار عنصر، آگ، پانی، مٹی، ہوا اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے۔ اور عالم امر کی پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یعنی قلب، روح، سر، خفی، اخفی۔

اسی جامعیت کے سبب انسان خلافت الٰہیہ کا مستحق بنا، اور نور معرفت اور نار عشق ومحبت کا متحمل ہوا، جس کا نتیجہ بے کیف معیت الٰہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: المرء مع من احب "یعنی ہر انسان اس فرد کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے"۔

اور انسان میں تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور معیت الٰہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی کی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے، ارشاد ہوا فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔

حکم سجدہ فرشتوں کو ہوا تھا ابلیس اس میں تبعاً شامل قرار دیا گیا

سورۂ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے

مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، اسی لئے اس سورت کی جو آیات ابھی آپ نے پڑھی ہیں جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اصالۃً یہ حکم فرشتوں کو دیا گیا، مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں کے اندر موجود تھا، اس لئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا، کیونکہ آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کے لئے جب اللہ تعالیٰ کی بزرگ ترین مخلوق فرشتوں کو حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق کا تبعاً اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر تھا، اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد نہیں ہوتا، اور شاید قرآن کریم کے الفاظ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہو کہ ابی ان یسجد کے بجائے اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ذکر فرمایا جس سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اصل ساجدین تو فرشتے ہی تھے، مگر عقلاً لازم تھا کہ ابلیس بھی جب ان میں موجود تھا تو وہ بھی ملائکہ ساجدین کے ساتھ شامل ہوجاتا، اس کے عدم شمول پر عتاب فرمایا گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ
تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سب نے مل کر مگر
اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾
ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ کرنے والوں کے
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ
فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ ساتھ نہ ہوا
السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ
سجدہ کرنے والوں کے بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو جس
خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾
کو تو نے بنایا کھنکھناتے (بجنے والی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

گارے سے) سنے ہوئے گارے سے فرمایا تو تو نکل یہاں سے

شیطان کا انکار:

یعنی جنت سے یا آسمان سے یا اس مقام عالی سے نکل جہاں اب تک پہنچا ہوا تھا۔ (تفسیر عثانی)

اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ مگر ابلیس نے سجدہ کرنیوالوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ابلیس معیت کو نہ سمجھ سکا اور نہ اس نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حکیم کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

ابلیس چونکہ ملائکہ میں سے نہ تھا جنات میں سے تھا، اللہ نے فرمایا ہے كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ۔ (تفسیر مظہری)

راجع یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو مؤمن ہو اس کو شیطان نہیں کہا جاسکتا ہے۔ جنات میں سے جو کافر ہے صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

نکتہ: خمیر کا اثر:

آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے اس لئے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خشوع وخضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت وعبودیت ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہو اس لئے کہ ہر شے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لئے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار و آثار کو نہ سمجھ سکا جس کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا۔ (معارف کاندھلوی)

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾

تجھ پر مار ہے

شیطان کی مردودیت:

یعنی مردود ومطرود ہے یا "رجیم" سے اشارہ اسی طرف ہو جو پہلے گزرا کہ شہب سے شیاطین کا رجم کیا جاتا ہے۔ گویا اس لفظ میں اس کے شبہ کا جواب دیا گیا کہ تیرا سجود سے انکار کرنا شرف عنصری کی بناء پر نہیں۔ فضل وشرف تو اسی کیلئے ہے جسے خدا تعالیٰ سرفراز فرمائے۔ ہاں تیرے اباء واستکبار کا منشاء وہ شقاوت، بدبختی ہے جو تیری سوء استعداد کی وجہ سے مقدر ہو چکی ہے۔ (تفسیر عثانی)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (اللہ نے) فرمایا (جب تو نے میرا فرمان نہیں مانا) تو (جنت یا آسمان یا ملائکہ کے گروہ سے) نکل جا بلاشبہ تو مردود ہے یعنی بھلائی اور اعزاز سے نکالا اور دھتکارا ہوا ہے۔ رجیم سنگسار کیا ہوا پتھروں سے مارا ہوا جو (اللہ کی بارگاہ سے) مطرود ہو جائے وہ سنگسار کیا جائے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ اگر تو آسمان سے قریب آیا تو تجھ پر انگارے برسائے جائیں گے ٹوٹے ہوئے تارے تجھ پر (پتھروں کی طرح) پڑیں گے۔

اعتراض کا جواب:

شیطان کے لئے اس آیت میں وعید بھی اور اس کے اعتراض کا در پردہ جواب بھی ہے ابلیس کا اعتراض یہ تھا کہ میں تخلیقاً افضل ہوں آدم مجھ سے ادنیٰ ہے۔ اور ادنیٰ کے سامنے افضل کو سربسجود ہو جانے کا حکم مناسب نہیں۔ جواب یہ ہے کہ فضیلت اور برتری کا مدار اللہ کے حکم کی تعمیل پر ہے (اجزاء تخلیقی پر نہیں) جو نافرمان ہوگا وہ بھلائی سے محروم ہو جائے گا اور نکالا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾

اور تجھ پر پھٹکار ہے اس دن تک کہ انصاف ہو

شیطان پر دائمی لعنت:

یعنی قیامت کے دن تک خدا کی پھٹکار اور بندوں کی طرف سے لعنت پڑتی رہے گی۔ اس طرح آناً فاناً خیر سے بعید تر ہوتا رہے گا، جب قیامت تک توفیق خیر کی نہ ہوگی تو اس کے بعد تو کوئی موقع ہی نہیں کیونکہ آخرت میں ہر شخص وہ ہی کاٹے گا جو یہاں بویا ہے۔ یا یوں کہو کہ قیامت کے دن تک لعنت رہے گی۔ اس کے بعد جو بیشمار قسم کے عذاب ہونگے، وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں یا "اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ" کا لفظ دوام سے کنایہ ہو۔ (تفسیر عثانی)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور روز جزا تک تجھ پر لعنت یقینی ہے۔ روز جزاء پر پھٹکار اور لعنت کی انتہاء ہے اس کے بعد اعمال کی (اخروی) سزا و جزا ہوگی اور لعنت اخروی کے عذاب کا وقت آجائے گا یا یہ مطلب ہے کہ روز جزا تک تو لعنت ہوگی اور اس کے بعد ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس کی موجودگی میں دنیوی لعنت بھول جائے گی۔

بعض نے کہا (لعنت کو یوم الدین تک جاری رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے) طویل ترین مدت کے لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت تک یہ بات ہوتی رہے گی یا نہ ہوگی۔ (اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قیامت کے بعد اس کے خلاف ہوگا بلکہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے کی ایک طویل ترین مدت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مردے زندہ ہوں

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی اسی مقرر وقت کے دن تک

شیطان کو مہلت ملنا:

یعنی اس وقت تک تجھے ڈھیل دی جاتی ہے جی کھول کر ارمان نکال لے اس واقعہ کی تفصیل "بقرۃ" اور "اعراف" میں گزر چکی ہے۔ ہم نے "اعراف" کے دوسرے رکوع میں اسکے اجزاء پر جو کچھ کلام کیا ہے اسے ملاحظہ کرلیا جائے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ تو مہلت یافتہ گروہ میں سے تو بیشک ہوگا (لیکن یہ مہلت زندگی) معلوم وقت کے دن تک (ہوگی) یعنی اس وقت تک مہلت زندگی ہوگی جو اللہ کو معلوم ہے۔ مراد یہ ہے کہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک جس سے سب مخلوق مرجائے گی تجھے مہلت ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت تک جس سے لوگ اٹھائے جائیں گے مہلت نہیں دی جاسکتی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں مرتبہ صور پھونکے جانے کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی اسی مدت میں ابلیس کی موت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾

بولا اے رب جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھودیا میں بھی ان سب کو بہاریں دکھلاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھودوں گا ان سب کو مگر جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں

شیطان کے جذبات:

یعنی دنیا کی بہاریں دکھلا کر خواہشات نفسانی کے جال میں پھنساؤنگا اور تیرے مخصوص ومنتخب بندوں کے سوا سب کو راہ حق سے ہٹا کر رہونگا۔ یہ کلمات لعین نے جوش انتقام میں کہے۔ مطلب یہ تھا کہ آپ کا تو کچھ بگاڑ نہیں سکتا، لیکن جس کی وجہ سے میں دور پھینکا گیا ہوں۔ اپنی قدرت اور بساط کے موافق اس کی نسلوں تک سے بدلہ لیکر چھوڑوں گا۔ سورۂ "اعراف" میں اس موضوع پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے ملاحظہ کیا جائے۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ﴿۴۱﴾

فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک سیدھی

شیطان سے محفوظ بندے:

یعنی بیشک بندگی اور اخلاص کی راہ سیدھی میرے تک پہنچتی ہے اور یہی میرا صاف اور سیدھا راستہ ہے جس میں کوئی ہیر پھیر نہیں کہ جو بندے عبودیت واخلاص کی راہ اختیار کرینگے وہی شیطان لعین کے تسلط سے مامون رہیں گے۔ اور جو ملعون کی پیروی کرینگے اس کے ہمراہ دوزخ میں جائینگے۔ بعض مفسرین نے "هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ" کو تہدید پر حمل کیا ہے۔ یعنی او ملعون! لوگوں کو صراط مستقیم سے گمراہ کرکے کہاں بھاگے گا وہ کونسا راستہ ہے جو ہماری طرف نہ جاتا ہو۔ پھر ہماری سزا سے بچ کر کدھر جاسکتا ہے اس وقت کلام ایسا ہوگا جیسے کہتے ہیں "افعل ماشئت فطریقک علی" اور قرآن میں دوسری جگہ فرمایا "اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ" واللہ اعلم۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾

جو میرے بندے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں مگر جو تیری راہ چلا بہکے ہوؤں میں

یعنی بیشک چنے ہوئے بندوں پر جن کا ذکر اوپر ہوا تیرا کچھ زور نہ چلے گا۔ یا یہ مطلب ہو کہ کسی بندے پر بھی تیری زبردستی نہیں چل سکتی۔ ہاں جو خود ہی بہک کر اپنی جہالت وحماقت سے تیرے پیچھے ہولیا وہ اپنے اختیار سے خراب وبرباد ہوا۔ جیسے پہلے خود شیطان کا مقولہ گزر چکا۔ "وَمَا کَانَ لِیَ عَلَیْکُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُکُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ" (ابراہیم رکوع ۴)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور دوزخ پر وعدہ ہے ان سب کا

شیطان اور اس کے پیروکاروں کا انجام:

یعنی تیرے اور تیرے ساتھیوں کیلئے دوزخ کا جیل خانہ تیار ہے تم سب اسی گھاٹ میں اتارے جاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کے دروازے اور ان سے بچاؤ:

ترمذی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں سب سے زیادہ غم آگیں کرب آفریں اور حزن آلود اور متعفن ترین دروازہ ان زنا کاروں کے لئے ہوگا جنہوں نے جانتے ہوئے زنا کا ارتکاب کیا ہوگا۔ بیہقی نے خلیل بن مروہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر تبارک الذی اور حم السجدہ پڑھے نہیں سوتے تھے اور فرماتے تھے، حم والی سورتیں سات ہیں اور دوزخ کے بھی سات طبقات ہیں۔ جہنم، حطمہ، لظی، سقر، سعیر، ہاویہ، جحیم۔ قیامت کے دن ان (حم والی سورتوں) میں سے حم السجدہ آکر ان طبقات کے دروازہ پر کھڑی ہو جائیگی اور عرض کرے گی اے اللہ جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھے پڑھتا تھا وہ اس میں داخل نہ ہو۔

حضرت سلمان فارسیؓ پر خوف کا غلبہ:

ثعلبی کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ سنی تو بدحواس ہو کر بھاگے اور اسی حالت میں تین روز بھاگتے رہے آخر (پکڑ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (فرار کا سبب) دریافت فرمایا حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ نازل ہوئی تو قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچ کا حامل بنا کر بھیجا ہے میرا دل اس سے پارہ پارہ ہوگیا۔ (تفسیر مظہری)

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ
اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے واسطے ان میں سے
جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾
ایک فرقہ ہے بانٹا ہوا

جہنم کے سات طبقات:

بعض سلف نے ''سبعۃ ابواب'' سے دوزخ کے سات طبقے اوپر نیچے مراد لئے ہیں، چنانچہ ان کے نام ابن عباسؓ نے یہ بتلائے ہیں۔ جہنم، سعیر، لظی، حطمہ، سقر، جحیم، ہاویہ اور لفظ جہنم ایک خاص طبقہ اور مجموعہ طبقات دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں، جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہونگے۔ واللہ اعلم۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے، ویسے دوزخ کے سات دروازے ہیں بدعمل والوں پر بانٹے ہوئے۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لئے ہے کہ بعضے موحدین نرے فضل سے جنت میں جائینگے بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں''۔ (تفسیر عثمانی)

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ۔ اس (جہنم) کے سات دروازے ہیں۔ ہناد، ابن مبارک اور امام احمد نے الزہد میں اور ابن جریر وابن ابی الدنیا نے صفت النار (دوزخ کی حالت کا بیان) میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر اور انگلیوں کو الگ الگ کر کے فرمایا، دوزخ کے دروازے اسی طرح ہوں گے یعنی ہر دروازہ کے اوپر دروازہ ہوگا (اس طرح دوزخ کی سات منزلیں اور درجات ہوں گے) اول پہلی منزل بھر دی جائے گی پھر دوسری پھر تیسری پھر چوتھی پھر پانچویں پھر چھٹی ساتویں۔

بغوی نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ نے جنت کو پھیلاؤ میں رکھا ہے (یعنی جنت کے اوپر جنت نہیں ہے) اور دوزخ کو ایک کو دوسرے کے اوپر بنایا ہے۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جہنم کے سات دروازے (یعنی درجے) ہیں ان میں سے ایک ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میری امت پر تلوار سونتی یا فرمایا محمد کی امت پر تلوار کھینچی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾
پرہیز گار ہیں باغوں میں اور چشموں میں

پرہیز گاروں کا انجام:

جو لوگ کفر وشرک اور معاصی وذنوب سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ حسب مراتب جنت کے باغوں میں رہیں گے جہاں بڑے قرینہ سے چشمے اور نہریں بہتی ہونگی شیطان کے متبعین کے بعد یہ عباد مخلصین کا انجام بیان فرمایا۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾
کہیں گے ان کو جاؤ ان میں سلامتی سے خاطر (بے کھٹکے) جمع سے

یعنی فی الحال تمام آفات وعیوب سے صحیح وسالم اور آئندہ ہمیشہ کیلئے ہر قسم کی فکر، پریشانی، گھبراہٹ اور خوف وہراس سے بے کھٹکے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا
اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی بھائی ہو گئے

جنت میں کینہ وحسد نہ ہوگا:

یعنی جنت میں پہنچ کر اہل جنت میں باہم کوئی گزشتہ کدورت باقی نہ رہے گی۔ بالکل پاک وصاف کر کے داخل کئے جائیں گے نہ وہاں ایک کو دوسرے پر حسد ہوگا، بلکہ بھائی بھائی ہو کر انتہائی محبت والفت سے رہیں گے۔ ہر ایک

دوسرے کو دیکھ کر مسرور و محظوظ ہوگا۔ اس کا کچھ بیان سورۂ اعراف آٹھویں پارہ کے اخیر ربع میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ:

ابونعیم نے الفتن میں اور سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی میں سے ہوں گے (یعنی جنت میں داخلہ سے پہلے اللہ ہماری آپس کی کشیدگیوں کو دور کردے گا۔ میں کہتا ہوں، یہ کشیدگی اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا گیا یہاں تک کہ آپ شہید کردیئے گئے اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں عبدالکریم بن رشید کی روایت نقل کی ہے کہ اہل جنت جنت کے دروازے تک پہنچیں گے تو ایک دوسرے کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھتا ہوگا لیکن اندر داخل ہوتے ہی اللہ ان کے سینوں سے کینہ نکال دے گا اور وہ بھائی بھائی ہوجائیں گے۔

حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم:

ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ بن حسینؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کا نزول ابوبکرؓ و عمرؓ کے حق میں ہوا۔ سوال کیا گیا ان دونوں میں کونسا کینہ تھا، فرمایا دور جاہلیت کا کینہ، بنی تمیم اور بنی عدی اور بنی ہاشم کے درمیان جاہلیت کے زمانہ میں کینہ تھا۔ جب یہ قبائل مسلمان ہوگئے تو باہم محبت کرنے لگے (ایک بار) حضرت ابوبکرؓ کو کمر کی کچھ تکلیف ہوگئی تو حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے گدی گرم کر کے حضرت ابوبکرؓ کی کمر کو سینکا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے، پہلے چشمہ سے وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخر تک موجود رہا وہ سب دھل جائے گی اور سب کے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا ہوجائیگی۔ کیونکہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف و عذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

کینہ اور بغض کی مذمت:

اور حدیث صحیح میں جو یہ وارد ہوا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کینہ کسی مسلمان سے ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ اس سے مراد وہ کینہ اور بغض ہے جو دنیوی غرض سے اور اپنے قصد و اختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع پائے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے طبعی انقباض جو خاصہ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں، اسی طرح جو کسی شرعی بنیاد پر مبنی ہوا یسے ہی بغض و انقباض کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اہل جنت کے دلوں سے ہر طرح کا انقباض اور رنجش دور کردی جائے گی۔

اسی کے متعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ: "مجھے امید ہے کہ میں اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کے دلوں کا غبار جنت میں داخلہ کے وقت دور کردیا جائے گا"۔ اشارہ ان اختلاف و مشاجرات کی طرف ہے جو ان حضرات اور حضرت علیؓ کے درمیان پیش آئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾
تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے

عزت کے تخت:

یعنی عزت و کرامت کے تختوں پر آمنے سامنے بیٹھ کر باتیں کرینگے ملاقات وغیرہ کے وقت ایسی نشست نہ ہوگی جس میں کوئی آگے کوئی پیچھے ہو۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
نہ پہنچے گی ان کو وہاں کچھ تکلیف اور نہ ان کو وہاں سے
بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾
کوئی نکالے

ہمیشہ کی تندرستی:

حدیث میں ہے کہ جنتیوں سے کہا جائیگا اے اہل جنت اب تمہارے لئے یہ ہے کہ ہمیشہ تندرست رہو کبھی بیماری نہ ستائے، ہمیشہ زندہ رہو کبھی موت نہ آئے، ہمیشہ آرام سے مقیم رہو کبھی سفر کی تکلیف اٹھانی نہ پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت:

حضرت علیؓ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ ہم بدریوں کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ کثیر النوا کہتے ہیں ابوجعفر محمد بن علیؓ کے پاس گیا اور کہا کہ میرے دوست آپ کے دوست ہیں اور مجھ سے مصالحت رکھنے والے آپ سے مصالحت رکھنے والے ہیں میرے دشمن آپ کے دشمن ہیں اور مجھ سے لڑائی رکھنے والے آپ سے لڑائی رکھنے والے ہیں، واللہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بری ہوں۔ اس وقت حضرت ابوجعفرؒ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں تو یقیناً مجھ سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں ناممکن کہ میں اس وقت ہدایت پر قائم رہ سکوں۔ ان دونوں بزرگوں یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے تو اے کثیر محبت رکھ اگر اس میں تجھے گناہ ہو تو میری گردن پر۔ پھر آپ نے اسی آیت کے آخری حصہ کی تلاوت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ ان دس شخصوں کے بارے میں ہے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، یہ آمنے سامنے ہوں گے

تا کہ کسی کی طرف کسی کی پیٹھ نہ رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے ایک مجمع میں آکر اسے تلاوت فرما کر فرمایا کہ یہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔ وہاں انہیں کوئی مشقت تکلیف اور ایذا نہ ہوگی۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کیلئے خوشخبری:

صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ میں حضرت خدیجہؓ کو جنت کے سونے کے محل کی خوشخبری سنا دوں جس میں نہ شوروغل ہے نہ تکلیف ومصیبت یہ جنتی جنت سے کبھی نکالے نہ جائیں گے۔ حدیث میں ہے ان سے فرمایا جائے گا کہ اے جنتیو! تم ہمیشہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ پڑو گے ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور ہمیشہ یہیں رہو گے کبھی نکالے نہ جاؤ گے۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾
خبر سنا دے میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصل بخشنے والا مہربان
وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾
اور یہ بھی کہ میرا عذاب وہی عذاب دردناک ہے

اللہ کی دو صفتیں:

''مجرمین'' اور ''متقین'' کا الگ الگ انجام بیان فرما کر یہاں تنبیہ کی ہے کہ ہر ایک صورت میں حق تعالیٰ کی کسی نہ کسی صفت وشان کا ظہور ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ خدا تعالیٰ اصل سے اپنی تمام مخلوق پر بخشش اور مہربانی کرنا چاہتا ہے اور حقیقت میں اصل مہربانی اسی کی ہے۔ تمام دنیا کی مہربانیاں اس کی مہربانی کا پرتو ہیں لیکن جو شخص خود شرارت وبدکاری سے مہربانی کے دروازے اپنے اوپر بند کر لے تو پھر اس کی سزا بھی ایسی سخت ہے جس کے روکنے کی کوئی تدبیر نہیں۔ سعدی نے خوب فرمایا۔

؎ بتہدید گر بر کشد تیغ حکم بما نند کروبیاں صم وبکم
وگر در دہد یک صلائے کرم عزازیل گوید نصیبے برم

آگے ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس میں فرشتوں کے اترنے کا ذکر ہے، وہ ہی فرشتے ایک جگہ خوشخبری سناتے اور دوسری جگہ پتھر برساتے تھے، تا معلوم ہو کہ خدا کی دونوں صفتیں (رحمت وغضب) پوری ہیں۔ بندوں کو چاہئے نہ دلیر ہوں نہ آس توڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: طبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چند صحابی باہم ہنس رہے تھے، رسول اللہ کا ادھر سے گزر ہوا، صحابہ کو ہنستے دیکھ کر فرمایا، دوزخ تم لوگوں کے سامنے ہے پھر بھی ہنس رہے ہو۔ فوراً جبرئیل علیہ السلام نازل ہوگئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب فرماتا ہے تم کیوں میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید کرتے ہو، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (اے نبی) میرے بندوں کو اطلاع دے دو کہ بلاشبہ میں ہی بہت بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ بھی خبر دو کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

ابن مردویہ نے دوسری سند سے کسی صحابی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ سے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا میں تم کو ہنسی میں مشغول نہیں پا رہا ہوں (یعنی تم اللہ کے عذاب کی طرف سے غافل ہو اور ہنس رہے ہو) پھر پشت پھیر کر چل دیئے، پھر پچھلے قدم لوٹے اور فرمایا، میں یہاں سے نکل کر حجر (سنگ اسود) تک ہی پہنچا تھا کہ جبرئیل امین آگئے اور انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ فرماتا ہے، میرے بندوں کو تم کیوں ناامید کرتے ہو نَبِّئْ عِبَادِیْٓ الخ آیت کی رفتار وترتیب میں وعدہ مغفرت ورحمت بھی ہے اور وعید عذاب بھی گویا گزشتہ مضمون کا خلاصہ اس آیت میں مذکور ہے اور لفظ غفور رحیم بتا رہا ہے کہ آیت سابقہ میں المتقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے پرہیز کرنے والے ہیں صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے بچنے والے مراد نہیں ہیں ورنہ مغفرت کا مفہوم ہی کیا ہوگا کس چیز کی مغفرت ہوگی۔

مقدارِ عفو اور مقدارِ عذاب:

بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے، قتادہ نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر بندہ اللہ کی مقدار عفو کو جان لیتا تو حرام سے پرہیز نہ کرتا اور اگر اللہ کی مقدار عذاب کو جان لیتا تو خوف کے مارے (گویا) اس کی جان ہی تو نکل جاتی۔ ترمذی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مومن بندہ کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جاتا تو پھر جنت کی امید ہی کسی کو نہ رہتی اور اگر کافر کو اللہ کی رحمت کی مقدار معلوم ہو جاتی تو جنت سے مایوس نہ ہوتا۔

سو رحمتیں: صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے تخلیق رحمت کے دن اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ننانوے رحمتیں اپنے پاس روک لیں اور ایک رحمت ساری مخلوق میں پھیلا دی جو رحمتیں اللہ کے پاس ہیں اگر ان سب سے کافر واقف ہو جائے تو جنت سے ناامید نہ ہو اور جو عذاب اللہ کے پاس ہے اگر مومن کو اس کا علم ہو جائے تو دوزخ سے بے خوف نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

ناامید نہ کرو: یہ مرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو شیبہ کے دروازے سے صحابہؓ کے پاس آکر کہتے ہیں میں تو تمہیں ہنستے ہوئے

دیکھ رہا ہوں۔ یہ کہہ کر واپس مڑ گئے اور حطیم کے پاس سے ہی الٹے پاؤں پھر ہمارے پاس آئے اور فرمایا کہ ابھی میں جا ہی رہا تھا جو حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تو میرے بندوں کو ناامید کر رہا ہے؟ انہیں میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے المناک ہونے کی خبر دیدے۔ اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر بندے خدا تعالیٰ کی معافی کو معلوم کرلیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو معلوم کرلیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾
اور حال سنا دے ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان:

''مہمان'' اس لئے کہا کہ ابراہیم ابتداء میں انہیں مہمان ہی سمجھے بعد میں کھلا کہ فرشتے ہیں۔

إِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ
جب چلے آئے اس کے گھر میں اور بولے (کہا انہوں نے) سلام
وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾
وہ بولا ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے

حضرت ابراہیمؑ کا خوف:

دوسری جگہ آیا ہے ''وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً'' یعنی خوف کو دل میں چھپایا تو کہا جائیگا کہ ابتداء میں چھپانے کی کوشش کی۔ آخر ضبط نہ کر سکے۔ زبان سے ظاہر کر دیا۔ یا یہ مطلب ہو کہ باوجود چھپانے کے خوف کے آثار چہرہ وغیرہ پر اس قدر عیاں تھے گویا کہہ رہے تھے کہ ہم کو تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ڈر کس بات کا تھا؟ اس کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ اور اس واقعہ کے دوسرے اجزاء پر بھی جو کلام کیا گیا ہے ضرورت ہے کہ ایک مرتبہ مراجعت کر لی جائے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾
بولے ڈر مت ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی

بیٹے کی بشارت:

یعنی ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خوش ہونے کا موقع ہے۔ اس بڑھاپے میں ہم تم کو اولاد کی خوشخبری سناتے ہیں۔ اولاد بھی کیسی؟ لڑکا نہایت ہوشیار، بڑا عالم، جسے پیغمبرانہ علوم دیکر منصب نبوت پر فائز کیا جائیگا، ''وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ'' (صافات رکوع ۳)

قَالَ أَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى أَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ
بولا کیا خوش خبری سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اب کا ہے
فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾
پر خوشخبری سناتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا تعجب:

چونکہ غیر متوقع اور غیر معمولی طور پر خوشخبری سنی تو اپنی پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے کچھ عجیب سی معلوم ہوئی۔ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ جب آدمی کوئی مسرت انگیز خبر خلاف توقع غیر معمولی طریقہ سے اچانک سنے تو باوجود یقین آجانے کے اسے خوب کھود کرید کر دریافت کرتا اور لہجہ تعجب کا اختیار کر لیتا ہے، تاخبر دینے والا پوری تاکید و تصریح سے خوشخبری کو دہرائے جس میں نہ کسی قسم کی غلط فہمی کا احتمال رہے نہ تاویل والتباس کا۔ گویا اظہار تعجب سے بشارت کو خوب واضح اور پختہ کرانا اور تکرار سماع سے لذت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرز میں حضرت ابراہیمؑ نے اظہار تعجب فرمایا۔ ابن کثیرؒ کے الفاظ یہ ہیں۔ قال متعجباً من كبره و كبر زوجة ومتحققا للوعد فاجابوه موكدين لمابشر وه به تحقيقاً وبشارة بعد بشارة۔ چونکہ سطح کلام سے ناامیدی کا توہم ہوسکتا تھا۔ جو اکابر خصوصاً اولوالعزم پیغمبروں کی شان کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے ملائکہ نے ''فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ'' کہہ کر تنبیہ کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ کاملین بھی (کسی درجہ میں) ظاہری اسباب پر خیال رکھتے ہیں۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ
بولے ہم نے تجھ کو خوشخبری سنائی سچی (پکی)
الْقٰنِطِيْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ
سو مت ہو تو ناامیدوں میں بولا اور کون آس توڑے
رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ إِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾
اپنے رب کی رحمت سے مگر (دہی) جو گمراہ ہیں

فرشتوں کا جواب:

یعنی رحمت الٰہیہ سے ناامید تو عام مسلمان بھی نہیں ہوسکتے۔ چہ جائیکہ انبیاء علیہم

السلام کو معاذ اللہ یہ نوبت آئے۔ محض اسباب عادیہ اور اپنی حالت موجودہ کے اعتبار سے ایک چیز عجیب معلوم ہوئی، اس پر میں نے اظہار تعجب کیا ہے کہ خدا کی قدرت اب بڑھاپے میں مجھے اولاد ملے گی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "عذاب سے نڈر ہونا اور فضل سے ناامید ہونا دونوں کفر کی باتیں ہیں یعنی آگے کی خبر اللہ کو ہے۔ ایک بات پر دعویٰ کرنا یقین کر کے کہ یوں نہیں ہوسکتا یہ ہی کفر کی بات ہے باقی محض دل کے خیال و تصور پر پکڑ نہیں جب منہ سے دعویٰ کرے تب گناہ ہوتا ہے"۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾

بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجے ہوؤ

فرشتوں کی آمد کا مقصد:

یعنی کیا محض یہ بشارت سنانے کیلئے ہی بھیجے گئے ہو۔ یا کوئی اور مہم ہے جس پر مامور ہو کر آئے ہو۔ غالباً قرائن سے ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ اصل مقصد تشریف آوری کا کچھ اور ہے ممکن ہے جو خوف انہیں دیکھ کر پیدا ہوا تھا اسی سے خیال گزرا ہو کہ خالص بشارت لانے والوں کو دیکھ کر خوف کیسا ضرور کوئی دوسری خوفناک چیز بھی ان کے ساتھ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ

بولے ہم بھیجے ہوئے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر مگر

اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا

لوط کے گھر والے ہم ان کو بچا لیں گے سب کو مگر ایک

امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

اس کی عورت ہم نے ٹھہرا لیا وہ ہے رہ جانے والوں میں

یعنی وہ باقی کفار کے ساتھ عذاب میں مبتلا رہے گی۔ (تنبیہ) ظاہر یہ ہے کہ "قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ" مقولہ ملائکہ کا ہے جو عذاب لیکر آئے تھے۔ چونکہ اس وقت وہ قضا و قدر کا فیصلہ نافذ کرنے کے لئے سرکاری ڈیوٹی پر آئے تھے اس لئے تقدیر (ٹھہرانے) کی نسبت نیابۃً اپنی طرف کر دی۔ اور ممکن ہے "قدرنا الخ" حق تعالیٰ کا کلام ہو تب کوئی اشکال نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے بولا

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم لوگ ہو اوپرے (جن سے کھٹکا ہوتا ہے۔ اور طرح کے)

لوط علیہ السلام کا اندیشہ:

یا تو یہ مطلب تھا کہ تم مجھے غیر معمولی سے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ جنہیں دیکھ کر خواہ مخواہ دل کھٹکتا ہے۔ یہ شاید ویسا ہی کھٹکا ہوگا جو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ یا یہ غرض ہو کہ تم اس شہر میں اجنبی ہو، تم کو یہاں کے لوگوں کی خوئے بد معلوم نہیں، دیکھئے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں، یا یہ اس وقت فرمایا جب لوگوں نے فرشتوں کو حسین لڑکے سمجھ کر لوط کے مکان پر چڑھائی کی۔ لوط علیہ السلام انہیں مہمان سمجھتے ہوئے امکانی مدافعت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں نہایت حسرت سے فرمایا لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ" اس وقت تنگ ہو کر اور گھبرا کر ان مہمانوں سے کہنے لگے کہ تم عجیب طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ میں تمہاری آبرو بچانے کے لئے خون پسینہ ایک کر رہا ہوں لیکن تم میری امداد کیلئے ذرا ہاتھ بھی نہیں ہلاتے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾

بولے نہیں پر ہم لیکر آئے ہیں تیرے پاس وہ چیز جس میں وہ جھگڑتے تھے

یعنی گھبراؤ مت۔ ہم آدمی نہیں ہیں۔ ہم تو آسمان سے وہ چیز لیکر آئے ہیں جس میں یہ لوگ تم سے جھگڑا کرتے تھے۔ یعنی مہلک عذاب جس کی تم دھمکی دیتے اور یہ انکار کرتے تھے۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم لائے ہیں تیرے پاس پکی بات اور ہم سچ کہتے ہیں

یعنی آپ بالکل مطمئن ہو جائیے۔ یہ بالکل پکی اور اٹل بات ہے۔ جس میں قطعاً جھوٹ کا احتمال نہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ

سو لے نکل اپنے گھر کو کچھ رات رہے سے اور تو چل

اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ

ان کے پیچھے اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں سے کوئی

حضرت لوطؑ کو ہجرت کا حکم:

یعنی جب تھوڑی رات رہے اپنے گھر والوں کو بستی سے لیکر نکل جایئے اور آپ سب کے پیچھے رہئے تاکہ پورا اطمینان رہے کہ کوئی رہ تو نہیں گیا یا راستہ سے واپس تو نہیں ہوا۔ اس صورت میں آپ کا قلب مطمئن رہے گا اور دل جمعی سے خدا کے ذکر و شکر میں مشغول رہتے ہوئے رفقاء کی دیکھ بھال رکھیں گے۔ دوسری طرف آپ کے پیچھے ہونے کی وجہ سے آگے چلنے والوں کو آپ کا رعب

مانع ہوگا کہ پیچھے مڑکر دیکھیں۔ اس طرح وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ کا پورا امتثال ہو سکے گا اور وہ لوگ خطرہ کے مقام سے بعید رہیں گے اور آپ کو اپنا ظاہری پشتیبان سمجھیں گے۔

وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے

یعنی ملک شام میں یا اور کہیں امن کی جگہ جو خدا نے ان کیلئے مقرر کی ہوگی۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

اور مقرر کردی ہم نے اس کو یہ بات کہ ان کی

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

جڑ کٹے گی صبح ہوتے

صبح کو عذاب آئے گا:

یعنی لوط علیہ السلام کو ملائکہ کے توسط سے ہم نے اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا کہ عذاب کچھ دور نہیں۔ ابھی صبح کے وقت اس قوم کا بالکلیہ استیصال کردیا جائیگا۔ شاید یہ مطلب ہو کہ صبح ہوتے ہی عذاب شروع ہوجائیگا اور اشراق تک سب معاملہ ختم کردیا جائیگا کیونکہ دوسری جگہ "مصبحین" کے بجائے "مشرقین" کا لفظ آیا ہے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے

یعنی جب سنا کہ لوط کے یہاں بڑے حسین وجمیل لڑکے مہمان ہیں تو اپنی عادت بد کی وجہ سے بڑے خوش ہوئے اور دوڑتے ہوئے ان کے مکان پر آئے اور لوط سے مطالبہ کیا کہ انہیں ہمارے حوالہ کردو۔

(تنبیہ): وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ الخ میں "واؤ" مطلق جمع کے لئے ہے۔ یہاں ترتیب واقعات بیان میں ملحوظ نہیں۔ سورۂ ہود اور اعراف میں یہ قصہ گزر چکا ہے اسے دیکھ لیا جائے اور وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو

حضرت لوطؑ کی پریشانی: کیونکہ مہمان کی فضیحت میزبان کی رسوائی ہے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾

اور ڈرو اللہ سے اور میری آبرو مت کھوؤ

یعنی خدا سے ڈر کر یہ بے حیائی کے کام چھوڑ دو اور اجنبی مہمانوں کو دق مت کرو۔ آخر میں تم میں رہتا ہوں، میری آبرو کا تمہیں کچھ پاس کرنا چاہئے میں مہمانوں کی نظر میں کس قدر حقیر ہونگا جب یہ سمجھیں گے کہ بستی میں ایک آدمی بھی ان کی عزت نہیں کرتا نہ ان کا کہنا مانتا ہے۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

بولے کیا ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی حمایت سے

قوم والوں کی بے حیائی:

یعنی ہم بے آبرو نہیں کرتے آپ خود بے آبرو ہوتے ہیں جب ہم منع کر چکے کہ تم کسی اجنبی کو پناہ مت دو نہ اپنا مہمان بناؤ۔ ہم کو اختیار ہے باہر سے آنے والوں کے ساتھ جس طرح چاہیں پیش آئیں۔ پھر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ خواہ مخواہ ان نوجوانوں کو اپنے یہاں ٹھہرا کر فضیحت ہوئے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ لوگ ہمیشہ اجنبی مسافروں کو اپنے افعال شنیعہ کا تختۂ مشق بناتے ہونگے اور حضرت لوط علیہ السلام اپنے مقدور کے موافق غریب مسافروں کی حمایت اور ان اشقیاء کو نالائق حرکتوں سے باز رکھتے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم لوطؑ والے (علاوہ امرد پرست ہونے کے) رہزن بھی تھے راہگیروں کو لوٹا کرتے تھے حضرت لوطؑ بقدر امکان اس فعل سے ان کو منع کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾

بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت:

یعنی بیشک تم نے مجھ کو اجنبی لوگوں کی حمایت سے روکا لیکن میں پوچھتا ہوں آخر اس روکنے کا منشاء کیا ہے؟ یہی نہ کہ میں تمہاری خلاف فطرت شہوت رانی کے راستہ میں حائل ہوتا ہوں۔ تو خود غور کرو کیا قضائے شہوت کے حلال مواقع تمہارے سامنے موجود نہیں جو ایسی بے ہودہ حرامکاری کے مرتکب ہوتے ہو؟ یہ تمہاری بیویاں (جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں) تمہارے گھروں میں موجود ہیں، اگر تم میرے کہنے کے موافق عمل کرو اور قضائے شہوت کے مشروع ومعقول طریقہ پر چلو، تو حاجت برآری کیلئے وہ کافی ہیں۔ یہ کیا آفت ہے کہ حلال اور ستھری چیز کو چھوڑ کر حرام کی گندگی میں ملوث ہوتے ہو۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

قسم ہے تیری جان کی وہ اپنی مستی (نشے) میں مدہوش ہیں

قوم والوں کی مستی:

ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔یعنی تیری جان کی قسم لوطؑ کی قوم غفلت اور مستی کے نشہ میں بالکل اندھی ہو رہی تھی وہ بڑی لاپروائی سے حضرت لوطؑ کی نصیحت بلکہ لجاجت کو ٹھکرا رہے تھے۔ان کو اپنی قوت کا نشہ تھا،شہوت پرستی نے ان کے دل ودماغ مسخ کردیئے تھے۔وہ بڑے امن واطمینان کے ساتھ پیغمبر خدا سے جھگڑ رہے تھے۔نہیں جانتے تھے کہ صبح تک کیا حشر ہونے والا ہے۔تباہی اور ہلاکت کی گھڑی ان کے سر پر منڈلا رہی تھی،وہ لوطؑ کی باتوں پر ہنستے تھے اور موت انہیں دیکھ کر ہنس رہی تھی۔

جان کی قسم:

(تنبیہ) ابن عباسؓ نے فرمایا خدا تعالیٰ نے دنیا میں کوئی جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ اکرم واشرف پیدا نہیں کی۔میں نے خدا کو نہیں سنا کہ اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان عزیز کے سوا کسی دوسری جان کی قسم کھائی ہو۔قرآن کریم میں جو قسمیں آئی ہیں ان کے متعلق ہم ان شاء اللہ کسی دوسری جگہ ذرا مفصل کلام کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

(اللہ نے فرمایا اے محمد) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ درحقیقت اپنے نشہ میں سرمست ہیں عُمر اور عَمر ہم معنی ہیں۔عَمر کا لفظ خفیف بھی ہے اور قسم کے موقع پر یہی لفظ بولا جاتا ہے (عُمر کا لفظ قسم کے موقع پر نہیں آتا) بغوی نے ابوالجوزاء کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز اللہ نے کسی اور کی جان نہیں پیدا کی اور آپ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی (عزیز ترین چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے۔تمام جانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان اللہ کے نزدیک عزیز تھی اس کی قسم کھائی)۔یعمھون کا معنی ہے سرگرداں ہیں،متحیر ہیں یعنی جب یہ کافر اپنے نشے میں سرمست ہیں تو آپ کی نصیحت کیسے سن سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور ابونعیم وابن مردویہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات وکائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت ومرتبہ عطا نہیں فرمایا،یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر وحیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی اعزاز واکرام ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانا:

کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائے کیونکہ قسم اس کی کھائی جاتی ہے جس کو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جائے اور ظاہر ہے سب سے زیادہ بڑا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی ماؤں اور باپوں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ،اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ اور اللہ کی قسم بھی صرف اس وقت کھاؤ جب تم اپنے قول میں سچے ہو (رواہ ابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرۃ)

اور صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکار کر فرمایا کہ ''خبردار رہو اللہ تعالیٰ باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے، جس کو حلف کرنا ہو اللہ کے نام کا حلف کرے ورنہ خاموش رہے (قرطبی، مائدہ)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾
پھر آ پکڑا ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے وقت (ہی)

اس کے متعلق ہم قریب ہی ''دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ'' کے فائدہ میں کلام کرچکے ہیں۔ابن جریج کا قول ہے کہ ہر عذاب جس سے کوئی قوم ہلاک کی جائے ''صیحہ'' اور ''صاعقہ'' کہلاتا ہے۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ
پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾
اور برسائے ان پر پتھر کھنگر (کنکر) کے

اس کی تفصیل سورۂ ہود وغیرہ میں گزر چکی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾
بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو

اصحاب فراست:

''متوسم'' اصل میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بعض ظاہری علامات وقرائن دیکھ کر محض فراست سے کسی پوشیدہ بات کا پتہ لگالے۔حدیث میں ہے ''اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله'' بعض روایات میں ''وبتوفيق الله'' کی زیادت ہے۔یعنی مؤمن کی فراست سے ڈرتے رہو، وہ خدا تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے نور توفیق سے دیکھتا ہے۔شاید ''کشف'' اور ''فراست'' میں بقول امیر عبدالرحمن خاں مرحوم اتنا ہی فرق ہو جتنا ٹیلیفون اور ٹیلیگراف میں ہوتا ہے،بہرحال آیت کا مطلب یہ ہے کہ دھیان کرنے اور پتہ لگانے والوں کے لئے ''قوم لوط'' کے قصہ میں عبرت کے بہت نشان موجود ہیں انسان سمجھ سکتا ہے کہ بدی اور سرکشی کا انجام کیسا ہوتا ہے۔خدا کی قدرت عظیمہ کے سامنے ساری طاقتیں ہیچ ہیں'' اس کی لاٹھی میں آواز

نہیں"۔ اس کی مہلت پر آدمی مغرور نہ ہو، نہ پیغمبروں کے ساتھ ضد اور عداوت باندھے ورنہ ایسا ہی حشر ہوگا۔ وغیر ذلک۔

یہ بستیاں عذاب الٰہی کے ذریعہ ویران ہونے کے بعد پھر دوبارہ آباد نہیں ہوئیں بجز چند بستیوں کے اس مجموعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان بستیوں اوران کے مکانات کو آنے والی نسلوں کے لئے عبرت کا سامان بنایا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان مقامات سے گزرے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیبت حق کا ایک خاص حال ہوتا تھا جس سے سر مبارک جھک جاتا تھا اور آپ نے اپنی سواری کو ان مقامات میں تیز کر کے جلد عبور کرنے کی سعی فرماتے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل نے یہ سنت قائم کردی کہ جن مقامات پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا ہے ان کو تماشا گاہ بنانا بڑی قساوت ہے بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا استحضار اوراس کے عذاب کا خوف طاری ہو۔

قوم لوط کی بستیاں:

حضرت لوط علیہ السلام کی بستیاں جن کا تختہ الٹا گیا ہے، قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق عرب سے شام کو جانے والے راستہ پر اردن کے علاقہ میں آج بھی یہ مقام سطح سمندر سے کافی گہرائی میں ایک عظیم صحراء کی صورت میں موجود ہے، اس کے ایک بڑے رقبہ پر ایک خاص قسم کا پانی دریا کی صورت اختیار کئے ہوئے ہے۔ اس پانی میں کوئی مچھلی، مینڈک وغیرہ جانور زندہ نہیں رہ سکتا، اسی لئے اس دریا کو بحر میت اور بحر لوط کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور تحقیق سے معلوم ہوا کہ درحقیقت اس میں پانی کے اجزاء بہت کم اور تیل کی قسم کے اجزاء زیادہ ہیں اس لئے اس میں کوئی دریائی جانور زندہ نہیں رہ سکتا۔

آجکل آثار قدیمہ کے محکمہ نے کچھ رہائشی عمارتیں ہوٹل وغیرہ بھی بنادیئے ہیں اور آخرت سے غافل مادہ پرست طبیعتوں نے آجکل اس کو ایک سیر گاہ بنایا ہوا ہے، لوگ تماشے کے طور پر اسے دیکھنے جاتے ہیں قرآن کریم نے اسی غفلت شعاری پر تنبیہ کیلئے آخر میں فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ، یعنی درحقیقت تو یہ واقعات ومقامات ہر چشم بصیرت رکھنے والے کیلئے عبرت آموز ہیں لیکن اس عبرت سے فائدہ اٹھانیوالے مومنین ہی ہوتے ہیں دوسرے لوگ ان مقامات کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھ کر روانہ ہوجاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾

اور وہ بستی واقع ہے سیدھی راہ پر

مکہ سے شام کو جاتے ہوئے اس الٹی ہوئی بستی کے کھنڈر نظر آتے تھے۔" وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿﴾ وَبِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ " (صافات رکوع ۴)۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

البتہ اس میں نشانی ہے ایمان (یقین کرنے) والوں کو

مومن کیلئے عبرت:

یعنی ان کھنڈرات کو دیکھ کر بالخصوص مومنین کو عبرت ہوتی ہے کیونکہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ اس قوم کی بدکاری اور سرکشی کی سزا میں یہ بستیاں گئیں، مومنین کے سوا دوسرے لوگ تو ممکن ہے انہیں دیکھ کر محض بخت واتفاق یا اسباب طبعیہ کا نتیجہ قرار دیں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی فراست:

ترمذی وغیرہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کی عقلمندی اور دور بینی کا لحاظ رکھو، وہ خدا تعالیٰ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی، اور حدیث میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دیکھتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ خدا کے بندے لوگوں کو ان کے نشانات سے پہچان لیتے ہیں، یہ بستی شارع عام پر موجود ہے۔ جس پر ظاہری اور باطنی عذاب آیا، الٹ گئی پتھر کھائے عذاب کا نشانہ بنی۔

اب ایک گندگی اور بدمزہ کھائی کی جھیل سی بنی ہوئی ہے۔ تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو۔ تعجب ہے کہ پھر بھی عقلمندی سے کام نہیں لیتے۔ غرض صاف واضح اور آمد ورفت کے راستے پر یہ الٹی ہوئی بستی موجود ہے۔ یہ بھی معنی کیے ہیں کہ وہ کتاب مبین میں ہے لیکن یہ معنے کچھ زیادہ بند نہیں بیٹھتے، واللہ اعلم۔

خدا تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں کے لئے یہ ایک کھلی دلیل اور جاری نشانی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے والوں کو نجات دیتا ہے اور اپنے دشمنوں کو غارت کرتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار

بن کے رہنے والے:

بن کے رہنے والے یعنی قوم شعیب شہر "مدین" میں رہتے تھے جس کے نزدیک درختوں کا بن تھا کچھ وہاں رہتے ہونگے بعض کہتے ہیں "اصحاب ایکہ" اور "اصحاب مدین" دو جداگانہ قومیں ہیں۔ حضرت شعیبؑ دونوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ ان لوگوں کا گناہ شرک وبت پرستی، ڈاکہ زنی اور ناپ تول میں فریب اور دھوکہ کرنا تھا، پہلے سورۂ ہود واعراف میں ان کا مفصل قصہ گزر چکا ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾

سو ہم نے بدلہ لیا ان سے اور یہ دونوں بستیاں واقع ہیں کھلے راستہ پر

یعنی حجاز و شام کے جس راستہ پر قوم لوط کی بستیاں تھیں وہیں ذرا نیچے اتر کر قوم شعیب کا مسکن تھا دونوں کے آثار رستہ چلنے والوں کو نظر آتے ہیں۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾
اور بے شک جھٹلایا حجر والوں (حجر کے رہنے والوں نے) نے رسولوں کو

قوم ثمود:

''حجر والے'' فرمایا ''ثمود'' کو۔ ان کے ملک کا نام ''حجر'' تھا جو مدینہ سے شمال کی طرف واقع ہے ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ایک نبی کا جھٹلانا سب انبیاء کا جھٹلانا ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾
اور دیں ہم نے ان کو اپنی نشانیاں سو رہے ان (ان کو نالتے) سے منہ پھیرتے

یعنی اونٹنی جو پتھر سے نکالی گئی اور اس کے علاوہ دوسرے معجزات۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾
اور تھے کہ تراشتے تھے پہاڑوں کے گھر اطمینان کے ساتھ

تمدن پر غرور:

یعنی دنیوی زندگی پر مغرور ہو کر تکبر و تجبر کی نمائش کیلئے پہاڑوں کو تراش کر بڑے عالیشان مکان بناتے تھے۔ گویا کبھی یہاں سے جانا نہیں یہ بھی سمجھتے ہونگے کہ ایسی مضبوط و مستحکم عمارتوں میں کوئی آفت کہاں پہنچ سکتی ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ
پھر پکڑا ان کو چنگھاڑ نے صبح ہونے (ہوتے) کے وقت
اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾
پھر کام نہ آیا ان کے جو کچھ کمایا تھا

تمدن عذاب سے نہ بچا سکا:

یعنی مال و دولت، مستحکم عمارات جسمانی قوت اور دوسرے اسباب و وسائل میں سے کوئی چیز بھی خدا کے عذاب کو دفع نہ کر سکی۔ ان کا قصہ بھی پہلے گزر چکا۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبوک جاتے ہوئے ''وادی حجر'' پر سے گزرے۔ آپ نے سر ڈھانپ لیا۔ سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابہ کو فرمایا کہ معذب قوم کی بستیوں پر مت داخل ہو مگر (خدا کے خوف سے) روتے ہوئے اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی صورت بنا لو۔ خدا نہ کرے وہ چیز تم کو پہنچے جو ان کے پہنچی تھی۔ یہ آپ نے مسلمانوں کو ادب سکھلایا کہ آدمی اس قسم کے مقامات میں پہنچ کر عبرت حاصل کرے اور خدا کے خوف سے لرزاں و ترساں ہو، محض سیر و تماشہ نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وادی حجر پر گذر:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو جاتے ہوئے حجر میں سے گزر رہے تھے اور صحابہ سے فرمایا تھا، جن لوگوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا تم ان کے گھروں میں اور بستی میں داخل ہو تو روتے ہوئے جانا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آ جائے جو ان پر آیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اونٹنی پر سوار تھے چادر سے منہ چھپا کر تیزی کے ساتھ اونٹنی کو دوڑاتے ہوئے وادی سے گزر گئے۔ (تفسیر مظہری)

ایکہ اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السلام پہنچ گئے تھے اصل میں شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لئے اس کو ایکہ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور حجر اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی، ان ہی کو صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصر ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا
اور ہم نے بنائے نہیں آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے
بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ
بغیر حکمت (تدبیر) اور قیامت بے شک آنے والی ہے
فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾
سو کنارہ کر اچھی طرح کنارہ

واقعات سنانے کا مقصد:

حضرت شاہ صاحب'' لکھتے ہیں'' پہلی امتوں کا حال سنا کر فرمایا کہ یہ جہان یوں ہی خالی نہیں پڑا۔ سر پر ایک مدبر ہے۔ ہر چیز کا تدارک کرنیوالا اکمل اور آخری تدارک کا نام قیامت ہے'' اور کفار سے کنارہ کرنے کو فرمایا جب خدا کا حکم پہنچا چکے تبلیغ کا فرض ادا کر دیا اور کافر ضد پر اڑے رہے، تب حکم ہوا کہ زیادہ جھگڑنے سے فائدہ نہیں اب وعدہ کی راہ دیکھو اور ان کی تکلیف و ایذا پر صبر کرو، حرف شکایت زبان پر نہ لاؤ، یہاں تک کہ خدا کا فیصلہ پہنچ جائے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾
تیرا رب جو ہے وہی ہے پیدا کرنے والا خبردار

جس کو تیرے صبر اور ان کی ایذاء کی سب خبر ہے، ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیگا۔

آخرت کی زندگی:

اس آیت میں گویا معاد کی تقریر فرمادی، یعنی جس نے ایک مرتبہ پیدا کیا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اور جس چیز کے اجزاء منتشر ہو گئے ہوں اس کو ہر جز کی خبر ہے، جہاں کہیں ہوگا سب کو جمع کردے گا۔ دوسری جگہ فرمایا ''اَوَلَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰی وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ'' الی آخر الآیۃ (یٰس رکوع ۵)

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ
اور ہم نے دی ہیں تجھ کو سات آیتیں وظیفہ
وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾
اور قرآن بڑے درجہ کا

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''یعنی یہ اتنی بڑی نعمت دیکھ کر جو تجھ کو عطا ہوئی اور کافروں کی ضد سے خفا نہ ہو''۔

سورۃ فاتحہ:

(تنبیہ): ''سبع مثانی'' کے مصداق میں اختلاف ہے۔ صحیح اور راجح یہی ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں جو ہر نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہیں اور جن کو بطور وظیفہ کے بار بار پڑھا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے تورات، انجیل، زبور قرآن کسی کتاب میں اس کا مثل نازل نہیں فرمایا۔ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ فاتحہ کو فرمایا کہ یہی ''سبع مثانی'' اور قرآن عظیم ہے جو مجھ کو دیا گیا۔ اس چھوٹی سی سورت کو ''قرآن عظیم'' (بڑا قرآن) فرمانا درجہ کے اعتبار سے ہے اس سورت کو ام القرآن بھی اسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ گویا یہ ایک خلاصہ اور متن ہے جس کی تفصیل و شرح پورے قرآن کو سمجھنا چاہئے قرآن کے تمام علوم و مطالب کا اجمالی نقشہ تنہا اس سورت میں موجود ہے یوں مثانی کا لفظ بعض حیثیات سے پورے قرآن پر بھی اطلاق کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ؔ (زمر رکوع ۳) اور ممکن ہے دوسری سورتوں کو مختلف وجوہ سے ''مثانی'' کہہ دیا جائے، مگر اس جگہ ''سبع مثانی'' اور ''قرآن عظیم'' کا مصداق یہی سورت (فاتحہ) ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے میں نے (سورۃ) صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے لئے آدھا آدھا تقسیم کردیا ہے۔ الی آخر الحدیث سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

محمد بن نصر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال عطا فرمائی ہیں اور انجیل کی جگہ الرٰ والی سورتیں طٰسٓ والی سورتوں تک عطا فرمائی ہیں اور زبور کی جگہ طٰسٓ سے حٰم والی سورتوں تک عنایت کی ہیں اور حٰم والی سورتیں مزید عطا فرمائی ہیں اور مفصلات کو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھا (یعنی مجھے خاص طور پر مفصلات عطا فرمائی ہیں) سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع طوال عطا کی گئیں (سات طویل سورتیں عطا کی گئیں) اور حضرت موسیٰ کو چھ عطا کی گئیں پھر جب حضرت موسیٰ نے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں تو دو سورتیں اٹھالی گئیں چار باقی رہ گئیں۔

حٰم والی سورتیں:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبع مثانی سے حٰم والی سات سورتیں مراد ہیں، بغوی نے اپنی سند سے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال عطا فرمائیں اور انجیل کی جگہ مئین عطا فرمائیں اور زبور کی جگہ مثانی اور میرے رب نے مفصلات مزید عنایت کیں۔ (تفسیر مظہری)

آیت میں ایک خصوصی انعام شمار کرایا گیا ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص انعام یہ ہے کہ آپ کو سات ان میں سے عطا کی گئیں جو دھرائی گئی ہیں اور قرآن عظیم دیا گیا۔ (افادات مدنی)

لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ
مت ڈال اپنی آنکھیں ان چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان
اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ
میں سے کئی طرح کے لوگوں کو

سامانِ دنیا پر نظر نہ کیجئے:

یعنی مشرکین، یہود و نصاریٰ اور دوسرے دشمنان خدا و رسول کو دنیا کی چندروزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر نہ کیجئے کہ ان ملعونوں کو یہ سامان کیوں دیدیا گیا جس سے ان کی شقاوت و شرارت زیادہ بڑھتی ہے۔ یہ دولت مسلمانوں کو ملتی تو اچھے راستہ میں خرچ ہوتی۔ ان کو تھوڑی دیر مزہ اڑا لینے دو، تم کو خدا تعالیٰ نے وہ دولت قرآن دی ہے جس کے آگے سب دولتیں گرد ہیں۔ روایات میں ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے قرآن دیا پھر کسی کی اور نعمت دیکھ کر ہوس کرے تو اس نے قرآن کی قدر نہ جانی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک مرتبہ مہمان

آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کچھ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے رجب کے وعدے پر آٹا ادھار منگوایا لیکن اس نے کہا بغیر کسی چیز کو رہن رکھے میں نہیں دوں گا۔اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واللہ میں آسمان والوں میں امین ہوں اور زمین والوں میں بھی، اگر یہ مجھے ادھار دیتا یا میرے ہاتھ فروخت کر دیتا تو میں اسے ضرور ادا کرتا۔ پس آیت لا تمدن الخ نازل ہوئی اور گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی کی گئی۔ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، انسان کو ممنوع ہے کہ کسی کے مال و متاع کو للچائی ہوئی نگاہوں سے تاکے یہ جو فرمایا کہ ان کی جماعتوں کو جو فائدہ ہم نے دے رکھا ہے اس سے مراد کفار کے مالدار لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
اور نہ غم کھا ان پر اور جھکا اپنے بازو
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾
ایمان والوں کے واسطے

غم نہ کھایئے تبلیغ کرتے رہیئے:

غم نہ کھاؤ کہ مسلمان کیوں نہیں ہوتے۔آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں ،معاندین کے پیچھے اپنے کو زیادہ فکر و غم میں مبتلا نہ کیجئے۔آپ کی شفقت وہمدردی کے مستحق مومنین ہیں ان کے ساتھ ملاطفت ،نرم خوئی اور شفقت وتواضع کا برتاؤ رکھئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾
اور کہہ کہ میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر

میں تو پیغام پہنچانے والا ہوں:

یعنی کوئی مانے یا نہ مانے ، میں خدا کا پیام صاف صاف پہنچائے دیتا ہوں اور تکذیب وشرارت کے عواقب خوب کھول کر آگاہ کر رہا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ''تیرا کام دل پھیر دینا نہیں، یہ خدا سے ہو سکتا ہے۔جو کوئی ایمان نہ لائے تو غم نہ کھاؤ''۔

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ
جیسا ہم نے بھیجا ہے ان بانٹنے والوں پر جنہوں نے
جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾
کیا ہے قرآن کو بوٹیاں

یہود و نصاریٰ اور مشرکین نے قرآن کو تقسیم کر رکھا ہے:

اس آیت کے معنی کئی طرح کئے گئے ہیں۔بعض نے کہا کہ ''مقتسمین'' (بانٹنے والوں) سے مراد آپ کے زمانہ کے یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں جنہوں نے قرآن کی تقسیم و تحلیل کر رکھی تھی۔یعنی جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات یا آراء واہواء کے موافق پڑ جائے مان لو۔جو خلاف ہو نہ مانو۔مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے تجھے ''سبع مثانی'' اور ''قرآن عظیم'' دیکر بھیجا جیسے ان لوگوں پر بھی پہلے کتابیں نازل کی تھیں۔آپ پر کتاب اتارنا یا وحی بھیجنا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے بعض نے مقتسمین سے یہود و نصاریٰ مراد لیکر لفظ قرآن سے کتب سابقہ مراد لی ہیں۔یعنی انہوں نے تحریف کر کے اپنی کتابوں کو پارہ پارہ کر ڈالا۔بعض نے کہا مشرکین مراد ہیں جو بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کرتے تھے۔جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے۔بقرہ یا مائدہ میں لونگا۔عنکبوت تجھ کو دوں گا۔ان لوگوں نے ایک اور طرح بھی قرآن کے متعلق خیالات تقسیم کر رکھے تھے کوئی اسے شاعری بتاتا کوئی کہانت ،کوئی جادو،کوئی مجنون کی بڑ،کوئی اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ،ان کو آگاہ کیا کہ میں سب کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں،جیسا عذاب یقیناً نازل ہونے والا ہے۔ان ٹھٹھا کرنے والوں پر،اس وقت ''انزلنا'' کی تعبیر اس لحاظ سے۔ہوگی کہ متیقن الوقوع مستقبل کو گویا ماضی فرض کر لیا گیا،ابن کثیرؒ نے مقتسمین کے معنی قسم کھانے والوں کے لئے ہیں۔ یعنی وہ گزشتہ قومیں جو انبیاء علیہ السلام کی تکذیب ومخالفت کے حلف اٹھا چکی تھیں اور جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے کر دیئے تھے۔جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا،اسی طرح کے عذاب سے یہ ''نذیر مبین'' تم کو ڈراتا ہے۔ ''مقتسمین'' کے اس معنی کی تائید میں ابن کثیرؒ نے ذیل کی آیات پیش کی ہیں۔

تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ (نمل رکوع ۴)۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ (نحل رکوع ۵)

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم رکوع ۷)

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ (اعراف رکوع ۶)۔(تفسیر عثمانی)

قرآن سب سے بڑی نعمت ہے:

اسحاق بن راہویہ نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو قرآن عطا فرما دیا ہو اور کسی دوسرے شخص کو دنیا عطا کی ہو اور حامل قرآن مال دار کی دنیا کو اس نعمت سے بہتر خیال کرے جو اسے دی گئی ہے تو اس نے بڑی (نعمت) کو چھوٹی اور چھوٹی کو بڑی قرار دے دیا (یعنی نعمت قرآن اعلیٰ ہے اور نعمت دنیا ادنیٰ۔جو شخص نعمت دنیا کو نعمت قرآن پر ترجیح دے اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ بنا دیا)۔

بغوی نے لکھا کہ حدیث لیس منا من لم یتغن بالقران کا مطلب سفیان بن عینیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن کی نعمت پا کر (ساری دنیا کی دولت سے) بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد و ابوداؤد، و ابن حبان و حاکم نے حضرت سعدؓ کی روایت سے اور ابوداؤد و ابولبابہ کی وساطت سے عبدالمنذر کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ و حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کرو اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ بغوی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کسی فاجر پر (اس کی) نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کو کیا پیش آئے گا۔ اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے۔ جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ وہب بن منبہ کو جب اس حدیث کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابوداؤد اعور کو بھیج کر دریافت کرایا کہ نہ مرنے والے قاتل کا کیا مطلب ہے۔ عبداللہ بن مریم نے کہا، اس سے مراد ہے دوزخ۔

امام احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اوپر والے کو نہ دیکھو اللہ کی جو نعمت تم کو حاصل ہے اس کو حقیر نہ سمجھنے کے لئے یہی (تدبیر) زیادہ مناسب ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے لعن الله العاضهة والمستعضهة جادو کرنے والی اور جادو کرانیوالے پر اللہ کی لعنت (النہایۃ)۔ (تفسیر مظہری)

سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس سرداران قریش جمع ہوئے حج کا موسم قریب تھا اور یہ شخص ان میں بڑا شریف اور ذی رائے سمجھا جاتا تھا، اس نے ان سب سے کہا کہ دیکھو حج کے موقع پر دور دراز سے تمام عرب یہاں جمع ہوں گے، تم دیکھ رہے ہو کہ تمہارے اس ساتھی نے ادھم مچا رکھا ہے پس اس کی نسبت ان بیرونی لوگوں سے کہا کیا جائے یہ بتاؤ اور کسی ایک بات پر اجماع کرلو کہ سب وہی کہیں، ایسا نہ ہو کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے اس سے تو تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا اور وہ پردیسی تمہیں جھوٹا خیال کریں گے انہوں نے کہا اے ابوعبدشمس آپ ہی کوئی ایسی بات تجویز کر دیجئے۔ اس نے کہا پہلے تم اپنی تو کہو تا کہ مجھے بھی غور و خوض کا موقعہ ملے۔ انہوں نے کہا پھر ہماری رائے میں تو ہر شخص اسے کاہن بتلائے۔ اس نے کہا یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ لوگوں نے کہا پھر مجنون کہنا بالکل درست ہے۔ اس نے کہا یہ بھی غلط ہے۔ کہا اچھا تو شاعر کہیں؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شعر جانتا ہی نہیں۔ کہا اچھا پھر جادوگر کہیں؟ کہا اسے جادوگر سے مس بھی نہیں۔ اس نے کہا سنو واللہ اس کے قول میں عجب مٹھاس ہے ان باتوں میں سے تم جو کہو گے دنیا سمجھ لے گی کہ محض غلط اور سفید جھوٹ ہے، گو کوئی بات نہیں بنتی لیکن کچھ کہنا ضرور ہے۔ اچھا بھئی سب اسے جادوگر بتلائیں۔ اس امر پر یہ مجمع برخاست ہوا اور اسی کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا
سو قسم ہے تیرے رب کی ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو کچھ وہ
يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
کرتے تھے

کفار سے سوال ہوگا:

کس کی عبادت کی تھی؟ پیغمبروں کے ساتھ کس طرح پیش آئے تھے؟ لا الہ الا اللہ کو کیوں نہ مانا تھا؟ اس کلمہ کا حق کیوں ادا نہیں کیا تھا؟ یہ اور اسی قسم کے نہ معلوم کتنے سوالات ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

پس قسم ہے آپ کے رب کی (یعنی ہم کو اپنی ذات کی) کہ ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پرس کریں گے۔ اعمال میں گناہ بھی داخل ہیں اور کفر بھی اور قرآن کی تکذیب بھی اور اس کو جادو قرار دینا بھی۔ سوال کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم ان سے باز پرس کریں گے اور ان کو ان کے کیے کی سزا بھی دیں گے۔

بغوی نے محمد بن اسماعیل بخاری کا قول نقل کیا ہے کہ متعدد علماء کے نزدیک عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے مراد ہے لا الہ الا اللہ (یعنی لاالہ الا الله کی ہم ان سے باز پرس کریں گے)

ہر آدمی سے چار سوال:

مسلم نے حضرت ابو برزہ اسلمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (پل) صراط سے کسی بندہ کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے (یعنی کوئی شخص بھی اس وقت تک پل صراط سے پار نہیں ہوگا) جب تک اس سے چار باتیں نہ پوچھ لی جائیں گی۔ اس وقت سوال کیا جائے گا عمر کے متعلق کہ کس کام میں ختم کی اور (سوال ہوگا) جسم کے متعلق کہ کس کام میں اس کو پرانا کیا (یعنی جسمانی طاقتیں کس کس کام میں صرف کیں) اور (سوال ہوگا) علم کے متعلق کہ علم کے بعد کیا عمل کیا اور (سوال ہوگا) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ترمذی اور ابن مردویہ نے یہ حدیث اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔

علمی خیانت: اصبہانی نے ترغیب میں اور طبرانی نے (الاوسط میں) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم (سکھانے) میں باہم خیر خواہی سے کام لو، کوئی کسی سے علم کو پوشیدہ نہ رکھے، علم میں خیانت کرنی مال میں خیانت کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ اس کی بھی تم سے ضرور باز پرس کرے گا۔

ہر قدم کا سوال:

ابونعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بندہ جو قدم بھی (کسی مقصد کے لئے) اٹھاتا ہے اللہ اس مقصد کی اس سے ضرور باز پرس کرے گا۔

امامت کی باز پرس:

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے کہ وہ (مقتدیوں کا) ذمہ دار ہے۔ اور اس ذمہ داری کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ اگر اس نے امامت اچھی (طرح صحیح) کی ہوگی تو اس کو پیچھے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا اور اگر کچھ کمی ہوگی (یعنی نماز میں کچھ نقص ہوا ہوگا) تو اس کا گناہ بھی امام پر پڑے گا۔ ابونعیم نے حلیہ میں اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، معاذ مؤمن سے قیامت کے دن اس کے تمام کاموں کی باز پرس ہوگی یہاں تک کہ آنکھوں میں سرمہ (لگانے) کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لا الہ الا اللہ کا سوال:

آیت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ ان سب اگلوں پچھلوں سے ضرور سوال اور باز پرس ہوگی۔

صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یہ سوال کس معاملہ کے متعلق ہوگا، تو آپ نے فرمایا قول لا الہ الا اللہ کے متعلق، تفسیر قرطبی میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک اس سے مراد اس عہد کو عملی طور پر پورا کرنا ہے جس کی علامت کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے، محض زبانی قول مقصود نہیں کیونکہ زبان سے اقرار تو منافقین بھی کرتے تھے، حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ایمان کسی خاص وضع و ہیئت بنانے سے اور دین محض تمنائیں کرنے سے نہیں بنتا، بلکہ ایمان اس یقین کا نام ہے جو قلب میں ڈال دیا گیا ہو اور اعمال نے اس کی تصدیق کی ہو، جیسا کہ ایک حدیث میں حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہے گا وہ ضرور جنت میں جائے گا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کلمہ میں اخلاص کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب یہ کلمہ انسان کو اللہ کے محارم اور ناجائز کاموں سے روک لے تو وہ اخلاص کے ساتھ ہے۔ (قرطبی)

ماننے اور نہ ماننے والوں کی مثال:

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری اور اس ہدایت کی مثال جسے دے کر خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر کہے کہ لوگو! میں نے دشمن کا لشکر اپنی آنکھوں دیکھا ہے دیکھو ہوشیار ہو جاؤ بچنے اور ہلاک نہ ہونے کے سامان کر لو۔ اب کچھ لوگ اس کی بات مان لیتے ہیں اور اسی مہلت میں چل پڑتے ہیں اور دشمن کے پنجے سے بچ جاتے ہیں لیکن بعض لوگ اسے جھوٹا سمجھتے ہیں اور وہیں بے فکری سے پڑے رہتے ہیں کہ ناگاہ دشمن کا لشکر آ پہنچتا ہے اور گھیر کر انہیں قتل کر دیتا ہے۔ پس یہ ہے مثال میرے ماننے والوں کی اور نہ ماننے والوں کی۔

ہر شخص کی پیشی:

ان کے اعمال کا سوال ان سے ان کا رب ضرور کرے گا یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ سے ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے ہر ہر شخص قیامت کے دن تنہا تنہا خدا کے سامنے پیش ہوگا جیسے ہر ہر شخص چودھویں رات کے چاند کو اکیلا اکیلا دیکھتا ہے، اللہ فرمائے گا اے انسان تو مجھ سے مغرور کیوں ہو گیا تو نے اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا۔ تو نے میرے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں دو چیز کا سوال ہر ایک سے ہوگا، معبود کسے بنا رکھا تھا؟ اور رسول کی مانی یا نہیں؟ ابن عیینہؒ فرماتے ہیں عمل اور مال کا سوال ہوگا۔ حضرت معاذؓ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا اے معاذؓ! انسان سے قیامت کے دن ہر ہر عمل کا سوال ہوگا یہاں تک کہ اس کے آنکھ کے سرمے اور اس کے ہاتھ کی گندھی ہوئی مٹی کے بارے میں بھی اس سے سوال ہوگا، دیکھ معاذؓ! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن خدا کی نعمتوں کے بارے میں تو کمی والا رہ جائے۔

دو آیتوں میں تطبیق:

اس آیت میں تو ہے کہ ہر ایک سے اس کے عمل کی بابت سوال ہوگا اور سورۂ رحمٰن کی آیت میں ہے کہ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَن ذَنۢبِهِۦٓ إِنسٌ وَلَا جَآنٌّ کہ اس دن کسی انسان یا جن سے اس کے گناہوں کا سوال نہ ہوگا۔ ان دونوں آیتوں میں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تطبیق یہ ہے کہ یہ سوال نہ ہوگا کہ تو نے یہ عمل کیا؟ بلکہ یہ سوال ہوگا کہ کیوں کیا؟ (تفسیر ابن کثیر)

پل پر حساب:

ابن ابی حاتم نے انفع بن عبداللہ کلاعی کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں اور صراط ان کے اوپر ہے۔ تمام مخلوق کو پہلے پل پر روک لیا جائے گا، حکم ہوگا ان کو ٹھہرالو، ان سے باز پرس کی جائے گی، یہاں نماز کی حساب فہمی اور باز پرس ہوگی ہلاک ہونے والا ہلاک ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا۔ دوسرے پل پر پہنچیں گے تو امانت کی بابت سوال ہوگا کہ کیسے ادا کی اور کیسے اس میں خیانت کی یہاں بھی تباہ ہونے والا تباہ ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو رشتہ داری کے متعلق سوال کیا جائیگا کہ سلسلہ قرابت کو جوڑا یا توڑا یہاں بھی مرنے والا مرے گا اور بچنے والا بچ جائے گا۔ رحم اس روز نیچے کی طرف آویختہ ہوگا اور عرض کرے گا اے اللہ جس نے مجھے ملائے رکھا ہو تو بھی اس کو (اپنے سے) ملالے اور جس نے مجھے توڑا ہو تو بھی اس سے قطع تعلق کر لے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، قیامت کے دن اللہ

بندہ سے سوالات کرے گا۔ یہاں تک کہ فرمائے گا جب تو نے بری بات دیکھی تو اس کا رد کیوں نہیں کیا۔ اس وقت اللہ خود اس کے دل میں صحیح جواب ڈال دے گا۔ بندہ عرض کرے گا، میرے رب میں تجھ سے امید لگائے ہوئے تھا اور لوگوں سے مجھے ڈر تھا (اس لئے خاموش رہا اور اس کام کو دل سے برا جانتا رہا)۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک (ذمہ دار) نگراں ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق باز پرس اس سے کی جائے گی۔ حاکم سب لوگوں کا (ذمہ دار اور) نگراں ہے اس سے اس کی رعیت کی باز پرس کی جائے گی۔ مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ اس سے گھر والوں کے متعلق باز پرس ہوگی۔ عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کے بچوں کی ذمہ دار ہے اس سے (اس کے حلقہ اثر میں رہنے والی) اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ غلام (یعنی خادم) اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے آقا کے مال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ غرض تم میں سے ہر ایک نگراں (یعنی ذمہ دار) ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی اس موضوع کی احادیث حضرت انسؓ کی روایت سے ابن حبان، ابونعیم اور طبرانی نے بھی بیان کی ہیں۔

پیشواء سے باز پرس:

طبرانی نے الکبیر میں حضرت مقدامؓ کی روایت سے نقل کیا ہے، حضرت مقدامؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص بھی کسی قوم پر (مسلط پیشوا، حاکم، لیڈر وغیرہ) ہوگا قیامت کے دن وہ اس قوم کے آگے آگے جھنڈا اٹھائے ہوگا اور وہ) لوگ اس کے پیچھے ہوں گے۔ قوم کے متعلق اس سے باز پرس کی جائے گی اور قوم والوں سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ
سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا اور پروا نہ کر
الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾
مشرکوں کی

حق کا واضح اعلان کیجئے:

یعنی کہنے میں کوتاہی نہ کیجئے خوب کھول کر خدائی پیغامات پہنچایئے۔ یہ مشرکین آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو آپ کو حکم دیا جارہا ہے اس کو علی الاعلان بیان کردیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اصدع کا ترجمہ کیا ہے۔ ظاہر کردو۔ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار دعوت کا حکم دیا ہے عبداللہ بن عبیدہ کی روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام وایمان کی دعوت پوشیدہ طور پر دیا کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

تبلیغ وارشاد میں تدریج بقدر استطاعت

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ، اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ چھپ چھپ کر عبادت اور تلاوت کرتے تھے، اور تبلیغ وارشاد کا سلسلہ بھی خفیہ ہی ایک ایک دو دو فرد کے ساتھ جاری تھا، کیونکہ اظہار واعلان میں کفار کی ایذاء رسانی کا خطرہ تھا، اس آیت میں حق تعالیٰ نے استہزاء کرنے والے اور ایذاء دینے والے کفار کی ایذاء سے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لے لی۔ اس لئے اس وقت بے فکری کے ساتھ اعلان واظہار کے ذریعہ تلاوت وعبادت اور تبلیغ ودعوت کا سلسلہ شروع ہوا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾
ہم بس (کافی) ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنیوالوں کو

استہزاء کرنے والوں کو ہم کافی ہیں:

یعنی دنیا وآخرت میں ہم سب ٹھٹھا کرنے والوں سے نبٹ لیں گے آپ بے خوف وخطر تبلیغ کرتے رہئے آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ یہ لوگ (جو آپ پر) استہزاء کرتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے ہم کافی ہیں۔ یعنی ان کی جڑ اکھاڑ دیں گے ان کو تباہ کردیں گے۔ بغوی نے لکھا ہے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ تم اللہ کا حکم پکار کر سناؤ۔ اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔ مذاق اڑانے والوں اور تم سے ٹھٹھوں کرنے والوں کے مقابلے میں بھی اللہ نے تمہاری مدد کی۔

استہزاء کرنے والے ہلاک ہو گئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی اڑانے والے قریش کے پانچ سردار تھے۔ (۱) ولید بن مغیرہ مخزومی۔ یہ سب کا سرگروہ تھا (۲) عاص بن وائل سہمی۔ (۳) اسود بن المطلب بن حارث بن اسد بن عبدالعزیٰ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بددعاء دی تھی اور فرمایا تھا، اے اللہ اس کو اندھا کردے، اس کو لاولد کردے۔ (۴) اسود بن عبدیغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ۔ (۵) حارث بن قیس بن الطلالہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزاء کرنیوالے کعبہ کا طواف کررہے ہیں۔ ولید بن مغیرہ آپ کی طرف سے گزرا۔ اتنے میں جبرئیل آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہوگئے اور کہا محمد تمہارے نزدیک یہ کیسا ہے۔ رسول اللہ نے جواب دیا برا بندہ ہے۔ حضرت جبرئیل نے کہا آپ کا کام (اللہ کی طرف سے) پورا کردیا گیا، پھر جبرئیل نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا چنانچہ ایک روز ولید کسی خزاعی آدمی کی ظرف سے ہوکر نکلا وہ شخص اپنے تیروں کے

پر ٹھیک کر رہا تھا ولید اس وقت یمنی چادر اوڑھے (غرور سے) تہبند زمین میں کھینچتا ہوا چل رہا تھا۔ خزاعی شخص کے تیر کی بوری ولید کے تہبند سے الجھ گئی۔ انتہائی غرور کی وجہ سے نیچے جھک کر بوری کو تہبند سے نکالنا گوارا نہ کیا اور زور سے اپنی پنڈلی کو دے پٹکا۔ بوری سے پنڈلی میں خراش لگ گئی اور اسی خراش سے یہ مر گیا۔ عاص بن وائل بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا اور جبرئیل نے دریافت کیا تھا یہ کیسا آدمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا برا بندہ ہے جبرئیل نے عاص کے پاؤں کی تلوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا آپ کا کام ہوگیا (اب آپ کو اس کے مقابلے میں کچھ کرنا نہیں پڑے گا) چنانچہ ایک روز عاص تفریح کرنے کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر مکہ سے باہر نکلا اور کسی گھاٹی پر جا کر اترا وہاں کپڑے کا کوئی ٹکڑا تھا عاص نے اس پر قدم رکھا کپڑے میں کوئی کانٹا تھا کانٹا اس کے تلوے میں چبھ گیا عاص فوراً چلایا مجھے کسی کیڑے نے ڈس لیا، لوگوں نے تلوے کو دیکھا لیکن ڈھونڈھنے کے بعد بھی کوئی چیز نظر نہ آئی، ٹانگ سوج کر اونٹ کی گردن کی طرح ہوگئی آخر وہیں اسی وقت مر گیا۔

اسود بن مطلب بھی (جبرئیل کی موجودگی میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا، اور جبرئیل کے سوال و جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا یہ برا بندہ ہے اور جبرئیل نے حسب سابق کہا آپ کا کام کر دیا گیا۔ اور اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ اسود نابینا ہوگیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، جبرئیل نے ایک سبز پتہ اسود پر مارا تھا جس سے اس کی نگاہ جاتی رہی اور آنکھوں میں اتنا درد ہوا کہ دیوار سے سر پٹکنے لگا آخر اسی میں مر گیا۔ کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود اپنے غلام کے ساتھ کسی درخت کی جڑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جبرئیل وہاں پہنچ گئے اور اس کا سر پکڑ کر درخت سے ٹکرانے اور منہ پر کانٹے مارنے لگے۔ اسود نے واویلا مچادی اور غلام سے مدد کا خواستگار ہوا۔ غلام نے کہا مجھے تو اور کوئی نظر نہیں آتا آپ خود ہی یہ حرکت کر رہے ہیں، کہنے لگا مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے قتل کر دیا یہ لفظ کہتے کہتے مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث بھی گزرا تھا اور جبرئیل کے سوال کے جواب میں حضور نے فرمایا یہ برا بندہ ہے باوجودیکہ میرے ماموں کا بیٹا ہے جبرئیل نے کہا اب آپ کو (اس کے دفاع کی) کوئی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے اسود کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اس کو استسقاء بطن ہوگیا اور مر گیا۔ کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود (ایک روز) گھر سے نکلا باہر لو لگ گئی، لو لگنے سے اس کا رنگ (جل کر) کالے حبشی کی طرح ہوگیا گھر کو لوٹا تو گھر والوں نے اسے پہچانا بھی نہیں اور باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا اسی حالت میں وہ مر گیا، اور مرتے مرتے کہتا رہا، مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے قتل کیا ہے۔ حارث بن قیس کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے کہا تھا یہ برا بندہ ہے۔ جبرئیل نے حارث کے سر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا آپ کا کام کر دیا گیا۔ اب آپ کو ضرورت نہیں۔ چنانچہ اس کی ناک سے پیپ کی ریزش ہونے لگی اسی سے مر گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، حارث بن قیس نے نمکین مچھلی کھائی تھی جس سے پیاس کی شدت ہوگئی اور برابر پانی پیتا رہا، آخر پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا۔ آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ کا مطلب یہی ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ استہزاء کرتے تھے ہم نے (ان کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا اور) آپ کی طرف سے ان کا کام تمام کر دیا۔

شانِ نزول: بزار اور طبرانی نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف طعن آمیز اشارہ کر کے کہا، یہی وہ شخص ہے جو اپنے کو نبی کہتا ہے۔ اس وقت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جبرئیل نے ان کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے ناخن کے نشان کی طرح ان کے جسموں پر نشان ہوگیا، آخر وہ نشان پھوڑا بن گیا اور سڑ گیا اور ایسا سڑ گیا کہ کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا انہیں لوگوں کے متعلق آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ نازل فرمائی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے لیڈر پانچ آدمی تھے، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطہ، یہ پانچوں معجزانہ طور پر ایک ہی وقت میں حضرت جبرئیل کے اشارے سے ہلاک کر دیئے گئے، اس واقعہ سے تبلیغ ودعوت کے معاملہ میں یہ حاصل ہوا کہ اگر انسان کسی ایسے مقام یا ایسے حال میں مبتلا ہو جائے کہ وہاں حق بات کو علی الاعلان کہنے سے ان لوگوں کو تو کوئی فائدہ پہنچنے کی توقع نہ ہو اور اپنے آپ کو نقصان و تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ایسی حالت میں یہ کام خفیہ طور پر کرنا بھی درست اور جائز ہے۔ البتہ جب اظہار واعلان کی قدرت ہو جائے تو پھر اعلان میں کوتاہی نہ کی جائے۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ
جو کہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے کی بندگی سو عنقریب
يَعْلَمُوْنَ ﴿٩٦﴾
معلوم کر لیں گے

یعنی رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور خدا کے لئے شریک ٹھہرانا، دونوں باتوں کا انجام یہ لوگ دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا
اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے

يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

ان کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی

مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾

اور ہو سجدہ کرنیوالوں سے

تنگدلی کا علاج:

یعنی اگر ان کی ہٹ دھرمی سے دل تنگ ہو تو آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن خدا کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہئے۔ خدا کا ذکر، نماز سجدہ، عبادت الٰہی وہ چیزیں ہیں جن کی تاثیر سے قلب مطمئن ومنشرح رہتا ہے اور فکروغم دور ہوتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب کوئی مہم بات فکر کی پیش آتی آپ نماز کی طرف جھپٹتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیں۔ یعنی ہر چیز سے دل کو خالی کر کے اللہ کی حمد وتسبیح (اللہ کی پاکی کے) اعتراف واظہار) میں مشغول ہو جایئے۔ اللہ آپ کی کارسازی کرے گا۔ حمد وتسبیح میں مشغول ہونے سے دل کی کوفت اور سینہ کی بندش دور ہو جائے گی اور شدت غضب جاتی رہے گی۔

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں۔ ساجدین سے مراد ہیں تواضع اور اظہار فروتنی کرنے والے۔ ضحاک کے نزدیک نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی حضرت عبدالعزیزؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی امر ثقیل پیش آتا تھا تو آپ (گھبرا کر) نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

دشمنوں کی ایذاء سے تنگدلی کا علاج:

ولقد نعلم الی فسبح سے معلوم ہوا کہ جب انسان کو دشمنوں کی باتوں سے رنج پہنچے اور دل تنگی پیش آئے تو اس کا روحانی علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وعبادت میں مشغول ہو جائے اللہ تعالیٰ خود اس کی تکلیف کو دور فرما دیں گے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظمؒ)

اس آیت کے اترنے سے پہلے تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ تبلیغ فرماتے تھے لیکن اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ نے کھلے طور پر اشاعت دین شروع کر دی۔ ان مذاق اڑانے والوں کو ہم پر چھوڑ دے، ہم آپ ان سے نمٹ لیں گے۔ تو اپنی تبلیغ کے فریضے میں کوتاہی نہ کر، یہ تو چاہتے ہیں کہ ذرا سی سستی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دیکھیں تو خود بھی دست بردار ہو جائیں۔ تو ان سے مطلقاً خوف نہ کر۔ اللہ تعالیٰ تیرا حافظ وناصر ہے وہ تجھے ان کے شر سے بچا لے گا۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تیری جانب اتارا گیا ہے تو اسے پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اپنے رب کی رسالت نہیں پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ خود ہی لوگوں کی برائی سے تجھے محفوظ رکھ لے گا۔

چنانچہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستے سے جا رہے تھے جو بعض مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھیڑا اسی وقت حضرت جبرئیل آئے اور انہیں چوکا مارا جس سے ان کے جسموں میں ایسا ہو گیا جیسے نیزے کے زخم ہوں اسی میں وہ مر گئے۔ اور یہ لوگ مشرکین کے بڑے بڑے رؤسا تھے، بڑی عمر کے تھے اور نہایت شریف گنے جاتے تھے۔ بنو اسد کے قبیلے میں سے تو اسود بن عبدالمطلب ابوزمعہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی دشمن تھا۔ ایذائیں دیا کرتا تھا اور مذاق اڑایا کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آ کر اس کے لئے بددعا بھی کی تھی کہ خدایا اسے اندھا کر دے۔ بے اولاد کر دے۔ بنی زہرہ میں سے اسود تھا اور بنی مخزوم میں سے ولید تھا اور بنی سہم میں سے عاص بن وائل تھا۔ اور خزاعہ میں سے حارث تھا۔ یہ لوگ برابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے درپے لگے رہتے تھے اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ابھارا کرتے تھے اور جو تکلیف ان کے بس میں ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کرتے۔ جب یہ اپنے مظالم میں حد سے گزر گئے اور بات بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فاصدع سے یعلمون تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے جو حضرت جبرئیل آئے بیت اللہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے اتنے میں اسود، ابن عبدیغوث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو حضرت جبرئیل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا اسے پیٹ کی بیماری ہو گئی اور اسی میں وہ مرا۔ اتنے میں ولید بن مغیرہ گزرا۔ اس کی ایڑھی ایک خزاعی شخص کے تیر کے پھل سے کچھ یونہی چھل گئی تھی اور اسے بھی دو سال گزر چکے تھے۔ حضرت جبرئیل نے اسی کی طرف اشارہ کیا وہ پھول گئی پکی اور اسی میں وہ مرا۔ پھر عاص بن وائل گزرا۔ اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا کچھ دنوں بعد یہ طائف جانے کے لئے اپنے گدھے پر سوار چلا۔ راستے میں گر پڑا اور تلوے میں کیل گھس گئی جس نے اس کی جان لی۔ حارث کے سر کی طرف اشارہ کیا اسے خون آنے لگا اور اسی میں مرا۔ ان سب موذیوں کا سردار ولید بن مغیرہ تھا اسی نے انہیں جمع کیا تھا۔ پس یہ پانچ یا سات شخص تھے جو منڈھ تھے اور ان کے اشاروں سے اور ذلیل لوگ بھی کمینہ پن کی حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾

اور بندگی کئے جا اپنے رب کی جب تک آئے تیرے پاس یقینی بات

یعنی موت، یقین کا لفظ دوسری جگہ قرآن نے اسی معنی میں استعمال کیا ہے وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ''(مدثر رکوع ۲) حدیث میں ایک میت کی نسبت آپ نے فرمایا،''اماھو فقد جاء ہ الیقین وانی لا رجولہ الخیر ''جمہور سلف نے اس آیت میں ''یقین'' کو بمعنی موت لیا ہے یعنی مرتے دم تک خدا کی عبادت میں لگے رہئے۔

اندریں رہ میراش ومیخراش تادم آخر دمے فارغ مباش

جن بعض عارفین نے اس جگہ یقین کو کیفیت قلبیہ کے معنی میں لیا ہے اس کی توجیہ روح المعانی میں مذکور ہے دیکھ لی جائے۔تم سورۃ الحجر وللہ الحمد والمنۃ وہوالمسئول ان یتوفانا علی اکمل الاحوال واحسنہا فانہ جواد کریم۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ اس لغوحرکت کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے، انہیں اپنے کرتوت کا مزہ ابھی ابھی آجائے گا۔ اور بھی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس کا یہی حال ہے۔ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی بکواس سے اے نبی! تمہیں تکلیف ہوتی ہے دل تنگ ہوتا ہے لیکن تم ان کا خیال بھی نہ کرو۔اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔تم اپنے رب کے ذکر اور اس کی تسبیح اور حمد میں لگے رہو۔اس کی عبادت جی بھر کر کرو۔نماز کا خیال رکھو۔سجدہ کرنیوالوں کا ساتھ دو۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے ابن آدم! شروع دن کی چار رکعت سے عاجز نہ ہو میں تجھے آخر دن تک کفایت کروں گا۔حضور علیہ السلام کی عادت مبارک تھی کہ جب کوئی گھبراہٹ کا معاملہ آپڑتا تو آپ نماز شروع کر دیتے۔ یقین سے مراد اس آخری آیت میں موت ہے اس کی دلیل سورۂ مدثر کی وہ آیتیں ہیں جن میں بیان ہے کہ جہنمی اپنی برائیاں بیان کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، مسکینوں کو کھلاتے تھے یہاں تک کہ موت آگئی۔ یہاں بھی موت کی جگہ لفظ یقین ہے۔ایک صحیح حدیث میں بھی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ کے انتقال کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو انصار کی ایک عورت ام العلاءؓ نے کہا اے ابوالسائب! اللہ تعالیٰ کی تجھ پر رحمتیں ہوں بیشک اللہ تعالیٰ نے تیری تکریم وعزت کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا تجھے کیسے یقین ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا اکرام کیا۔انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں پھر کون ہوگا جس کا اکرام ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اسے موت آچکی اور مجھے اس کے لئے بھلائی کی امید ہے۔اس حدیث میں بھی موت کی جگہ یقین کا لفظ ہے۔اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ نماز وغیرہ عبادت انسان پر فرض ہے۔ جب تک کہ اس کی عقل باقی رہے اور ہوش وحواس ثابت ہوں جیسی اس کی حالت ہو اسی کے مطابق نماز ادا کرلے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ کھڑے ہو کر نماز ادا کر، نہ ہو سکے تو بیٹھ کر، نہ ہو سکے تو کروٹ پر لیٹ کر، بدمذہبوں نے اس سے اپنے مطلب کی ایک بات گھڑی ہے کہ جب تک انسان درجہ کمال تک نہ پہنچے اس پر عبادات فرض رہتی ہیں لیکن جب معرفت کی منزلیں طے کر چکا تو عبادات کی تکلیف ساقط ہو جاتی ہے۔یہ سراسر کفر ضلالت اور جہالت ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ انبیاء اور خصوصاً سرور انبیاء علیہم السلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ معرفت کے تمام درجے طے کر چکے تھے اور خدائی علم وعرفان میں سب دنیا سے کامل تھے رب تعالیٰ کی صفات اور ذات کا سب سے زیادہ علم رکھتے تھے باوجود اس کے سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور رب تعالیٰ کی اطاعت میں تمام دنیا سے زیادہ مشغول تھے اور دنیا کے آخری دم تک اسی میں لگے رہے پس ثابت ہے کہ یہاں مراد یقین سے موت ہے۔تمام مفسرین صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہ کا یہی مذہب ہے۔فالحمد للہ۔اللہ تعالیٰ کا شکر واحسان ہے (تفسیر ابن کثیر)

مال جمع کرنے کا حکم:

بغوی وغیرہ نے حضرت جبیر بن نضیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مال جمع کرنے اور تاجر بن جانے کا حکم بذریعہ وحی نہیں دیا گیا بلکہ میرے پاس تو وحی بھیجی گئی کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

حضرت عمر راوی ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیر کو مینڈھے کی کھال اوڑھے اور اسی کا نطاق باندھے سامنے سے آتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا اس کو دیکھو اللہ نے اس کے دل کو نورانی کر دیا۔ میں نے وہ وقت بھی اس کا دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ قسم کی غذا کھلاتے پلاتے تھے۔ایک جوڑا اس کے بدن پر دوسو درہم کا تھا، لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نے اس کی یہ حالت کر دی جو تمہارے سامنے ہے۔ (تفسیر مظہری)

دنیا ہیچ است دکار دنیا ہمہ ہیچ

پیش دریائے قدر حرمت تو نہ محیط فلک حبابے نیست

داری آں سلطنت کہ درنظرت ملک کونین درحسابے نیست

(معارف القرآن کاندھلوی)

سورة النحل

اگر کسی نے خواب میں اس کی تلاوت کی تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ رزق اچھا پائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں میں سے ہوگا اگر چہ ان کی صحبت میں نہ رہا ہو۔ (حضرت علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورہ نحل مکہ میں اتری اور ایک سو اٹھائیس آیتیں ہیں اور سولہ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ

آ پہنچا حکم اللہ کا سو اس کی جلدی مت کرو

کفر کی مغلوبیت کا وقت آ پہنچا:

یعنی خدا کا یہ حکم کہ ''پیغمبر علیہ السلام کی جماعت غالب و منصور اور حق کے مخالف مغلوب و ذلیل ہوں گے جنہیں دنیا میں مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں اور آخرت میں براہ راست احکم الحاکمین کے دربار سے شرک و کفر کی سزا ملے گی۔ اس حکم کے وقوع کا وقت قریب آ پہنچا۔ اور قیامت کی گھڑی بھی دور نہیں ہے۔ جس چیز کا آنا یقینی ہوا سے آئی ہوئی سمجھنا چاہئے۔ پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت ہے۔ کفار از راہ تکذیب و استہزاء کہا کرتے تھے کہ جس عذاب یا قیامت کے آنے کا تم وعدہ کرتے ہو، وہ جلد کیوں نہیں آ جاتا۔ انہیں متنبہ فرمایا کہ تمہارے ایسا کہنے سے وہ ٹلنے والا نہیں، بلکہ حتمی اور یقینی طور پر جلد آیا چاہتا ہے۔ جس قدر دیر لگ رہی ہے وہ بھی ایک طرح سے تمہارے حق میں مفید ہے ممکن ہے بعض کو اصلاح و توبہ کی توفیق مل جائے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ (عنکبوت رکوع ۵)

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (شوری رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ نازل ہوئی تو بعض کافروں نے کہا یہ شخص کہتا ہے کہ پچھلی گھڑی قریب آگئی اچھا تم (کچھ دنوں کے لئے) اپنے موجودہ مشاغل و اعمال کو ترک کردو ہم بھی تو دیکھیں کہ آخر کیا ہونے والا ہے لیکن جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا (اور قیامت نہ آئی) تو کہنے لگے تم جس چیز سے ہم کو ڈرا رہے ہو اس کا تو نام و نشان بھی نہیں پیدا ہوا۔ اس پر آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ نازل ہوئی۔ یہ آیت سن کر کافر خوف زدہ ہو گئے اور کچھ مدت تک مزید انتظار کیا لیکن طویل انتظار کے بعد بھی جب کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ہم کو ڈراتے ہو اور ہوا کچھ بھی نہیں اس وقت اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا۔ اس جملہ کے نزول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور لوگوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی اس پر (آخری فقرہ) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا۔ اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا (اور گھبراہٹ رفع ہوئی)۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا تو صحابہ خوف زدہ ہو گئے اس پر فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا۔ استعجال کا معنی ہے وقت سے پہلے کسی چیز کا طلب۔

قیامت قریب ہے:

بغوی نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں (سبابہ اور وسطی) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، میں اور قیامت ان دونوں کی طرح (متصل) بھیجے گئے ہیں۔

ترمذی نے حضرت مستورد بن شداد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے عین قیامت (کے وقت) میں ہی بھیجا گیا مگر میں قیامت سے آگے آگیا جیسے یہ (انگلی) اس (انگلی) سے پہلے ہے (اگر چہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامات میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب (پیام بعثت لے کر) حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا گیا اور اثناء راہ میں آپ آسمان والوں کی طرف سے گزرے تو اہل سماوات نے کہا، اللہ اکبر قیامت برپا ہوگئی۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شریک بتلانے سے

شرک چھوڑ دو: یعنی جب حق کا غالب ہونا اور کفر و شرک پر سزا ملنا یقینی ہے تو توحید کی راہ اختیار کرو اور مشرکانہ طور و طریق سے علیحدہ ہو جاؤ، جنہیں تم خدائی کا شریک ٹھہراتے ہو ان میں سے کوئی خدا کے حکم کو ٹال نہیں سکتا نہ عذاب الٰہی کو روک سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی نداء:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے قریب مغرب کی جانب سے ڈھال کی طرح کا سیاہ ابر نمودار ہوگا اور وہ بہت جلد آسمان پر چڑھے گا پھر اس میں سے ایک منادی ندا کرے گا، لوگ تعجب سے ایک دوسرے سے کہیں گے میاں کچھ سنا بھی؟ بعض ہاں کہیں گے اور بعض بات کو اڑا دیں گے۔ وہ پھر دوبارہ ندا کرے گا اور کہے گا ''اے لوگو! اب تو سب کہیں گے کہ ہاں صاحب آواز تو آئی، پھر وہ تیسری دفعہ منادی کرے گا اور کہے گا اے لوگو! امر خداوندی آ پہنچا اب جلدی نہ کرو۔ خدا تعالیٰ کی قسم دو شخص جو کسی کپڑے کو پھیلائے ہوئے ہوں گے سمیٹنے بھی نہ پائیں گے جو قیامت قائم ہو جائے گی۔ کوئی اپنے حوض کو ٹھیک کر رہا ہوگا ابھی پانی بھی پلانے نہیں پایا ہوگا جو قیامت آ ئے گی۔ دودھ دوہنے والے بھی پی بھی نہ سکیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ ہر ایک آپا دھاپی میں لگ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نفس کریم کی شرک اور عبادت غیر سے پاکیزگی بیان فرماتا ہے۔ فی الواقع وہ ان تمام باتوں سے پاک بہت دور اور بہت بلند ہے یہی مشرک ہیں جو منکر قیامت بھی ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ کا آغاز:

اس سورۃ کو بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا جس کی وجہ مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں قیامت سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو غالب کرنے اور مخالفوں کو سزا دینے کا وعدہ کیا ہے، ہمیں تو یہ کچھ بھی ہوتا نظر نہیں آتا، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''آ پہنچا حکم اللہ کا تم جلد بازی نہ کرو۔''

حکم اللہ سے اس جگہ مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے کہ ان کے دشمنوں کو زیر و مغلوب کیا جائے گا، اور مسلمانوں کو فتح ونصرت اور عزت وشوکت حاصل ہوگی، اس آیت میں حق تعالیٰ نے ہیبت ناک لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ حکم اللہ کا آ پہنچا، یعنی پہنچنے ہی والا ہے جس کو تم عنقریب دیکھ لو گے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں حکم اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آ پہنچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع قریب ہے اور پوری دنیا کی عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو قیامت کا قریب ہونا یا آ پہنچنا بھی کچھ بعید نہیں رہتا۔ (بحر محیط)

اس کے بعد کے جملے میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو حق تعالیٰ کے وعدہ کو غلط قرار دے رہے ہیں یہ کفر وشرک ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہیں (بحر)۔ (معارف القرآن)

خلاصۂ آیات: اس آیت کا خلاصہ ایک وعید شدید کے ذریعہ توحید کی دعوت دینا ہے دوسری آیات میں دلیل نقلی سے توحید کا اثبات ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آیا ہے اس نے یہی عقیدہ توحید پیش کیا ہے، حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کی بظاہر اسباب کوئی اطلاع بھی نہ تھی، غور کرو کہ کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار حضرات عقلاء، جو مختلف اوقات میں مختلف ملکوں، مختلف خطوں میں پیدا ہوں، اور وہ سب ایک ہی بات کے قائل ہوں تو فطرۃً انسان یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بات غلط نہیں ہو سکتی ایمان لانے کے لئے تنہا یہ دلیل بھی کافی ہے۔ (معارف القرآن)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ
اتارتا ہے فرشتوں کو

نزول وحی: یعنی فرشتوں کی جنس میں سے بعض کو جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام یا حفظۃ الوحی، جن کی طرف ''فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا'' (جن رکوع ۲) میں اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بِالرُّوْحِ
بھید دے کر

یہاں ''روح'' سے مراد وحی الٰہی ہے جو خدا کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر بطور ایک بھید کے آتی ہے چنانچہ دوسری جگہ فرمایا'' يُلْقِى الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المؤمن رکوع ۲) ایک جگہ قرآن کی نسبت فرمایا ، وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا '' (شوریٰ رکوع ۵) قرآن یا وحی الٰہی کو روح سے تعبیر فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح مادی اجسام کو نفخ روح سے ظاہری حیات حاصل ہوتی ہے اسی طرح جو قلوب جہل وضلال کی بیماریوں سے مردہ ہو چکے تھے وہ وحی الٰہی کی روح پا کر زندہ ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ
اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں

منتخب بندے: وہ بندے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں جن کو خدا تعالیٰ ساری مخلوق میں سے اپنی حکمت کے موافق اپنے کامل اختیار سے چن لیتا ہے۔

'' اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام رکوع ۵)

اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ '' (الحج رکوع ۱۰)

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ﴿۲﴾
کہ خبردار کر دو کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو مجھ سے ڈرو

پیغمبروں کا نصب العین:

یعنی توحید کی تعلیم، شرک کا رد اور تقویٰ کی طرف دعوت، یہ ہمیشہ سے تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترکہ و متفقہ نصب العین (مشن) رہا ہے۔ گویا اثبات توحید کی یہ نقلی دلیل ہوئی۔ آگے عقلی دلائل بیان کی جاتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مرا بندگی کن کہ دارا منم تو از بندگانی مولی منم

سعادتِ دارین:

اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا۔ ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
بنائے آسمان اور زمین ٹھیک وہ برتر ہے
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾
ان کے شریک بتلانے سے

اللہ تعالیٰ شرک سے بالا ہے:

یعنی زمین و آسمان کا نظام ایسا درست و استوار بنایا ہے جسے دیکھ کر لامحالہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ تمام کائنات کا سلسلہ صرف ایک ہی مالک مختار کے ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ اگر کئی بااختیار خداؤں کے ہاتھوں میں باگ ہوتی تو یہ محکم انتظام وانضباط اتنی مدت تک ہرگز قائم نہ رہتا ضرور آپس میں ٹکر ہو جاتی۔ بلکہ کئی آزاد خداؤں کی کشمکش باہمی سرے سے اس نظام عالم کو موجود ہی نہ ہونے دیتی "لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء رکوع ۲) اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (المؤمنون رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ یعنی خاص مقدار، خاص شکل ووضع اور مختلف صفات کے ساتھ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو نیست سے ہست کیا۔ اس کی ایجاد بتا رہی ہے کہ اس کو بنانے والا واحد، بے مثال، قادر مطلق اور حکیم کامل ہے۔ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اللہ بالا ہے ان کے شرک سے۔ یعنی زمین و آسمان میں سے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا جائے اس سے اللہ بزرگ و برتر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین وآسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو زمین وآسمان کو تو خود اپنی تخلیق پر بھی قدرت نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ کے غیر جسمانی ہونے پر تنبیہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ
بنایا آدمی کو ایک بوند سے پھر جبھی ہو گیا جھگڑا کرنے والا
خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾
بولنے والا

اپنی پیدائش میں غور کرو:

یعنی علویات وسفلیات کا انتظام درست کر کے تم کو پیدا کیا۔ تم خود اپنی خلقت میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعت وقدرت کا سبق ملے گا۔ تمہاری اصل کیا تھی؟ ایک قطرۂ بے جان، جس میں نہ حس و حرکت تھی نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا، نہ اس لائق تھا کہ کسی معاملہ میں جھگڑ کر اپنا حق منوا دے یا دوسروں پر غالب آ جائے۔ اب دیکھو حق تعالیٰ نے اسی قطرۂ ناچیز کو کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب صورت عطا کی۔ اور کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس پر فائض کئے جو ایک حرف بولنے پر قادر نہ تھا وہ کیسے لیکچر دینے لگا جس میں ادنیٰ حس وحرکت نہ تھی، اب کس طرح بات بات میں جھگڑے کرنے اور حجتیں نکالنے لگا۔ حتیٰ کہ بعض اوقات مخلوق سے گزر کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی یاد نہ رکھا کہ میری اصل کیا تھی اور کیسے یہ طاقت حاصل ہوئی۔ "اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۞ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ" (یٰسین رکوع ۵)۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا۔ یعنی ایسی سیال بے جان بوند سے انسان کو پیدا کیا جس میں نہ حس ہے نہ حرکت نہ وہ اپنی ہیئت ووضع کو محفوظ رکھ سکتی ہے نہ شکل کو (رفتہ رفتہ انسان) جب خوب طاقت ور ہو گیا تو۔ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ پھر یکدم وہ کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔ خَصِيْمٌ یعنی زبان جھگڑالو۔ مبین یعنی نفی قیامت کی دلیل بیان کرنے والا جو بطور دلیل کہتا ہے مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا یا خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ سے مراد ہے خالق سے کھل کر جھگڑا کرنے والا۔

ابی بن خلف کا انکار:

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابی بن خلف جمحی کے متعلق ہوا۔ ابن خلف منکر قیامت تھا، ایک روز وہ ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا کیا تم کہتے ہو کہ خدا اس کو زندہ کرے گا یہ تو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو گئی (یہ کیسے زندہ

ہوگی) اسی کی بابت آیت وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ بھی نازل ہوئی تھی۔(تفسیر مظہری)

سورہ یسین میں فرمایا کیا انسان نہیں دیکھتا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ تو بڑا ہی جھگڑالو نکلا۔ ہم پر بھی باتیں بنانے لگا، اور اپنی پیدائش بھول گیا کہنے لگا کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اے نبی! تم ان سے کہہ دو کہ انہیں وہ خالق اکبر پیدا کرے گا جس نے انہیں پہلی بار پیدا کیا وہ تو ہر طرح کی مخلوق کی ہر طرح کی پیدائش کا پورا عالم ہے۔

انسان کی ناشکری:

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی پر تھوک کر فرمایا کہ جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے انسان کیا تو مجھے عاجز کرسکتا ہے حالانکہ میں نے تو تجھے اس جیسی چیز سے پیدا کیا ہے جب تو پورا ہوگیا ٹھیک ٹھاک ہوگیا لباس مکان مل گیا تو تو لگا سمیٹنے اور میری راہ سے روکنے؟ اور جب دم گلے میں اٹکا تو تو کہنے لگا کہ اب میں صدقہ کرتا ہوں، راہ للہ دیتا ہوں بس اب صدقے خیرات کا وقت نکل گیا۔(تفسیر ابن کثیر)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ
اور چوپائے بنا دیئے تمہارے واسطے ان میں جڑا ول ہے
وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵
اور کتنے فائدے اور بعضوں کو کھاتے ہو

چوپایوں میں غور کرو:

یعنی اونٹ گائے بھیڑ بکری تمہارے لئے پیدا کئے۔ ان میں سے بعض کے بال یا اون وغیرہ سے کمبل رسے، ڈیرے، خیمے اور سردی سے بچنے کے لئے مختلف قسم کے لباس تیار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کا دودھ پیا جاتا ہے کسی کو ہل میں چلایا جاتا ہے۔ گھی مکھن وغیرہ کی ساری افراط ان ہی جانوروں کی بدولت ہے۔ ان کے چمڑے سے کیسے کیسے عمدہ اور بیش قیمت سامان تیار کئے جاتے ہیں۔ جن جانوروں کا گوشت کھانے میں کوئی معتد بہ بدنی یا اخلاقی مضرت نہیں۔ ہر ان کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ کتنے غریبوں کی شکم پروری اس سے ہوتی ہے اور جو دوسری غذائیں ہم کھاتے ہیں ان کی تیاری میں بھی ان حیوانات کو کس قدر دخل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ اور اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت فائدے ہیں۔ الانعام سے مراد ہیں اونٹ گائے، بھینس، بکری، بھیڑ وغیرہ۔ لکم تمہارے فائدے کے لئے جس کی تفصیل فیھا دف ء الخ میں بیان کی ہے۔ گویا لکم میں اجمال منفعت ہے اور اس کے بعد تفصیل کی گئی ہے۔ دفأ سردی کی شدت کا دور ہو جانا (قاموس) یعنی جانوروں کے بالوں اور اون سے تم سردی کی سختی دور کرتے ہو اونی لباس اور کمبل وغیرہ استعمال کرتے ہو۔ منافع سے دوسرے فائدے مراد ہیں۔ افزائش نسل، دودھ، سواری، بار برداری، کھیتی باڑی، خرید و فروخت وغیرہ۔

غذا کا حصول:

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور انہی سے تم کھاتے بھی ہو۔ گوشت، چربی، گھی، دودھ، پنیر، مکھن وغیرہ کھاتے ہو، عموماً غذاء حیوانی انہی جانوروں سے حاصل کی جاتی ہے اس لئے منھا کو تاکلون سے پہلے ذکر کیا دوسرے جانوروں کا گوشت تو محض لذت یا دوا کی خاطر کھایا جاتا ہے۔

وسائل نقل و حمل:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ ان کے فوائد میں سواری لینے اور ان سے اپنی زینت حاصل کرنے کا تو ذکر کیا مگر گوشت کھانے کا یہاں ذکر نہیں کیا، اس میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ گھوڑے، خچر، گدھے کا گوشت حلال نہیں، خچر اور گدھے کا گوشت حرام ہونے پر تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے اور ایک مستقل حدیث میں ان کی حرمت کا صراحۃ بھی ذکر آیا ہے، مگر گھوڑے کے معاملہ میں حدیث کی دو روایتیں متعارض آئی ہیں، ایک سے حلال اور دوسری سے حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، اسی لئے فقہائے امت کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہو گئے بعض نے حلال قرار دیا بعض نے حرام، امام اعظم ابوحنیفہؒ نے اسی تعارض دلائل کی وجہ سے گھوڑے کے گوشت کو گدھے اور خچر کی طرح حرام تو نہیں کہا مگر مکروہ قرار دیا۔(احکام القرآن جصاص)

وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ
اور تم کو ان سے عزت ہے جب شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب
تَسْرَحُوْنَ ۝۶
چرانے لے جاتے ہو

انعام الٰہی کا مظاہرہ:

جب ڈھور ڈنگر گھر میں بندھے کھڑے ہوں یا جنگل میں غائب ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب چرنے کیلئے گھر سے نکلتے یا شام کو جنگل سے شکم سیر ہو کر گھر کی طرف لوٹتے ہیں اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ مالک خود بھی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ

بھی کہتے ہیں کہ خداء نے فلاں زمیندار کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اس آیت سے جمال اور زینت کا جواز معلوم ہوتا ہے اگر چہ تفاخر و تکبر حرام ہیں، فرق یہ ہے کہ جمال اور زینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ کی نعمت کا اظہار ہوتا ہے نہ دل میں اپنے کو اس نعمت کا مستحق سمجھتا ہے اور نہ دوسروں کو حقیر جانتا ہے بلکہ حق تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہونا اس کے پیش نظر ہوتا ہے اور تکبر و تفاخر میں اپنے آپ کو اس نعمت کا مستحق سمجھنا، دوسروں کو حقیر سمجھنا پایا جاتا ہے وہ حرام ہے۔ (بیان القرآن)

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا
اور اٹھا لے چلتے ہیں بوجھ تمہارے ان شہروں تک کہ تم
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ
نہ پہنچتے وہاں مگر جان مار کر بے شک تمہارا رب بڑا شفقت
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ۝۷
کرنے والا مہربان ہے

حیوانوں کی تسخیر: یعنی جہاں تم جریدہ بدون سامان و اسباب کے بڑی مشکل سے پہنچ سکتے تھے یہ جانور تم کو اور تمہارے بھاری بھاری سامانوں کو کھینچ کر لے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی کتنی بڑی شفقت اور مہربانی ہے کہ ان حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگا دیا اور ان سے کام لینے کی اجازت دی اور بڑی سخت اور مشکل مہمات ان جانوروں کے ذریعہ سے آسان کر دیں۔

"اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ" (یٰس رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ

اور (بجائے اس کے کہ سفر میں تم اپنے سامان کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلو) یہ جانور تمہارے سامان کے بوجھ اپنے اوپر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں کہ بغیر سخت تکلیف اٹھانے کے تم وہاں تک خود پہنچ بھی نہیں سکتے۔ (تفسیر مظہری)

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا
اور گھوڑے پیدا کئے اور خچریں اور گدھے کہ ان پر سوار ہو
وَزِيْنَةً ۭ
اور زینت کے لئے

یعنی سواری کرتے ہو اور عزت و شان ظاہر ہوتی ہے۔

(تنبیہ): عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں کے گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت، تیز رفتار اور قدم باز ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے گھوڑوں کی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔ ایک زندہ دل ہندی نے خوب کہا تھا کہ حجاز میں "گدھا" نہیں "حمار" ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گدھے اور گھوڑے کا گوشت:

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً اور اس نے تمہاری سواری اور شان بنانے کیلئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کیے۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کے حرام یا مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، غذائیت تو بھیڑ بکری، مرغی وغیرہ کے گوشت سے بہترین حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا حصول آسان بھی ہے۔ گھوڑے گدھے وغیرہ کا گوشت نہ اچھا ہوتا ہے نہ اس کا حصول زیادہ سہل ہے، ہاں سواری بار برداری اور شان بان کے جو فوائد ان سے وابستہ ہیں وہ دوسرے چھوٹے جانوروں سے حاصل نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر مظہری)

بعض علماء نے گھوڑے کے گوشت کی حرمت کی دلیل اس آیت سے لی ہے۔ جیسے امام ابوحنیفہؒ اور ان کی موافقت کرنے والے فقہاء کہتے ہیں کہ خچر اور گدھے کے ساتھ گھوڑے کا ذکر ہے اور پہلے کے دونوں جانور حرام ہیں اس لئے یہ بھی حرام ہوا چنانچہ خچر اور گدھے کی حرمت حدیثوں میں آئی ہے اور اکثر علماء کا مذہب یہی ہے۔ ابن عباسؓ سے ان تینوں کی حرمت آئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے کی آیت میں چوپایوں کا ذکر کر کے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انہیں تم کھاتے ہو۔ پس یہ تو ہوئے کھانے کے جانور اور ان تینوں کا بیان کر کے فرمایا ہے کہ ان پر تم سواری کرتے ہو پس یہ ہوئے سواری کے جانور۔ مسند کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں کے خچروں کے اور گدھوں کے گوشت کو منع فرمایا ہے۔ لیکن اس کے راویوں میں ایک راوی صالح بن یحییٰ بن مقدام ہیں جن میں کلام ہے۔ مسند کی اور حدیث میں مقدام بن معدیکرب سے منقول ہے کہ ہم خالد بن ولیدؓ کے ساتھ صائفہ کی جنگ میں تھے میرے پاس میرے ساتھی گوشت لائے مجھ سے ایک پتھر مانگا میں نے دیا۔ انہوں نے اس میں اسے باندھا۔ میں نے کہا ٹھہرو میں (حضرت) خالدؓ سے دریافت کر آؤں۔ انہوں نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خیبر میں تھے لوگوں نے یہودیوں کے کھیتوں پر جلدی شروع کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ لوگوں میں ندا کر دوں کہ نماز کے لئے آ جائیں اور مسلمانوں کے سوا کوئی نہ آئے۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم نے یہودیوں کے باغات میں گھسنے کی

جلدی مچائی۔ سنو معاہد کا مال بغیر حق کے حلال نہیں اور پالتو گدھوں کے اور گھوڑوں کے اور خچروں کے گوشت اور ہر ایک کچلیوں والا درندہ اور ہر ایک پنجے سے شکار کھیلنے والا پرندہ حرام ہے۔

گھوڑے گدھے پر سواری:

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ پہلے گھوڑوں میں وحشیت اور جنگلیت تھی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کیلئے اسے مطیع کر دیا۔ وہبؒ نے اسرائیلی روایتوں میں بیان کیا ہے کہ جنوبی ہوا سے گھوڑے پیدا ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔ ان تینوں جانوروں پر سواری لینے کا جواز تو قرآن کے لفظوں سے ثابت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خچر ہدیے میں دیا گیا تھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری کرتے تھے۔

خچر کی پیدائش:

ہاں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ گھوڑوں کو گدھوں سے ملایا جائے یہ ممانعت اس لیے ہے کہ نسل منقطع نہ ہو جائے۔ حضرت دحیہ کلبیؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں تو ہم گھوڑے اور گدھی کے ملاپ سے خچر لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو علم سے کورے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧
اور پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے

ان دیکھی مخلوق:

یعنی جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا، ان کے علاوہ حق تعالیٰ تمہارے انتفاع کیلئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی تمہیں فی الحال خبر بھی نہیں، اس میں وہ سب سواریاں بھی آگئیں جو قیامت تک بنتی رہیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جنت میں مؤمنوں کے لئے اور دوزخ میں کافروں کے لئے ایسی ایسی راحتیں اور تکلیفیں پیدا کی ہیں جن کا تمہیں پتہ بھی نہیں۔ نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی شخص کے دل میں ان کا تصور آیا۔ (تفسیر مظہری)

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ
اور اللہ تک پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضی راہ کج بھی ہے

روحانی منزل کا راستہ:

پہلے ذکر فرمایا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہو اور وہ تم کو مع سامان و اسباب کے سخت اور کٹھن منزلیں طے کرا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتے ہیں۔ یہ بدنی اور حسی سیر و سفر کا حال ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اب روحانی اور معنوی سیر و سیاحت کی طرف کلام منتقل ہو گیا۔ یعنی جس طرح زمینی راستے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچتے ہو ایسے ہی خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بھی کھلا ہوا ہے۔ جس کی سمجھ سیدھی ہوگی وہ مذکورہ بالا دلائل و بصائر میں غور کر کے حق تعالیٰ کی قدرت اور عظمت و جبروت پر ایمان لائے گا اور توحید و تقویٰ کی سیدھی راہ چل کر بے کھٹکے خدا تک پہنچ جائیگا۔ لیکن جس کی عقل سیدھی نہیں، اسے سیدھی سڑک پر چلنے کی توفیق کہاں ہو سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ اہواء اوہام کی پیچ دار پگڈنڈیوں میں پڑا بھٹکتا رہے گا۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ (انعام رکوع ۱۹) (تفسیر عثمانی)

یا قصدا لسبیل سے مراد ہے اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ۔ کہ جو شخص اس راہ پر چلے گا اللہ تک پہنچ جائے گا۔ سبیل قصد یا قاصد سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔ جائر کا معنی ہے ٹیڑھا یعنی راہ مستقیم سے یا اللہ کے رخ سے کٹا ہوا۔ اس کلام کا مقصود صرف راہ خدا کا بیان ہے۔ منھا جائر کا جملہ بالعرض ذکر کیا گیا ہے۔ قصد السبیل صرف راہ سنت ہے اور ٹیڑھا راستہ تمام مذاہب کفر اور بدعات و خواہشات نفس کا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨
اور اگر وہ چاہے تو سیدھی راہ دے تم سب کو

جبر حکمت کے خلاف ہے:

یعنی خدا کچھ اس بات سے عاجز نہیں تھا کہ ساری دنیا کو ایک ہی راہ پر لگا دیتا۔ لیکن اس کی حکمت مقتضی نہیں ہوئی کہ سب کو ایک ہی ڈھنگ اختیار کرنے پر مجبور کر دے۔ جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواقع میں اس کی تشریح کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ
وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے تمہارے لئے پانی اس سے
شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩
پیتے ہو اور اسی سے درخت ہوتے ہیں جس میں چراتے ہو

یعنی پانی پینے کے قابل بنایا اور اسی سے درخت، گھاس وغیرہ نباتات اگائے جس سے تمہارے جانور چرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ
اگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون
وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ
اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾
البتہ نشانی ہے ان لوگوں کو جو غور کرتے ہیں

مختلف پھل: یعنی ایک ہی پانی سے مختلف قسم کے پھل اور میوے اگا تا رہتا ہے جن کی شکل وصورت رنگ وبو، مزہ اور تاثیر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ اس میں غور کرنے والوں کیلئے خدا کی قدرت کاملہ اور صنعت وغریبہ کا بڑا نشان ہے کہ ایک زمین، ایک آفتاب، ایک ہوا، اور ایک پانی سے کیسے رنگ برنگ کے پھل پھول پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ
اور تمہارے کام میں لگا دیا رات اور دن اور سورج
وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ
اور چاند کو اور ستارے کام میں لگے ہیں اس کے حکم سے

رات، دن، چاند اور سورج کا نظام:

رات اور دن برابر ایک دوسرے کے پیچھے لگے چلے آتے ہیں تا دنیا کا کاروبار چلے اور لوگ سکون وآرام حاصل کر سکیں۔ اسی طرح چاند سورج ایک معین نظام کے ماتحت نکلتے اور چھپتے رہتے ہیں۔ رات دن کی آمد وشد اور شمس وقمر کے طلوع وغروب کے ساتھ انسانوں کے بیشمار فوائد وابستہ ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بدون انسان کی زندگی محال ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند اور سورج اور کل ستاروں کو ادنیٰ مزدوروں کی طرح ہمارے کاموں پر لگا رکھا ہے۔ مجال نہیں کہ ذرا سستی یا سرتابی کر سکیں۔ لیکن چونکہ رات دن اور چاند سورج سے بالکل صریح طور پر ہمارے کام متعلق ہیں اور دوسرے ستاروں سے ہمارے فوائد ومصالح کی وابستگی اس قدر واضح نہیں ہے، شاید اس لئے ان کو جدا کر کے دوسرے عنوان سے بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے:

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ بامرہ میں امر سے مراد ہے ایجاد اور اندازہ مقرر کرنا یا حکم مراد ہے۔ آیت بتارہی ہے کہ جو لوگ تخلیق نبات کو صرف تاثیر کواکب سے وابستہ قرار دیتے ہیں اور ستاروں کی حرکات واوضاع کو موثر حقیقی جانتے ہیں ان کا خیال غلط ہے۔

تمام ممکنات کی ہستی کے لئے ذات واجب الوجود کا ہونا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات سماوی کی تاثیرات ہوں یا عناصر کی ان کی حیثیت ایک ضابطہ اور دستور کی ہے اللہ کا ضابطہ اور عادت یہی ہے کہ اس نے بعض نتائج کو بعض اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور اسباب کی علت نتائج بنا دیا ہے خود یہ اسباب نتائج کے موجد نہیں ہیں اسباب کا اپنا وجود ہی اپنا نہیں، خدا داد ہے، جو چیز معدوم الذات ہو وہ دوسرے کو وجود کیسے دے سکتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾
اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو سمجھ رکھتے ہیں اور جو
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ
چیزیں پھیلائیں تمہارے واسطے زمین میں رنگ برنگ کی

مخلوقات کا مقصد:

یعنی جس بلند وبرتر ہستی نے آسمانی چیزوں کو تمہارے کام میں لگایا اسی نے تمہارے فائدہ کیلئے زمین میں مختلف قسم کی مخلوقات پیدا کیں جو ماہیت شکل وصورت رنگ وبو اور منافع وخواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات، بسائط ومرکبات شامل ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
اس میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں
وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ
اور وہی ہے جس نے کام میں لگا دیا دریا کو
لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس میں سے گہنا جو پہنتے
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ
ہو اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو چلتی ہیں پانی پھاڑ کر اس میں (دریا میں)

سمندری منافع:

یعنی ایسے ٹھاٹھیں مارنے والے خوفناک سمندر کو بھی جس کے سامنے

انسان ضعیف البنیان کی کچھ بساط نہیں۔ تمہارے کام میں لگا دیا کہ اس میں بے تکلف مچھلی کا شکار کر کے نہایت لذیذ اور تروتازہ گوشت حاصل کرتے ہو۔ اور اس کے بعض حصوں میں موتی اور مونگا نکالتے ہو جس کے قیمتی زیور تیار کئے جاتے ہیں۔ بھلا سمندر کی موجوں کو دیکھو جن کے سامنے بڑے بڑے جہازوں کی ایک تنکہ کی برابر حقیقت نہیں۔ لیکن ایک چھوٹی سی کشتی کس طرح ان موجوں کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے کہ اس نے انسان کو عقل دی اور ایسی چیزیں تیار کر لینے کی ترکیب سمجھائی جن کے ذریعہ سے گویا سمندر کو پایاب کر لیا گیا۔ (تفسیر عثانی)

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔ طری تروتازہ یعنی مچھلیاں۔

مچھلی کا گوشت:

مچھلی میں ہر گوشت سے زیادہ رطوبت ہے اسی لئے مچھلی کا گوشت بہت جلد خراب ہو جاتا ہے چونکہ (لعابیت کی وجہ سے) مچھلی کا گوشت آنتوں سے چسپاں ہو جاتا ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد پیاس زیادہ لگتی ہے گوشت کی گرمی یا خشکی موجب تشنگی نہیں ہوتی۔ اللہ کی عجیب حکمت ہے تلخ، نمکین اور غلیظ پانی سے ایسی تروتازہ شیریں لطیف چیز اس نے پیدا کی۔

مسخر کرنے کا معنیٰ:

سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، رات اور دن کو مسخر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو انسان کے کام میں لگانے کے لئے اپنی قدرت کا مسخر بنا دیا، کہ رات انسان کو آرام کے سامان مہیا کرتی ہے اور دن اس کے کام کے راستے ہموار کرتا ہے ان کے مسخر کرنے کے یہ معنی نہیں کہ رات اور دن انسان کے حکم کے تابع چلیں۔

هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا آسمان وزمین کی مخلوقات اور ان میں انسان کے منافع اور فوائد بیان کرنے کے بعد بحر محیط (سمندر) کے اندر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے انسان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں ان کا بیان ہے کہ دریا میں انسان کی خوراک کا کیسا انتظام کیا گیا ہے کہ مچھلی کا تازہ گوشت اس کو ملتا ہے۔

مچھلی میں ذبح کی شرط نہیں:

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا کے الفاظ میں مچھلی کو تازہ گوشت قرار دینے سے اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ دوسرے جانوروں کی طرح اس میں ذبح کرنے کی شرط نہیں وہ گویا بنا بنایا گوشت ہے۔

جواہرات:

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا یہ دریا کا دوسرا فائدہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں غوطہ لگا کر انسان اپنے لئے حلیہ نکال لیتا ہے حلیہ کے لفظی معنی زینت کے ہیں مراد وہ موتی، مونگا اور جواہرات ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور عورتیں ان کے ہار بنا کر گلے میں یا دوسرے طریقوں سے کانوں میں پہنتی ہیں یہ زیور اگرچہ عورتیں پہنتی ہیں لیکن قرآن نے لفظ مذکر استعمال فرمایا تلبسو نها یعنی تم لوگ پہنتے ہو۔

عورتوں کی زینت کا مقصد:

اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عورتوں کا زیور پہننا درحقیقت مردوں ہی کے مفاد کے لئے ہیں عورت کی زینت درحقیقت مرد کا حق ہے۔ وہ اپنی بیوی کو زینت کا لباس اور زیور پہننے پر مجبور بھی کر سکتا ہے اس کے علاوہ جواہرات کا استعمال مرد بھی انگوٹھی وغیرہ میں کر سکتے ہیں۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾
اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور تا کہ احسان مانو

اس تسخیر کا مقصد:

یعنی جہازوں اور کشتیوں پر تجارتی، مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچاؤ، اور خدا کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرو، پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے شکر گزار رہو۔ (تفسیر عثانی)

خدا تعالیٰ اپنی اور مہربانی جتاتا ہے کہ سمندر پر دریا پر بھی اس نے تمہیں قابض کر دیا باوجود اپنی گہرائی کے اور اپنی موجوں کے وہ تمہارا تابع ہے تمہاری کشتیاں اس میں چلتی ہیں اسی طرح اس میں سے مچھلیاں نکال کر ان کے تروتازہ گوشت تم کھاتے ہو۔ مچھلی حلت کی حالت میں، احرام کی حالت میں زندہ ہو یا مردہ ہو خدا کی طرف سے حلال ہے۔ لؤلؤ اور جوہر اس نے تمہارے لئے اس میں پیدا کئے ہیں جنہیں تم سہولت سے نکال لیتے ہو اور بطور زیور کے اپنے کام میں لیتے ہو۔ پھر اس میں کشتیاں ہواؤں کو ہٹاتی پانی کو چیرتی اپنے سینوں کے بل تیرتی چلی جاتی ہیں۔

سب سے پہلی کشتی:

سب سے پہلے حضرت نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے، انہی کو کشتی بنانا خدائے عالم نے سکھایا پھر لوگ برابر بناتے چلے آئے اور ان پر تری کے لمبے لمبے سفر طے ہونے لگے۔ اس پار کی چیزیں اُس پار اور اُس پار کی اس پار آنے جانے لگیں۔

دریا کی محرومی، سمندر کی خوش قسمتی:

بزار میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مغربی دریا سے کہا کہ میں اپنے بندوں کو تجھ میں سوار کرنے والا ہوں تو ان کے ساتھ

کیا کرے گا؟ اس نے کہا ڈبودوں گا۔ فرمایا تیری تیزی تیرے کناروں پر ہے اور انہیں میں اپنے ہاتھ میں لے چلوں گا۔ تجھے میں نے زیور اور شکار سے محروم کیا۔ پھر مشرقی سمندر سے یہی بات کہی اس نے کہا میں اپنے ہاتھوں پر انہیں اٹھاؤں گا اور جس طرح ماں اپنے بچے کی خبر گیری کرتی ہے میں ان کی کرتا رہوں گا۔ پس اسے اللہ تعالیٰ نے زیور بھی دیئے اور شکار بھی۔ اس حدیث کا راوی صرف عبدالرحمٰن بن عبداللہ ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ سے بھی یہ روایت مرفوعاً مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وترى الفلك مواخر فيه ولتبتغوا من فضله۔ یہ تیسرا فائدہ دریا کا بتلایا گیا ہے فلک کے معنی کشتی اور مواخر، ماخرہ کی جمع ہے، مخر کے معنی پانی کو چیرنے کے ہیں، مراد وہ کشتیاں اور بحری جہاز ہیں جو پانی کی موجوں کو چیرتے ہوئے مسافت طے کرتے ہیں۔

تجارت کا اہم ذریعہ:

مطلب آیت کا یہ ہے کہ دریا کو اللہ تعالیٰ نے بلاد بعیدہ کے سفر کا راستہ بنایا ہے دور دراز کے ملکوں میں دریا ہی کے ذریعہ سفر کرنا اور تجارتی مال کی درآمد و برآمد کرنا آسان فرمادیا ہے اور اس کو حصول رزق کا عمدہ ذریعہ قرار دیا، کیونکہ دریا کے راستہ سے تجارت سب سے زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ
اور رکھ دیئے زمین پر بوجھ (پہاڑ) کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر

پہاڑوں کی حکمت:

یعنی خدا تعالیٰ نے زمین پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے۔ تا زمین اپنی اضطرابی حرکت سے تم کو لیکر بیٹھ نہ جائے۔ روایات و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین ابتدائے آفرینش میں مضطربانہ طور پر ہلتی اور کانپتی تھی خدا تعالیٰ نے اس میں پہاڑ پیدا کئے جن سے اس کی کپکپی بند ہوئی۔ آج کل جدید سائنس نے بھی اقرار کیا ہے کہ پہاڑوں کا وجود بڑی حد تک زلزلوں کی کثرت سے مانع ہے۔ بہر حال زمین کی حرکت وسکون کا مسئلہ جو حکماء میں مختلف فیہ رہا ہے اس سے آیت کا نفیاً یا اثباتاً کچھ تعلق نہیں کیونکہ پہاڑوں کے ذریعہ سے جس حرکت کو بند کیا ہے وہ یہ دائمی حرکت نہیں جس میں اختلاف ہو رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سخت چیزیں:

عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بوساطت قتادہ بروایت حسین قیس بن عباد کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ (گول ہونے کی وجہ سے) لرزاں تھی فرشتے کہنے لگے، یہ تو اپنی پشت پر کسی کو قرار نہیں پکڑنے دے گی لیکن جونہی صبح ہوئی تو (رات بیچ میں) زمین کے اندر پہاڑ قائم ہو گئے اور فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کہاں سے پیدا ہو گئے، کہنے لگے اے ہمارے رب کیا تیری مخلوق میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو ان سے زیادہ سخت ہو، اللہ نے فرمایا، ہاں لوہا ہے فرشتوں نے عرض کیا، لوہے سے بھی سخت تیری کوئی اور مخلوق ہے، فرمایا، ہاں، آگ ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز ہے، فرمایا، ہاں، پانی ہے، فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا تو نے پانی سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز پیدا کی ہے۔ فرمایا، ہاں، ہوا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا، ہوا سے بھی سخت کوئی چیز تو نے بنائی ہے، فرمایا، ہاں، مرد (ہوا سے زیادہ سخت ہے) عرض کیا۔ کیا تیری کوئی مخلوق مرد سے بھی زیادہ سخت ہے۔ فرمایا، ہاں، عورت ہے۔ انتہیٰ

اگر دریافت کیا جائے کہ یہ سوال کہیں جا کر ختم بھی ہو سکتا ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ قوی اور بڑی طاقت والا ہے اور تمام ممکنات اس کے مقابلہ میں عاجز بلکہ ہیچ ہیں۔ اللہ کی قوت کا جس پر پرتو پڑ جاتا ہے وہ چیز دوسروں کے مقابلہ میں قوی ہو جاتی ہے۔ ہاتھی پر قوت کا پرتو پڑ گیا تو وہ چیونٹی سے قوی ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین بنائی تو وہ ہل رہی تھی یہاں تک کہ فرشتوں نے کہا اس پر کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔ صبح دیکھتے ہیں کہ پہاڑ اس پر گاڑ دیئے گئے ہیں اور اس کا ہلنا موقوف ہو گیا ہے۔ پس فرشتوں کو یہ بھی نہ معلوم ہو سکا کہ پہاڑ کس چیز سے پیدا کئے گئے۔ قیس بن عبادہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ زمین نے کہا کہ تو مجھ پر بنی آدم کو بساتا ہے جو میری پیٹھ پر گناہ کریں گے اور خباثت پھیلائیں گے وہ کانپنے لگی، پس اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو اس پر جمادیا جنہیں تم دیکھ رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ، رواسی، راسیہ کی جمع ہے، بھاری پہاڑ کو کہا جاتا ہے، تمید، مید مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈگمگانا یا مضطربانہ قسم کی حرکت کرنا ہے۔

زمین کی ساخت:

معنی آیت کے یہ ہیں کہ زمین کے کرہ کو حق تعالیٰ نے بہت سی حکمتوں کے ماتحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا، اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا کچھ قدیم وجدید فلاسفروں کی طرح حرکت مستدیرہ کے ساتھ متحرک قرار دیا جائے۔ دونوں حال میں زمین کے اندر ایک اضطرابی حرکت ہوتی ہے جس کو اردو میں کانپنے یا ڈگمگانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس اضطرابی حرکت کو روکنے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تا کہ وہ اضطرابی حرکت

نہ کر سکے، باقی رہا مسئلہ حرکت متدیرہ کا، جیسے تمام سیارات کرتے ہیں اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثاغورث کی یہی تحقیق تھی، اور جدید فلاسفر سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ واضح کر دیا ہے تو قرآن کریم میں نہ کہیں اس کا اثبات ہے نہ اس کی نفی، بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس حرکت متدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت کی جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاَنْهٰرًا
اور بنائیں ندیاں

نہروں کا عجیب نظام:

یعنی ندیوں اور نہروں کا سرچشمہ کہیں پہاڑوں میں ہوتا ہے لیکن وہ میدانوں اور پہاڑوں کو قطع کرتی ہوئی سینکڑوں ہزاروں میل کی مسافت پر خدا کے حکم سے ان بستیوں تک پہنچتی ہیں جن کا رزق ان کے پانی سے متعلق کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾
اور راستے تاکہ تم راہ پاؤ

یعنی ایک ملک سے دوسرے ملک میں جا سکو۔

وَعَلٰمٰتٍ
اور بنائیں (رکھیں) علامتیں

زمینی علامات:

یعنی پہاڑ، چشمے، درخت، ریت کے ٹیلے غرض مختلف قسم کی علامتیں قائم کر دی ہیں جن سے مسافروں کے قافلے ٹھیک راستہ کا سراغ نکال سکیں۔ میں نے خود بعض اعراب (بدوؤں) کو دیکھا کہ مٹی سونگھ کر راستہ کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں

آسمانی علامات:

یعنی رات کے وقت دریا اور خشکی کے سفر میں بعض ستاروں کے ذریعہ سے رستہ کا پتہ لگا لیا جاتا ہے۔ "قطب نما" سے جو رہنمائی ہوتی ہے وہ بھی بالواسطہ ستارہ سے تعلق رکھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں یعنی رات کی تاریکی میں جنگلوں اور سمندروں میں ستاروں سے راستوں کی شناخت کرتے ہیں۔ النجم سے مراد ہے عام ستارے۔ محمد بن کعب نے کہا علامات سے مراد پہاڑ ہیں۔ دن کے وقت پہاڑوں سے راستہ معلوم ہوتا ہے اور رات کے وقت ستاروں سے (کلبی نے کہا، سب (علامات) سے مراد ستارے ہیں، کچھ ستارے علامات (اور نشانات) ہیں اور کچھ ستاروں سے لوگ راستے معلوم کرتے ہیں۔ سدی نے کہا النجم سے مراد ہے ثریا اور بنات النعش اور دونوں فرقد اور جدی، ان سے لوگ راہ بھی معلوم کر لیتے ہیں اور جہت قبلہ بھی۔ میں کہتا ہوں، (اس مرادی) تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ ستارے قطب شمالی کے قریب ہیں ان کے دائرے چھوٹے ہیں اس لئے اپنی اپنی جگہ سے بہت ہی کم حرکت کرتے ہیں۔

قریشیوں کے سفر:

یھتدون کی فاعلی ضمیر قریش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ قریش عام طور پر تجارت کے لئے رات کو سفر کرتے تھے اور رات میں چلتے تھے اور ستاروں سے جہت سفر کو معلوم کرنے میں بہت مشہور تھے۔ علامات کے لفظ کے بعد النجم کا ذکر خصوصیت کو ظاہر کر رہا ہے گویا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نجم سے خاص طور پر راستہ کی شناخت کرتے اور راہ پر چلتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا شکر لازم ہے کہ اس نے ستاروں کو ان کے لئے دلیل راہ بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ، یعنی سفر کرنے والے جیسے زمینی علامات سے راستہ پہچانتے ہیں اسی طرح ستاروں کے ذریعے بھی سمت معلوم کر کے راستہ پہچان لیتے ہیں۔

نکتہ: اس عنوان میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کی تخلیق کا اصل مقصد تو کچھ اور ہے اس کے ساتھ ایک یہ بھی فائدہ ہے کہ ان سے راستے بھی پہچانے جاتے ہیں۔ (معارف القرآن)

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا
بھلا جو پیدا کرے برابر ہے اس کے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا تم
تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾
سوچتے نہیں

شرک کی تردید:

یعنی سوچنا چاہیے یہ کس قدر حماقت ہے کہ جو چیزیں ایک مکھی کا پر اور مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ یا ریت کا ذرہ پیدا کرنے پر قادر نہ ہوں انہیں معبود و مستعان ٹھہرا کر خداوند قدوس کی برابر کر دیا جائے۔ جو مذکورہ بالا

عجیب وغریب مخلوقات کا پیدا کرنے والا اور ان کے محکم نظام کو قائم رکھنے والا ہے اس گستاخی کو دیکھو اور خدا کے انعامات کو خیال کرو۔ حقیقت میں انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بتوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے:

یعنی جب روشن وکثیر دلائل سے اللہ کا علمی کمال اور قدرت کا احاطہ اور حکمت کی ہمہ گیری ثابت ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تنہا اللہ ہی خالق کائنات ہے کوئی دوسرا خالق نہیں ہے یہاں تک کہ کوئی بھی نہ مکھی کو اڑا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اگر مکھی ان بتوں سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے۔ تو پھر ایسا خلاق کل اس چیز کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جو خالقیت سے بالکل بے بہرہ ہے۔

اب تو غور کرو:

اَفَلَا تَذَكَّرُونَ تو کیا (ان مشاہدات برہانی کے بعد بھی) نصیحت پذیر نہیں ہوگے۔ یعنی جب ایسی چیزیں تمہارے سامنے ہیں جو نصیحت اندوزی کی مقتضی ہیں تو پھر عبرت اندوز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ
اور اگر شمار (گنو) کرو اللہ کی نعمتوں کو نہ پورا کر سکو گے ان کو

خدائی نعمتیں بے شمار ہیں:

یعنی جو نعمتیں اوپر بیان ہوئیں "مشتے نمونہ خروارے" تھیں۔ باقی خدا کی نعمتیں تو اس قدر ہیں جن کا تم کسی طرح شمار نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اللہ کی نعمتوں کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ گن سکو لہٰذا اس کے معبود ہونے کا حق بھی محدود نہیں ہے (ہر نعمت اس کو مستحق عبادت بنا رہی ہے) پس تم پورا حق عبادت تو ادا ہی نہیں کر سکتے یہی کافی ہے کہ تم اپنی عاجزی کا اقرار کرو۔ اور ظاہر باطن ہر طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾
بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

شکر کرو تو کوتاہی معاف ہوگی:

یعنی ان بے شمار نعمتوں کا شکر پوری طرح کس سے ادا ہوسکتا ہے لہٰذا ادائے شکر میں جو کوتاہی رہ جاتی ہے خدا اس سے درگذر کرتا اور تھوڑے سے شکر پر بہت سا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ یا یہ کہ کفران نعمت کے بعد جو شخص توبہ کر کے شکر گذار بن جائے حق تعالیٰ اس کی پچھلی کوتاہیوں کو بخشتا اور آئندہ کیلئے رحمت مبذول فرماتا ہے۔ بلکہ ناشکری کی حالت میں بھی اپنی رحمت واسعہ سے اس کو بالکلیہ محروم نہیں کرتا۔ ہزاروں طرح کی نعمتیں دنیا میں فائض کرتا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾
اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو

اللہ کو تمام ظاہر و پوشیدہ معلوم ہے:

یعنی حق تعالیٰ تمام ظاہری و باطنی احوال سے خبردار ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون شخص اس کی نعمتوں پر کس حد تک دل سے اور کس حد تک جوارح سے شکر گزار بنتا ہے اور کون ایسا ہے جس کا ظاہر و باطن ادائے حق نعمت سے خالی رہتا ہے۔ یا مذکورہ بالا دلائل و نعم کو سن کر کون ہے جو سچے دل سے اس پر ایمان لاتا ہے اور کون ہے جو ظاہر میں دلائل سے لاجواب ہو کر بھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ خدا کے علم میں جس کا جو حال ہوگا اسی کے موافق معاملہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ
اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوائے کچھ پیدا نہیں کرتے اور
شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ ؕ
وہ خود پیدا کئے ہوئے ہیں

مشرکوں کی حماقت:

خدا تو وہ ہے جس کے عظیم الشان اور غیر محصور انعامات کا اوپر تذکرہ ہوا۔ اب مشرکین کی حماقت ملاحظہ ہو کہ ایسے عالم الکل اور خالق الکل خدا کا شریک ان چیزوں کو ٹھہرا دیا جو ایک گھاس کا تنکا پیدا نہیں کر سکتیں بلکہ خود ان کا وجود بھی خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آسمان وزمین تو بڑی چیزیں ہیں ان کے معبود تو ادنیٰ اور حقیر ترین چیز کے بھی خالق نہیں۔ کوئی چیز پیدا کرنے کی انہیں قدرت ہی نہیں بلکہ خود اپنی ہستی بھی ان کی اپنی نہیں۔ نہ ذات اپنی ہے نہ وجود اپنا بلکہ ان کی ہستی دوسرے کی ممنون کرم اور عطا کردہ ہے۔ پس کس طرح ممکن ہے کہ وہ شریک خدا ہوسکیں اور کیسے جائز ہے کہ ان کو الٰہیہ قرار دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ
مردے ہیں جن میں جان نہیں

ان کے معبود مُردے ہیں:

یعنی جن چیزوں کو خدا کے سوا پوجتے ہیں سب مردے (بے جان) ہیں۔ خواہ دوامًا مثلاً بت، یا فی الحال مثلاً جو بزرگ مر چکے اور ان کی پوجا کی جاتی ہے

یا انجام ومآل کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً حضرت مسیح، روح القدس اور ملائکۃ اللہ، جن کی بعض فرقے پرستش کرتے تھے بلکہ جن وشیطان بھی جن کو بعض ممسوخ الفطرت پوجتے ہیں سب پر ایک وقت موت طاری ہونے والی ہے پس جس چیز کو وجود دوسرے کا عطا کیا ہوا ہو اور وہ جب چاہے چھین لے، اسے خدا کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ یا عبادت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۱﴾
اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے

یعنی یہ عجیب خدا ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ قیامت کب آئیگی اور وہ خود یا ان کے پرستار کب حساب وکتاب کے لئے اٹھائے جائینگے ایسی ہیجان اور بے خبر ہستیوں کو خدا ابتلا نا انتہائی درجہ کی حماقت اور جہل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
معبود تمہارا معبود ہے اکیلا سو جن کو یقین نہیں
بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ
آخرت کی زندگی کا ان کے دل نہیں مانتے
مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾
اور وہ مغرور ہیں

غور نہ کرنے والے:

یعنی جو دلائل وشواہد اوپر بیان ہوئے ایسے صاف اور واضح ہیں جس میں ادنیٰ غور کرنے سے انسان توحید کا یقین کرسکتا ہے لیکن غور وطلب تو وہ کرے جسے اپنی عاقبت کی فکر اور انجام کا ڈر ہو۔ جن کو بعد الموت کا یقین ہی نہیں۔ نہ انجام کی طرف دھیان ہے وہ دلائل پر کب کان دھرتے اور ایمان وکفر کے نیک وبد انجام کی طرف التفات کرتے ہیں۔ پھر دلوں میں توحید کا اقرار اور پیغمبروں کے سامنے تواضع سے گردن جھکانے کا خیال آئے تو کہاں سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا
ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر
يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾
(جتلاتے ہیں) کرتے ہیں بے شک وہ نہیں پسند کرتا غرور کرنیوالوں کو

غرور وبے پرواہی سب کی سزا ملے گی:

یعنی خوب سمجھ لو کبر وغرور کوئی اچھی اور پسندیدہ چیز نہیں، اس کا نتیجہ بھگتنا پڑیگا۔ توحید کا انکار جو تم دلوں میں رکھتے ہو اور غرور وتکبر جس کا اظہار تمہاری چال ڈھال اور طور وطریق سے ہورہا ہے سب خدا کے علم میں ہے۔ وہ ہی ہر کھلے چھپے جرم کی سزا تم کو دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کا مفہوم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر غرور (والا) جنت میں نہیں جائے گا۔ اور چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر ایمان (والا) دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا لباس خوبصورت ہو (اور یہ غرور کی علامت ہے پھر ان کا نتیجہ کیا ہوگا) فرمایا، اللہ جمال والا ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔ (غرور کپڑوں کی پسندیدگی کا نام نہیں، خوش لباسی کی خواہش تکبر نہیں بلکہ) تکبر حق سے تکبر کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے سے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں الکبر من بطر الحق آیا ہے۔ جس کا مطلب علماء نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ نہایہ میں ہے کہ اللہ کی توحید اور عبادت کو باطل سمجھے باوجود یہ کہ اللہ نے اس کو حق قرار دیا ہے بعض نے کہا کہ بطر الحق کا معنی ہے حق کے البطراق کا یہ معنی ہے حق کا مقابلہ میں مغرور ہوجاتا حق کو حق نہ ماننا۔ بعض نے کہا، حق کو قبول نہ کرنے کا نام ہے بطر الحق۔ ان تمام اقوال کا حاصل (ایک ہی ہے وہ) یہ کہ اللہ کی عبادت کو لازم نہ سمجھے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کا احسان اور مہربانی نہ قرار دے بلکہ خدا پر اپنا حق سمجھے۔

نکتہ: میں کہتا ہوں، حدیث مذکور میں جو تکبر کے مقابلہ میں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مومن اپنے وجود اور تمام کمالات کو خداداد سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی اللہ کی امانت اور عاریت جانتا ہے اس لئے اپنے کمالات پر غرور نہیں کرتا اور کافر اپنی ہستی اور اپنے کمالات کو خود آوردہ جانتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے۔ تصوف میں جو لفظ فنا آتا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے وجود کو بجائے خود معدوم سمجھے خود اپنی ہستی کو اپنی نہ سمجھے۔ بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عاریت جانے۔ (تفسیر مظہری)

متکبرین کا حشر:

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہوجائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید ومدیر کے مورد اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لئے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔ (معارف القرآن)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ

اور جب کہے ان سے کہ کیا اتارا ہے تمہارے رب نے

قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

تو کہیں کہانیاں ہیں پہلوں کی

قرآن کے ساتھ متکبرین کا سلوک:

یعنی ناواقف اشخاص بغرض تحقیق یا واقف لوگ از راہ امتحان جب ان مکذبین سے کہتے ہیں یا وہ مکذبین خود آپس میں ایک دوسرے سے از راہ تمسخر واستہزاء سوال کرتے ہیں کہ ''کہو تمہارے رب نے کیا چیز اتاری ہے؟'' مطلب یہ کہ قرآن جسے پیغمبر علیہ السلام خدا کا اتارا ہوا بتلاتے ہیں تمہارے نزدیک کیا چیز ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوے میں کہاں تک سچے ہیں؟ تو کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) قرآن میں رکھا ہی کیا ہے، بجز اس کے کہ کتب سابقہ اور ملل سابقہ کی کچھ پرانی بے سند باتیں (توحید، نبوت، جنت دوزخ وغیرہ) اور چند قصے کہانیاں نقل کردی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین مکہ کے کرتوت:

قبائل عرب کو جب پتہ چلا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ایام حج میں تحقیق احوال کے لئے کچھ آدمیوں کو مکہ بھیجا۔ یہ نمائندے آئے اور مکہ کی گھاٹیوں میں جو مشرک بیرونی لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے روکنے کے لئے معمور تھے ان سے مل کر دریافت کیا کہ اللہ نے کیا کلام اتارا ہے ان لوگوں نے جواب دیا یہ اللہ کا بھیجا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہی حکایتیں ہیں جو پچھلوں نے لکھ دی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ

تاکہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے

وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ

اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکاتے ہیں بلا تحقیق سنتا ہے!

عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾

برا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں

انجام بد:

یعنی اس کہنے سے غرض یہ ہے کہ (معاذ اللہ) قرآن عزیز کو بے وقعت ٹھہرا کر اپنے ساتھ دوسروں کو گمراہ کریں اور اس طرح اپنے کفر وضلال کی پوری پوٹ کے ساتھ کچھ بوجھ ان لوگوں کے اضلال واغواء کا بھی سر پر رکھیں۔ جنہیں اپنی نادانی اور جہالت سے گمراہ کررہے ہیں۔ خیال کرو کیسی بدی کی پوٹ سر پر رکھ رہے ہیں۔ حدیث میں ہے۔ **ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اثام من اتبعه لا ینقص ذلک من اثامهم شیئا.** قال اللہ تعالیٰ ''وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ'' (عنکبوت رکوع۱) (تفسیر عثمانی)

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ نتیجہ اس کہنے کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بھی پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ یعنی یہ مشرک ایسا جواب اس لئے دیتے ہیں کہ لوگوں کو گمراہ کردیں اور قیامت کے دن اپنی گمراہی کے گناہوں کا بار پورا پورا اپنے اوپر اٹھائیں۔ کیونکہ گمراہ گری علامت ہے کامل گمراہی کی، دوسروں کو گمراہ بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے والوں میں گمراہی جم گئی ہے (اسی وجہ سے تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں)۔

داعی کا بدلہ:

امام احمد، مسلم اور اصحاب السنن نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص ہدایت کی طرف بلائے گا۔ اس کو بھی نیکی کرنے والے کی نیکی کے برابر اجر ملے گا اور نیکی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے گا اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ کرنے والے پر اور گناہ کرنے والے کے (بار) گناہ میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث شریف میں ہے کہ ہدایت کی دعوت دینے والے کو اپنے اجر کے ساتھ اپنے متبع لوگوں کا اجر بھی ملتا ہے لیکن ان کے اجر کم نہیں ہوتے اور برائی کی طرف بلانے والوں کو ان کی ماننے والوں کے گناہ بھی ملتے ہیں لیکن ماننے والوں کے گناہ کم ہوکر نہیں۔ قرآن کریم کی اور آیت میں ہے وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ الخ یہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ہی ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کے افتراء کا سوال ان سے قیامت کے دن ہونا ضروری ہے پس ماننے والوں کے بوجھ گو ان کی گردنوں پر ہیں لیکن وہ بھی ہلکے نہیں ہونے کے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ

البتہ دغا بازی کرچکے ہیں جو تھے ان (ان سے اگلے) سے

بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ

پہلے پھر پہنچا حکم اللہ کا ان کی عمارت پر

السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ

بنیادوں سے پھر گر پڑی ان پر چھت اوپر سے اور آیا

مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

ان پر عذاب جہاں سے ان کو خبر نہ تھی

گذشتہ اقوام بھی ناکام ہو چکی ہیں:

یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے اور پیغام حق کو پست کرنے کی جو تدبیریں آج کی جارہی ہے ان سے پہلے دوسری قومیں بھی انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں ایسی تدبیریں کر چکی ہیں، انہوں نے مکر و تلبیس کے بڑے اونچے محل کھڑے کر دیے، پھر جب خدا کا حکم پہنچا تو اس نے پکڑ کر بنیادیں ہلا دیں۔ آخر عذاب الٰہی کے ایک جھٹکہ میں ان کے تیار کیے ہوئے محل ان ہی پر آ پڑے جن کی چھتوں کے نیچے سب دب کر رہ گئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کی تدبیریں خود ان ہی پر الٹ دی گئیں۔ اور جو سامان غلبہ وحفاظت کا کیا تھا وہ فنا و ہلاکت کا سبب بن گیا۔ بلکہ بعض اقوام کی بستیاں حسی طور پر بھی تہ و بالا کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

نمرود کی ہلاکت:

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نیز بغوی نے وہب (بن منبہ) کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں نمرود بن کنعان مراد ہے، جس نے حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کے متعلق مناظرہ کیا تھا، اور آسمان کی طرف چڑھنے کے لئے بابل میں ایک اونچی عمارت بنوائی تھی، اس عمارت کی بلندی پندرہ ہزار ہاتھ تھی۔ کعب اور مقاتل کا قول ہے کہ اس کی بلندی دو فرسخ تھی لیکن تیز آندھی کی وجہ سے وہ عمارت گر کر سمندر میں جا پڑی اور اس کا کچھ حصہ ان لوگوں پر گر پڑا جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَيَقُوۡلُ اَيۡنَ

پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا

شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ‌ؕ

کہاں ہیں میرے شریک جن پر تم کو بڑی ضد تھی

قیامت میں ان کی حالت:

یعنی جن شرکاء کی حمایت میں ہمارے پیغمبروں سے ہمیشہ لڑتے جھگڑتے تھے آج وہ کہاں ہیں۔ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے "هَلۡ يَنۡصُرُوۡنَكُمۡ اَوۡ يَنۡتَصِرُوۡنَ" (شعراء رکوع ۵) فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ" (طارق رکوع ۱) یہ کہنا ہی ان کو رسوا کرنا ہے۔ یا رسوائی سے مراد جہنم میں داخل کرنا اور ان کی خفیہ مکاریوں کا پردہ فاش کرنا ہے۔ "اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ" (آل عمران ۲۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ

بولیں گے جن کو دی گئی تھی بے شک رسوائی

وَالسُّوۡٓءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَۙ ﴿۲۷﴾

آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے

یعنی وہ تو کیا جواب دے سکتے۔ البتہ انبیاء علیہم السلام اور دوسرے باخبر لوگ اس وقت ان مکار دغابازوں کو سنا کر کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے۔ آج کے دن ساری برائی اور رسوائی صرف منکرین حق کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلا اور سب سے بڑا سرکش:

بعض تو کہتے ہیں کہ اس مکار سے مراد نمرود ہے جس نے بالا خانہ تیار کیا تھا۔ سب سے پہلے سب سے بڑی سرکشی اسی نے زمین میں کی۔ خدا تعالیٰ نے اسے ہلاک کرنے کو ایک مچھر بھیجا جو اس کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا بھیجا چاٹتا رہا۔ اس مدت میں اسے اس وقت قدرے سکون معلوم ہوتا تھا جب اس کے سر پر ہتھوڑے مارے جائیں۔ خوب دونوں ہاتھوں کے زور سے اس کے سر پر ہتھوڑے پڑتے رہتے تھے۔ اس نے چار سو سال تک سلطنت بھی کی تھی اور خوب فساد پھیلایا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰٓـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ‌

جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے اور وہ برا کر رہے ہیں اپنے حق میں

متکبرین کی موت:

یعنی شرک و کفر اختیار کر کے اپنے حق میں برا کرتے رہے۔ آخر اسی حالت میں موت کے فرشتے جان نکالنے کو آ گئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ خاتمہ حالت کفر و شرک پر ہوا۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَلۡقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعۡمَلُ مِنۡ سُوۡٓءٍ‌ؕ

تب ظاہر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ برائی

یعنی اس وقت ساری فوں فاں نکل جائیگی۔ جو شرارت وبغاوت دنیا میں کرتے تھے سب کا انکار کر کے اطاعت ووفاداری کا اظہار کرینگے کہ ہم نے کبھی کوئی بری حرکت نہیں کی ہمیشہ نیک چلن رہے۔ "یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ" (مجادلہ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

بَلٰۤى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے

یعنی کیا جھوٹ بول کر خدا کو فریب دینا چاہتے ہو؟ جس کے علم میں تمہاری ساری حرکات ہیں آج تمہارا کوئی مکر اور جھوٹ خدائی سزا سے نہیں بچا سکتا۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنے کرتوت کا مزہ چکھو۔

فَادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا

سو داخل ہو دروازوں میں دوزخ کے رہا کرو

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَقِیْلَ

سدا اسی میں سو کیا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَیْرًا

اور کہا پرہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے بولے نیک بات

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ

جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں ان کو بھلائی ہے

متقین کی حالت:

یہ متکبرین کے مقابلہ میں متقین (پرہیزگاروں) کا حال بیان فرمایا کہ جب ان سے قرآن کے متعلق دریافت کیا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا چیز اتاری تو نہایت عقیدت وادب سے کہتے ہیں کہ "نیک بات جو سراپا خیر وبرکت ہے"۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس نے بھلائی کی دنیا میں اسے بھلائی کا خوشگوار پھل مل کر رہے گا۔ خدا کے یہاں کسی کی محنت اور ذرہ برابر نیکی ضائع نہیں جاتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک حسنۃ سے مراد ہے ثواب کو دس گنا تک بڑھا دینا۔ ضحاک نے کہا، اس سے فتح ونصرت مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾

اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا

یعنی آخرت کی بھلائیوں اور نعمتوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دنیا ومافیہا کی نعمتیں وہاں کی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا

باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے بہتی ہیں ان کے

الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ

نیچے نہریں ان کے واسطے وہاں ہے جو چاہیں

یعنی جنتی جس قسم کی جسمانی اور روحانی مسرت چاہیں گے وہاں حاصل ہوگی۔ وَفِیْهَا مَا تَشْتَهِیْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْیُنُ وَاَنْتُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ (زخرف رکوع ۷)

كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾

ایسا بدلہ دے گا اللہ پرہیزگاروں کو

یعنی ان تمام لوگوں کو جو کفر شرک اور فسوق وعصیان سے پرہیز کرتے ہیں ایسا اچھا بدلہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ

جن کی جان قبض کرتے ہیں فرشتے اور وہ ستھری ہیں

متقین کی موت:

یعنی ان کی جانیں موت کے وقت کفر وشرک کی نجاست سے پاک اور فسق وفجور کے میل کچیل سے صاف رہیں۔ اور حق تعالیٰ کی صحیح معرفت ومحبت کی وجہ سے نہایت خوشدلی اور انشراح بلکہ اشتیاق کے ساتھ اپنی جان جاں آفریں کے حوالہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

طیبین یعنی کفر اور بداعمال سے پاک ہونیکی حالت میں۔ پہلی آیت میں بیان کیا تھا کہ کافر جب کفر کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوں گے ایسی حالت میں فرشتے انکی روح قبض کریں گے ان کے مقابلے میں متقیوں کا ذکر اس آیت میں کیا۔ اور فرمایا۔ متقی پاک زندگی والے ہونگے اسی پاکیزگی کی حالت میں فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے۔ مجاہد نے طیبین کا معنی بیان کیا پاک قول وعمل والے۔ بعض نے طیبین کا ترجمہ کیا ہے، خوش یعنی فرشتوں کی بشارت جنت سے خوش ہونے والے یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ان کی کامل توجہ بارگاہ قدس کی طرف ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی روحیں قبض ہونے کی حالت میں خوش ہوتے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ

کہتے ہیں فرشتے سلامتی تم پر جاؤ بہشت میں

متقیوں کو سلام:

ایک حیثیت سے روحانی طور پر تو انسان مرنے کے بعد ہی جنت یا دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہاں جسمانی حیثیت سے پوری طرح دخول حشر کے بعد ہوگا۔ ممکن ہے اس بشارت میں دونوں قسم کے دخول کی طرف اشارہ ہو۔

سلام علیکم، فرشتوں کا قول ہے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ فرشتے ان کو اللہ کا سلام پہنچاتے ہیں۔ ادخلوا الجنة الخ یعنی جنت تمہارے اعمال کے سبب تمہارے لئے تیار ہے۔ جب تم اٹھائے جاؤ گے تو فرشتے کہیں گے "سلام علیکم" جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ مرنے کے وقت فرشتے ان سے سلام علیکم کہتے ہیں اور جب قیامت کے دن ان کو اٹھایا جائے گا تو حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾
بدلہ ہے اس کا جو تم کرتے تھے

نیک عمل:

یعنی تمہارا عمل سبب عادی ہے دخول جنت کا۔ باقی سب حقیقی رحمت الٰہیہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا "الا ان یتغمد نی الله برحمته"۔ (تفسیر عثمانی)

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ آئیں ان پر فرشتے
اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ط
یا پہنچے حکم تیرے رب کا

غافلوں کو تنبیہ:

جنت کی خوبیاں اور اس کا تفوق و امتیاز بیان فرمانے کے بعد ان غافلوں کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ جو محض دنیوی سامانوں پرمست ہو کر آخرت کو بھلائے بیٹھے ہیں اور اپنا انجام سدھارنے کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یعنی کیا یہ لوگ اس کے منتظر ہیں کہ جس وقت فرشتے جان نکالنے کو آ جائیں گے یا خدا کے حکم کے موافق قیامت قائم ہو جائیگی، یا مجرموں کی سزا دہی کا حکم پہنچ جائیگا اور جوتہ سر پر پڑنے لگے گا، تب ایمان لا کر اپنی حالت درست کرینگے، حالانکہ اس وقت کا ایمان یا توبہ و رجوع کچھ نافع نہ ہوگا۔ ضرورت تو اس کی ہے کہ موت سے پہلے بعد الموت کی تیاری کی جائے اور عذاب آنے سے پیشتر بچاؤ کی تدبیر کرلیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط وَمَا
اسی طرح کیا تھا ان سے اگلوں نے
ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اور اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر لیکن وہ خود اپنا
يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
برا کرتے رہے پھر پڑے ان کے سر ان کے برے
عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
کام اور الٹ پڑا ان پر جو ٹھٹھا
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾
کرتے تھے

گذشتہ اقوام کے غافل بھی ہلاک ہو چکے:

یعنی اگلے معاندین بھی اسی طرح غرور و غفلت کے نشے میں پڑے رہے تھے۔ باطل پرستی میں تمادی ہوتی رہی، توبہ کے وقت توبہ نہ کی۔ اخیر تک انبیاء کی تکذیب و مخالفت پر تلے رہے اور انکی باتوں کی ہنسی اڑاتے رہے۔ آخر جو کیا تھا سامنے آیا اور عذاب الٰہی وغیرہ کی جن خبروں سے ٹھٹھا کیا کرتے تھے وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ان کا استہزاء و تمسخر انہی پر الٹ پڑا، بھاگ کر جان بچانے کی کوئی سبیل نہ رہی اپنی شرارتوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ جو بویا تھا سو کاٹا۔ خدا کو ان سے کوئی بیر نہ تھا نہ اس کے یہاں ظلم و تعدی کا امکان ہے۔ ان لوگوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری کسی کا کیا بگڑا انہی کا نقصان ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
اور بولے شرک کرنے والے اگر چاہتا اللہ
عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ
نہ پوجتے ہم اس کے سوا کسی چیز کو اور نہ ہمارے باپ اور نہ
اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ
حرام ٹھہرا لیتے ہم بدون اس کے حکم کے کسی چیز کو

مشرکوں کے باطل عذر:

یہاں سے ان باطل اعذار اور لچر پوچ دلائل کا رد شروع کرتے ہیں

جو مشرکین اپنے شرک اور اعمال شرکیہ کا جواز و استحسان ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر اللہ کی پرستش یا بعض جانوروں (مثلاً بحیرہ سائبہ وغیرہ) کو حرام ٹھہرالینا برے اور بے سند کام ہوتے جنہیں خدا پسند نہ کرتا، تو ہم کو کرنے کیوں دیتا۔ ضرور تھا کہ جب ہم اس کی مرضی کے خلاف کام کریں تو اس سے روک دے نہ رکیں تو فوراً سزا دے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو یہ دلیل ہے کہ خدا کو وہ کام ناپسند نہیں۔ آٹھویں پارہ کے دوسرے ربع آیۃ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ الخ کی جو تقریر ہم نے کی ہے۔ اس میں مشرکین کا یہ شبہ اور اس کا مفصل جواب بیان کیا گیا ہے وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ
اسی طرح کیا ان سے اگلوں نے
فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾
سو رسولوں کے ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا صاف صاف

بہانوں کا جواب:

یعنی مشرکین کا یہ کہنا غلط ہے کہ خدا کی طرف سے روکا نہیں گیا ابتدائے آفرینش سے آج تک حسب ضرورت و مصلحت حق تعالیٰ انبیاءؑ کو بھیجتا رہا۔ جن کا کام ہی یہ تھا کہ لوگوں کو شرک و اعمال شرکیہ سے روکیں۔ اور صاف صاف اعلان کریں کہ خدا تعالیٰ کو کیا کام پسند ہیں کیا ناپسند اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہے۔ باقی یہ کہ لوگوں کو تکوینی طور پر مجبور کیوں نہ کر دیا گیا کہ وہ بدی کا راستہ اختیار ہی نہ کر سکتے۔ تو یہ بات اس کی حکمت کے منافی تھی جیسا کہ ہم پہلے متعدد مواضع میں لکھ چکے ہیں۔ رہی یہ چیز کہ جو انبیاء کا کہنا نہ مانیں انہیں فوراً سزا دی جاتی۔ تو بہت سی قوموں کو دنیا میں عبرتناک سزائیں بھی دی گئیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں مذکور ہے۔ ہاں عقلاً و نقلاً یہ ضروری نہیں کہ ارتکاب جرم کے ساتھ فوراً سزا دی جائے۔ مجرم کو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے نہ اس کے لئے توبہ و اصلاح کا کوئی موقع باقی چھوڑا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کا یہ کام برا لگتا تو کیوں کرنے دیتا۔ آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام برے ہیں، پھر وہ کیوں ہونے دیتا ہے" (کیا ان کے روکنے سے خدا عاجز تھا؟) یہاں جواب مجمل فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں، جس کی قسمت میں ہدایت تھی اس نے پائی، جو خراب ہونا تھا خراب ہوا۔ اللہ کو یہی منظور ہے (کہ انسان کو فی الجملہ کسب و اختیار کی قوت دیکر آزاد رکھے۔ اینٹ پتھر کی طرح مجبور یا حیوانات کی طرح اس کا دائرہ عمل محدود نہ کرے بلکہ ہر طرف بڑھنے اور ترقی کرنے کا موقع دے)۔ (تفسیر عثمانی)

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ سو پیغمبروں کا فریضہ تو واضح طور پر اللہ کا پیام پہنچا دینا ہے اس کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں، ہدایت یاب کرنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے، البتہ اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتا دینا پیغمبروں کا فریضہ ہے۔ اس سے آگے آیات ذیل میں بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر کی بعثت کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے دستور خداوندی یہی رہا ہے کہ ہر زمانہ میں مختلف اقوام کے لئے اس نے پیغمبر بھیجے ہیں اور بعثت انبیاء کو ذریعہ ہدایت اور سبب خلافت قرار دیا ہے، جس کو اللہ نے ہدایات یاب بنانا چاہا پیغمبر کی بعثت اس کے لئے سبب ہدایت بن گئی اور جس کو اللہ نے گمراہ بنا دینا چاہا۔ پیغمبر کی بعثت سے اس کی گمراہی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ پیغمبر کی بعثت تو اعلیٰ نفیس غذا کی طرح ہے۔ مناسب مزاج والے کو نفیس غذا طاقت پہنچاتی ہے اور بگڑے ہوئے مزاج والے کے مزاج میں مزید بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا
اور ہم نے اٹھائے (بھیجے ہیں) ہیں ہر امت میں رسول

یعنی اپنے اپنے وقت پر۔ پھر آخر میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول الثقلین بنا کر بھیجا۔

(تنبیہ): اس آیت سے لازم نہیں آتا کہ ہر قوم اور بستی میں رسول بلاواسطہ بھیجا گیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ ایک نبی کسی قوم میں اٹھایا جائے اور اس کے نائب جنہیں "ھادی" و "نذیر" کہا جاسکتا ہے دوسری اقوام میں بھیجے جائیں۔ ان کا بھیجنا گویا بالواسطہ اسی پیغمبر کا بھیجنا ہے۔ واللہ اعلم۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ
کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہُڑدنگے (جھوٹے معبودوں سے) سے

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "ہڑدنگا وہ جو ناحق سرداری کا دعویٰ کرے کچھ سند نہ رکھے ایسے کو "طاغوت" کہتے ہیں بت، شیطان اور زبردست ظالم سب اس میں داخل ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ
پھر کسی کو ان میں سے ہدایت (راہ سمجھائی) کی اللہ نے
حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ
اور کسی پر ثابت ہوئی گمراہی سو سفر کرو (چلو پھرو زمین میں) ملکوں

فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

اگر تو طمع کرے ان کو راہ پر لانے کی تو اللہ راہ

لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

نہیں دیتا جس کو بچلاتا ہے اور کوئی نہیں

نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

ان کا مددگار

پیغمبر کا ذمہ:

یعنی جس کو قصور استعداد اور سوء اختیار کی بناء پر خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں کرسکتا نہ اسے خدائی سزا سے کوئی بچا سکتا ہے۔ آپ کا ان کی ہدایت پر حریص ہونا بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ پھر آپ ان کے غم میں اپنے کو اس قدر کیوں کھلاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بدبخت لوگ:

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ، اور ان میں سے بعض لوگوں کے لئے (بقضاء ازلی حسب مشیت الٰہی) گمراہی محقق ہوگئی (مضبوط ہوگئی) اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور ان کو ہدایت یاب کرنا نہ چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کی ہی حالت میں ان کو ہلاک کردیا ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا۔ ان کے محل ویران ہوگئے اور ان کے (جاگیری) کنویں بغیر مالکوں کے خالی پڑے رہ گئے۔

چل پھر کے دیکھو:

فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ (اے گروہ قریش) ذرا ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینے والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔ عاد، ثمود، قوم لوط اور بن والوں (یعنی قوم شعیب) کی بستیاں دیکھو۔ کافروں نے اللہ کی مشیت اور مرضی کو ایک سمجھ رکھا تھا۔ اس خیال کا ازالہ اس آیت میں کردیا کیوں کہ ان اقوام کی طرف سے تکذیب کا ارتکاب تو بمشیت خدا تھا۔ اب اگر تکذیب ہی میں اس کی مرضی ہوتی تو ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ حاصل کلام یہ ہے کہ محمد اگر آپ ان کو ہدایت یاب بنانے کی کتنی ہی حرص کریں اور ان کو ہدایت کرنے میں کتنی ہی تکلیف اٹھائیں جب ان کو خدا نے ہی گمراہ کردیا ہے تو آپ کی اس حرص سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور ان کو ہدایت یافتہ بنانے کی آپ کو قدرت نہ ہوگی، اللہ سب پر غالب اور قوی ہے جس کو وہ گمراہ کردے اس کو نہ کوئی ہدایت کرنے والا ہے نہ مددگار کہ عذاب کو دفع کر سکے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی سخت قسمیں کہ نہ اٹھائے گا

اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ

اللہ جو کوئی مر جائے

یعنی موت کے بعد دوسری زندگی ہی نہیں پھر عذاب کا کیا ڈر۔ سب ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اپنے قرض کے متعلق کچھ گفتگو کی۔ اثناء کلام میں یہ بات بھی مسلمان نے کہہ دی کہ مرنے کے بعد مجھے اللہ سے یہ یہ امیدیں ہیں۔ مشرک بولا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مرنے کے بعد (دوبارہ جی اٹھنے کا یقین ہے اللہ کی پختہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اللہ اس کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ (تفسیر مظہری)

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

کیوں (بیشک اُٹھائے گا) نہیں وعدہ ہو چکا ہے اس پر پکا لیکن اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

لوگ نہیں جانتے

دوبارہ زندہ کرنے کا وعدہ پکا ہے:

یعنی تمہارے انکار اور اٹکل پچو قسمیں کھانے سے خدا کا پکا وعدہ ٹل نہیں سکتا وہ تو ہو کر رہے گا البتہ تم ایسی حقائق ثابتہ کا انکار کر کے اپنے جہل کا ثبوت دے رہے ہو۔ جو شخص خدا کے علم محیط اور شئون قدرت وحکمت تکوین کے راز اور اس کی غرض وغایت سے آگاہ ہوگا وہ کبھی بعث بعد الموت کا انکار نہیں کرسکتا۔ سچ ہے۔ ''الناس اعداء ماجهلوا''۔ (تفسیر عثمانی)

بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ کیوں نہیں (اٹھائے گا) اس نے اس کا پختہ وعدہ کرلیا ہے اس پر (وعدہ کو پورا کرنا) ضروری ہے (کیونکہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور تقاضائے حکمت کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور اس کے وعدہ کی خلاف ورزی محال

ہے) اس نے (قیامت برپا کرنے کا) وعدہ بہت پختہ کیا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (کہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے) یا یہ مطلب ہے کہ اکثر لوگ قیامت کا یقین نہیں رکھتے کیونکہ وہ نہیں جانتے کہ قیامت کا برپا ہونا اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نظریں کوتاہ ہیں۔ محسوسات کی عادی ہیں غیر معمولی حادثہ کے واقع ہونے کو محال جانتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن آدم خدا کو جھٹلاتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم مجھے گالیاں دیتا ہے اسے ایسا نہیں چاہیے تھا وہ مجھے جھٹلا رہا ہے حالانکہ یہ بھی اسے لائق نہ تھا۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ تاکیدی قسمیں کھا کر کہتا ہے کہ خدا مردوں کو پھر زندہ نہ کرے گا میں کہتا ہوں یقیناً زندہ ہوں گے یہ برحق وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں اور اس کا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ خدا تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ میں احد ہوں، میں اللہ ہوں، میں صمد ہوں جس کا ہم جنس کوئی اور نہیں۔ ابن ابی حاتم میں تو یہ حدیث موقوفاً مروی ہے۔ صحیحین میں دوسرے لفظوں کے ساتھ مرفوعاً روایت بھی آئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ
اٹھائے گا تاکہ ظاہر کردے ان پر جس بات میں کہ جھگڑتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾
اور تاکہ معلوم کرلیں کافر کہ وہ جھوٹے تھے

دوسری زندگی ضروری ہے:

یعنی معاد (قیامت وغیرہ کا آنا) عین حکمت ہے۔ اگر موت کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو دنیا میں جو مختلف اعمال واحوال پائے جاتے ہیں ان کے صاف اور مکمل نتائج کیسے ظاہر ہونگے۔ یہاں کے جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ تو وہیں ہوگا اور اس وقت منکرین معلوم کرلیں گے کہ قسمیں کھا کر جن باتوں کا انکار کرتے تھے وہ سچی تھیں۔ اور قسم کھانے والے جھوٹے تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اس جہان میں بہت باتوں کا شبہ رہا اور کسی نے اللہ کو مانا کوئی منکر رہا تو دوسرا جہان ہونا لازم ہے کہ جھگڑے تحقیق ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ
ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہی ہے کہ کہیں اس کو کہ

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾
ہو جا تو وہ ہو جائے

بس اللہ کے ارادے کی دیر ہے:

پھر مردوں کو دوبارہ زندہ کردینا کیا مشکل ہے۔

(تنبیہ) "كُنْ فَيَكُونُ" کی بحث پارۂ الم رکوع وَقَالَتِ الْيَهُودُ الخ میں ملاحظہ کرلی جائے غرض صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ایک سیکنڈ کے لئے بھی مراد کا تخلف نہیں ہوسکتا۔ ارادہ کے بعد مراد کا نہایت سہولت وسرعت سے فوراً واقع ہونا اور کسی مانع وعائق کا مزاحمت نہ کرسکنا یہی خلاصہ اس جملہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت:

خلاصہ بیان یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ کسی اور چیز پر کسی مخلوق کی ہستی موقوف نہیں ورنہ نتائج واسباب کا تسلسل کہیں ختم نہ ہوگا اور کسی چیز کا وجود ہی نہ ہوسکے گا پھر کسی چیز کی تخلیق وتکوین سے اللہ کو کوئی تھکان یا تکلیف نہیں ہوتی ورنہ خدا کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ اور عجز تقاضائے الوہیت کے خلاف ہے۔ پس جب کہ کوئی مادہ نہ تھا نہ سابق میں کوئی نظیر اور مثال تھی بلکہ اللہ نے تمام چیزوں (یہاں تک کہ خود مادہ) کو بغیر مادہ اور مثال کے پہلی مرتبہ پیدا کردیا تو (اب جبکہ ایک مثال موجود ہوچکی ہے) دوبارہ پیدا کرنا ناممکن نہیں ہوسکتا۔

بندے کا جھٹلانا اور گالی دینا:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میرے بندہ نے میری تکذیب کی اور اس کے لئے یہ زیبا نہ تھا اور میرے بندے نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا اللہ نے جیسا شروع میں مجھے پیدا کردیا ایسا دوبارہ ہرگز مجھے پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ ابتدائی تخلیق میرے لئے دوبارہ تخلیق سے آسان نہ تھی اور گالی یہ دی کہ اس نے کہا اللہ نے اپنے لئے اولاد اختیار کرلی ہے، حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں نہ میں کسی کا باپ ہوں نہ کسی کا بیٹا۔ میری مثل کوئی بھی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں اس کا گالی دینا تو یہ ہے کہ اس نے کہا میری اولاد ہے، حالانکہ میں پاک ہوں بی بی یا اولاد اختیار کرنے سے۔ رواہ البخاری۔

شانِ نزول:

عبدالرزاق اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس اور داؤ

دبن ہند کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوجندلؓ بن سہیل کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے مکہ میں آپ کو قید کر رکھا تھا اور دکھ پہنچائے تھے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہؓ کے متعلق ہوا جن پر مکہ والوں نے مظالم کیے تھے اور گھروں سے نکال باہر کر دیا تھا۔ انہی مظلوموں میں سے ایک گروہ ملک حبش کو چلا گیا تھا پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دے دیا مدینہ کو ان کے لئے دار الہجرت بنا دیا اور کچھ مؤمنوں (یعنی مدینہ والوں) کو ان کا مددگار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللهِ مِنْۢ بَعْدِ
اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد
مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً
اس کے کہ ظلم اٹھایا البتہ انکو ہم ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾
اور ثواب اور آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا

مہاجرین ومجاہدین کی قربانیاں:

یعنی سلسلہ مجازات (طاعت ومعصیت کا پورا نتیجہ ظاہر کرنے) کے لئے بعث بعد الموت ضروری ہے۔ بہت سے خدا کے وفادار بندے مصائب وشدائد جھیلتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، کیا ان کی قربانیاں ضائع کی جاسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں جن لوگوں نے حق کی حمایت اور خدا کی رضا جوئی کیلئے ظالموں کی سختیاں برداشت کیں اور انواع واقسام کے ظلم وستم اٹھائے حتیٰ کہ مجبور ہو کر گھر بار، خویش واقارب اور عزت وراحت سب چیزوں کو خدا کے راستہ میں تج دیا، ان کی محنت ووفاداری کا صلہ یقیناً مل کر رہے گا۔ اول تو ان میں سے جو جیتے بچیں گے دنیا ہی میں اپنی قربانیوں کا تھوڑا سا پھل چکھ لیں گے۔ یعنی گھر چھوڑنے والوں کو بہترین ٹھکانا دیا جائیگا۔ گھر سے اچھا گھر، وطنی بھائیوں سے بڑھ کر دردمند بھائی، روزی سے بہتر روزی، عزت سے زیادہ عزت ملے گی۔ بلکہ وطن سے نکالنے والوں پر غالب دنیا کے حاکم اور پرہیزگاروں کے امام بن جائیں گے، پھر اس سب کے بعد جو بلند مقامات اور عظیم الشان مدارج آخرت میں ملیں گے ان کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وہاں کے اجر وثواب کا پورا یقین ہو جائے تو دوسرے لوگ بھی جو ہجرت کی سعادت سے محروم ہیں تمام گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل کھڑے ہوں۔

(تنبیہ): آ[illegible] کے عموم الفاظ پر نظر کرتے ہوئے ہم نے یہ تقریر کی ہے (وھو منقول [illegible] عن بعضھم) عامۂ مفسرین نے اس کو ان اسی صحابہ رضی اللہ عنہم کے حق میں رکھا ہے جو کفار مکہ کی زیادتیوں سے تنگ آکر ابتداء حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے۔ کیونکہ اکثر کے نزدیک آیت مکی ہے جو ہجرت الی المدینہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ان ہجرت کرنے والوں کو آخرکار خدا تعالیٰ نے اچھا ٹھکانہ مدینہ میں دیا۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

اچھا ٹھکانہ:

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ہم ضرور دنیا میں ان کو ٹھکانہ دیں گے اچھی طرح اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ اچھے ٹھکانے سے مراد ہے مدینہ۔

فاروق اعظمؓ کا مہاجرین سے سلوک:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب کسی مہاجر کو کچھ عطا فرماتے تھے تو کہتے تھے یہ لے لو اللہ تم کو مبارک کرے یہ چیز تو وہ ہے جس کے دینے کا اللہ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا تھا اور آخرت میں جو تمہارے لئے رکھ چھوڑا ہے وہ بہت بہتر ہے پھر آپ یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

ہجرت:

الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا، ہجرت سے مشتق ہے ہجرت کے لغوی معنی ترک وطن کے ہیں، ترک وطن جو اللہ کے لئے کیا جائے وہ اسلام میں بڑی طاعت وعبادت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الھجرۃ تھدم ما کان قبلھا، "یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں"۔

یہ ہجرت بعض صورتوں میں فرض وواجب اور بعض صورتوں میں مستحب وافضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام تو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا کے تحت میں بیان ہو چکے ہیں اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے ہیں۔

تفسیر بحر محیط میں ابوحیان کہتے ہیں:

والذین ھاجروا عام فی المھاجرین کائنا ما کانوا فیشمل اولھم واخرھم (ص۴۹۲، ج۵)۔

"الذین ھاجروا کا لفظ تمام مہاجرین عالم کے لئے عام اور شامل ہے، کسی بھی خطے اور زمانہ کے مہاجر ہوں اس لئے یہ لفظ مہاجرین اولین کو بھی شامل ہے اور قیامت۔

ہجرت کی اقسام:

اول یعنی دار الکفر سے دار الاسلام کی طرف جانا یہ قسم سفر

عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی فرض تھی، اور قیامت تک بشرط استطاعت وقدرت فرض ہے (جبکہ دارالکفر میں اپنے جان ومال اور آبرو کا امن نہ ہو، یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو) اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہگار ہوگا۔

دوسرا دارالبدعت سے نکل جانا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالکؒ سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں، جس میں سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو۔

تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے سفر، یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے تاکہ اس خطرہ سے نجات ہو، یہ چوتھی قسم کا سفر سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جبکہ قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ، ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا، فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ۔

پانچواں سفر آب وہوا کی خرابی اور امراض کے خطرہ سے بچنے کیلئے ہو، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ چرواہوں کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا ارشاد فرمایا کیونکہ شہری آب وہوا ان کو موافق نہ تھی، اسی طرح حضرت فاروق اعظمؓ نے ابوعبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کرکے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں جہاں آب وہوا خراب نہ ہو۔

جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو سفر شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابہ کرامؓ سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: **اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا منها واذا وقع بارض ولستم بها فلا تهبطوا عليها** (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

''جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو''۔

اس وقت فاروق اعظمؓ نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے، جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو۔

طلب وجستجو کے اسفار:

اور جو سفر کسی چیز کی طلب وجستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:

۱۔ سفر عبرت: یعنی دنیا کی سیاحت وسفر اس کام کے لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کرکے عبرت حاصل کرے قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
حضرت ذی القرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے اور بعض نے فرمایا کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے تھا۔

۲۔ سفر حج: اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

۳۔ سفر جہاد: اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

۴۔ سفر معاش: جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کرکے دوسری جگہ تلاش روزگار کرے۔

۵۔ سفر تجارت: یعنی قدر ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا یہ بھی شرعاً جائز ہے، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ابتغاء فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے، اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دیدی ہے تو تجارت کے لئے ہی سفر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

۶۔ طلب علم کے لیے سفر: اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم ومعروف ہے۔

۷۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا: یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں، مسجد حرام (مکہ مکرمہ)، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(مدینہ طیبہ)، مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) (یہ قرطبی اور ابن عربی کی رائے ہے، دوسرے اکابر علماء سلف خلف نے عام مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے، محمد شفیع)

۸۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر: جس کو رباط کہا جاتا ہے احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت مذکور ہے۔

۹۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر: حدیث میں اس کو بھی باعث اجر وثواب قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اقرباء واحباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعاء کا ذکر فرمایا گیا ہے (یہ جب ہے کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ اعلم۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٤٢﴾

جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا

یعنی کسی ظلم اور سختی سے نہیں گھبرائے۔ وطن محبوب اور خویش واقارب کے چھوٹنے کی پروا نہ کی۔ رضائے الٰہی کے راستہ سے ذرا قدم نہیں ڈگمگایا۔ ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کے ہو رہے۔ خالص اسی کی امداد اور اٹل وعدوں پر بھروسہ کیا۔ یہاں تک کہ دیکھ لیا کہ جو خدا کا ہو رہتا ہے کس طرح خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین حبشہ:

حضرت عثمان بن عفانؓ آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ حضرت رقیہؓ بھی تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوسلمہ ابن عبدالاسدؓ وغیرہ قریب قریب اسی آدمی تھے مرد بھی عورتیں بھی جو سب صدیق اور صدیقہ تھے اللہ ان سب سے خوش ہوا اور انہیں بھی خوش رکھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنکہ پیش ازوجود جان بخشد ۔۔۔ ہم تواند کہ بعدازاں بخشد
چوں درآورداز عدم بوجود ۔۔۔ چہ عجب باز گرکند موجود

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے

اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا

کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کی طرف سو پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو

تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٣﴾

معلوم نہیں

اہل علم سے پچھلی اقوام کے حالات پوچھ کر غور کرو:

یعنی پیغمبر کے مظلوم ساتھیوں کو جب وہ صبر وتوکل کی راہ میں ثابت قدم ہوں، دارین میں غالب منصور کرنا ہماری کوئی نئی عادت نہیں، پہلے بھی ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے جن کا کام یہ تھا کہ خدا کے احکام اور نیکی وبدی کے انجام سے لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اب اگر تمہیں معلوم نہیں تو جاننے والوں سے جو امم سابقہ اور ان کے پیغمبروں کے تاریخی واقعات کا علم رکھتے ہیں تحقیق کر لو کہ فی الواقع پہلے کچھ آدمی پیغمبری کے منصب پر بینات وزبر (معجزے اور کتابیں) دیکر بھیجے گئے یا نہیں، اور یہ کہ ان کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اہل حق وصبر وتوکل کی بدولت کس طرح منصور وکامیاب ہوئے۔ اور ظالم معاندین اتمام حجت کے بعد کیسے تباہ کئے گئے۔

كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ '' (اعراف رکوع ۱۶)

ہم نے اهل الذکر سے خاص اہل کتاب مراد نہیں لئے بلکہ عموم لفظ کی رعایت کی ہے جس میں اہل کتاب بھی شامل ہیں، روح المعانی میں ہے قال الرمانی والزجاج والازھری المراد باھل الذکر علماء اخبار الامم السالفة کائنا من کان فالذکر بمعنی الحفظ'' مترجم محقق رحمۃ اللہ نے بھی ''اہل الذکر'' کا ترجمہ ''یاد رکھنے والوں'' سے کر کے شاید اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بہرحال عموم آیت سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل الذکر سے دریافت کر کے عمل کرنا چاہیے، بہت سے علماء اس کو تقلید ائمہ کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا تو عرب نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ خدا تعالیٰ کی شان اس سے بہت اعلیٰ اور بالا ہے کہ وہ کسی انسان کو اپنا رسول بنائے جس کا ذکر قرآن میں بھی ہے، فرماتا ہے اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا الخ کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب معلوم ہوا کہ ہم نے کسی انسان کی طرف اپنی وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کو آگاہ کر دے اور فرمایا ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ہی انسان تھے جن پر ہماری وحی آتی تھی۔ تم پہلی آسمانی کتاب والوں سے پوچھ لو کہ وہ انسان تھے یا فرشتے؟ اگر وہ بھی انسان ہوں تو پھر

اپنے اس قول سے باز آؤ، ہاں اگر ثابت ہو کہ سلسلہ نبوت فرشتوں میں ہی رہا تو بیشک اس نبی کا انکار کرتے ہوئے تم اچھے لگو گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ائمہ مجتہدین کی تقلید غیر مجتہد پر واجب ہے:

آیت مذکورہ کا یہ جملہ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے نقلی بھی کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید ہے، یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی۔ امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن وحدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہے نہیں، اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں البتہ وہ علماء جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن وحدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں اور علماء صحابہ وتابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں، ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن وحدیث اور اجماع پر عمل کریں، ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں۔

البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے اور پرکھتے تھے، پھر ائمہ مجتہدین میں جس امام کے قول کو وہ کتاب وسنت کے ساتھ اقرب پاتے اس کو اختیار کر لیتے تھے مگر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے، وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں، یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں۔

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی:

حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی جو تقسیم امت میں قائم ہوئی اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی۔ اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال وشقاق کی گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے نہ کبھی اہل بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا ہے۔ بعض علماء کے کلام میں علمی بحث وتحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا اور بعد میں طعن وطنز تک نوبت آگئی۔ پھر جاہلانہ جنگ وجدال نے وہ نوبت پہنچا دی جو آج عموماً دینداری اور مذہب پسندی کا نشان بن گیا، فالی اللّٰہ المشتکی ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل یا اوزاعی، فقیہ ابواللیث وغیرہ، جن میں حق تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت اور صحبت صحابہ وتابعین کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کر کے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء محدثین وفقہاء امام غزالی، رازی، ترمذی، طحاوی، مزنی، ابن ہمام، ابن قدامہ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت وعلوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے ایسے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہی کے پابند رہے ہیں، سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں سمجھا۔

تنبیہ: مسئلہ تقلید واجتہاد پر جو کچھ یہاں لکھا گیا وہ اس مسئلہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے جو عام مسلمانوں کے سمجھنے کے لئے کافی ہے، عالمانہ تحقیقات وتفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں، خصوصاً کتاب الموافقات علامہ شاطبی جلد رابع باب الاجتہاد، اور علامہ سیف الدین آمدی کی کتاب احکام الاحکام جلد ثالث القاعدۃ الثالثۃ فی المجتہدین، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابیں حجۃ اللہ البالغہ اور رسالہ عقد الجید اور آخر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد، اس مسئلے میں خاص طور سے قابل دید ہیں اہل علم ان کی طرف مراجعت فرمائیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ

بھیجا تھا ان کو نشانیاں دے کر اور ورقے (اوراق)

یعنی معجزات اور وہ علوم جو اوراق میں لکھے جاتے ہیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا

اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے

نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے

قرآن کی جامعیت اور پیغمبر کی ذمہ داری:

''یادداشت'' سے مراد ہے قرآن کریم جو اگلی امتوں کے ضروری احوال وشرائع کا محافظ، انبیائے سابقین کے علوم کا جامع، اور ہمیشہ کے لئے خدائی احکام اور فلاح دارین کے طریقوں کو یاد دلانے والا اور خواب غفلت سے بیدار کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح پہلے رسول بھیجے گئے، کتابیں اتاری گئیں، آج تم کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایسی کتاب دیکر بھیجا جو تمام کتب سابقہ کا خلاصہ اور انبیائے سابقین کے علوم کی مکمل یادداشت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام یہ ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے اس کتاب کے مضامین خوب کھول کر بیان فرمائیں اور اس کی مشکلات کی شرح اور مجملات کی تفصیل کر دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کا مطلب وہ ہی معتبر ہے جو احادیث رسول اللہ کے موافق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مانزل سے مراد ہے ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین۔ بیان (جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے) قولی بھی تھا عملی بھی اور تقریری بھی اس کو تو بیان صریح کہا جاتا ہے بیان کی دوسری قسم غیر صریحی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کرنے کا حکم دیا ہے۔ (پس مقیس علیہ میں تو صریحی بیان ہوتا ہے اور مقیس میں غیر صریحی)۔ (تفسیر مظہری)

سنت وحدیث:

علامہ شاطبی نے موافقات میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کی پوری کتاب اللہ کا بیان ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے، اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ اور حضرت صدیقہ عائشہؓ نے اس خلق عظیم کی تفسیر یہ فرمائی کان خلقه القران، اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بھی کوئی قول وفعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر وتوضیح ہوتے ہیں، جن کو عام اہل علم جانتے ہیں اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بطور وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے کیونکہ حسب تصریح قرآنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی، بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عبادات، معاملات، اخلاق، عادات سب کی سب بوحی خداوندی اور بحکم قرآن ہیں، اور جہاں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالآخر وحی الٰہی سے یا اس پر کوئی نکیر نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھر تائید کر دی جاتی ہے اس لئے وہ بھی بحکم وحی ہو جاتا ہے۔

بعثت کا مقصد:

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت قرآن کریم کی تفسیر وبیان کو قرار دیا ہے جیسا کہ سورۂ جمعہ وغیرہ کی متعدد آیات میں تعلیم کتاب کے الفاظ سے اس مقصد بعثت کو ذکر کیا گیا ہے اب وہ ذخیرہ حدیث جس کو صحابہ وتابعین سے لے کر متاخرین محدثین تک امت کے باکمال افراد نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کر کے امت تک پہنچایا ہے اور اس کی چھان بین میں عمریں صرف کر کے روایات حدیث کے درجے قائم کر دیئے ہیں اور جس روایت کو بحیثیت سند اس درجہ کا نہیں پایا کہ اس پر احکام شرعیہ کی بنیاد رکھی جائے اس کو ذخیرہ حدیث سے الگ کر کے صرف ان روایات پر مستقل کتابیں لکھ دی ہیں، جو عمر بھر کی تنقیدوں اور تحقیقات کے بعد صحیح اور قابل اعتماد ثابت ہوئی ہیں۔

انکارِ حدیث کا مطلب:

اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا، یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم ومحفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیت معنے کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اس کا یہ دعوی اس نص قرآن کے خلاف ہے اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے، وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے، نعوذ باللہ۔

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تاکہ وہ غور (دھیان) کریں

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام مضامین قرآن کو کھول کر بیان کرنا اور لوگوں کا کام اس میں غور وفکر کرنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غور وفکر:

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اور تاکہ وہ غور کریں۔ غور کرنے سے مراد ہے رفتار عبارت اور اقسام دلالت پر غور کرنا اس طرح کہ شارع کی طرف سے کسی بیان کی ضرورت نہ ہو مثلاً آیت فاتوا حرثکم میں لفظ حرث بتا رہا ہے کہ

اس سے مراد زنانہ شرمگاہ ہے مبرز مراد نہیں کیونکہ مبرز کھیتی (تخم آفرینی) کا مقام نہیں ہے۔ (مبرز میں تخم ریزی ضیاع تخم ہے) یا آیت ثلثة قرو میں قرؤ سے مراد حیض ہے۔ طہر مراد نہیں ہے کیونکہ طلاق مسنون طہر کے زمانہ میں ہی ہوتی ہے اب اگر جس طہر کے زمانہ میں طلاق دی ہو اس کو پورا طہر محسوب کرلیا جائے تو تین طہر سے مدت کم ہو جائے گی اور محسوب نہ کیا جائے تو مدت تین سے بڑھ جائے گی۔ بہرحال پورے تین طہر نہ ہوں گے، اس سے ثابت ہوا کہ قرؤ سے مراد طہر نہیں ہے بلکہ حیض مراد ہے (تفسیر مظہری)

مسئلہ تقلید:

ا۔ اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لئے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے، جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کئے کسی حدیث کو امام بخاریؒ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابوحنیفہؒ اور مالکؒ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقاہت اور روایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے فتویٰ کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا یہ تقلید فی الداریت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلوم وجہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن وحدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راسخین فی العلم اور مستبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے ۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش باراران گریہ وآشوب باش

اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے۔ معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً وشرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع وشراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں۔ اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت اور ابوحنیفہؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ اور احمدؒ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم، علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے۔ اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم وعقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (معارف القرآن کاندھلوی)

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ

سو کیا نڈر ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب (داؤ) کرتے ہیں

يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ

اس سے کہ دھنسا دیوے اللہ ان کو زمین میں یا آپہنچے

الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں

کفار مطمئن نہ ہوں:

یعنی اگلے انبیاء اور ان کی قوموں کا حال سننے اور قرآن جیسی مکمل یادداشت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کفار مکہ حق کے مقابلہ میں اپنی مکاریوں اور داؤ فریب سے باز نہیں آتے، کیا یہ امکان نہیں کہ خدا انہیں قارون کی طرح زمین میں دھنسا دے۔ یا ایسی طرف سے کوئی آفت بھیج دے جدھر سے انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو۔ چنانچہ ''بدر'' میں مسلمان غازیوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا دلوائی جو اپنی قوت وجمعیت اور مسلمانوں کے ضعف وقلت کو دیکھتے ہوئے ان کے تصور میں بھی نہ آسکتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اور فا تعقیب کے لئے ہے یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے آدمیوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغلوب کرنے کی تدبیریں اور ان بری تدبیروں کے برے نتیجہ سے نڈر ہو جانا بالکل نازیبا اور ناروا ہے یہ رسول بھی گزشتہ رسولوں کی طرح ہیں جن کی مخالفت گزشتہ امتوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾

یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ نہیں ہیں عاجز کرنے والے

خدا تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت ہے:

یعنی یہ بھی ضرورت نہیں کہ پہلے سے کچھ اہتمام کیا جائے یا فوجیں مقابلہ کیلئے روانہ کی جائیں۔ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں چلتے پھرتے کام کاج کرتے یا بستروں پر کروٹیں بدلتے ہوئے ایک دم پکڑے اور بالکل

عاجز و بے بس کر دے اس کو سب قدرت ہے وہ تم کو عاجز کر سکتا ہے تم اسے نہیں تھکا سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ
یا پکڑ لے ان کو ڈرانے (ڈرا کر/ ڈرانے کو) کے بعد

عذاب کی ایک اور صورت:

یعنی اچانک نہ پکڑے۔ بلکہ آگاہ کرنے اور مبادی عذاب بھیجنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑے جب کہ لوگ اطلاع پا کر اور آثار عذاب دیکھ کر طبعاً خوف کھا رہے ہوں یا آس پاس کے لوگوں کو آفات سماویہ میں مبتلا دیکھ کر ڈر رہے ہوں لیکن یہ خوف محض طبعی ہو ندامت اور توبہ کے ساتھ نہ ہو جو دافع عذاب ہوسکتا ہے۔ بعض نے "تخوف" کے معنی "تنقص" (آہستہ آہستہ کم کرنے) کے لئے ہیں۔ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ دفعۃً ہلاک نہ کرے آہستہ آہستہ تم کو گھٹائے اور پست کرتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ڈر خوف کے انہیں پکڑ لے تو دونوں عذاب ایک ساتھ ہو جائیں ڈر اور پھر پکڑ۔ ایک مرے دوسرا ڈرے پھر مرے۔ لیکن رب العلی رب کائنات بڑا ہی رؤف و رحیم ہے اس لئے جلدی نہیں پکڑتا۔ صحیحین میں ہے خلاف طبع باتیں سن کر صبر کرنے میں خدا تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی نہیں، لوگ اس کی اولادیں ٹھہرائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت عنایت فرمائے۔ بخاری و مسلم میں ہے اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے لیکن جب پکڑ نازل فرماتا ہے پھر اچانک تباہ ہو جاتا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ الخ پڑھی۔ اور آیت قرآن میں ہے وکاین من قریة الخ بہت سی بستیاں ہیں جنہیں میں نے کچھ مہلت دی لیکن آخر ان کے ظلم کی بناء پر انہیں گرفتار کر لیا۔ لوٹنا تو میری ہی جانب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

میں کہتا ہوں اس صورت میں آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب دوسرے ہلاک کر دیئے جائیں تو ان کی ہلاکت کو دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جائیں اور اس خوف کی حالت میں ان پر بھی ہلاکت آ جائے یا یہ مطلب ہے کہ پہلے ہلاکت کی نشانیاں ظاہر کر دی جائیں جن سے وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں پھر ان کو ہلاک کر دیا جائے جیسے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا تھا، پہلے روز ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ ہو گئے اس کے بعد ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

تخوف کا معنیٰ:

حضرت سعید بن میسب نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو بھی اس لفظ کے معنی میں تردد پیش آیا تو آپ نے برسر منبر صحابہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ لفظ تخوف کے آپ کیا معنی سمجھتے ہیں؟ عام مجمع خاموش رہا مگر قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے عرض کیا کہ امیر المومنین! یہ ہمارے قبیلہ کا خاص لغت ہے ہمارے یہاں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بتدریج گھٹانا، فاروق اعظمؓ نے سوال کیا کہ کیا عرب اپنے اشعار میں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں اور اپنے قبیلہ کے شاعر ابو کبیر ہذلی کا ایک شعر پیش کیا جس میں یہ لفظ بتدریج گھٹانے کے معنی میں لیا گیا تھا اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ لوگو! تم اشعار جاہلیت کا علم حاصل کرو کیونکہ اس میں تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معانی کا فیصلہ ہوتا ہے۔

دورِ جہالت کے اشعار:

عربی ادب سیکھنے کے لئے شعراء جاہلیت کا کلام پڑھنا جائز ہے اگرچہ وہ خرافات پر مشتمل ہو:

عربی زبان اور اس کا لغت و محاورات سمجھنے کے لئے شعراء جاہلیت کا کلام پڑھنا پڑھانا جائز ہے اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ شعراء جاہلیت کا کلام جاہلانہ رسموں اور خلاف اسلام جاہلانہ افعال و اعمال پر مشتمل ہوگا مگر قرآن فہمی کی ضرورت سے اس کا پڑھنا پڑھانا جائز قرار دیا گیا۔ (معارف القرآن)

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (۴۷)
سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان

اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت:

یعنی خدا سب کچھ کر سکتا ہے مگر کیوں نہیں کرتا۔ اس کی نرمی اور مہربانی مانع ہے کہ مجرمین پر فوراً عذاب نازل کر دے۔ اس کی رافت و رحمت مقتضی ہے کہ مجرمین کو مہلت اور اصلاح کا موقع دیا جائے یا یہ جملہ صرف يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ سے متعلق ہے بحالیکہ "تخوف" کو بمعنی "تنقص" لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ آہستہ آہستہ کم کرنا اور دفعۃً ہلاک نہ کرنا اس کی رحمت وشفقت کی وجہ سے ہے ورنہ ایک آن میں نیست و نابود کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
کیا نہیں دیکھتے وہ جو کہ اللہ نے پیدا کی ہے کوئی چیز
يَتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ
کہ ڈھلتے ہیں سائے ان کے داہنی طرف سے اور بائیں طرف سے
سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ (۴۸)
سجدہ کرتے ہوئے اللہ کو اور وہ عاجزی (کرتے ہیں) میں ہیں

ہر چیز تابع ہے انسان کیوں تابع نہیں ہوتا:

یعنی جب تکوینی طور پر ہر چیز خدا کے سامنے عاجز مطیع ومنقاد ہے حتی کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم اور قانون قدرت کے موافق گھٹتا بڑھتا اور ادھر یا ادھر ڈھلتا رہتا ہے پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کونسی طاقت روک سکتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ باختیار خود اس کے احکام تشریعیہ کے سامنے گردن جھکا دے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں'' ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے۔ جب دن ڈھلا، سایہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع، رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سایہ سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکتا ہے کہیں بائیں طرف''۔ (تفسیر عثمانی)

سجدا میں سجدہ سے مراد ہے اطاعت اختیاری ہو یا فطری، سجدت النخلۃ کھجور کا درخت سجدہ کرنے لگا۔ یعنی پھلوں کا زیادہ بار پڑنے سے جھک گیا۔ سجدا البعیر اونٹ نے اپنے اوپر سوار کرنے کے لئے گردن جھکا دی۔ مطلب یہ ہے کہ سائے اللہ کے ضابطہ فطرت کے تابع ہیں یا یہ مطلب ہے کہ سجدہ کی ہیئت کی طرح زمین پر گرتے اور چسپاں رہتے ہیں اور سایہ والی چیزیں بھی عاجز، بے بس اور اللہ کے حکم کی تابع ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو
الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا
زمین میں ہے جانداروں سے اور فرشتے اور وہ
يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾
تکبر نہیں کرتے

ہر جاندار سجدہ کرتا ہے:

پہلے کھڑی چیزوں کا جو سایہ دار ہوں سجدہ بیان ہوا تھا یہاں عام جانداروں بالخصوص فرشتوں کا سجدہ بیان کر کے متنبہ فرمایا کہ ایسی مقرب ومعظم ہستیاں بھی اس کے آگے سربسجود ہیں کوئی شیخی یا غرور ان میں نہیں، جو اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے سے رکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں،'' مغرور لوگوں کو سر رکھنا زمین پر مشکل ہوتا ہے۔ نہیں جانتے کہ بندہ کی بڑائی اسی میں ہے'' من تواضع لله رفعه الله. (تفسیر عثمانی)

وَّالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے بھی۔ والملائکۃ کا عطف مافی السموات پر ہے کیونکہ مافی السموات سے آسمانی چیزیں مراد ہیں چاند سورج، ستارے اور مافی الارض سے مراد زمین کی حرکت کرنے والی چیزیں ہیں اور ملائکہ کچھ زمین کے ہیں اور کچھ آسمان کے اور کچھ حاملین عرش ہیں جو نہ آسمانی ہیں نہ زمینی اس لئے ملائکہ نہ سماوی جنس سے ہیں نہ ارضی مخلوقات میں سے بلکہ سب سے الگ مخلوق ہیں۔

چیزوں کا سجدہ:

میرے نزدیک سجود اشیاء سے مراد اطاعت شعوری ہے جاندار ہو یا بے جان نامی ہو یا جامد، ہر چیز ایک خاص زندگی رکھتی ہے اور کوئی چیز بھی شعور سے خالی نہیں خواہ ہم بعض چیزوں کو بے جان اور بے شعور جانتے ہوں ہم کو ان کے باشعور اور زندہ ہونے کا علم نہ ہو مگر اللہ کے نزدیک وہ باشعور اور زندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اطت السمآء وحق لهاان تاط۔ آسمان (خوف سے) چر چرایا اور چر چرانا (یعنی اللہ سے ڈرنا) ہی اس کے لئے مناسب تھا۔ (تفسیر مظہری)

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ
ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اپنے اوپر سے اور کرتے ہیں
مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾
جو حکم پاتے ہیں

فرشتوں کا خوف واطاعت:

یعنی فرشتے باوجود اس قدر قرب ووجاہت کے اپنے رب کے جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں فوراً بجالاتے ہیں۔ موضح القرآن میں ہے کہ'' ہر بندہ کے دل میں ہے کہ میرے اوپر اللہ ہے آپ کو نیچے سمجھتا ہے یہ سجدہ فرشتوں کا بھی ہے اور سب کا''۔ (تفسیر عثمانی)

اگر سجود سے عمومی تکوینی اطاعت اور اللہ کی صنعت کا ظہور مراد لیا جائے تو پھر ہم لایستکبرون اور یخافون ربھم اوریفعلون مایؤمرون ملائکہ کی صفات خصوصی ہونگی (عام مخلوق کی صفات نہ ہوں گی)۔

اگر تم دیکھتے تو چیختے چلاتے:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان خوب چر چرایا اور اس کو خوب چر چرانا چاہیے ہی تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگل کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ خدا کی قسم

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے چیختے چلاتے (یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ بولے کاش میں درخت ہوتا کہ اس کو کاٹ دیا جاتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والبغوی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ
اور کہا ہے اللہ نے مت پکڑو معبود دو
اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾
وہ معبود ایک ہی ہے سو مجھ سے ڈرو

فقط اللہ کی تم بھی عبادت کرو:

یعنی جب تمام آسمانی و زمینی مخلوق ایک خدا کے سامنے بے اختیار سربسجود اور عاجز و مقہور ہے پھر عبادت میں کوئی دوسرا شریک کہاں سے آ گیا۔ جو سارے جہان کا مالک و مطاع ہے تنہا اسی کی عبادت ہونی چاہیے اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ
اور اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور اسی (اسی کا
الدِّيْنُ وَاصِبًا
انصاف) کی عبادت ہے ہمیشہ

ہر چیز میں اطاعت رکھ دی گئی:

یعنی تکوینی طور پر ہر چیز خالص اسی کی عبادت و اطاعت پر مجبول ہے" اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ"۔ (آل عمران رکوع ۹) یا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ اسی کی عبادت کرنا لازم ہے "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ" (زمر رکوع ۱) اور بعض نے "دین" کو جزاء کے معنی میں لیا۔ یعنی نیک و بد کا دائمی بدلہ اسی ایک خدا کی طرف سے ملے گا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں:

صحیحین اور نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت علیؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ اطاعت (کا حکم) تو نیکی میں ہے (امر ممنوع کا ارتکاب کسی کے حکم سے درست نہیں) له الدين ذا كلفة کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مالک نہیں، مالک اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرف کر سکتا ہے غیر مالک مالک کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔

واصب کا معنی:

یعنی کافروں کو دوامی عذاب دینے کا اسی کو حق ہے۔ اصل میں واصب بیماری کو کہتے ہیں۔ وصب زید زید دکھی ہو گیا۔ اللہ نے عذاب کی صفت واصب فرمائی ہے۔ ایک آیت میں فرمایا ہے وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: انا وصبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ
سو کیا سوائے اللہ کے کسی (کا خطر رکھتے ہو) سے ڈرتے ہو اور جو کچھ تمہارے
نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ
پاس ہے نعمت سو اللہ کی طرف سے پھر جب پہنچتی ہے تم کو سختی تو اسی (اسی سے
تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾
فریاد کرتے ہو) کی طرف چلاتے ہو

سب نعمتیں اللہ کی ہیں عبادت بھی اسی کی ہے:

یعنی سب بھلائیاں اور نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں اور ہر ایک برائی یا سختی کا دفع کرنا بھی اسی کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ جب کوئی سخت مصیبت انسان کو چھو جاتی ہے۔ تو کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت سب سہارے چھوڑ کر خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ گویا فطرت انسانی شہادت دیتی ہے کہ مصائب اور سختیوں سے بچانا خدائے واحد کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر جس کے قبضہ میں ہر ایک نعمت و نقمت اور ہر قسم کا نفع و ضرر ہے، دوسرا کون ہے جو اس کی الوہیت میں حصہ دار بن سکے۔ یا جس سے انسان خوف کھائے اور امیدیں باندھے۔ (تفسیر عثمانی)

مصیبت بھی تو اللہ ہی دور کرتا ہے:

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ۔ پھر جب تم پر (بیماری نادانی، قحط وغیرہ کی کوئی) مصیبت آتی ہے تو عاجزی اور زاری کے ساتھ اللہ ہی کی طرف تم رجوع کرتے ہو۔ یعنی سوائے اس کے کسی سے دفع مصیبت کے لیے زاری نہیں کرتے۔ جوار۔ اونچی آواز سے دعاء کرنا اور فریاد کرنا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
پھر جب کھول دیتا ہے سختی تم سے اسی وقت ایک فرقہ تم میں سے اپنے

مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝٥٤ لِيَكْفُرُوا بِمَآ

رب کے ساتھ لگتا ہے شریک بتانے تاکہ منکر ہو جائیں اس چیز سے جو

آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝٥٥

کہ ہم نے ان کو دی ہے سو مزے اڑا لو آخر معلوم کر لو گے

پھر تم ناشکرے ہو جاتے ہو:

یعنی جہاں سختی دور ہوئی، منعم حقیقی کو بھلا بیٹھے اور نہایت بے حیائی سے خدائی کے حصے بخرے کرنے لگے۔ شرم نہ آئی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے عاجز ہو کر کسے پکار رہے تھے۔ نہ محسن حقیقی کا احساس مانا نہ یہ اندیشہ کیا کہ ناشکری کی سزا میں پکڑے جائینگے، یا کم از کم کفران نعمت سلب نعمت کا موجب ہو جائیگا۔ گویا خدائے وحدہ لاشریک لہٗ نے جو انعام فرمایا تھا بالکل اس کے انکار پر تل گئے۔ بہتر ہے چندروز کی انہیں مہلت دی جاتی ہے خوب دنیا کے مزے اڑالیں آخر معلوم ہو جائیگا کہ اس مشرکانہ کفران نعمت کی کیسی سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا

اور ٹھہراتے ہیں انکے لئے جن (جن کو خبر نہیں) کی خبر نہیں رکھتے

رَزَقْنَاهُمْ ۗ

ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے

یہ ان کو فرمایا جو اپنے کھیت میں مواشی میں، تجارت میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی نیاز ٹھہراتے ہیں (موضح القرآن) جیسا کہ مشرکین عرب کا دستور تھا جس کا ذکر آٹھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں گزر چکا "مالا یعلمون" سے مراد وہ ہی اصنام وغیرہ ہیں جنہیں مشرکین جہالت اور بے خبری سے معبود یا مالک نفع وضرر سمجھتے تھے، حالانکہ اس کی کوئی دلیل یا سند ان کے پاس نہ تھی، پھر شرکاء بھی تجویز کئے گئے پتھر کے بت جو ہر قسم کے علم وشعور سے کورے ہیں۔ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (تفسیر عثمانی)

حصہ مقرر کرنے کا مطلب:

یعنی جن معبودوں کا حصہ لگایا جا رہا ہے وہ عبادت کے مستحق ہیں اور نفع یا ضرر پہنچانے والے ہیں یہ کافر ان کو ایسا نہیں خیال کرتے فقط اپنی نادانی کی وجہ سے ان کو معبود اور نفع ونقصان پہنچانے والے کہہ دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ کافر ان معبودوں کا حق نہیں سمجھتے یونہی حصہ لگا دیتے ہیں۔ یا مالا یعلمون سے مراد بت ہیں اور یعلمون کا فاعل بت ہیں۔ یعنی بت بے علم ہیں، جماد ہیں، اور کافر ایسے پتھروں کا حصہ لگا دیتے ہیں۔ مارزقنھم سے مراد ہے کھیتی، مویشی، پھل مشرک کہا کرتے تھے هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا (تفسیر مظہری)

تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ۝٥٦

قسم اللہ کی تم سے پوچھنا ہے جو تم بہتان باندھتے ہو

ان سب کا حساب ضرور ہوگا:

یعنی قیامت میں ان افتراء پردازیوں کی تم سے ضرور باز پرس ہوگی۔ خدا کے دیئے ہوئے مال میں کیا حق تھا کہ دوسروں کو شریک وسہیم بناؤ (باقی کسی کو ثواب پہنچانے کا مسئلہ جداگانہ ہے وہ اس آیت کے تحت میں داخل نہیں۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ

اور ٹھہراتے ہو اللہ کی بیٹیاں وہ اس سے (لائق نہیں) پاک ہے

اللہ کیلئے بیٹیاں بتاتے ہیں: یعنی وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے۔ خاص کر بیٹیاں۔ تعجب ہے یہ لوگ حق تعالیٰ کی نسبت ایسی جرات کس طرح کرتے ہیں اس آیت میں "بنوخزاعہ" کا رد ہوا جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ۝٥٧

اور اپنے لئے جو دل چاہتا ہے

یعنی خود اپنے لئے بیٹیاں دیئے جانے پر رضامند نہیں جب مانگیں گے بیٹا مانگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ

اور جب خوش خبری ملے ان میں کسی کو بیٹی کی سارے دن رہے منہ

مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝٥٨

اس کا سیاہ اور جی میں گھٹتا رہے

حالانکہ اپنے لئے بیٹیاں ناپسند کرتے ہیں:

یعنی ان میں سے کسی کو اگر خبر دی جائے کہ تیرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے تو نفرت وغم سے تیوری چڑھ جائے اور دن بھر ناخوشی سے چہرہ بے رونق اور دل گھٹتا رہے کہ یہ ناشدنی مصیبت کہاں سے سر پر آئی۔

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا

چھپتا پھرے لوگوں سے مارے برائی اس

بُشِّرَ بِهٖ
خوشخبری کے جو سنی

بٹی کو عار سمجھتے ہیں:

یعنی رسمی ننگ وعار کے تصور سے کہ لڑکی زندہ رہی تو کسی کو داماد بنانا پڑے گا۔ لوگوں کو منہ دکھانا نہیں چاہتا ادھر ادھر چھپتا پھرتا ہے۔

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى
اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کے یا اس کو داب دے مٹی میں
التُّرَابِ ؕ

بیٹیوں کو مار دینے کے منصوبے سوچتے ہیں:

یعنی شب و روز ادھیڑ بن میں لگا ہوا ہے اور تجویزیں سوچتا ہے کہ دنیا کی عار قبول کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں اتار دے یعنی ہلاک کر ڈالے۔ جیسا کہ جاہلیت میں بہت سے سنگدل لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے یا زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ اسلام نے آکر اس رسم قبیح کو مٹایا اور ایسا قلع قمع کیا کہ اسلام کے بعد سارے ملک میں اس بے رحمی کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بعض نے اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ کے معنی یوں کئے ہیں "روکے رکھے لڑکی کو ذلیل وخوار کر کے" یعنی زندہ رہنے کی صورت میں ایسا ذلیل معاملہ کرے گویا وہ اس کی اولاد ہی نہیں۔ بلکہ آدمی بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے والے قبائل:

یدس چھپا دے دفن کر دے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قبیلہ مضر اور بنی خزاعہ اور بنی تمیم لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ایک تو ان کو ناداری کا اندیشہ ہوتا تھا (کہ لڑکیاں تو صرف کھانے پہننے کی ہیں لوٹ مار کر کے کہیں سے کچھ لا نہیں سکتیں) دوسرے یہ کہ (ناداری کو دیکھ کر) غیر کفو کہیں ان سے نکاح کرنے کا لالچ نہ کرنے لگیں عرب کے بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اس کو اون کا یا بالوں کا کرتہ پہنا کر جانور چرانے کی خدمت پر لگا دیتا تھا اور اگر اس کو قتل کر دینا چاہتا تو چھ سال کی عمر تک اس کو چھوڑے رکھتا جب وہ چھ سال کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا اس کو بنا سنوار کر تیار کر دے پھر اس کو کہیں جنگل میں لے جاتا وہاں پہلے سے ایک گہرا گڑھا کھود کر تیار رکھتا۔ جب لڑکی کو لے کر وہاں پہنچتا تو لڑکی سے کہتا دیکھ تو اس گڑھے میں کیا ہے لڑکی دیکھنے کو جونہی جھکتی یہ سنگدل باپ پیچھے سے اس کو دھکا دے دیتا اور اوپر سے مٹی ڈال کر زندہ دفن کر دیتا اور گڑھے کو ہموار کر دیتا۔

فرزدق کا دادا:

فرزوق کے دادا صعصعہ کو اگر کہیں اس کی سن گن مل جاتی تو لڑکی کے باپ کے پاس لڑکی کے عوض کچھ اونٹ بھیج دیتا اور اس طرح لڑکی کی گلو خلاصی ہو جاتی۔ فرزوق نے بطور فخر اسی واقعہ کی طرف ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔ میرا دادا وہ تھا جس نے زندہ دفن کرنے والوں کو زندہ دفن کرنے سے روکا اور زندہ درگور ہونے والی کو زندگی عطا کی۔ (تفسیر مظہری)

اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝
سنتا ہے برا فیصلہ کرتے ہیں

ان کے فیصلے کتنے ظالمانہ ہیں:

لڑکیوں کے متعلق جو ظالمانہ فیصلہ ان کا تھا اس سے زیادہ برا فیصلہ یہ ہے کہ خدا کے لئے اولاد تجویز کریں پھر اولاد بھی "اناث" جس سے خود اتنا گھبراتے ہیں۔ گویا اچھی چیز ان کے لئے اور ناقص خدا کے لئے ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ
جو نہیں مانتے آخرت کو ان کی بری مثال ہے
السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ
اور اللہ کی مثال (شان) سب سے اوپر

حقیقت یہ ہے یہ خود اولاد کے محتاج ہیں:

یعنی مشرکین جنہیں اپنے ظلم اور گستاخیوں کے انجام پر یقین نہیں بری مثال یا بری صفت وحالت ان ہی کی ہے۔ وہ ہی اولاد کے محتاج ہیں۔ دکھ اور ضعیفی وغیرہ میں کام آنے کے لئے ان کو لڑکوں کا سہارا چاہئے۔ دفع عار یا افلاس وغیرہ کے ڈر سے لڑکیوں کو ہلاک کرنا ان کا شیوہ ہے۔ آخر میں ظلم وشرک وغیرہ کا جو برا انجام ہونا چاہیے اس سے بھی وہ بچ نہیں سکتے۔ غرض ہر نہج سے بری مثال اور نقص وعیب کی نسبت ان ہی کی طرف ہونی چاہیے۔ حق تعالیٰ کی طرف ان صفات کی نسبت کرنا جو مخلوق کا خاصہ ہیں اور (معاذ اللہ) بیٹے بیٹیاں تجویز کر کے حقیر اور پست مثالیں دینا اس کی شان عظیم ورفیع کے منافی ہے اس کے لئے تو وہ ہی مثالیں اور صفات ثابت کی جا سکتی ہیں جو اعلیٰ سے اعلیٰ اور ہر بلند چیز سے بلند تر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ۔ جو لوگ آخرت

کو نہیں مانتے ان کی بری حالت ہے۔ مرنے کے بعد بقاء نسل کے محتاج ہیں اپنی قوت بازو بنانے کے لئے لڑکوں کے ضرور تمند ہیں۔ لڑکیاں ہونے کو برا جانتے ہیں۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہیں۔ یہ سب ان کی بری حالت ہے۔

اللہ تو بے نیاز ہے:

وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى اور اللہ کی شان سب سے اونچی ہے وہ واجب الوجود ہے ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ علم، قدرت، بقاء اور تمام جلالی و جمالی صفات سے متصف ہے مخلوق کی صفات سے پاک ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا، مثل السوء دوزخ ہے اور مثل الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۶۰
اور وہی ہے زبردست حکمت والا

غالب و حکیم ہے:

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ تمہاری گستاخیوں کی سزا ہاتھوں ہاتھ دے سکتا ہے لیکن فوراً سزا دینا اس کی حکمت کے مناسب نہیں۔ لہٰذا ڈھیل دی جاتی ہے کہ اب بھی باز آ جائیں اور اپنا رویہ درست کر لیں۔ (تفسیر عثمانی)

عرب کفار کی دو بری خصلتیں:

ان آیتوں میں کفار عرب کی دو خصلتوں پر مذمت کی گئی ہے کہ اول تو وہ اپنے گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو اتنا برا سمجھتے ہیں کہ شرمندگی کے سبب لوگوں سے چھپتے پھریں، اور اس سوچ میں پڑ جائیں کہ لڑکی پیدا ہونے سے جو میری ذلت ہو چکی ہے اس پر صبر کروں یا اس کو زندہ درگور کر کے پیچھا چھڑاؤں، اور اس پر مزید جہالت یہ ہے کہ جس اولاد کو اپنے لئے پسند نہ کریں اللہ جل شانہٗ کی طرف اسی کو منسوب کریں کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیں۔

لڑکی کی پیدائش کو بُرا سمجھنا کافروں کا کام ہے:

ان آیتوں میں واضح اشارہ پایا گیا کہ گھر میں لڑکی پیدا ہونے کو مصیبت و ذلت سمجھنا جائز نہیں یہ کفار کا فعل ہے۔ تفسیر روح البیان میں بحوالہ شرعہ لکھا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ لڑکی پیدا ہونے سے زیادہ خوشی کا اظہار کرے تا کہ اہل جاہلیت کے فعل پر رد ہو جائے اور ایک حدیث میں ہے وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو، قرآن کریم کی آیت یھب لمن یشآء اناثا ویھب لمن یشآء الذکور میں بھی اناث کو مقدم کرنے سے اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہونا افضل ہے۔

بیٹی کی فضیلت:

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس کو ان لڑکیوں میں سے کسی کے ساتھ سابقہ پڑے اور پھر وہ ان کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے تو یہ لڑکیاں اس کے لئے جہنم کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی۔ (روح البیان)

خلاصہ یہ ہے کہ لڑکی کے پیدا ہونے کو برا سمجھنا جاہلیت کی بری رسم ہے مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے اور اس کے بالمقابل جو اللہ کا وعدہ ہے اس پر مطمئن اور مسرور ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ
اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر
عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ
نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
ایک وقت موعود تک پھر جب آ پہنچے گا ان کا وعدہ نہ
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۶۱
پیچھے سرک سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے

ہر گناہ پر فوراً گرفتاری حکمت کے خلاف ہے:

یعنی اگر خدا تعالیٰ لوگوں کی گستاخی اور ناانصافی پر دنیا میں فوراً پکڑنا اور سزا دینا شروع کر دے تو چند گھنٹے بھی زمین کی یہ آبادی نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ دنیا میں بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ اور چھوٹی موٹی خطا وقصور سے تو کوئی خالی ہوگا؟ (کلکم خطاؤن) جب خاطی و بدکار فوراً اہلاک کر دیئے گئے تو صرف معصوم انبیاءؑ کے زمین پر بھیجنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ ان کو ملائکہ معصومین کے ساتھ رہنا زیادہ موزوں ہے۔ جب نیک و بد انسان دونوں زمین پر نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا رکھنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ وہ سب بنی آدم کیلئے پیدا کیے گئے ہیں۔ نیز فرض کیجئے خدا نے انسانوں کے ظلم و عدوان پر بارش بند کر دی تو کیا آدمیوں کے ساتھ جانور نہیں مرینگے۔ بہر حال خدا اگر بات بات پر دنیا میں پکڑے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا سارا قصہ منٹوں میں تمام ہو جائے۔ مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا۔ بلکہ مجرموں کو توبہ و اصلاح کا موقع دیتا ہے اور وقت موعود تک انہیں ڈھیلا چھوڑتا ہے جب وقت آپہنچا، پھر ایک سیکنڈ ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔

(تنبیہ) بعض مفسرین نے ''مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ'' سے خاص دابہ ظالمہ مراد لیا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو مطلب واضح ہے کوئی اشکال نہیں۔

واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ اگر اللہ لوگوں کی بے جا حرکتوں کے سبب ان کی (فوری) گرفت کرتا تو زمین پر کسی (حس و) حرکت کرنیوالے کو نہ چھوڑتا۔

مواخذہ کرنے سے مراد ہے فوری سزا دینا۔ الناس سے مراد کفار ہیں۔ لفظ مواخذہ اور ظلم اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ظلم سے مراد ہے کفر اور معصیت۔

دَابَّة کا مطلب:

دابۃ سے مراد ہے گناہگار دابہ مفسر مدارک نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تشریح کی نسبت کی ہے۔ یا دابہ سے مراد ہے جاندار رینگنے والا جانور۔ اس صورت میں مؤمنین صالحین مستثنیٰ ہوں گے۔ یعنی نیکو کار مؤمنوں کے علاوہ ہر جاندار کو ہلاک کر دیتا کسی کو نہ چھوڑتا۔ کیونکہ کافروں اور گناہگاروں کی بیجا حرکتوں پر نیکوں کی پکڑ نہیں ہو سکتی ہاں اگر نیک لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیں تو گناہ پر راضی ہونے یا فرض کو ادا نہ کرنے کے سبب ان کو بھی عذاب میں شریک کیا جا سکتا ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرنے کا عذاب:

ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ جب کسی بری بات کو دیکھیں اور اس کو نہ بدلیں (یعنی بدلنے کی کوشش نہ کریں) تو ہو سکتا ہے کہ اللہ سب کو عموماً اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جریر بن عبداللہ کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ایسا حضرت نوحؑ کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی میں جو جاندار چڑھ گئے وہ بچ گئے باقی ہلاک کر دیئے گئے۔

ظلم کی نحوست:

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے ظالم صرف اپنے نفس کو ہی ضرر پہنچاتا ہے (اس کے ظلم کی سزا کسی دوسرے پر نہیں پڑتی) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا۔ کیوں نہیں۔ خدا کی قسم (ضرور ایسا ہوتا ہے) یہاں تک کہ ظالم کے ظلم کی پاداش میں چڑیاں اپنے آشیانوں میں بھوکی مر جاتی ہیں۔

ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابن آدم کے گناہ کی وجہ سے جعل (ایک خاص کیڑا) اپنے سوراخ میں عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

آیت کی ایک اور تفسیر:

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کافروں کے آباؤ اجداد کو ان کے ظلم کی پاداش میں فوراً پکڑ لیتا تو نسل ہی منقطع ہو جاتی۔ ان کی اولاد بھی زندہ نہ بچتی اور زمین پر کوئی باقی نہ رہتا۔ اسی لئے حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے اس وقت تک بددعا نہیں کی جب تک وحی کے ذریعہ سے ان کو معلوم نہ ہو گیا کہ موجودہ کافروں کی نسل بھی کافر ہی پیدا ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ

اور کرتے (ٹھہراتے) ہیں اللہ کے واسطے جس کو اپنی جی نہ چاہے

مشرکین کی گستاخیاں:

یعنی جو چیزیں بری سمجھ کر اپنے لئے پسند نہیں کرتے مثلاً بیٹیاں یا اپنی ملک میں کسی اجنبی کی شرکت یا استہزاء واستخفاف کا معاملہ۔ وہ خداوند قدوس کیلئے ثابت کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى

اور بیان کرتی ہیں زبانیں ان کی جھوٹ کہ انکے واسطے خوبی ہے

جھوٹے دعوے:

یعنی باوجود ایسی گستاخیوں کے زبان پر یہ جھوٹا دعویٰ ہے کہ ہم تو دنیا میں بھی بھلی چیزوں کے لائق ہیں اور اگر آخرت وغیرہ کے قصے سچے ہوئے تو وہاں بھی خوب چین اڑائینگے۔ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى (حم السجدۃ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

آپ ثابت (محقق ہو گیا) ہے کہ ان کے واسطے آگ ہے اور وہ بڑھائے جا رہے ہیں

ان کیلئے تو آگ ہے:

یعنی ان گستاخیوں کے ساتھ ایسی باطل آرزوئیں رکھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ ان کے لئے کوئی خوبی اور بھلائی تو کیا ہوتی۔ البتہ دوزخ تیار ہے۔ جس کی طرف وہ بڑھائے جا رہے ہیں اور جہاں پہنچ کر گویا بالکل بھلا دیئے جائیں گے۔ یعنی ابدالآباد تک کبھی مہربانی کی نظر ان پر نہ ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ان کو فرمایا جو ناکارہ چیزیں اللہ کے نام دیں اور اس پر یقین کریں کہ ہم کو بہشت ملے گی۔ حالانکہ وہ روز بروز دوزخ کی طرف بڑھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کے لئے وہ باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود اپنے لئے

ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے) لئے ہر طرح کی بھلائی ہے۔ لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بلاشبہ وہ لوگ سب سے پہلے (دوزخ میں) بھیجے جائیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے دوزخ میں ڈال کر بھلا دیئے گئے۔ مقاتل نے کہا دوزخ میں چھوڑ دیئے گئے۔ قتادہ نے کہا، دوزخ میں جلد بھیج دیئے گئے۔ فراء نے کہا دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انا فرطکم میں تمہارا پیش رو ہوں گا اور حوض پر سب سے پہلے پہنچوں گا۔ سعید بن جبیر نے ترجمہ کیا وہ (نجات ورحمت سے) دور کر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کعبہ کے پتھر کی عبارت:

کہتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کی عمارت کو نئے سرے سے بنانے کے لئے ڈھایا تو نیو میں سے ایک پتھر نکلا جس پر ایک کتبہ لکھا ہوا تھا جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی امید رکھتے ہو یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کانٹے بو کر انگور کی امید رکھنا۔ پس ان کی امیدیں تھیں کہ دنیا میں بھی انہیں جاہ وحشمت اور لونڈی غلام ملیں گے اور آخرت میں بھی۔

یہ مشرک بھلا دیئے جائیں گے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دراصل ان کے لئے آتش دوزخ تیار ہے وہاں یہ رحمت رب تعالیٰ سے بھلا دیئے جائیں گے اور ضائع اور برباد ہو جائیں گے آج یہ ہمارے احکام بھلائے بیٹھے ہیں کل انہیں ہم اپنی نعمتوں سے بھلا دیں گے یہ جلد ہی جہنم نشین ہونے والے ہیں۔

لم یلد لم یولد اورالائق است والد ومولود رااوخالق است

فائدہ: حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ عذاب ان سب کو پہنچ جاتا ہے جو اس قوم میں موجود ہوں لیکن قیامت کے دن گنہگار اور بے گناہ اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

جب ظلم ومعصیت عام ہو جائے تو اللہ کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ عام ہوتا ہے ظالم اور غیر ظالم سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے ظالم اپنے ظلم کے سبب ہلاک ہوتا ہے اور غیر ظالم ظلم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں ظالم کی ہلاکت بطور انتقام ہوتی ہے اور غیر ظالم کی نحوست کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں کما قال تعالیٰ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً۔ پھر قیامت کے دن اپنی نیتوں کے مطابق قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔
(معارف کاندھلویؒ)

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ
قسم اللہ کی ہم نے رسول بھیجے مختلف فرقوں میں تجھ سے پہلے

فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ
پھر اچھے کر کے دکھلائے ان کو شیطان نے ان کے کام سو وہی رفیق
الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾
ان کا ہے آج اور ان کے واسطے عذاب دردناک ہے

پہلے بھی کافر ہلاک ہو چکے ہیں:

کفار مکہ کی گستاخیوں اور لغو بے ہودہ دعاوی کا ذکر کر کے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہ ہی ہوا کہ شیطان لعین مکذبین کو ان کے عمل اچھے کر کے دکھاتا رہا۔ اور وہ برابر شرارت میں بڑھتے رہے۔ آج وہ سب خدائی عذاب کے نیچے ہیں۔ اور شیطان جو ان کا رفیق ہے کچھ کام نہیں آتا۔ نہ ان کی فریاد کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ ہی انجام آپ کے مکذبین کا ہوگا۔ بعض نے "فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ شیطان جس نے اگلوں کو بہکایا تھا۔ وہ ہی آج ان کفار مکہ کا رفیق بنا ہوا ہے لہٰذا جو حشر ان کا ہوا ان کا بھی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کفار اور شیطان کی رفاقت:

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ پس وہی شیطان آج (اس دنیا میں) ان (کفار قریش) کا (بھی) رفیق ہے اور قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ولیھم کی ضمیر کفار قریش کی طرف لوٹ رہی ہے۔ کلام کی رفتار کا یہی تقاضا ہے۔ کفار قریش کے متعلق کلام کیا جا رہا ہے۔ ولی کا معنی ہے مددگار رفیق ساتھی، جو قریش کے برے اعمال کو اچھی شکل میں بنا کر دکھا رہا ہے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں ان کا ساتھی اور مددگار ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ولیھم کی ضمیر امم سابقہ کی طرف لوٹائی جائے اور گزشتہ حال کی حکایت قرار دی جائے۔ یعنی شیطان امم سابقہ کا اس دنیا میں رفیق تھا۔ اعمال کفر یہ کو پسندیدہ بنا کر دکھاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ
اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب اسی واسطے کہ کھول کر سنا دے تو ان کو
الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ
وہ چیز کہ جس میں جھگڑ رہے ہیں

نزول قرآن کا مقصد:

یعنی قرآن صرف اس لئے اتارا گیا ہے کہ جن سچے اصولوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور جھگڑے ڈال رہے ہیں (مثلاً توحید ومعاد اور احکام

حلال وحرام وغیرہ) ان سب کو وضاحت وتحقیق کے ساتھ بیان کردے۔ کوئی اشکال وخفا باقی نہ رہے۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ قرآن تمام نزاعات کا دوٹوک فیصلہ سنا دیں اور بندوں پر خدا کی حجت تمام کردیں آگے ماننا نہ ماننا خود مخاطبین کا کام ہے جسے توفیق ہوگی قبول کرے گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور سیدھی راہ سجھانے کو اور واسطے بخشش ایمان (رحمت اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے) لانے والوں کے

فائدہ کون اُٹھائے گا:

یعنی فیصلہ اور بیان تو سب کے لئے ہیں لیکن اس کی ہدایت سے متنفع ہونا اور رحمت الٰہیہ کی آغوش میں آنا انہی کا حصہ ہے جو اس فیصلہ کو صدق دل سے تسلیم کرتے ہیں اور بطوع ورغبت ایمان لاتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ

اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر اس سے زندہ کیا

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے

یعنی خشک زمین کو آسمانی بارش سے سرسبز کردیا گویا خشک ہونا زمین کی موت اور سرسبز وشاداب ہونا حیات ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾

اس میں نشانی ہے لوگوں کو جو سنتے ہیں

یعنی اسی طرح قرآن سے جاہلوں کو عالم اور مردہ دلوں کو زندہ کردیگا۔ اگر توجہ قلبی اور انصاف سے سنیں گے۔ (تفسیر عثانی)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ

اور تمہارے واسطے چوپاؤں میں سوچنے کی جگہ ہے پلاتے ہیں تم کو

مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ

اس کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور لہو کے بیچ (درمیان

لَّبَنًا خَالِصًا

سے) میں سے دودھ ستھرا

جانوروں سے عبرت پکڑو:

یعنی اونٹ، گائے، بھینس وغیرہ جانور جو گھاس چارہ کھاتے ہیں۔ وہ پیٹ میں پہنچ کر تین چیزوں کی طرف مستحیل ہوجاتا ہے۔ قدرت نے ان حیوانات کے جسم کے اندرونی حصہ میں ایسی مشین لگادی ہے جو غذا کے کچھ اجزاء کو تحلیل کرکے فضلہ (گوبر) کی شکل میں باہر پھینک دیتی ہے اور کچھ اجزاء کو خون بناکر عروق میں پھیلا دیتی ہے جو ان کی حیات وبقا کا سبب بنتا ہے اور اسی مادہ میں سے جس کے بعض اجزاء گوبر اور بعض خون بن گئے۔ ان دوگندی چیزوں کے درمیان ایک تیسری چیز (دودھ) تیار کرتی ہے جو نہایت پاک طیب اور خوشگوار چیز ہے۔ (تفسیر عثانی)

گوبر اور خون سے بچ کر خالص دودھ:

فرث وہ گوبر جو اوجھ کے اندر ہو۔ جب باہر آجاتا ہے تو اس کو فرث نہیں کہاجاتا۔ خالصاً سے یہ مراد ہے کہ خون اور گوبر کے اثرات سے خالص ہوتا ہے نہ اس میں خون کا رنگ ہوتا ہے نہ گوبر کی بو۔ باوجودیکہ دودھ کی پیداوار انہی دونوں چیزوں سے ہوتی ہے۔ سائغ حلق میں آسانی سے اتر جانے والا۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جانور چارہ گھاس کھاتا ہے تو کھایا ہوا چارہ انتڑیوں میں جاکر ٹھہرتا ہے پھر وہاں اس کی پسائی ہوتی ہے پسنے کے بعد اس کا نچلا حصہ تو گوبر ہوجاتا ہے اور بالائی حصہ خون اور درمیانی حصہ دودھ (دونوں کے درمیان سے دودھ پیدا ہونے کا یہی مطلب ہے) اور یہ سب کام جگر کے زیر تسلط ہوتا ہے۔ جگر خون کو رگوں میں بہاتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں اور گوبر کو وہیں باقی رکھتا ہے جہاں وہ ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید حضرت ابن عباسؓ کے کلام کی مراد یہ ہے کہ درمیانی حصہ دودھ کا مادہ ہوجاتا ہے اور بالائی حصہ خون کا مادہ جو بدن کی غذا بنتا ہے۔ اور جگر اس غذا کو جو انتڑیوں میں ہوتی ہے اس کا ہضم شدہ خلاصہ (کیلوس) اپنی طرف کھینچ لیتا اور فضلہ وہیں رہتا ہے جہاں ہوتا ہے (یعنی انتڑیوں میں) پھر کیلوس کو روک کر دوبارہ اس کو ہضم کرتا ہے (جس کے جوہر کو کیموس کہتے ہیں) پھر چار اخلاط تیار کرتا ہے جن کے اندر مائیت ہوتی ہے پھر جگر کی قوت ممیزہ (مائیت کو چھانٹ کر الگ کرنے والی قوت) قدر ضرورت سے زیادہ پانی کو اخلاط سے الگ کرکے گردوں اور پتے اور طحال کی طرف روانہ کردیتی ہے پھر باقی اخلاط کو تمام اعضاء کی طرف حسب ضرورت تقسیم کردیتی ہے اس طرح ہر عضو کو قادر، حکیم، علیم کے زیر انتظام اس کا حق مل جاتا ہے۔ پھر اگر حیوان مادہ ہے تو چونکہ اس کے مزاج میں برودت ورطوبت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے اخلاط غذائی ضرورت سے زائد ہوتے ہیں اور زائد حصہ جنین کی پرورش کے لئے رحم کی طرف چلا جاتا ہے اور بچہ پیدا ہوجاتا ہے تو ماں کے بدن کی غذائی ضرورت سے تمام زائد حصہ یا اس کا کچھ حصہ تھنوں کی طرف چلا جاتا ہے

اور سفید شیریں گوشت کے قرب کی وجہ سے سفید ہو کر دودھ بن جاتا ہے۔ اخلاط اور دودھ کی پیدائش کیسے ہوتی ہے کن راستوں سے کس طرح کہاں جا کر یہ ٹھہرتے ہیں ان کو پیدا کرنے والے اسباب کیا کیا ہیں مناسب طور پر ہر وقت ان کی حالت کی تبدیلی کونسی قوتوں کی ممنون ہے جو شخص ان امور پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے گا اس کو صانع حکیم کی حکمت کاملہ اور قدرت تامہ کا اعتراف کرنا پڑے گا اور رحمت شاملہ کو ماننا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾
خوشگوار پینے والوں کے لئے

چار قسم کے مشروبات:

پہلے کتاب اتارنے کی مناسبت سے پانی اتارنے کا ذکر فرمایا تھا ان آیات میں پانی کی مناسبت سے باقی انواع مشروبات کا تذکرہ ہوا ہے یعنی دودھ، شراب ونبیذ اور شہد۔ ایک دوسرے موقع پر جہاں جنت کی نہروں کا ذکر آیا ہے مشروبات کی یہ ہی چار قسمیں مذکور ہوئی ہیں۔

"فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى" (محمد رکوع ۲)

نعمتوں کے ذکر کا مقصد:

یہاں اس قسم کی چیزوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے خیال میں جو بڑی بڑی نعمتیں ہیں وہ سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں پھر تعجب ہے کہ آدمی کس طرح منعم حقیقی کے احسانات بھلا کر دوسروں کا غلام بن جاتا ہے۔ گویا شرک کے رد کی طرف اشارہ ہوا اور یہ بھی کہ جس طرح تمہاری جسمانی زندگی کے لئے خدا نے طرح طرح کے انتظامات اور مناسب سامان کئے ہیں ضرور ہے کہ روحانی زندگی اور باطنی ترقی کے وسائل وذرائع بھی کافی مقدار میں مہیا کئے ہونگے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تحقیق:

گوبر اور خون کے درمیان سے دودھ نکالنے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جانور جو گھاس کھاتا ہے جب وہ اس کے معدہ میں جمع ہو جاتی ہے تو معدہ اس کو پکاتا ہے معدہ کے اس عمل سے غذا کا فضلہ نیچے بیٹھ جاتا ہے اوپر دودھ ہو جاتا ہے، اور اس کے اوپر خون پھر قدرت نے یہ کام جگر کے سپرد کیا ہے کہ ان تینوں قسموں کو الگ الگ ان کے مقامات میں تقسیم کر دیتا ہے خون کو الگ کر کے رگوں میں منتقل کر دیتا ہے اور دودھ کو الگ کر کے جانور کے تھنوں میں پہنچا دیتا ہے اور اب معدہ میں صرف فضلہ باقی رہ جاتا ہے جو گوبر کی صورت میں نکلتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لذیذ اور شیریں کھانے کا استعمال زہد کے خلاف نہیں ہے جبکہ اس کو حلال طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ کی گئی ہو، حضرت حسن بصری نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ (قرطبی)

کھانا کھانے کی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو اللھم بارک لنافیه واطعمنا خیراً منه (یعنی یا اللہ اس میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور آئندہ اس سے اچھا کھانا نصیب فرما) اور فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو اللھم بارک لنا فیه وزدنا منه، (یعنی یا اللہ ہمارے لئے اس میں برکت دیجئے اور زیادہ عطا فرمایئے)

نکتہ: اس سے بہتر کا سوال اس لئے نہیں کیا کہ انسانی غذا میں دودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے اسی لئے قدرت نے ہر انسان وحیوان کی پہلی غذا دودھ ہی بنائی ہے جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے (قرطبی) (معارف القرآن)

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ
اور میووں سے کھجور کے اور انگور کے بناتے ہو
تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا
اس سے نشہ اور روزی خاصی

کھجور اور انگور کے مشروب:

یعنی ان میووں سے نشہ لانے والی شراب کشید کرتے ہو۔ اور کھانے پینے کی دوسری عمدہ چیزیں مثلاً شربت، نبیذ، سرکہ اور خشک خرما یا کشمش وغیرہ ان سے حاصل کرتے ہو۔

(تنبیہ): یہ آیت مکی ہے شراب مکہ میں حرام نہ ہوئی تھی، پینے والے اس وقت تک بے تکلف پیتے تھے، ہجرت کے بعد حرام ہوئی پھر کسی مسلمان نے ہاتھ نہیں لگایا۔ تاہم اس مکی آیت میں بھی "سکراً" کے بعد "ورزقاحسناً" فرما کر متنبہ فرما دیا کہ جو چیز آئندہ حرام ہونے والی ہے اس پر "رزق حسن" کا اطلاق کرنا موزوں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَکر اور اچھا رزق:

بغوی نے لکھا ہے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ سکر شراب ہے اور رزق حسن سرکہ، رُب چھوارے اور کشمش اور یہ حکم تحریم خمر سے پہلے کا ہے (یعنی اس آیت کا نزول حرمت شراب سے پہلے ہوا تھا) یہ قول حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن اور مجاہد کا ہے۔ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سکر وہ پھل ہیں جو حرام کردیئے گئے اور رزق حسن سے مراد حلال پھل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾
اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے واسطے جو سمجھتے (سوچتے ہیں) ہیں

عقل کا استعمال:

یہاں "یعقلون" کا لفظ جو عقل سے مشتق ہے "سکرا" کے تذکرہ سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ چونکہ نشہ عقل کو زائل کردیتا ہے۔ اس لئے اشارہ فرمادیا کہ آیات کا سمجھنا عقل والوں کا کام ہے نشہ پینے والوں کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں شراب بناتے ہو جو حرام ہے اور اور طرح کھاتے پیتے ہو جو حلال ہے مثلاً خشک کھجوریں کشمش وغیرہ اور نبیذ، شربت بناکر، سرکہ بناکر، اور اور طرح۔ پس جن لوگوں کو عقل کا حصہ دیا گیا ہے وہ خدا تعالیٰ کی قدرت وعظمت کو ان چیزوں اور ان نعمتوں سے بھی پہچان سکتے ہیں۔ دراصل جوہر انسانیت عقل ہی ہے اسی کی نگہبانی کے لئے شریعت مطہرہ نے نشے والی شرابیں اس امت پر حرام کردیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ
اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا لے
مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا
پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں اور جہاں ٹٹیاں
یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾
باندھتے ہیں

انگور کی بیل اور شہد کی مکھی:

یعنی انگور کی بیل چڑھانے کو جو ٹٹیاں باندھتے ہیں یا جو عمارتیں لوگ تیار کرتے ہیں۔ شہد کی مکھی کو حکم دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی فطرت ایسی بنائی جو باوجود ادنیٰ حیوان ہونے کے نہایت کاریگری اور باریک صنعت سے اپنا چھتہ پہاڑوں، درختوں اور مکانوں میں تیار کرتی ہے، ساری مکھیاں ایک بڑی مکھی کے ماتحت رہ کر پوری فرمانبرداری کے ساتھ کام کرتی ہیں۔ ان کے سردار کو "یعسوب" کہا جاتا ہے۔ جس کے ساتھ مکھیوں کا جلوس چلتا ہے جب کسی جگہ مکان بناتی ہیں تو سب خانے "مسدس متساوی الاضلاع" کی شکل پر ہوتے ہیں۔ بدون مسطر و پرکار وغیرہ کے اس قدر صحت وانضباط کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ایک ہی شکل پر تمام خانوں کا رکھنا آدمی کو حیرت زدہ کردیتا ہے، حکماء کہتے ہیں کہ مسدس کے علاوہ کوئی دوسری شکل اگر اختیار کی جاتی تو لامحالہ درمیان میں کچھ جگہ فضول خالی رہتی۔ فطرت نے ایسی شکل کی طرف رہنمائی کی جس میں ذرا سا فرجہ بھی بیکار نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

شہد کی مکھی کو الہام:

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعْرِشُوْنَ

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو بعض پہاڑوں میں گھر بنالے اور بعض درختوں میں بھی اور لوگ جو چھتیں بناتے ہیں ان میں بھی۔ وحی کرنے سے مراد ہے الہام کرنا اور دل میں ڈالنا۔ یعرشون سایہ کے گھروں کی چھتیں بناتے ہیں یا عرش سے مراد ہے انگوروں کی ٹٹیاں۔ عرش کا لغوی معنی ہے چھت۔ **من الجبال** اور **من الشجر** اور **مما یعرشون** میں من تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ سب پہاڑوں میں اور سب درختوں میں اور سب چھتوں اور انگوروں کی ٹٹیوں میں شہد کی مکھیوں کے چھتے نہیں لگتے ہیں نہ ہر جگہ چھتا ہوتا ہے۔ بعض پہاڑوں اور بعض درختوں وغیرہ میں بعض جگہ چھتے لگتے ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے کو مکان کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی مکان کی طرح مکھیوں کے چھتوں میں بھی تمام ضروری حصے ہوتے ہیں ان میں بھی متعدد کمرے، چھتیں اور دروازے ہوتے ہیں اور وہ بھی حسن صنعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں کہ سوائے کسی ماہر انجنیئر کے اور کوئی انسان بھی نہ ایسا نقشہ بنا سکتا ہے نہ ایسی تعمیر کرسکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وحی سے مراد یہاں پر الہام ہدایت اور ارشاد ہے شہد کی مکھیوں کو خدا تعالیٰ کی جانب سے یہ بات سمجھائی گئی کہ وہ پہاڑوں میں درختوں میں اور چھتوں میں شہد کے چھتے بنائے۔ اس ضعیف مخلوق کے اس گھر کو دیکھئے کتنا مضبوط، کیسا خوبصورت اور کیسی کچھ کاریگری کا ہوتا ہے۔ پھر اسے ہدایت کی اور اس کیلئے مقدر کردیا گیا کہ یہ پھلوں کے، پھولوں کے اور گھانس پات کے رس چوستی پھرے اور جہاں چاہے جائے آئے لیکن واپس لوٹتے وقت سیدھی اپنے چھتے کو پہنچ جائے۔ چاہے بلند پہاڑ کی چوٹی ہو چاہے بیابان کے درخت ہوں چاہے آبادی کے بلند مکانات اور ویرانے کے سنسان کھنڈر ہوں یہ نہ راستے بھولے نہ بھٹکتی پھرے۔ خواہ کتنی ہی دور نکل جائے، لوٹ کر اپنے چھتے میں اپنے بچوں، انڈوں اور شہد میں پہنچ جائے۔ اپنے پروں سے موم بنائے اپنے منہ سے شہد جمع کرے اور دوسری جگہ سے بچے۔ ذللا کی تفسیر اطاعت گزار مسخر سے بھی کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ
پھر کھا ہر طرح کے میووں سے

شہد کی مکھی کی غذا:

"کلی " اور"فاسلکی" سب اوامر تکوینیہ ہیں۔ یعنی فطرۃً اس کو ہدایت کی کہ اپنی خواہش اور استعداد مزاج کے مناسب ہر قسم کے پھلوں اور میووں میں سے اپنی غذا حاصل کرے۔ چنانچہ مکھیاں اپنے چھتہ سے نکل کر رنگ برنگ کے پھول پھل چوستی ہیں جن سے شہد اور موم وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ
پھر چل راہوں (راستوں میں) میں اپنے رب کی صاف پڑے ہیں

فطرت کی راہنمائی:

یعنی غذا حاصل کرنے اور کھا پی کر چھتہ کی طرف واپس آنے کے راستے صاف کھلے پڑے ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مکھیاں غذا کی تلاش میں بعض اوقات بہت دور نکل جاتی ہیں پھر بے تکلف اپنے چھتہ میں واپس آجاتی ہیں۔ ذرا راستہ نہیں بھولتیں۔ بعض نے "فاسلکی سبل ربک ذللا" کا مطلب یہ لیا ہے کہ قدرت نے تیرے عمل و تصرف کے جو فطری راستے مقرر کر دیئے ہیں ان پر مطیع و منقاد بن کر چلتی رہ۔ مثلاً پھول پھل چوس کر فطری قویٰ و تصرفات سے شہد وغیرہ تیار کر۔ (تفسیر عثانی)

الثمرات میں الف لام جنسی ہے اور لفظ کل استغراقی نہیں ہے بلکہ ہر مرغوب اور مناسب پھل مراد ہے یعنی ہر قسم کے مناسب پسندیدہ اور میسر آجانے والے پھلوں کا عرق چوس لے خواہ میٹھے ہوں یا کڑوے۔ (تفسیر عثانی)

سبل ربک یعنی ان راستوں پر چل کر شہد تیار کر جو تیرے رب نے تجھے بتا دیئے ہیں اور فطری طور پر تجھے سکھا دیئے ہیں اور جب دور دور کے پھولوں کا رس چوس کر اپنے گھر کو لوٹے تو اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر لوٹنا راستہ نہ بھول جانا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے ایسے راستوں پر چلنا کہ تیرے پیٹ کے اندر پھلوں، اور پھولوں سے چوسا ہوا عرق شہد بن جائے۔

ذللا یعنی وہ راستے اللہ نے تیرے لئے آسان کر دیئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں لگی رہنا اور حکم کے زیر اثر راستوں پر چلنا کہنے والے کہتے ہیں کہ مکھیوں کے سردار تمام مکھیوں کو ساتھ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہو جاتے ہیں اور سب مکھیوں کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کو یعسوب کہا جاتا ہے جب وہ کہیں سے چل دیتا ہے تو سب مکھیاں چل دیتی ہے اور جہاں کہیں وہ رک جاتا ہے تو سب ٹھہر جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ
نکلتی ہے انکے پیٹ میں سے پینے کی چیز جسکے مختلف رنگ ہیں

مختلف رنگوں کا شہد:

یعنی مختلف رنگ کا شہد نکلتا ہے سفید، سرخ، زرد، کہتے ہیں کہ رنگوں کا اختلاف موسم غذا اور مکھی کی عمر وغیرہ کے اختلاف سے پیدا ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثانی)

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ
اس میں مرض اچھے ہوتے ہیں لوگوں کے

شہد شفاء کا سبب ہے:

یعنی بہت سی بیماریوں میں صرف شہد خالص یا کسی دوسری دوا میں شامل کر کے دیا جاتا ہے جو باذن اللہ مریضوں کی شفایابی کا ذریعہ بنتا ہے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ ایک شخص کو دست آرہے تھے اس کا بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد پلانے کی رائے دی۔ شہد پینے کے بعد اسہال میں ترقی ہوگئی۔ اس نے پھر حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت دست زیادہ آنے لگے فرمایا۔ "صدق الله و كذب بطن اخيك" (اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے) پھر پلاؤ۔ دوبارہ پلانے سے بھی وہ ہی کیفیت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی فرمایا۔ آخر تیسری مرتبہ پلانے سے دست بند ہو گئے اور طبیعت صاف ہوگئی۔ اطباء نے اپنے اصول کے موافق کہا ہے کہ بعض اوقات پیٹ میں "کیموس" فاسد ہوتا ہے جو پیٹ میں پہنچنے والی ہر ایک غذا اور دوا کو فاسد کر دیتا ہے اس لئے دست آتے ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ مسہلات دی جائیں تا وہ "کیموس فاسد" خارج ہو۔ شہد کے مسہل ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مشورہ اسی طبی اصول کے موافق تھا۔ مامون رشید کے زمانہ میں ثمامہ عبسی کو جب اسی قسم کا مرض لاحق ہوا تو اس زمانہ کے شاہی طبیب یزید بن یوحنا نے مسہل سے اس کا علاج کیا اور یہ ہی وجہ بتلائی۔ آج کل کے اطباء اور شہد کے استعمال کو استطلاق بطن کے علاج میں بیحد مفید بتلاتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

دو شفائیں:

ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دو شفاؤں کو اختیار کرو شہد اور قرآن (اول میں شفاء جسمانی ہے اور دوسرے میں شفاء اخلاقی و روحانی) (رواہ ابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ شہد میں شفاء غالب ہے۔

بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ شہد ہر مرض کی شفاء ہے اور دلوں کو بیماریوں کی قرآن شفاء ہے۔ غالباً حضرت ابن مسعودؓ نے حدیث مرفوع (مذکورہ بالا) سے ہر مرض کی شفاء ہونے کا مفہوم سمجھ لیا اسی لئے شہد کو ہر مرض کی شفاء قرار دیا۔

استعمال کے مختلف طریقے:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض امراض کے لئے تو شہد تنہا شفاء ہے اکثر بلغمی امراض میں مفید ہے اور بعض امراض کے علاج میں دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر شہد مفید صحت ہے ہر معجون کا جزء اعظم شہد ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میرے بھائی کو اسہال کی شکایت ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ۔ حسب الحکم اس شخص نے شہد پلایا (کچھ فائدہ نہ ہوا) وہ پھر خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور میں نے شہد پلایا تھا، شہد سے اور اسہال میں اضافہ ہوگیا۔ فرمایا، اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا۔ اس نے جا کر پھر شہد پلایا اور مریض اچھا ہوگیا۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ (پیٹ کے) بعض امراض کے لئے تنہا شہد شفاء ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خلوص اور حسن نیت سے جو شخص تنہا شہد کا استعمال کرے گا۔ اللہ اس کو شفا دے گا خواہ کوئی مرض ہو۔ کذاقال السیوطی۔

صحیح بات یہ ہے کہ ہر قسم کے شہد کا ہر مرض کے لئے شفاء ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں۔ ہر فصل کے شہد کی خاصیت جدا ہوتی ہے۔ کس قسم کے پھلوں اور پھولوں کے عرق سے شہد تیار ہوا ہے اس کا لحاظ بھی موسم کے مطابق ضروری ہے۔ شہد کے علاوہ کوئی شفا بخش دوا ایسی نہیں کہ ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کا خلاصہ کھنچ کر اس میں آ گیا ہو ہر دوا کا ایک خاص مزاج اور خاصیت ہے۔ شہد ہی ایک ایسی چیز ہے جو فصل کے اختلاف اور پھلوں پھولوں کے تنوع کے لحاظ سے اپنے اندر مختلف خاصیات رکھتا ہے پس شہد کا ہر مرض کے لئے شفاء ہونا بجائے خود صحیح ہے لیکن مرض کی نوعیت کے لحاظ سے شہد کی نوعیت اور جن پھلوں اور پھولوں سے شہد بنا ہو ان کی دریافت لازم ہے پھر شہد کے طریق استعمال اور مقدار استعمال کا بھی بڑا فرق ہے۔ اگر طریق استعمال اور مقدار ضروری کا علم نہ ہو تو اس سے شہد کے شفاء بخش ہونے کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ ہر شہد ایک کیفیت کا بھی حامل نہیں ہوتا کسی میں گرمی زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم۔ بعض شہد فالج، لقوہ اور بڑے بڑے اعصابی امراض میں بہت مفید ہوتا ہے اور جاری کرنے کے لئے بھی۔ فاسد مادہ کو باہر نکال کر پھینک دیتا ہے اور فاسد غذائی مادہ کو نکال پھینکنے کے بعد قبض بھی کر دیتا ہے۔ غرض شہد مقوی بھی ہے مفرح بھی، اچھی غذا بھی ہے اور عمدہ دوا بھی۔ جو اور جتنے فوائد شہد کے اندر ہیں وہ دنیا کی کسی چیز کے اندر نہیں ہیں۔ حقیقت میں شہد مجمع الاضداد ہے۔ (تفسیر مظہری)

تین چیزوں میں شفاء ہے:

بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ سرور رسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹھاس اور شہد سے بہت الفت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین چیزوں میں شفا ہے پچھنے لگانے میں، شہد کے پینے میں اور داغ لگوانے میں۔ لیکن میں اپنی امت کو داغ لگوانے سے روکتا ہوں۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ تمہاری دواؤں میں سے کسی میں اگر شفا ہے تو پچھنے لگانے میں شہد کے پینے میں اور آگ سے دغوانے میں جو بیماری کے مناسب ہو لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔

مسلم کی حدیث میں ہے میں اسے پسند نہیں کرتا بلکہ ناپسند رکھتا ہوں۔ ابن ماجہ میں ہے کہ تم ان دونوں شفاؤں کی قدر کرتے رہو شہد اور قرآن۔

ایک کیمیا اثر نسخہ:

ابن جریر میں حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شفا چاہے تو قرآن کریم کی کسی آیت کو کسی صحیفے پر لکھ لے اور اسے بارش کے پانی سے دھو لے اور اپنی بیوی کے مال سے اس کی اپنی رضامندی سے پیسے لے کر شہد خرید لے اور اسے پی لے پس اس میں کئی وجہ سے شفا آجائے گی۔ خدا تعالیٰ عزوجل کا فرمان ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ یعنی ہم نے قرآن میں وہ نازل فرمایا ہے جو شفا ہے اور رحمت ہے مومنین کے لئے۔ اور آیت میں ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا ہم آسمان سے بابرکت پانی برساتے ہیں اور فرمان ہے فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا یعنی اگر عورتیں اپنے مال مہر میں سے اپنی خوشی سے تمہیں دیدیں تو بیشک تم اسے کھاؤ پیو سہتا پچتا۔ شہد کے بارے میں فرمان خدا تعالیٰ ہے فیه شفآء للناس شہد میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔

بڑی بلا سے حفاظت:

ابن ماجہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص ہر مہینے میں تین دن صبح کو شہد چاٹ لے اسے کوئی بڑی بلا نہیں پہنچے گی۔ اس کا ایک راوی زبیر بن سعید متروک ہے۔ ابن ماجہ کی اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تم سنا اور سنوت کا استعمال کیا کرو ان میں ہر بیماری کی شفا ہے سوائے سام کے۔ لوگوں نے پوچھا سام کیا؟ فرمایا موت۔ سنوت کے معنی شبت کے ہیں اور لوگوں نے کہا ہے سنوت شہد ہے جو گھی کی مشک میں رکھا ہو۔ شاعر کے شعر میں بھی یہ لفظ اس معنی میں آیا ہے پھر فرماتا ہے مکھی جیسی بے طاقت چیز کا تمہارے لئے شہد اور موم بنانا اس کا اس طرح آزادی سے پھرنا اور اپنے گھر کو نہ بھولنا وغیرہ یہ سب چیزیں غور و فکر کرنیوالوں کے لئے میری عظمت و خالقیت مالکیت کی بڑی نشانیاں ہیں اسی سے لوگ اپنے خدا تعالیٰ کے قادر حکیم علیم کریم رحیم ہونے پر دلیل حاصل کر سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۱) شہد کی مکھی سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کسی حقیر و ذلیل مکھی سے کیسی عمدہ اور لذیذ اور صحت بخش چیز خدا نے نکالی۔

(۲)۔ اس کے چھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے ہر ایک خانہ مسدس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

(۳)۔ نیز شہد کی مکھیوں پر ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں۔ اور یہ ملکہ۔ جثہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرماں بردار ہوتی ہیں چھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو اور مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

(۴) قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لئے دور دور جاتی ہیں اور اپنے مکان اور راستے کو نہیں بھولتیں اور ایک چھتے کی مکھیاں دوسرے چھتے پر نہیں جاتیں۔

حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اپنے اوپر دو شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی شہد اور قرآن۔ شیخین نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو شہد پلا اس نے شہد پلایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر پلا، تین مرتبہ اس نے شہد پلایا اور ہر مرتبہ یہی آکر کہا کہ میں نے اسے شہد پلایا تھا اس کے دست اور بڑھ گئے آپ نے اس کو ہر مرتبہ یہی جواب دیا جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ اس کو پھر شہد پلا اس نے کہا کہ میں نے اس کو پلایا مگر اس کے دست بڑھتے جاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے اس کو پھر شہد پلایا اور خدا نے اس کو شفاء دی اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلائے جا ان شاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا۔

خصوصاً اصحاب بلغم اور شیوخ مردوزن کے لئے تو مجرب تریاق ہے۔ اور معجونوں کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدر و منزلت ثابت کرتا ہے کہ اس میں شفاء عظیم ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ﴿۶۹﴾

اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

مقام فکر:

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اوپر کی آیتوں میں برے میں سے بھلا نکلنے کے تین پتے بتلائے۔ جانور کے پیٹ اور خون گوبر کے مادہ سے دودھ، نشے کے مادہ (انگور کھجور وغیرہ) سے پاک روزی اور مکھی کے پیٹ سے شہد۔ تینوں میں اشارہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت جاہلوں کی اولاد میں عالم پیدا کریگا۔ حضرت کے وقت میں یہی ہوا کہ کافروں کی اولاد عارف کامل ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

توحید والوہیت کی دلیل:

اس میں ان لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت والوہیت کی) بڑی دلیل ہے جو غور کرتے ہیں۔ جو شخص مکھیوں کی اس صنعتی مہارت اور عجیب پر حکمت نظم پر غور کرے گا اس کو صاف نظر آجائے گا کہ یہ سب کارفرمائی اور اعجوبہ زائی در پردہ کسی قادر حکیم کی ہے، وہی مکھیوں کے دل میں یہ تدبیریں ڈالتا اور ترکیبیں بتاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہد کی مکھی کی فراست:

النحل، شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو خطاب بھی امتیازی شان کا کیا ہے، باقی حیوانات کے بارے میں تو قانون کلی کے طریقہ پر اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی فرمایا، لیکن اس ننھی سی مخلوق کے بارے میں خاص کر کے اوحی ربک فرمایا جس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ دوسرے حیوانات سے بہ نسبت عقل وشعور اور سوجھ بوجھ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے اس کے عجیب وغریب نظام اور مستحکم قوانین وضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ خود یہ ملکہ تین ہفتوں کے عرصہ میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے، یہ اپنی قد و قامت اور وضع قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں اور کسی نامعلوم اور خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں، بعض معماری اور انجیرنگ کے فرائض ادا کرتی ہیں ان کے تیار کردہ اکثر چھتوں کے خانے بیس ہزار سے تیس ہزار تک ہوتے ہیں بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جن سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں یہ موم نباتات پر جمے ہوئے سفید قسم کے سفوف سے حاصل کرتی ہیں گنے پر یہ مادہ بکثرت نظر آتا ہے ان میں سے بعض مختلف قسم کے پھولوں اور پھلوں پر بیٹھ کر اس کو چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے یہ شہد ان کی

اوران کے بچوں کی غذا ہے اوریہی ہم سب کے لئے بھی لذت وغذا کا جوہر اور دواء وشفا کا نسخہ ہے۔ یہ مختلف پارٹیاں نہایت سرگرمی سے اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں اوراپنی ملکہ کے حکم کودل وجان سے قبول کرتی ہیں ان میں سے اگرکوئی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اورملکہ اس کوقتل کردیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کودیکھ کرانسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ (ازالجواہر) (معارف القرآن)

شہد کا چھتہ:

بیوتا. اَوْحٰی رَبُّكَ سے جوہدایت دی گئی ہے ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ ہرجانوراپنے رہنےسہنے کے لئے گھر تو بناتا ہی ہے پھراس اہتمام سے "گھروں" کی تعبیر کاحکم مکھیوں کودینے میں کیاخصوصیت ہے پھر یہاں لفظ بھی "بیوت" کااستعمال فرمایا جوعموماً انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے اس سے اشارہ ایک تواس طرف کردیا کہ مکھیوں کوچونکہ شہد تیارکرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں دوسرا اس طرف اشارہ کردیا کہ جوگھر یہ بنائیں گی، وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی ساخت وبناوٹ غیرمعمولی قسم کی ہوگی، چنانچہ ان کے گھرعام جانوروں کے گھروں سے ممتاز ہوتے ہیں جن کودیکھ کرانسانی عقل بھی ششدررہ جاتی ہے ان کے گھرمسدس شکل کے ہوتے ہیں پرکاراورمسطرے سے بھی اگران کی پیمائش کی جائے توبال برابر بھی فرق نہیں رہتا، مسدس شکل کےعلاوہ وہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع اورمخمس وغیرہ کواس لئے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کےبعض کونے بیکاررہ جاتے ہیں۔

یہ مکھی ایسے ایسے لطیف اورقیمتی اجزاء چوستی ہے کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہرنہیں نکالا جاسکتا۔

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا. یہ مکھی کوتیسری ہدایت دی جارہی ہے کہ اپنے رب کے ہموارکئے ہوئے راستوں پر چل پڑ، یہ جب گھرسے دور دراز مقامات پرپھل پھول کارس چوسنے کے لئے کہیں جاتی ہے توبظاہراس کااپنے گھر میں واپس آنا مشکل ہونا چاہیے تھالیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے راہوں کوآسان بنادیا ہے چنانچہ وہ میلوں دورجاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فضاء میں اس کے لئے راستے بنادیئے ہیں، کیونکہ زمین کے پیچ دارراستوں میں بھٹکنے کا خطرہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فضاءکواس حقیروناتواں مکھی کے لئے مسخرکردیا تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیراپنے گھرآسانی سے آجاسکے۔

شہد کی مکھی کی فراست کا نتیجہ:

اسکے بعد وحی کے اس حکم کوجوحقیقی ثمرہ تھا، اس کو بیان فرمایا،

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ، کہ اسکے پیٹ میں سے مختلف رنگ کا مشروب نکلتا ہے جس میں تمہارے لئے شفاء ہے ،رنگ کا اختلاف غذا اورموسم کے اختلاف کی بناء پرہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگرکسی خاص علاقے میں کسی خاص پھل پھول کی کثرت ہوتواس علاقہ کے شہد میں اس کا اثر وذائقہ ضرور ہوتا ہے شہد عموماً چونکہ سیال مادہ کی شکل میں ہوتا ہے اس لئے اس کوشراب (پینے کی چیز) فرمایا، اس جملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اورقدرت کاملہ کی قاطع دلیل موجود ہے کہ ایک چھوٹے سے جانور کے پیٹ سے کیسا منفعت بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے حالانکہ وہ جانور خودزہریلا ہے زہرمیں سے یہ تریاق واقعی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی عجیب مثال ہے پھرقدرت کی یہ بھی عجیب صنعت گری ہے کہ دودھ دینے والے حیوانات کادودھ موسم اورغذا کے اختلاف سے سرخ وزردنہیں ہوتا اورمکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہوجاتا ہے۔ (معارف القرآن)

جسمانی فوائد:

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ،شہد جہاں قوت بخش غذا،اورلذت وطعم کا ذریعہ ہے وہاں امراض کے لئے نسخہ شفا بھی ہے اورکیوں نہ ہو، خالق کائنات کی یہ لطیف گشتی مشین جوہرقسم کے پھل پھول سے مقوی عرق اورپاکیزہ جوہرکشید کرکے اپنے محفوظ گھروں میں ذخیرہ کرتی ہے اگرجڑی بوٹیوں میں شفا ودوا کاسامان ہے توان کے جوہر میں کیوں نہ ہوگا ،بلغمی امراض میں بلاواسطہ اوردوسرے امراض میں دوسرے اجزاء کے ساتھ مل کربطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے اطباء معجونوں میں بطور خاص اس کوشامل کرتے ہیں۔

پھوڑے کا علاج:

حضرت ابن عمرؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ ان کے بدن پراگر پھوڑا بھی نکل آتا تواس پرشہد کالیپ کرکے علاج کرتے ،بعض لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو جواب میں فرمایا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسکے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (قرطبی)

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتے ہیں جیسا ان بندوں کااپنے رب کے متعلق اعتقاد ہوتا ہے حدیث قدسی میں فرمایا: انا عند ظن عبدی یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ بندہ جوکچھ مجھ سے گمان رکھتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں (یعنی اس کے مطابق کردیتا ہوں)۔

جانوروں میں عقل:

آیت سے معلوم ہوا کہ عقل وشعورانسانوں کےعلاوہ دوسرے جانداروں میں بھی ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ،البتہ عقل کے درجات مختلف

ہیں انسانوں کی عقل ذی حیات اشیاء کی عقول سے زیادہ کامل ہے، اسی وجہ سے وہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے یہی وجہ ہے کہ اگر جنون کی وجہ سے انسان کی عقل میں فتور آ جائے تو دوسری مخلوقات کی طرح وہ بھی مکلف نہیں رہتا۔

شہد کی مکھی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کی فضیلت میں حدیث وارد ہوئی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الذبان کلھا فی النار یجعلھا عذاباً لاھل النار الاالنحل،

(نوادرالاصول بحوالہ قرطبی)

''یعنی دوسرے ایذاء رساں جانداروں کی طرح مکھیوں کی بھی تمام قسمیں جہنم میں جائیں گی، جو وہاں جہنمیوں پر بطور عذاب مسلط کر دی جائیں گی، مگر شہد کی مکھی جہنم میں نہیں جائے گی''۔

نیز ایک اور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

شہد مکھی کا لعاب ہے یا فضلہ:

اطباء کا اس میں کلام ہے کہ شہد مکھی کا فضلہ ہی یا اس کا لعاب ہی ارسطا طالیس نے شیشے کا ایک نفیس چھتہ بنا کر مکھیوں کو اس میں بند کر دیا تھا، وہ ان کے نظام کو جاننا چاہتا تھا لیکن ان مکھیوں نے سب سے پہلے برتن کے اندرونی حصہ پر موم اور کیچڑ کا پردہ چڑھا دیا اور جب تک پوری طرح پردہ پوش نہیں ہو گئیں اس وقت تک اپنا کام شروع نہیں کیا۔

دنیا کی حقارت:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دنیا کی حقارت کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

اشرف لباس بنی ادم فیه لعاب دودة واشرف شرابه رجیع نحلة۔

''انسان کا بہترین ریشمی لباس اس کائنات کے ایک چھوٹے سے کیڑے کا لعاب ہے اور اس کا نفیس لذت بخش مشروب مکھی کا فضلہ ہے''۔

دواء سے علاج بھی جائز ہے:

فِيهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ، سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوا سے مرض کا علاج کرنا جائز ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بطور انعام ذکر کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

حدیث میں دوا استعمال کرنے اور علاج کرنے کی ترغیب آئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض حضرات نے سوال کیا کہ کیا ہم دوا استعمال کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں، علاج کر لیا کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی مرض پیدا کیا ہے اس کے لئے دوا بھی پیدا فرمائی ہے مگر ایک مرض کا علاج نہیں، انہوں نے سوال کیا وہ مرض کونسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑھاپا۔ (ابوداؤد والترمذی بحوالہ قرطبی)

حضرت خذیمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ جو ہم جھاڑ پھونک کا عمل کرتے ہیں یا دوا سے اپنا علاج کرتے ہیں اسی طرح بچاؤ اور حفاظت کے جو انتظامات کرتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تو تقدیر الٰہی ہی کی صورتیں ہیں۔

غرض یہ کہ علاج کرنے اور دوا استعمال کرنے کے جواز پر تمام علماء متفق ہیں اور اس سلسلے میں بے شمار احادیث و آثار وارد ہوئے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کی اولاد میں اگر کسی کو بچھو کاٹ لیتا تھا تو اسے تریاق پلاتے تھے اور جھاڑ پھونک سے اس کا علاج فرماتے آپ نے لقوہ کے مریض پر داغ لگا کر اس کا علاج کیا۔ (قرطبی)

بعض صوفیاء کے متعلق منقول ہے کہ وہ علاج کو پسند نہیں کرتے تھے اور حضرات صحابہ میں سے بھی بعض کے عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے مثلاً روایت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور ان سے پوچھا، آپ کو کیا شکایت ہے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے اپنے گناہوں کی فکر ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا پھر کس چیز کی خواہش ہے؟ فرمایا میں اپنے رب کی رحمت کا طلب گار ہوں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ پسند کریں تو میں طبیب کو بلوا لیتا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا، طبیب ہی نے تو مجھے لٹایا ہے (یہاں مجازی طور پر طبیب سے مراد اللہ تعالیٰ شانہ ہیں)

حضرت عثمانؓ کا حضرت ابن مسعودؓ سے درخواست کرنا کہ میں آپ کیلئے طبیب لے آتا ہوں خود اس بات کی دلیل ہے کہ علاج جائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں یہ واجب بھی ہو جاتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیتا ہے

مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ

اور کوئی تم میں سے پہنچ جاتا ہے نکمی عمر کو کہ سمجھنے کے

بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰

پیچھے اب کچھ نہ سمجھے اللہ خبردار ہے قدرت والا

انسان اپنے اندر غور کرے:

قدرت کے بہت سے خارجی نشان بیان فرما کر انسان کو متنبہ کرتے ہیں

کہ خود اپنے اندرونی حالات میں غور کرے وہ کچھ نہ تھا، خدا نے وجود بخشا، پھر موت بھیجی اور دی ہوئی زندگی واپس لے لی یہ کچھ نہ کر سکا اور بعضوں کو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجہ میں پہنچا دیا کہ ہوش وحواس ٹھکانے نہ رہے۔ نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہی بالکل نکما ہو گیا، نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی یاد رکھ سکتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم وقدرت اسی خالق و مالک کے خزانہ میں ہے۔ جب اور جس قدر چاہے دے اور جب چاہے واپس کر لے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس امت میں کامل پیدا ہو کر پھر ناقص پیدا ہونے لگیں۔ واللہ اعلم. (تفسیر عثمانی)

ارذلِ عمر:

اَرْذَلِ الْعُمُرِ، بدترین عمر ناکارہ عمر، انتہائی بڑھاپا، قتادہ نے کہا، ارذل عمر نوے سال ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پچھتر برس ارذل عمر ہے، بعض نے اسی برس کی عمر کو ارذل عمر کہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! میں بڑی عمر سے تیری پناہ لیتا ہوں، دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اے اللہ میں تیری پناہ کا طالب ہوں کہ مجھے ارذل عمر تک پہنچایا جائے، صحیحین وغیرہ میں بھی ایسی روایت آئی ہے۔ باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ تمام معلومات کو بھول جائے اور بچوں کی طرح نادان اور ضعیف الفہم ہو جائے۔ عکرمہ نے کہا جو قرآن (ہمیشہ) پڑھتا ہے وہ اس حالت پر نہیں پہنچتا۔ ان اللہ علیم یعنی اللہ لوگوں کی عمروں کی مقداروں سے خوب واقف ہے اور ہر چیز پر قادر ہے پیر فرتوت کو کبھی چھوڑتا اور جوان قوی کی جان قبض کر لیتا ہے۔

احوال کا اختلاف اللہ کی حکمت کے تابع ہے:

اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے احوال کا اختلاف وتفاوت اللہ حکیم وعلیم کے اندازے کے مطابق اور اس کی مشیت کے موافق ہے طبعی اور خود بخود نہیں ہے اگر طبعی اقتضا ہوتا تو اس حد تک نہ ہوتا کہ عالم صغیر ہونے کے بعد آدمی قطعاً بے خبر ہو جائے کہ باوجود بیماری نہ ہونے کے محض ترقی عمر کی وجہ سے بچہ کی طرح ہو جائے اور علم وعمل سے بے خبر ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

تمام بندوں پر قبضہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہی انہیں عدم سے وجود میں لایا ہے وہی انہیں پھر فوت کریگا۔ بعض لوگوں کو بہت بڑی عمر تک پہنچاتا ہے کہ وہ پھر سے بچوں جیسے ناتواں بن جاتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں پچھتر سال کی عمر میں عموماً انسان ایسا ہی ہو جاتا ہے، طاقت طاق ہو جاتی ہے، حافظہ جاتا رہتا ہے، علم کی کمی ہو جاتی ہے، عالم ہونے کے بعد بے علم ہو جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرماتے تھے اعوذبک من البخل والکسل والھرم وارذل العمر وعذاب القبر وفتنه الدجال وفتنه المحیا والممات۔ یعنی خدایا میں بخیلی سے عاجزی سے بڑھاپے سے ذلیل عمر سے قبر کے عذاب سے دجال کے فتنے سے زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔ زہیر بن ابوسلمیٰ نے بھی اپنے مشہور معلقہ میں اس عمر کو رنج وغم کا مخزن ومنبع بتایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عمر سے پناہ مانگتے تھے ارشاد ہے:

اللھم انی اعوذبک من سوء العمر وفی روایة من ان ارد الی ارذل العمر۔ "یعنی یا اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں بری عمر سے اور ایک روایت میں ہے کہ پناہ مانگتا ہوں ارذل عمر سے"۔

ارذل العمر کی تعریف میں کوئی تعیین نہیں ہے البتہ مذکورہ تعریف راجح معلوم ہوتی ہے جس کی طرف قرآن نے بھی لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا سے اشارہ کیا ہے کہ وہ ایسی عمر ہے جس میں ہوش وحواس باقی نہیں رہتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام معلومات بھول جاتا ہے۔ (صحیحین بحوالہ مظہری)

قرآن پڑھنے والا:

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا۔ پیرانہ سالی کے انتہائی درجہ میں پہنچنے کے بعد آدمی میں نہ قوت جسمانیہ رہتی ہے اور نہ ہی عقلیہ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتا ہے وہ تمام معلومات بھول کر بالکل کل کے بچے کی مانند ہو جاتا ہے جس کو نہ علم وخبر ہے اور نہ ہی فہم وفراست، حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوگی۔

اللہ چاہے تو سوسالہ آدمی بھی نوجوان رہے:

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے، بڑی قدرت والے ہیں، علم سے ہر شخص کی عمر کو جانتے ہیں اور قدرت سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اگر چاہیں تو طاقت اور نوجوان پر ارذل العمر کے آثار طاری کر دیں، اور چاہیں تو سو سال کا معمر انسان بھی طاقت ور جوان رہے یہ سب کچھ اسی ذات کے دست قدرت میں ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ (معارف القرآن)

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي

اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک پر

الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ

روزی میں سو جن کو بڑائی دی وہ نہیں پہنچا دیتے اپنی روزی

عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ

ان کو جن کے مالک ان کے ہاتھ ہیں کہ وہ سب

اَفَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۷۱﴾

اس میں برابر ہو جائیں کیا اللہ کی نعمت کے منکر ہیں

بعض کو بعض پر فضیلت:

یعنی خدا کی دی ہوئی روزی اور بخشش سب کے لئے برابر نہیں۔ بلحاظ تفاوت استعداد واحوال کے اس نے اپنی حکمت بالغہ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو مالدار اور بااقتدار بنایا جس کے ہاتھ تلے بہت سے غلام اور نوکر چاکر ہیں جن کو اسی کے ذریعہ سے روزی پہنچتی ہے۔ ایک وہ غلام ہیں جو بذات خود ایک پیسہ یا ادنیٰ اختیار کے مالک نہیں، ہر وقت آقا کے اشاروں کے منتظر رہتے ہیں۔

آقا اور غلام برابر نہیں ہو سکتے:

پس کیا دنیا میں کوئی آقا گوارا کریگا کہ غلام یا نوکر چاکر جو بہرحال اسی جیسے انسان ہیں بدستور غلامی کی حالت میں رہتے ہوئے اسکی دولت، عزت، بیوی وغیرہ میں برابر کے شریک ہو جائیں۔ غلام کا حکم تو شرعاً یہ ہے کہ بحالت غلامی کسی چیز کا مالک بنایا جائے تب بھی نہیں بنتا۔ آقا ہی مالک رہتا ہے اور فرض کرو آقا غلامی سے آزاد کر کے اپنی دولت وغیرہ میں برابر کا حصہ دار بنائے تو مساوات بیشک ہو جائیگی۔ لیکن اس وقت غلام غلام نہ رہا۔ بہرکیف غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتی۔

تو پھر خالق و مخلوق کیسے برابر ہو سکتے ہیں:

جب دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک و مملوک میں شرکت و مساوات نہیں ہو سکتی۔ پھر غضب ہے کہ خالق و مخلوق کو معبودیت وغیرہ میں برابر کر دیا جائے اور ان چیزوں کو جنہیں خدا کی مملوک سمجھنے کا اقرار خود مشرکین بھی کرتے تھے (الا شریکا ھو لک تملکه و مالملک)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری:

مالک حقیقی کا شریک و سہیم ٹھہرا دیا جائے کیا منعم حقیقی کی نعمتوں کا یہی شکریہ ہے کہ جس بات کے قبول کرنے سے خود ناک بھوں چڑھاتے ہو اس سے زیادہ قبیح و شنیع صورت اس کے لئے تجویز کی جائے۔ نیز جس طرح روزی وغیرہ میں حق تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی سب کو ایک درجہ میں نہیں رکھا، اگر علم و عرفان اور کمالات نبوت میں کسی ہستی کو دوسروں سے فائق کر دیا تو خدا کی اس نعمت سے انکار کرنے کی بجز ہٹ دھرمی کے کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یہی مضمون آیت ضَرَبَ لَكُمۡ مَّثَلًا مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ الخ میں بیان ہوا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے مال میں اپنی بیویوں میں اپنا شریک بنانے سے نفرت کرتے ہو تو پھر میرے غلاموں کو میری خدائی میں کیسے شریک سمجھ رہے ہو؟ یہی خدا کی نعمتوں سے انکار ہے کہ خدا تعالیٰ کیلئے وہ پسند کرنا جو اپنے لئے بھی پسند نہ ہو۔ یہ ہے مثال معبودان باطل کی۔ جب تم آپ اس سے الگ ہو پھر خدا تعالیٰ تو اس سے بہت زیادہ بیزار ہے۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر اور کیا ہوگا؟ کہ کھیتیاں اور چوپائے خدا تعالیٰ ایک کے پیدا کئے ہوئے اور تم انہیں اس کے سوا اوروں کے نام کا کرو۔

امیری اور غریبی آزمائش ہے:

حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط لکھا کہ اپنی روزی پر قناعت اختیار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کو ایک سے زیادہ امیر کر رکھا ہے یہ بھی اس کی طرف سے ایک آزمائش ہے کہ وہ دیکھے کہ امیر امراء کس طرح شکر خدا تعالیٰ ادا کرتے ہیں اور جو حقوق دوسروں کے ان پر جناب باری تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں کہاں تک انہیں ادا کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

فاروق اعظمؓ کا خط:

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو جو آپؓ کی طرف کوفہ بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا: **اقنع برزقک من الدنيا فان الرحمان فضل بعض عباده علىٰ بعض فى الرزق بلاء مبتلى به كلافيتبلى من بسطه كيف شكره لله واداء الحق الذى افترض عليه فيما رزقه وخولهٗ.** (رواہ ابن ابی حاتم)

اے ابو موسیٰ! تو اپنے اس رزق پر قناعت کر جو تجھ کو دنیا میں ملا ہے کیونکہ رحمٰن نے اپنے بعض بندوں کے اعتبار سے رزق زیادہ دیا ہے اور یہ رزق من جانب اللہ ابتلاء اور امتحان ہے۔ جس کے ذریعہ ہر ایک کا امتحان کرتا ہے پس جس کو رزق زیادہ دیا اس کا امتحان اس طرح ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کی دی ہوئی دولت کا شکر بجالاتا ہے اور جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیوں کر ادا کرتا ہے (ابن ابی حاتم نے اس روایت کو روایت کیا۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا

اور اللہ نے پیدا کیں تمہارے واسطے تمہاری ہی قسم سے عورتیں

نوع انسانیت کی بقاء:

یعنی نوع انسان ہی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ تا الفت و موانست قائم رہے۔ اور تخلیق کی غرض پوری ہو۔ ''وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً'' (الروم رکوع۳) (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ

اور دیئے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے

وَحَفَدَةً

اور پوتے

جوتمہاری بقاء نوعی کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور نخعی نے فرمایا، (آیت میں) حفدہ سے مراد ہیں داماد دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود کا قول آیا ہے کہ حفدۃ سے مراد ہیں خسر۔ اس قول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ نے تمہاری بیبیوں سے تم کو نرمادہ اولاد عطا کی اور ان کے نکاح کر دینے سے خسر اور داماد تمہارے لئے مقرر کیے۔ عکرمہ، حسن اور ضحاک نے کہا آیت میں خادم مراد ہیں۔ مجاہد نے کہا کارگزار کارندے مراد ہیں۔ عطاء نے کہا وہ اولاد مراد ہے جو مددگار اور خادم ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں

شخصی بقاء: جو بقائے شخصی کا سبب ہے۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ

سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور اللہ کے فضل کو

هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

نہیں مانتے

نعمتیں خدا کی اور عبادت بتوں کی؟

یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا، یا بیٹا دیا، یا روزی دی، اور یہ سب جھوٹ اور وہ جو سچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں۔ کذافی الموضح۔ اور شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ فانی وزائل زندگانی کی بقاء نوعی وشخصی کے اسباب کو تو مانتے ہو اور خدا کی سب سے بڑی نعمت (پیغمبر علیہ السلام کی ہدایات) کو جو بقائے ابدی اور حیات جاودانی کا واحد ذریعہ ہے۔ تسلیم نہیں کرتے الا کل شی ء ماخلا اللہ باطل۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ اور بندے کا عجیب معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا، میرا اور (کافر) جن وانس کا ایک عظیم واقعہ (یعنی عجیب معاملہ) ہے پیدا میں کرتا ہوں پوجا دوسروں کی کی جاتی ہے رزق میں دیتا ہوں شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت:

آجکل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دار نظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود وقمار کے راستہ سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہو کر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کر دیتی ہیں ان کے لئے بجز غلامی اور مزدوری کے کوئی راستہ اپنی ضروریات حاصل کرنے کے لئے نہیں رہ جاتا وہ اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کے باوجود صنعت وتجارت کے میدان میں قدم نہیں رکھ سکتے۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم وجور کے ردعمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے۔ جس کا نعرہ غریب وامیر کے تفاوت کو ختم کرنا اور سب میں مساوات پیدا کرنا ہے ظالمانہ سرمایہ داری کے مظالم سے تنگ آئے ہوئے عوام اس نعرہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں، مگر چند ہی روز میں وہ مشاہدہ کر لیتے ہیں کہ یہ نعرہ محض فریب تھا معاشی مساوات کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوا۔ اور غریب اپنی غربت اور فقر وفاقہ کے ساتھ بھی جو ایک انسانی احترام رکھتا تھا اپنی مرضی کا مالک تھا یہ احترام انسانیت بھی ہاتھ سے جاتا رہا نظام اشتراکیت میں انسان کی کوئی قدر وقیمت مشین کے ایک پرزے سے زائد نہیں، کسی جائداد کی ملکیت کا تو وہاں تصور ہی نہیں ہوسکتا اور جو معاملہ وہاں ایک مزدور کے ساتھ کیا جاتا ہے اس پر غور کریں تو وہ کسی چیز کا مالک نہیں اس کی اولاد اور بیوی بھی اس کی نہیں بلکہ سب ریاست کی مشین کے کل پرزے ہیں جن کو مشین اسٹاٹ ہوتے ہی اپنے کام پر لگ جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

خروشیف نے ۵ مئی ۱۹۶۰ء کو سپریم سویٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سختی سے مخالف ہیں ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں یہ لینن کی تعلیم ہے اس کی تعلیم یہ تھی کہ سوشلسٹ سماج میں مادی محرکات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا" (سویت ورلڈ، ص ۳۴۶)

معاشی مساوات کے خواب کی یہ تعبیر عدم مساوات تو ابتداء ہی سے سامنے آگئی تھی مگر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عدم مساوات اور امیر وغریب کا تفاوت اشتراکی مملکت روس میں عام سرمایہ دار ملکوں سے بھی آگے بڑھ گیا۔

لیون شیڈ ولکھتا ہے:

''شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے''۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ

اور پوجتے ہیں اللہ کے سوائے ایسوں کو جو مختار نہیں

لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا

ان کی روزی کے آسمان اور زمین میں سے کچھ بھی

جھوٹے معبود نہ رزق دے سکتے ہیں نہ کچھ اور:

یعنی نہ آسمان سے مینہ برسانے کا خدائی اختیار رکھتے ہیں نہ زمین سے غلہ اگانے کا۔ پھر قادر مطلق کے شریک معبودیت میں کس طرح بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ (کسی قسم کی) قدرت رکھتی ہیں۔ آسمان سے رزق یعنی بارش اور زمین سے رزق یعنی سبزی (غلہ پھل ترکاری وغیرہ) اخفش کے نزدیک شیئًا بدل ہے اور رزقًا مبدل منہ اور رزق سے مراد ہے۔ مرزوق (کھانے پینے پہننے کی چیز) یعنی وہ کسی چیز کے مالک نہیں نہ قلیل کے نہ کثیر کے، ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، فراء نے رزقًا کو مفعول مطلق کہا ہے اور شیئًا کو مفعول بہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور نہ قدرت رکھتے ہیں

یعنی نہ فی الحال اختیار حاصل ہے نہ آئندہ حاصل کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ

سو مت چسپاں (بٹھلاؤ) کرو اللہ پر مثالیں

اللہ کے لئے مشرکین کی غلط مثالیں:

مشرک کہتے تھے کہ مالک اللہ ہی ہے۔ یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں۔ ہمارے کام ان ہی سے پڑتے ہیں۔ بڑی سرکار تک براہ راست رسائی نہیں ہوسکتی۔ سو یہ مثال غلط ہے جو بارگاہ احدیت پر چسپاں نہیں۔ اللہ ہر چیز آپ کرتا ہے خواہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ کوئی کام کسی کو اس طرح سپرد نہیں کر رکھا جیسے سلاطین دنیا اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ و اختیار سے کیا لیکن بعد تفویض ان اختیارات کے استعمال میں ماتحت آزاد ہیں۔ کسی مجسٹریٹ کے فیصلہ کے وقت بادشاہ یا پارلیمنٹ کو اس واقعہ اور فیصلہ کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ نہ اس وقت جزئی طور پر بادشاہ کی مشیت و ارادہ کو فیصلہ صادر کرنے میں قطعاً دخل ہے۔ یہ صورت حق تعالیٰ کے یہاں نہیں۔ بلکہ ہر ایک چھوٹا بڑا کام اور ادنیٰ سے ادنیٰ جزئی خواہ بواسطہ اسباب یا بلاواسطہ اس کے علم محیط اور مشیت و ارادہ سے وقوع پذیر ہوتی ہے اسی لئے لازم ہے کہ آدمی ہر کلی جزئی کا فاعل اور موثر حقیقی اعتقاد کر کے تنہا اسی کو معبود و مستعان سمجھے۔

(تنبیہ): ابن عباسؓ وغیرہ سلف سے ''فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ'' کا یہ مطلب منقول ہے کہ خدا کا مماثل کسی کو مت ٹھہراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

مثال بیان کرنے کی ممانعت کی وجہ:

اللہ کی مثال بیان کرنے کی ممانعت اس وجہ سے کی کہ ضرب المثل نام ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینے کا اور اللہ کی ذات وصفات کا کسی کو (کامل) علم نہیں نہ کوئی جانتا ہے کہ کون کون سی صفات کا اطلاق اللہ پر ہونا درست ہے اور کن کن صفات کے ساتھ اللہ کا متصف ہونا محال ہے۔ ایسی حالت میں اللہ کو کسی چیز پر کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ غائب کو حاضر کے سانچے میں ڈھالنا کس طرح زیبا ہے۔ کوئی علت جامع اور وصف مشترک موجود نہیں ہے اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ حقائق اشیاء سے واقف ہے اور تم ناواقف ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم جو اللہ کی مثالیں بیان کرتے ہو اور قیاس چلاتے ہو اللہ کو اس کی غلطی کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ تمہاری تمثیلات فاسد ہیں اور تم کو اس کا علم نہیں اگر تم کو اپنے قول کی غلطی کا علم ہوتا تو تمثیلات بیان کرنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ کی حقیقت کی مثال تم نہیں دے سکتے:

یعنی تم نہیں جانتے کہ خدا کے لئے کس طرح مثال پیش کرنی چاہیے۔ جو اصل حقیقت اور صحیح مطلب کی تفہیم میں معین ہو۔ اور اس کی عظمت ونزاہت کے خلاف شبہ پیدا نہ کرے۔ اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ انہیں غور سے سنو اور تمثیل کی غرض کو سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ

اللہ نے بتلائی ایک مثال ایک بندہ (غلام) پرایا مال نہیں قدرت

عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

(اختیار) رکھتا کسی چیز پر اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی

حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ

طرف سے خاصی روزی سو وہ خرچ کرتا ہے اُس میں سے چھپا کر او

يَسۡتَوٗنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا

رسب کے روبرو کہیں برابر ہوتے ہیں سب تعریف اللہ کو ہے پر

يَعۡلَمُوۡنَ ۝۷۵

بہت لوگ نہیں جانتے

اللہ کی بتلائی ہوئی مثال:

ایک شخص وہ ہے جو آزاد نہیں، دوسرے کا مملوک غلام ہے کسی طرح کی قدرت واختیار نہیں رکھتا ہر ایک تصرف میں مالک کی اجازت کا محتاج ہے۔ بدون اجازت اس کے سب تصرفات غیر معتبر ہیں دوسرا آزاد اور بااختیار شخص ہے جسے خدا نے اپنے فضل سے بہت کچھ مقدرت اور روزی عنایت فرمائی جس میں سے دن رات سراً وعلانیۃً بے دریغ خرچ کرتا ہے۔ کوئی اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ ہر چیز کا مالک حقیقی ہے سب تعریفیں اور خوبیاں اس کے خزانہ میں ہیں جس کو جو چاہے دے۔ کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں۔ ذرہ ذرہ پر کلی اختیار اور کامل قبضہ رکھتا ہے یہ کس قدر ظلم ہوگا کہ ایک پتھر کے بت کو اس کی برابر کر دیا جائے جو کسی چیز کا مالک نہیں بلکہ خود پرایا مال ہے۔ اگر مالک مجازی اور مملوک مجازی برابر نہیں ہو سکتے تو کوئی مملوک محض مالک حقیقی کا شریک کیسے بن سکتا ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ خدائے واحد کا پرستار جسے مالک نے علم وایمان کی دولت بخشی اور لوگوں میں شب وروز روحانی نعمتیں تقسیم کرنے کا ذریعہ بنایا، کیا ایک پلید مشرک کو جو بت کا مملوک، اہواء واوہام کا غلام اور عمل مقبول سے محض تہیدست ہے اس مؤمن موحد کے ساتھ برابر کھڑا کیا جا سکتا ہے؟ کلا واللہ۔ (تفسیر عثانی)

(مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس نے آقا سے معاہدہ کرلیا ہو کہ اتنا روپیہ کما کر جب میں تم کو دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور آقا نے اس معاہدہ کو تسلیم کرلیا ہو)

وَمَنۡ رَّزَقۡنٰهُ مِنَّا رِزۡقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنۡفِقُ مِنۡهُ سِرًّا وَّجَهۡرًا ؕ هَلۡ يَسۡتَوٗنَ اور ایک شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح اور جتنا چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيۡنِ اَحَدُهُمَاۤ

اور بتائی اللہ نے ایک دوسری مثال دو مرد ہیں

اَبۡكَمُ

ایک گونگا

دوسری مثال:

گونگا ہے تو لازمی طور پر بہرا بھی ہوگا۔ گویا نہ اپنی کہہ سکے نہ دوسرے کی سن سکے۔ (تفسیر عثانی)

اَبۡكَمُ، پیدائشی گونگا جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ بول سکتا ہو۔ لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ کم فہمی کی وجہ سے وہ نہ کسی صنعت پر قادر ہے نہ کسی کام کی تدبیر پر کل بار ہے وبال ہے۔ مولہ، یعنی اپنے سرپرست کے لئے (آقا مراد نہیں ہے) لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ یعنی کسی معمولی کام کو بھی ٹھیک کر کے نہیں لاتا۔ یہ تشبیہ بتوں کی ہے جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کچھ سمجھتے ہیں۔ پوجنے والوں پر خواہ مخواہ کا بار ہیں، پجاری خود ان کو اٹھاتے اور رکھتے ہیں اور سب بے سود۔ بت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَقۡدِرُ عَلٰى شَىۡءٍ

کچھ کام نہیں کر سکتا

کیونکہ نہ حواس رکھتا ہے نہ عقل اور اپاہج ہے جو چل پھر بھی نہیں سکتا۔ (تفسیر عثانی)

وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوۡلٰٮهُ ۙ اَيۡنَمَا يُوَجِّهْهُّ

اور وہ بھاری ہے اپنے صاحب (مالک) پر جس طرف اس کو بھیجے نہ

لَا يَاۡتِ بِخَيۡرٍ ؕ

کر کے لائے کچھ بھلائی

یعنی مالک کے کسی کام کا نہیں، جدھر اسے بھیجنا چاہے یا متوجہ کرے کچھ بھلائی اور فلاح نہ پہنچا سکے۔ (تفسیر عثانی)

هَلۡ يَسۡتَوِىۡ هُوَ ۙ وَمَنۡ يَّاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ ۙ

کہیں برابر ہے وہ اور ایک وہ جو حکم کرتا ہے انصاف سے

وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۷۶

اور ہے سیدھی راہ پر

مشرک ومؤمن برابر نہیں ہو سکتے:

یعنی خود سیدھی راہ پر قائم رہ کر دوسروں کو بھی اعتدال وانصاف کے راستہ پر لے جا رہا ہے جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو ایک خود تراشیدہ پتھر

کی مورتی کو (العیاذ باللہ) خدائی کا درجہ کیونکر دیا جا سکتا ہے۔ یا ایک اندھا بہرا مشرک جو خدا کی پیدا کی ہوئی روزی کھاتا ہے اور چھدام کا کام کر کے نہیں دیتا اس مؤمن قانت کی ہمسری کیسے کر سکتا ہے جو خود سیدھی راہ پر ہو اور دوسروں کو اپنے ساتھ ترا لے جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں یعنی "خدا کی دو مخلوق ایک بت نکمانہ ہل سکے نہ چل سکے جیسے گونگا غلام، دوسرا رسول جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور آپ بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر یا اس کے"۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو شخص سلیم الطبع اور سمجھدار ہو، خوب رواں، سلیس گفتگو کر سکتا ہو۔ ہر کام ٹھیک اور پورا پورا کرتا ہو، لوگوں کو تمام اچھی باتیں سکھاتا ہو۔ غرض یہ کہ عدل (جو عفت، شجاعت اور حکمت کا مجموعہ ہے) کی تعلیم دیتا ہو، اس گونگے ناکارہ بیوقوف کی طرح ہو سکتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ صراط مستقیم پر ہونے کا یہ معنی ہے۔ کہ ہر مقصد کو سیدھے چھوٹے راستے پر چل کر حاصل کر لیتا ہو۔ من یامر بالعدل سے اللہ نے اپنی ذات کی تمثیل دی ہے۔ بعض علماء نے کہا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابکم سے کافر اور مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مؤمن مراد ہے۔ یہ تمثیل کافر و مومن کی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ آیت ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا ایک قریشی آدمی اور اس کے غلام کے متعلق نازل ہوئی اور آیت رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ حضرت عثمان اور ان کے کافر غلام اسید بن ابوالعیص کے متعلق نازل ہوئی۔ اسید کو اسلام سے سخت نفرت تھی خود بھی کافر تھا اور دوسروں کو بھی اسلام سے اور ہر بھلائی، حسن سلوک اور خیر خیرات سے روکتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت شاہ عبدالقادر اور شاہ ولی اللہؒ کا کلام:

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی خدا کے دو بندے ایک بہت نکمانہ ہل سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے انتہی۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے ہیں حاصل ایں دو مثل آنست کہ آں چہ در عالم تصرف ندارد با خدا برابر نیست چنانکہ مملوک ناتواں با مالک توانا برابر نیست و چناں کہ گنگ بے تمیز با صاحب ہدایت برابر نیست انتہی۔

حق تعالیٰ نے ابطال شرک کے لئے یہ دو مثالیں بیان فرمائیں اب مزید دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور اللہ ہی کے پاس ہیں بھید آسمانوں اور زمین کے

یعنی ساری مخلوق یکساں نہ ہوئی۔ ایک آدمی کا حال دوسرے سے بے انتہا مختلف ہوا۔ سب چیزیں ایک سطح مستوی پر کھڑی نہیں کی گئیں۔ اس کا بھید اور ہر ایک کی پوشیدہ اور استعداد اور مخفی حالت کا علم خدا ہی کے پاس ہے چنانچہ وہ اپنے علم محیط کے موافق قیامت میں ہر ایک کے ساتھ جداگانہ معاملہ کریگا۔ اور مختلف احوال پر مختلف نتائج مرتب فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ
اور قیامت کا کام تو ایسا ہے جیسے لپک نگاہ کی
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ
یا اس سے بھی قریب

قیامت پلک جھپکنے سے بھی پہلے آسکتی ہے:

یعنی قیامت کے آنے کو مستبعد مت سمجھو۔ خدا کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ تمام لوگوں کو جب دوبارہ پیدا کرنا چاہے گا تو پلک جھپکنے کی دیر بھی نہ لگے گی، اُدھر سے ارادہ ہوتے ہی چشم زدن میں ساری دنیا دوبارہ موجود ہو جائیگی۔

(تنبیہ): "كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ" کا مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں کے محسوسات کے موافق تو اس کی سرعت کو آنکھ کو جھپکنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن واقع میں اس سے بھی کم میں قیامت قائم ہو جائیگی۔ کیونکہ "لمح بصر" بہر حال زمانی چیز ہے اور ارادہ خداوندی پر مراد کا ترتب آنی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وما امر الساعة الا كلمح البصر اوهو اقرب۔ اور قیامت کا معاملہ بس پلک جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یعنی وقوع قیامت کی سرعت اور سہولت پلک جھپکنے کی طرح ہے۔ قاموس میں لمح کا معنی نظر جھپکنا بیان کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت بس ایسی ہے جیسے بجلی نظر کو جھپک لے۔ بیضاوی نے لکھا ہے، لمح کا معنی ہے نظر کا حدقہ چشم کے بالائی حصہ سے نچلے حصہ کی طرف لوٹنا۔ پلک جھپکنے سے کم وقت کو ظاہر کرنے کے لئے عرف عام میں کوئی لفظ نہیں اس لئے قیامت کے جلد اور بسہولت آ جانے کی تشبیہ پلک جھپکنے سے دی گئی۔

اَوْ هُوَ اَقْرَبُ کا یہ مطلب ہے کہ وقوع قیامت اس سے بھی جلدی ہے اللہ ساری مخلوق کو یکدم زندہ کر کے اٹھا دے گا۔ کن کہتے ہی ہر چیز موجود ہو جائے گی۔ دم کی کوئی مدت نہیں بیان کی جا سکتی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول منکرین کے متعلق ہوا جو قیامت ۔ منکر تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہوئے جلد سے جلد آ جانے کے خواہشمند تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

اللہ کا ہمسر ہرگز کوئی نہیں ہوسکتا:

یعنی جس کے علم محیط کا وہ حال ہو کہ آسمان وزمین کے سارے بھید اس کے سامنے حاضر ہیں اور جس کی قدرت کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہو بھلا اس کا ہمسر کون ہوسکتا ہے؟ اور اس کی پوری مثال کہاں سے لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے
لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ
نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان
وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾
اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو

کان، آنکھ اور دل کی نعمتیں اور تقاضا:

یعنی پیدائش کے وقت تم کچھ جانتے اور سمجھتے نہ تھے، خدا تعالیٰ نے علم کے ذرائع اور سمجھنے والے دل تم کو دیئے۔ جو بذات خود بھی بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے متمتع ہونے کے وسائل ہیں۔ اگر آنکھ، کان، عقل وغیرہ نہ ہو تو ساری ترقیات کا دروازہ ہی بند ہوجائے۔ جوں جوں آدمی کا بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی وعملی قوتیں بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ اس کی شکرگزاری یہ تھی کہ ان قوتوں کو مولیٰ کی طاعت میں خرچ کرتے، اور حق شناسی میں سمجھ بوجھ سے کام لیتے، نہ یہ کہ بجائے احسان ماننے کے الٹے بغاوت پر کمربستہ ہوجائیں۔ اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا محبوب بندہ:

صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے کہ جو میرے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے وہ مجھے لڑائی کا اعلان دیتا ہے۔ میرے فریضے کی بجا آوری سے جس قدر بندہ میری نزدیکی حاصل کرسکتا ہے اتنی کسی اور چیز سے نہیں کرسکتا۔ نوافل بکثرت پڑھتے پڑھتے بندہ میرے نزدیک اور میرا محبوب ہوجاتا ہے۔ جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی نگاہ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ تھامتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ وہ اگر مجھ سے مانگے میں دیتا ہوں اگر دعاء کرے میں قبول کرتا ہوں اگر پناہ چاہے میں پناہ دیتا ہوں۔ اور مجھے کسی کرنے کے کام میں اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا مؤمن کی روح کے قبض کرنے میں، وہ موت کو ناپسند کرتا ہے میں اسے ناراض کرنا نہیں چاہتا اور موت ایسی چیز ہی نہیں جس سے کسی ذی روح کو نجات مل سکے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن اخلاص اور اطاعت میں کامل ہوجاتا ہے تو اس کے تمام افعال محض اللہ کے لئے ہوجاتے ہیں وہ سنتا ہے اللہ کیلئے، دیکھتا ہے اللہ کے لئے یعنی شریعت کی باتیں سنتا ہے شرع نے جن چیزوں کا دیکھنا جائز کیا ہے انہی کو دیکھتا ہے اسی طرح اس کا ہاتھ بڑھانا، پاؤں چلانا بھی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر اس کا بھروسہ ہوتا ہے اسی سے مدد چاہتا ہے تمام کام اس کے اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ہی ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ
کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور حکم کے باندھے ہوئے
السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ
آسمان کی ہوا میں کوئی نہیں تھام رہا ان کو سوائے اللہ کے

پرندوں کو فضا میں کون روکتا ہے:

یعنی جیسے آدمی کو اس کے مناسب قُوے عنایت فرمائے، پرندوں میں ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں ہر ایک پرندہ اپنی اڑان میں قانون قدرت کا تابع اور خدا تعالیٰ کے تکوینی احکام سے وابستہ ہے۔ اسے کسی درسگاہ میں اڑنے کی تعلیم نہیں دی گئی قدرت نے اس کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی ساخت ایسی بنائی ہے کہ نہایت آسانی سے آسمانی فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیر پھاڑ کر بے اختیار نیچے آپڑے۔ یا زمین کی عظیم الشان کشش انہیں اپنی طرف کھینچ لے اور طیران سے منع کردے کیا خدا کے سوا کسی اور کا ہاتھ ہے جس نے ان کو بے تکلف فضائے آسمانی میں روک رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُسَخَّرٰتٍ یعنی بازو، پر وغیرہ اڑنے کے آلات اللہ نے ان کو عطا کیے جن کے ذریعہ سے وہ اللہ کے زیرفرمان اڑتے ہیں جَوِّ السَّمَآءِ آسمان وزمین کی درمیانی ہوا۔ بغوی نے کعب الاحبار کا قول نقل کیا ہے کہ پرندے بارہ میل بلندی تک اڑ سکتے ہیں اس سے اوپر نہیں اڑ سکتے۔ (یعنی مسخر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ صرف بارہ میل کی بلندی تک ہی اڑنے کی ان میں طاقت ہے اس سے اونچا اڑنا ان کے لئے ممکن نہیں) (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾
اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں

معاشی فکر کی وجہ سے ایمان نہ چھوڑو:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی ایمان لانے میں بعضے اٹکتے ہیں، معاش کی فکر سے، سوفرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لاتا۔ کمائی کے اسباب کہ آنکھ، کان، دل وغیرہ ہیں، اللہ ہی دیتا ہے اور اڑتے جانور درمیان میں آخر کس کے بھروسہ رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان والوں کو غور وفکر کی دعوت:

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ. ایمان لانیوالے لوگوں کیلئے اس میں بلاشبہ (اللہ کی قدرت، حکمت اور الوہیت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔ یعنی اللہ نے پرندوں کی پیدائش ہی ایسی کی ہے کہ وہ ہوا میں اڑتے ہیں۔ ان کے جسم بھاری ہوتے ہیں نیچے کچھ سہارا اور ستون نہیں ہوتا اور کسی چیز سے بندھے نہیں ہوتے پھر بھی ہوا میں رکے رہتے ہیں طبعی تقاضا ہے کہ نیچے گر پڑیں بیچ میں کوئی ثقیل مانع بھی نہیں پھر بھی نہیں گرتے بس اللہ ہی ان کو تھامے رہتا ہے اور کون ایسا کرسکتا ہے۔ ایمان والے اس پر غور کی نگاہ ڈالیں تو انہی کو اس عمل تسخیر میں خدا کی قدرت نظر آئے گی اور وہ فائدہ اندوز بھی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا
اور اللہ نے بنا دیے تم کو تمہارے گھر بسنے کی جگہ

یعنی اینٹ، پتھر، لکڑی وغیرہ کے مکان۔ (تفسیر عثمانی)

گھر: وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا. بیوت، بیت کی جمع ہے جس مکان میں رات گزاری جاسکے اس کو بیت کہتے ہیں امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں فرمایا: "جو چیز تمہارے سر سے بلند ہو اور تم پر سایہ کرے وہ چھت یا سماء کہلاتی ہے اور جو چیز تمہارے وجود کو اپنے اوپر اٹھائے وہ زمین ہے اور جو چیز چاروں طرف سے تمہارا پردہ کرے وہ دیواریں ہیں اور جب یہ سب چیزیں جمع ہوجائیں تو وہ بیت ہے۔" (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا
اور بنادیے تم کو چوپاؤں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے رہتے ہیں

تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ
تم پر جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں

چلتے پھرتے گھر:

یعنی اینٹ پتھر کے مکانوں کو کہیں منتقل نہیں کرسکتے تھے اس لئے چمڑے اور اون وغیرہ کے ڈیرے خیمے بنانے سکھادیے جو بسہولت منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ سفر وحضر میں جہاں چاہو نصب کرلو اور جب چاہو لپیٹ کر رکھ دو۔ بعض نے "یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ" کا یہ مطلب لیا ہے کہ چلنے کے وقت اٹھانے میں اور کسی جگہ اترتے وقت نصب کرنے میں ہلکے رہتے ہیں۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا
اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی ببریوں سے

یعنی اونٹ کی پشم سے۔

وَاَشْعَارِهَا اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ﴿۸۰﴾
اور بکریوں کے بالوں سے کتنے اسباب اور استعمال کی چیزیں وقت مقرر تک

یعنی ان چیزوں سے کتنے سامان رہائش اور آسائش کے تیار کئے جاتے ہیں جو ایک وقت معین یا مدت دراز تک کام دیتے ہیں اگر خدا تعالیٰ آنکھ، کان اور ترقی کرنے والا دل ودماغ نہ دیتا، کیا یہ سامان میسر آسکتے تھے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا
اور اللہ نے بنادیے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے

چھپنے کی جگہیں:

مثلاً بادل، درخت، مکان اور پہاڑ وغیرہ کا سایہ قانون قدرت کے موافق زمین پر پڑتا ہے، جس میں مخلوق آرام پاتی ہے۔

وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا
اور بنادیں تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں

جہاں سر چھپا کر بارش، دھوپ یا دشمن وغیرہ سے اپنی حفاظت کرسکتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ
اور بنا دیے تم کو کرتے جو بچاؤ ہیں گرمی میں

گرمی سردی کا لباس: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جن کرتوں میں گرمی کا بچاؤ ہے، سردی کا بھی بچاؤ ہے۔ پر اس ملک میں گرمی زیادہ تھی اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ
اور کرتے جو بچاؤ ہیں لڑائی میں

سامانِ جنگ: یعنی زرہیں جو لڑائی میں زخمی ہونے سے بچاتی ہیں۔

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ

اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان تم پر تا کہ تم

تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

حکم مانو

مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل:

یعنی دیکھو! کس طرح تمہاری ہر قسم کی ضروریات کا اپنے فضل سے انتظام فرمایا اور کیسی علمی وعملی قوتیں مرحمت فرمائیں۔ جن سے کام لیکر انسان عجیب وغریب تصرفات کرتا رہتا ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ جس نے مادی اور جسمانی دنیا میں اس قدر احسانات فرمائے، روحانی تربیت وتکمیل کے سلسلہ میں ہم پر اپنا احسان پورا نہ کریگا۔ بیشک پورا کر چکا۔ "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ رکوع ۱)" ضروری ہے کہ سب لوگ اس کے احسان کے آگے گردنیں جھکا دیں اور اس منعم حقیقی اور محسن اعظم کے مطیع ومنقاد ہوکر رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر اگر پھر جائیں تو تیرا کام تو یہی ہے کھول کر سنا دینا

اب بھی کوئی نہ مانے تو اسے چھوڑیئے:

یعنی اگر اس قدر احسانات سن کر بھی خدا کے سامنے نہ جھکیں تو آپ کچھ غم نہ کھایئے۔ آپ اپنا فرض ادا کر چکے ہیں کھول کھول کر تمام ضروری باتیں سنا دی گئیں۔ آگے ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اتنے دلائل اور نشانات قدرت کے بعد بھی اگر یہ ایمان سے گریز کریں تو آپ ان کی پروا نہ کریں رنجیدہ اور تنگدل نہ ہوں، آپ کا کام صرف پیام پہنچا دینا ہے (ان کے ماننے نہ ماننے سے آپ کا کچھ تعلق نہیں ہے۔)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے سامنے پڑھا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا۔ اسنے کہا جی ہاں! پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ۔ اعرابی نے کہا جی ہاں، اس کے بعد اگلی آیات پڑھیں اور اعرابی ہر آیت پر کہتا رہا ٹھیک ہے۔ جی ہاں۔ آخر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا، كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ یہ سنتے ہی اعرابی منہ پھیر کر چل دیا، اس پر اللہ نے نازل فرمایا، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (تفسیر مظہری)

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا

پہچانتے ہیں اللہ کا احسان پھر منکر ہوجاتے ہیں

وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

اور بہت ان میں ناشکر ہیں

دل سے مانتے ہیں عمل سے بھاگتے ہیں:

یعنی بیشک بعضے بندے شکر گزار بھی ہیں" وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ " (سبا رکوع ۲) لیکن اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو دیکھتے اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں مگر جب شکر گزاری اور اظہار اطاعت کا وقت آتا ہے تو سب بھول جاتے ہیں۔ گویا دل سے سمجھتے ہیں اور عمل سے انکار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

اور جس دن کھڑا کریں ہم ہر فرقہ میں ایک بتلانے والا

ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ

پھر حکم (اجازت) نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے

يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

توبہ لی جائے

کفر وناشکری کا انجام:

یہاں سے کفر وناشکری کا انجام بتلاتے ہیں۔ یعنی یاد رکھو! وہ دن بھی آنے والا ہے جب تمام اگلی پچھلی امتیں احکم الحاکمین کی آخری عدالت میں کھڑی ہونگی اور ہر امت کا نبی بطور گواہ کھڑا کیا جائے گا۔ تا اپنی امت کے نیک وبد اور مطیع وعاصی کی نسبت شہادت دے کہ کس نے کیسا معاملہ حق کے پیغام اور پیغامبر کے ساتھ کیا ہے۔ اس وقت منکروں کو اجازت نہ ہوگی کہ کچھ لب کشائی کر سکیں۔ یا اب بعد از وقت توبہ کر کے سزا سے چھوٹ جائیں اور لب کشائی کاہے میں کرینگے، درانحالیکہ انہیں اپنے مجرم ہونے اور کسی کی معذرت نہ چل سکنے کا پورا انکشاف ہوجائیگا۔ وہ یہ بھی سمجھ لیں گے کہ یہ "دار جزاء" ہے "دار عمل"، نہیں جواب توبہ کر کے خطائیں معاف کرالیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا:

شہید سے مراد پیغمبر ہے جو اپنی امت کے کفر وایمان کی شہادت دیگا، اجازت

نہ دی جانے سے مراد ہے عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ملنا کیونکہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہی نہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بولنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ بعض نے کہا کہ دنیا میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اپنے رب کو راضی کرلو۔ روز آخرت تو عمل کا دن ہی نہ ہوگا اور دنیا میں واپس جا کر توبہ و عمل کی اجازت نہ ہوگی۔ غرض یہ کہ ان کے لئے اللہ کی رضامندی کا حصول ناممکن ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا
اور جب دیکھیں گے ظالم عذاب کو پھر ہلکا نہ ہو گا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۵﴾
ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے

کوئی مہلت اور تخفیف نہ ہوگی:

یعنی نہ عذاب کی سختی میں کمی ہوگی اور نہ درمیان میں وقفہ ہوگا کہ تھوڑی دیر مہلت مل جائے، پھر از سر نو عذاب شروع ہو۔ بعض نے "ولا هم ینظرون" سے یہ مراد لیا ہے کہ جہنم کو دیکھنے کے بعد ایک منٹ کی ڈھیل نہ ملے گی۔ جہنم فوراً مجرمین کو اس طرح اچک لے گی جیسے پرند ایک دم دانہ اٹھا کر نگل جاتا ہے۔ گویا سرعت دخول کی طرف اشارہ ہوا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا
اور جب دیکھیں مشرک اپنے شریکوں کو بولیں
رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا
اے رب یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم پکارتے تھے
مِن دُونِكَ
تیرے سوائے

اپنے معبودوں سے شکایت:

یعنی ہم تو ان کی بدولت مارے گئے۔ شاید یہ مطلب ہو کہ ہم بذات خود بے قصور ہیں یا یہ کہ انہیں دوہری سزا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾
تب وہ ان پر ڈالیں گے بات کہ تم جھوٹے ہو

معبودوں کا جواب:

یعنی جھوٹے ہو جو ہم کو خدا کا شریک ٹھہرا لیا۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو۔ فی الحقیقت تم محض اپنے اوہام و خیالات کو پوجتے تھے جس کے نیچے کوئی حقیقت نہ تھی یا جن و شیاطین کی پرستش کرتے تھے۔ مگر وہاں شیطان بھی یہ کہہ کر الگ ہو جائیگا "وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم" (ابراہیم رکوع ۴) غرض جن چیزوں کو مشرکین نے معبود بنا رکھا تھا، سب اپنی علیحدگی اور بیزاری کا اظہار کرینگے۔ کوئی سچ کوئی جھوٹ، پتھر کے بتوں کو تو سرے سے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ ملائکہ اور بعض انبیاء و صالحین ہمیشہ شرک سے سخت نفرت و بیزاری اور اپنی خالص بندگی کا اظہار کرتے رہے۔ رہ گئے شیاطین سو ان کا اظہار نفرت گو جھوٹ ہوگا تاہم اس سے مشرکین کو کلی طور پر مایوسی ہو جائیگی کہ آج بڑے سے بڑا رفیق بھی کام آنے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ۔ سو وہ (بت) ان (مشرکوں) کی طرف کلام کا رخ کریں گے اور کہیں گے تم قطعاً جھوٹے ہو یعنی اللہ بتوں کو گویا بنا دے گا اور کلام کرنے کی قدرت عطا کر دے گا اور بت اپنے کلام کا رخ مشرکوں کی طرف کر کے کہیں گے، تم جھوٹے ہو کہ ہم کو اللہ کا شریک کہتے تھے یا اس دعوے میں جھوٹے ہو کہ حقیقت میں تم ہماری پوجا کرتے تھے، واقع میں تم اپنی خواہشات کے پجاری تھے (تم نے خود ہی اپنی خواہشات کے مطابق ہماری پوجا کی تھی) ہم نے تم کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت نہیں دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ
اور آ پڑیں اللہ کے آگے اس دن عاجز ہو کر اور بھول جائیں (جائے
عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾
گی ان سے) جو جھوٹ باندھتے تھے

سب غرور ختم ہو جائے گا:

یعنی ساری طمطراق اور افتراء پردازیاں اس وقت غائب ہو جائینگی سب عاجز و مقہور ہو کر خدا کے سامنے اپنی اطاعت و انقیاد کا اظہار کرینگے، "أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا" (مریم رکوع ۲)

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ
جو لوگ منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں

اللہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ

اللہ کی راہ سیاں کو ہم بڑھا دیں گے عذاب پر عذاب بدلہ

بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس کا جو شرارت کرتے تھے

دوسرے کے حق سے روکنے والے پر دوہرا عذاب ہوگا:

یعنی ایک عذاب تو انکار حق پر، دوسرا اس پر کہ اوروں کو خدا کی راہ سے روکا۔ یا ایک عذاب صدور جرم پر دوسرا اس کی عادت ڈالنے پر۔ بہر حال آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح جنت میں اہل جنت کے منازل و مدارج متفاوت ہونگے جہنمیوں کا عذاب بھی کماً وکیفاً نوعاً متفاوت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کے سانپ اور بچھو:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عذاباً کی تشریح میں فرمایا بچھو ہوں گے جن کے ڈنک کھجور کے لمبے درختوں کے برابر ہوں گے۔ ابن مردویہ نے حضرت براءؓ کی روایت سے اسی معنی کی حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا، سانپ ہوں گے، بختی اونٹوں کی طرح، اور بچھو ہوں گے خچروں کی مثل جن کے ایک مرتبہ کاٹنے کا اثر چالیس خریف (سال) تک ڈسا ہوا آدمی محسوس کرتا رہیگا۔

تانبے پیتل کے دریاء:

حضرت ابن عباس اور مقاتل کا قول ہے، عرش کے نیچے سے پگھلے ہوئے تانبے پیتل کے پانچ دریا نکلتے ہیں جو آگ کی طرح ہیں، ان دریاؤں (میں ڈالنے اور ڈبونے) کی سزا ان کو دی جائے گی۔ تین دریاؤں میں ایک رات کی مدت کے برابر اور دو دریاؤں میں دن کی مدت کے برابر (ہمیشہ) سزا پاتے رہیں گے۔ بعض نے کہا کہ گرمی کے عذاب سے سردی کے عذاب کی طرف ان کو نکال کر لایا جائے گا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے وہ چیخیں گے۔ فریاد کریں گے اور دوزخ کی گرمی میں جانا چاہیں گے۔ فساد انگیزی سے مراد ہے دنیا میں کفر کرنا اور راہ خدا سے روکنا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا

اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقہ میں ایک

عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ

بتلانے والا ان پر انہی میں کا اور تجھ کو لائیں بتلانے

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

کو ان لوگوں پر

پیغمبر امتوں کے متعلق بیان دیں گے:

یعنی وہ ہولناک دن یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر ایک پیغمبر اپنی امت کے معاملات کے متعلق بارگاہ احدیت میں بیان دے گا۔ اور آپ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کی حالت بتلائیں گے بلکہ بعض مفسرین کے قول کے موافق آپ ان تمام شہداء کے لئے شہادت دینگے کہ بیشک انہوں نے اپنا فرض منصبی بخوبی ادا کیا۔ حدیث میں آیا ہے کہ امت کے اعمال ہر روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ اعمال خیر کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور بداعمالیوں پر مطلع ہو کر نالائقوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جوان ہی میں ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کر دیں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے کہ تمام (دین کی ضروری) باتوں کو بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔ شہید سے مراد ہے ہر امت کا پیغمبر۔ ہر امت کی ہدایت کے لئے اللہ نے انہی میں کا پیغمبر مبعوث فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور اتاری ہم نے تجھ پر کتاب کھلا بیان ہر چیز کا

قرآن کی جامعیت:

یعنی قرآن کریم میں تمام علوم ہدایت اور اصول دین اور فلاح دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ اس میں قیامت کے یہ واقعات بھی آ گئے جن کا ذکر اوپر ہوا۔

کتاب کے مطابق مسؤلیت ہوگی:

اندریں صورت جس پیغمبر پر ایسی جامع کتاب اتاری گئی اس کی مسئولیت اور ذمہ داری بھی بہت بھاری ہوگی۔ گویا ''شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ'' کے بعد ''وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ'' فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم مرتبہ اور اسی مرتبہ کے مناسب مسئولیت کی طرف لطیف اشارہ فرما دیا۔ ''فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ'' (اعراف رکوع ۱) ابن کثیر نے اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور ہدایت اور رحمت اور خوش خبری حکم ماننے والوں کے لئے

یعنی یہ کتاب سارے جہان کے لئے سرتا پا ہدایت اور مجسم رحمت ہے

فرمانبردار بندوں کو شاندار مستقبل کی خوشخبری سناتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گفتہ اوگفتہ اللہ بود　　گرچہ حلقوم عبداللہ بود

اجماع وقیاس کا حکم:

اگر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی اشتباہ پیش آئے تو علماء ربانیین اور راسخین فی العلم کا جس چیز پر اجماع اور اتفاق ہوجائے اس کا اتباع کرو جیسا کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ یتبع غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ میں سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے اہل علم کا اجماع اور اتفاق مراد ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام نے ان امور میں جن کا حکم صراحۃ کتاب وسنت میں نہ پایا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ، اسی طرح اجماع اور قیاس بھی علوم قرآنیہ سے ہوگا جس طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی تفسیر ہے اس کا غیر نہیں اسی طرح اجماع صحابہؓ اور قیاس صحابہؓ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح اور اس کی توضیح ہے اور تلویح ہی اس کا غیر نہیں۔ اس طرح سے تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے اور یہ جامع کتاب یعنی قرآن خدا کے فرمانبردار بندوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے اور بشارت ہے یعنی یہ کتاب مستطاب سارے عالم کے لئے مشعل ہدایت ہے راہ حق دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لئے باران رحمت ہے اور جنت کی بشارت ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى

اور قرابت والوں کے دینے کا

ایک جامع آیت:

قرآن کو "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" فرمایا تھا۔ یہ آیت اس کا ایک نمونہ ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک خیر وشر کے بیان کو اس آیت میں اکٹھا کردیا ہے۔ گویا کوئی عقیدہ، نیت، خلق، عمل، معاملہ اچھا یا برا ایسا نہیں جو امراً اونہیاً اس کے تحت میں داخل نہ ہوگیا ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر قرآن میں کوئی دوسری آیت نہ ہوتی تو تنہا یہی آیت "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" کا ثبوت دینے کیلئے کافی تھی۔ شاید اسی لئے خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خطبہ جمعہ کے آخر میں اس کو درج کرکے امت کے لئے اسوۂ حسنہ قائم کردیا۔ اس آیت کی جامعیت سمجھانے کے لئے تو ایک مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

عدل، احسان اور ایتار:

تاہم تھوڑا سا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ آیت میں تین چیزوں کا امر فرمایا ہے۔ عدل، احسان، ایتاء ذی القربیٰ "عدل" کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے تمام عقائد، اعمال، اخلاق معاملات، جذبات، اعتدال وانصاف کے ترازو میں تلے ہوں، افراط وتفریط سے کوئی پلہ جھکنے یا اٹھنے نہ پائے۔ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی معاملہ کرے تو انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ اس کا ظاہر وباطن یکساں ہو جو بات اپنے لئے پسند نہ کرتا ہو اپنے بھائی کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ "احسان" کے معنی یہ ہیں کہ انسان بذات خود نیکی اور بھلائی کا پیکر بن کر دوسروں کا بھلا چاہے۔ مقام عدل وانصاف سے ذرا اور بلند ہوکر فضل وعفو اور تلطف وترحم کی خو اختیار کرے۔ فرض ادا کرنے کے بعد تطوع وتبرع کی طرف قدم بڑھائے اور انصاف کے ساتھ مروت کو جمع کرے۔ اور یقین رکھے کہ جو کچھ بھلائی کریگا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ادھر سے بھلائی کا جواب ضرور بھلائی کی صورت میں ملے گا۔ "الاحسان ان تعبداللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک" (صحیح بخاری)

"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ" (رحمٰن رکوع ۳) یہ دونوں خصلتیں (یعنی عدل واحسان یا بالفاظ دیگر انصاف ومروت) تو اپنے نفس اور ہر ایک خویش وبیگانہ اور دوست ودشمن سے متعلق تھیں۔ لیکن اقارب کا حق اجانب سے کچھ زائد ہے۔ جو تعلقات قرابت قدرت نے باہم رکھ دیئے ہیں انہیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ بلکہ اقارب کی ہمدردی اور ان کے ساتھ مروت واحسان جانب سے کچھ بڑھ کر ہونا چاہئے۔ صلہ رحم ایک مستقل نیکی ہے جو اقارب وذوی الارحام کیلئے درجہ بدرجہ استعمال ہونی چاہیے۔ گویا "احسان" کے بعد ذوی القربیٰ کا بالتخصیص ذکر کرکے متنبہ فرمادیا کہ عدل وانصاف تو سب کے لئے یکساں ہے لیکن مروت واحسان کے وقت بعض مواقع بعض سے زیادہ رعایت واہتمام کے قابل ہیں۔ فرق مراتب کو فراموش کرنا ایک طرح قدرت کے قائم کئے ہوئے قوانین کو بھلادینا ہے۔ اب ان تینوں لفظوں کی ہمہ گیری کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمجھدار آدمی فیصلہ کرسکتا ہے کہ وہ کونسی فطری خوبی بھلائی اور نیکی دنیا میں ایسی رہ گئی ہے جو ان تین فطری اصولوں کے احاطہ سے باہر ہو۔ فللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

عدل واحسان کے متعدد معانی:

اگر عدل کا معنی بدلہ دینے میں مساوات لیا جائے گا تو احسان کا یہ مطلب ہوگا کہ خیر کا بدلہ زیادہ اور بہتر بھلائی کی شکل میں دے اور شر کا بدلہ کم شر سے دے خیر کے مقابلہ میں زیادہ بھلائی کرے اور برائی کے مقابلے میں کم برائی۔

(اور اگر عدل سے مراد مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان مساوات ہو تو احسان

کامطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے) میں کہتا ہوں، عدل سے مراد استقامت علی الحق بھی ہوسکتی ہے۔ یعنی کج روی اور جور کا مخالف مفہوم بھی مراد ہوسکتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے، عدل، جور (کج روی) کی ضد ہے اور طبیعت کے اندر کسی چیز کے مستقیم ہونے کے خیال کے جماؤ کو بھی کہتے ہیں۔ بعض علماء نے عدل کو بمعنی اعتدال کہا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، عدل (سے مراد) توحید ہے اور احسان (سے مراد) اداء فرائض دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے، خالص توحید کا نام احسان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے (یعنی عبادت میں مشاہدہ رب کا درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا تو سمجھتے رہنا ہی چاہیے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ (رواہ عمر بن الخطاب۔ کذافی الصحیحین) (تفسیر مظہری)

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ
اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نا معقول کام سے اور سرکشی سے

فحشاء منکر اور بغی:

منع بھی تین چیزوں سے کیا۔ فحشاء منکر بغی۔ کیونکہ انسان میں تین قوتیں ہیں۔ جن کے بے موقع اور غلط استعمال سے ساری خرابیاں اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ قوت بہیمیہ شہوانیہ، قوت وہمیہ شیطانیہ، قوت غضبیہ سبعیہ۔ غالباً فحشاء سے وہ بے حیائی کی باتیں مراد ہیں جن کا منشاء شہوت و بہیمیت کی افراط ہو "منکر" "معروف کی ضد ہے۔ یعنی نا معقول کام جن پر فطرت سلیمہ اور عقل صحیح انکار کرے۔ گویا قوت وہمیہ شیطانیہ کے غلبہ سے قوت عقلیہ ملکیہ دب جائے۔ تیسری چیز "بغی" ہے۔ یعنی سرکشی کرکے حد سے نکل جانا۔ ظلم و تعدی پر کمربستہ ہوکر درندوں کی طرح کھانے پھاڑنے کو دوڑنا، اور دوسروں کے جان و مال یا آبرو وغیرہ لینے کے واسطے ناحق دست درازی کرنا۔ اس قسم کی تمام حرکات قوت سبعیہ غضبیہ کے بے جا استعمال سے پیدا ہوتی ہیں الحاصل آیت میں تنبیہ فرمادی کہ انسان جب تک ان تینوں قوتوں کو قابو میں نہ رکھے اور قوت عقلیہ ملکیہ کو ان سب پر حاکم نہ بنائے مہذب اور پاک نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

فحشاء حد سے بڑھی ہوئی برائی (کھلی برائی) قولی ہو یا فعلی (سخت بری بات سخت برا کام) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: الفحشاء یعنی زنا۔ المنکر ہر برا کام جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو اور عقل سلیم بھی اس کو برا جانتی ہو۔ البغی تکبر اور ظلم۔ بیضاوی نے لکھا ہے فحشاء سے مراد ہے قوت شہوانیہ کے استعمال میں حد (اعتدال) سے آگے بڑھ جانا جیسے زنا انسانی احوال میں حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت یعنی زنا بہت ہی بری حالت ہے۔ منکر قوت غضبیہ کے ہیجان سے مغلوب ہوکر ایسا کام کرنا جو (عقلاً ونقلاً) برا ہے۔ البغی غرور تکبر لوگوں پر جبر اور زبردستی، سب سے اونچا ہو جانا۔ یہ شیطنت قوت وہمیہ کا کرشمہ ہے۔ انسان کی ہر برائی اور شرانہی تینوں اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کے ذیل میں داخل ہے اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، قرآن مجید میں سب سے زیادہ جامع آیت یہی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول سعید بن منصور نے الادب میں بخاری نے، محمد بن منصور اور ابن جریر نے، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾
تم سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو

اس آیت کی نصیحت:

اکثم بن صفی نے اس آیت کریمہ کو سن کر اپنی قوم سے کہا" میں دیکھتا ہوں کہ یہ پیغمبر تمام عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کا حکم دیتے ہیں۔ اور کمینہ اخلاق و اعمال سے روکتے ہیں۔ تو تم اس کے ماننے میں جلدی کرو۔ فکونوا فی هذا الامر رء وسا ولا تکونوا فيه اذنابا (یعنی تم اس سلسلہ میں سر بنو، دم نہ بنو) حضرت عثمانؓ بن مظعون فرماتے ہیں کہ اسی آیت کو سن کر میرے دل میں ایمان راسخ ہوا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جاگزیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

عدل احسان وغیرہ:

پس عدل تو فرض اور احسان نفل۔ کلمہ توحید کی شہادت بھی عدل ہے ظاہر باطن کی یک رنگی بھی عدل ہے اور احسان یہ ہے کہ باطن کی صفائی ظاہر سے بھی زیادہ ہو۔ اور فحشاء اور منکر یہ ہے کہ باطن میں کھوٹ ہو اور ظاہر میں بناوٹ ہو۔ وہ صلہ رحمی کا بھی حکم دیتا ہے جیسے صاف لفظوں میں ارشاد ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ الخ ۔ رشتے داروں کو مسکینوں کو مسافروں کو ان کا حق دو اور اسراف و بے جا نہ اڑاؤ۔ محرمات سے وہ تمہیں روکتا ہے، برائیوں سے وہ منع کرتا ہے۔ ظاہری و باطنی تمام برائیاں حرام ہیں، لوگوں پر ظلم و زیادتی حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی گناہ ظلم و زیادتی و قطع رحمی سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ دنیا میں بھی جلد ہی اس کا بدلہ ملے اور آخرت میں سخت پکڑ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام اور یہ روکیں تمہاری نصیحت کے لئے ہیں۔

اکثم بن صفی کے قاصد:

اکثم بن صفی کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت اطلاع ہوئی

تو اس نے خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے کی ٹھان لی لیکن اس کی قوم اس کے سر ہو گئی اور اسے روک لیا۔ اس نے کہا اچھا مجھے نہیں جانے دیتے۔ تو قاصد لاؤ جنہیں میں وہاں بھیجوں۔ دو شخص اس خدمت کی انجام دہی کے لئے تیار ہوئے یہاں آ کر انہوں نے کہا کہ ہم اکثم بن صیفی کے قاصد ہیں وہ آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں اور کیا ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت انہیں پڑھ کر سنائی۔ انہوں نے کہا دوبارہ پڑھیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پڑھی یہاں تک کہ انہوں نے یاد کر لی۔ پھر واپس جا کر اکثم کو سب خبر کر دی اور کہا اپنے نسب پر اس نے کوئی فخر نہیں کیا صرف اپنا اور اپنے والد کا نام بتا دیا لیکن ہیں وہ بڑے نسب والے۔ مضر میں اعلیٰ خاندان کے ہیں اور پھر یہ کلمات ہمیں تعلیم فرمائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہم نے سنے۔ یہ سن کر اکثم نے کہا کہ وہ تو بڑی اچھی اور اعلیٰ باتیں سکھاتے ہیں اور بری اور سفلی باتوں سے روکتے ہیں۔ میرے قبیلے کے لوگو تم اسلام کی طرف سبقت کرو تا کہ تم دوسروں پر سرداری کرو اور دوسروں کے ہاتھوں میں دم بن کر نہ رہ جاؤ۔

اس آیت کانزول کا عجیب واقعہ:

اس آیت کے شان نزول میں ایک حسن حدیث مسند امام احمد میں وارد ہوئی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگنائی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ عثمان بن مظعون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھتے نہیں ہو؟ وہ بیٹھ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کر رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعۃً اپنی نظریں آسمان کی جانب اٹھائیں کچھ دیر اوپر ہی کو دیکھتے رہے پھر نگاہیں آہستہ آہستہ نیچی کیں اور اپنی دائیں جانب زمین کی طرف دیکھنے لگے اور اسی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رخ بھی کر لیا اور اس طرح سر ہلانے لگے گویا کسی سے کچھ سمجھ رہے ہیں اور کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک یہی حالت طاری رہی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہیں اونچی کرنی شروع کیں یہاں تک کہ آسمان تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں پہنچیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھیک ٹھاک ہو گئے اور اسی پہلی بیٹھک پر عثمان کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ گئے وہ یہ سب دیکھ رہا تھا اس سے صبر نہ ہو سکا۔ پوچھا کہ حضرت! آپ کے پاس کئی بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا لیکن آج جیسا منظر تو کبھی نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے کیا دیکھا؟ کہا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی پھر نیچی کر لی اور اپنے دائیں طرف دیکھنے لگے اور اسی طرف گھوم کر بیٹھ گئے مجھے چھوڑ دیا پھر اسی طرح سر ہلانے لگے جیسے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کہہ رہا ہو اور آپ اچھی طرح اسے سن سمجھ رہے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم نے یہ سب کچھ دیکھا! اس نے کہا برابر دیکھتا ہی رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ وحی لے کر آیا تھا۔ اس نے کہا خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا۔ پوچھا پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کہا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت پڑھ سنائی۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی وقت میرے دل میں ایمان بیٹھ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نے میرے دل میں گھر کر لیا۔ اور روایت میں حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہیں اوپر کو اٹھائیں اور فرمایا جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اس آیت کو اس سورۃ کی اس جگہ رکھوں۔ یہ روایت بھی صحیح ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت اکثم بن صیفیؓ تو اسی آیت کی بناء پر اسلام میں داخل ہوئے امام ابن کثیر نے حافظ حدیث ابویعلی کی کتاب معرفۃ الصحابہ میں سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ اکثم بن صیفی اپنی قوم کے سردار تھے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت اور اشاعت اسلام کی خبر ملی تو ارادہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں مگر قوم کے لوگوں نے کہا کہ آپ ہم سب کے بڑے ہیں، آپ کا خود جانا مناسب نہیں، اکثمؓ نے کہا کہ اچھا تو قبیلہ کے دو آدمی منتخب کرو جو وہاں جائیں اور حالات کا جائزہ لے کر مجھے بتلائیں، یہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اکثم بن صیفی کی طرف سے دو باتیں دریافت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اکثم کے دو سوال یہ ہیں؟ من انت و ما انت۔ ''آپ کون ہیں اور کیا ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پہلے سوال کا جواب تو یہ ہے کہ میں محمد بن عبداللہ ہوں اور دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ نحل کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ ان دونوں قاصدوں نے درخواست کی کہ یہ جملے ہمیں پھر سنائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کرتے رہے یہاں تک کہ ان قاصدوں کو آیت یاد ہو گئی۔ قاصد واپس اکثم بن صیفی کے پاس آئے اور بتلایا کہ ہم نے پہلے سوال میں یہ چاہا تھا کہ آپ کا نسب معلوم کریں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر زیادہ توجہ نہ دی، صرف باپ کا نام بیان کر دینے پر اکتفاء کیا۔ مگر جب

ہم نے دوسروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ بڑے عالی نسب شریف ہیں، اور پھر بتلایا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کچھ کلمات بھی سنائے تھے وہ ہم بیان کرتے ہیں۔

ان قاصدوں نے آیت مذکورہ اکثم بن صیفی کو سنائی۔ آیت سنتے ہی اکثمؒ نے کہا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکارم اخلاق کی ہدایت کرتے ہیں اور برے اور رذیل اخلاق سے روکتے ہیں تم سب ان کے دین میں جلد داخل ہو جاؤ تا کہ تم دوسرے لوگوں سے مقدم اور آگے رہو، پیچھے تابع بن کر نہ رہو۔ (ابن کثیر)

عثمان بن مظعون کے دل میں ایمان کا راسخ ہونا:

اسی طرح حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں میں نے لوگوں کے کہنے سننے سے شرماشرمی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر میرے دل میں اسلام راسخ نہیں تھا، یہاں تک کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کے آثار ظاہر ہوئے اور بعض عجیب حالات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا قاصد میرے پاس آیا، اور یہ آیت مجھ پر نازل ہوئی، حضرت عثمان بن مظعونؓ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کو دیکھ کر اور آیت سن کر میرے دل میں ایمان مضبوط و مستحکم ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی، (ابن کثیر نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ اسناد اس کی جید ہے)

ولید بن مغیرہ کا تاثر:

اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے تلاوت فرمائی تو اس کا تاثر یہ تھا جو اس نے اپنی قوم قریش کے سامنے بیان کیا:

واللہ ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اصلہ لمورق واعلاہ لمثمر وماھو بقول بشر۔ ''خدا کی قسم اس میں ایک خاص حلاوت ہے اور اس کے اوپر ایک خاص رونق اور نور ہے اس کی جڑ سے شاخیں اور پتے نکلنے والے ہیں اور شاخوں پر پھل لگنے والا ہے، یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔'' (معارف مفتی اعظم)

عدل کی کچھ اور صورتیں:

اسی طرح ایک عدل یہ ہے کہ جب دو فریق اپنے کسی معاملہ کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو فیصلہ میں کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے اور ایک عدل یہ بھی ہے کہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے، ابو عبد اللہ رازیؒ نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال، عمل کا اعتدال، اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔ (بحر محیط)

حدیثِ جبریل میں احسان کی وضاحت:

حضرت جبریلؑ کی مشہور حدیث میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ احسان عبادت کے لئے ہے۔ اس ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، اور اگر استحضار کا یہ درجہ نصیب نہ ہو تو اتنی عبادت کا یقین تو ہر شخص کو ہونا ہی چاہیے کہ حق تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہے ہیں کیونکہ یہ تو اسلامی عقیدہ کا اہم جز ہے کہ حق تعالیٰ کے علم و بصر سے کائنات کا کوئی ذرہ خارج نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دوسرا حکم اس آیت میں احسان کا آیا ہے اس میں عبادت کا احسان حدیث کی تشریح کے مطابق بھی داخل ہے اور تمام اعمال، اخلاق، عادات کا احسان یعنی ان کو مطلوبہ صورت کے مطابق بالکل صحیح و درست کرنا بھی داخل ہے اور تمام مخلوقات کے ساتھ اچھا سلوک کرنا بھی داخل ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر، انسان ہوں یا حیوان۔

جانوروں اور پرندوں کے حقوق:

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ جس شخص کے گھر میں اس کی بلی کو اس کی خوراک اور ضروریات نہ ملیں اور جس کے پنجرے میں بند پرندوں کی پوری خبر گیری نہ ہوتی ہو وہ کتنی ہی عبادت کرے محسنین میں شمار نہیں ہوگا۔

رشتہ داروں کا خیال:

اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی، تیسرا حکم جو اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی ہے، ایتاء کے معنی اعطاء یعنی کوئی چیز دینے کے ہیں، اور لفظ قربیٰ کے معنی قرابت اور رشتہ داری کے ہیں ذی القربیٰ کے معنی رشتہ دار، ذی رحم۔

ممنوعہ امور:

وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ، یعنی اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے فحشاء اور منکر اور بغی سے، فحشاء ہر ایسے برے فعل یا قول کو کہا جاتا ہے جس کی برائی کھلی ہوئی اور واضح ہو ہر شخص اس کو برا سمجھے، اور منکر وہ قول و فعل ہے جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، اس لئے اجتہادی اختلافات میں کسی جانب کو منکر نہیں کہا جا سکتا، اور لفظ منکر میں تمام گناہ ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں، اور بغی کے اصلی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں، مراد اس سے ظلم و عدوان ہے یہاں اگرچہ لفظ منکر کے مفہوم میں فحشاء بھی داخل ہے اور بغی بھی۔ لیکن فحشاء کو اس کی انتہائی برائی اور شناعت کی وجہ سے الگ کر کے بیان فرمایا اور مقدم کیا، اور بغی کو اس لئے الگ بیان کیا کہ اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ تعدی باہمی جنگ و جدل تک

یا اس سے بھی آگے عالمی فساد تک پہنچ جاتی ہے۔

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ظلم کے سوا کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا بدلہ اور عذاب جلد دیا جاتا ہو اس سے معلوم ہوا کہ ظلم پر آخرت کا عذاب شدید تو ہونا ہی ہے اس سے پہلے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ظالم کو سزا دیتے ہیں اگر چہ وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ فلاں ظلم کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

انفرادی واجتماعی زندگی کی تکمیل:

اس آیت نے جو چھ حکم ایجابی اور تحریمی دیئے ہیں اگر غور کیا جائے تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مکمل فلاح کا نسخہ اکسیر ہیں، رزقنا اللہ تعالیٰ اتباعا.

خطبہ میں اس آیت کا شمول:

امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو امیہ اپنے خطبوں کے اخیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غیر متناسب الفاظ سے ذکر کرتے تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، رجب ۹۹ ہجری میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ خطبے کے اخیر میں یہ آیت پڑھی جائے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ ۔ اور سب سے پہلے خود عمر بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ میں پڑھا۔ بحمد تعالیٰ آج بھی یہ سنت حسنہ جاری ہے۔ اور سب سے پہلے خطبہ میں اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ الخ ۔ خلیفہ مہدی عباسی نے پڑھا۔ بحمد اللہ آج تک اس سنت پر بھی عمل جاری ہے۔ (روح البیان اور روح المعانی) (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا
اور پورا کرو　عہد اللہ کا جب آپس میں عہد کرو اور نہ
تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ
توڑو قسموں کو پکا کرنے کے بعد اور تم (کر کے اللہ کو) نے
جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ
کیا ہے　اللہ　کو　اپنا　ضامن　اللہ
يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾
جانتا ہے جو تم کرتے ہو

وعدہ پورا کرنے کی تاکید:

اوپر کی آیت میں جن چیزوں کے کرنے یا چھوڑنے کا حکم تھا ان کے بعض افراد کو بالتخصیص بیان فرماتے ہیں ۔ یعنی ایفائے عہد کی تاکید اور غدر وبدعہدی سے ممانعت کہ یہ چیز علاوہ فی نفسہ مہتم بالشان ہونے کے اس وقت مخاطبین کے بہت زیادہ مناسب حال تھی جس کا مسلم قوم کے عروج وترقی اور مستقبل کی کامیابی پر بے انتہا اثر پڑنے والا تھا۔ اسی لئے حکم دیا کہ جب خدا کا نام لیکر اور قسمیں کھا کر معاہدے کرتے ہو تو خدا کے نام پاک کی حرمت قائم رکھو۔ کسی قوم سے یا کسی شخص سے معاہدہ ہو (بشرطیکہ خلاف شرع نہ ہو) مسلمان کا فرض ہے کہ اسے پورا کرے، خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات اور صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔ "قول مرداں جان دارد"۔ خصوصاً جب خدا کا نام لیکر اور حلف کر کے ایک معاہدہ کیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ قسم کھانا گویا خدا کو اس معاملہ کا گواہ یا ضامن بنانا ہے۔ وہ جانتا ہے جب تم اسے گواہ بنارہے ہو، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں تک اس گواہی کا لحاظ رکھتے ہو، اگر تم نے خیانت اور بدعہدی کی۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق پوری سزا دیگا۔ کیونکہ تمہاری کسی قسم کی کھلی چھپی دغا بازی اس سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

عہد پختہ اقرار۔ ابن جریر نے حضرت بریدہ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت لینے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے) کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے عہد اس جگہ بمعنی قسم ہے۔ شعبی نے کہا (اس جگہ) عہد بمعنی قسم ہے اور اس کو توڑنے کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے۔ الایمان یعنی بیعت کے عہد یا عام قسمیں۔ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا یعنی اللہ کا نام لے کر قسموں کو پختہ کرنے کے بعد۔ کفیلا یعنی بیعت کا گواہ۔ کفیل جس چیز کی کفالت کرتا ہے اس کی نگرانی رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عہد شکنی حرام ہے:

لفظ عہد ان تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے یعنی اس کی ذمہ داری لی جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے کے۔

اور یہ آیات درحقیقت آیت سابقہ کی تشریح وتکمیل ہیں، آیت سابقہ میں عدل واحسان کا حکم تھا لفظ عدل کے مفہوم میں ایفا عہد بھی داخل ہے۔ (قرطبی)

کسی سے عہد معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ مقرر نہیں بلکہ آخرت کا عذاب ہے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

اسی طرح جس کام کی قسم کھائی اس کے خلاف کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں بھی اس کی خاص صورتوں میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔ (قرطبی)

رشوت کی جامع تعریف:

''یعنی جس کام کا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اس کے چھوڑنے پر معاوضہ لینا یا جس کام کو چھوڑنا اس کے ذمہ لازم ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا رشوت ہے۔ (تفسیر بحرمحیط)

دوران بقاء چو باد صحرا بگذشت — تلخی وخوشی وزشت وزیبا بگذشت
پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد — برگردن وے بماند وبرما بگذشت

(معارف القرآن مفتی اعظم)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ
اور مت رہو جیسے وہ عورت کہ توڑا اس نے اپنا سوت کا تا ہوا محنت
قُوَّةٍ أَنكَاثًا
(مضبوط کرنے کے) کے بعد ٹکڑے ٹکڑے

عہد توڑنے کی مثال:

یعنی عہد باندھ کر توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر کتا کتایا سوت شام کے وقت توڑ کر پارہ پارہ کردے۔ چنانچہ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدات کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کاتا اور جب چاہا انگلیوں کی ادنیٰ حرکت سے بے تکلف توڑ ڈالا۔ سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے بات کا اعتبار نہ رہے تو دنیا کا نظام مختل ہو جائے۔ قول وقرار کی پابندی ہی سے عدل کی ترازو سیدھی رہ سکتی ہے۔ جو قومیں قانون عدل وانصاف سے ہٹ کر محض اغراض وخواہشات کی پوجا کرنے لگتی ہیں۔ ان کے یہاں معاہدات صرف توڑنے کے لئے رہ جاتے ہیں جہاں معاہد قوم کو اپنے سے کمزور دیکھا، سارے معاہدات ردی کی ٹوکری میں پھینک دیئے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَن
کہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دخل دینے کا بہانہ ایک (آپس میں) دوسرے
تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ
میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو چڑھا ہوا دوسرے سے

معاہدوں کو دغا بازی کا ذریعہ نہ بناؤ:

یعنی معاہدوں اور قسموں کو فریب ودغا مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ جس طرح اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ ایک جماعت کو اپنے سے طاقتور دیکھ کر معاہدہ کرلیا پھر جس وقت کوئی جماعت اس سے بڑھ کر معزز اور طاقتور سامنے آئی۔ پہلا معاہدہ توڑ کر نئی جماعت سے عہد وپیمان گانٹھ لئے۔ پھر چند روز بعد ان حلفاء کو کمزور بنانے اور اپنے کو بڑھانے کا موقع پایا تو فوراً معاہدات توڑ ڈالے اور سب قسمیں اور حلف بالائے طاق رکھ دیئے۔ بعینہٖ جس طرح آج کل یورپین اقوام کا معمول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا دخل اور دغل یہ ہے کہ ظاہر میں تو وفا عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ اربیٰ تعداد افردی اور مال میں زیادہ۔

دور جاہلیت کا ایک طریقہ:

مجاہد نے کہا (دور جاہلیت میں) عرب کا دستور تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا بقسم معاہدہ کرلیتی تھی (یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کی حلیف ہو جاتی تھی۔ دونوں کا معاہدہ حلف ہو جاتا تھا لیکن جب ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمن جماعت زیادہ طاقتور یا مالدار نظر آتی تھی تو اپنے حلیفوں سے غداری کرکے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے محالفہ کرلیتے تھے۔ مجاہد کی تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کمزوروں سے عہد شکنی کرکے طاقتوروں سے تم معاہدے کرلیتے ہو۔ محض اس لئے کہ تم کو غلبہ اور طاقت حاصل ہو جائے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ
یہ تو اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے

طاقت میں توازن کا اختلاف اور معاہدات امتحان ہیں:

یعنی قوت وضعف میں اقوام کا اختلاف ان میں سے کسی کو اوپر چڑھانا کسی کو نیچے گرانا۔ خدا تعالیٰ نے تمہاری آزمائش کے لئے رکھا ہے اور ایفائے عہد کا حکم دینے میں بھی تمہارا امتحان ہے۔ دیکھتے ہیں کون ثابت قدم رہتا ہے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں حلفاء کی قوت وضعف کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ باقی اقبال وادبار کسی کے بدلے سے بدلا نہیں جاتا۔ ادبار کی جگہ اقبال اور ضعف کی جگہ قوت خدا ہی لائے تو آئے۔ ہاں بدعہدی کا خیال آنا اس کی علامت ہے کہ ادبار آنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے بڑا اور برتر کرکے اللہ تعالیٰ جانچ کرتا ہے کہ یہ جماعتیں اللہ سے کئے ہوئے عہد اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتی ہیں یا مومنوں کی قلت اور قریش کی کثرت وشوکت دیکھ کر توڑ دیتی ہیں۔ اور دنیا میں کیے ہوئے اختلافی امور کا فیصلہ جب قیامت کے دن اللہ کرے گا اور ہر ایک کو اعمال

کا بدلہ دے گا تو جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے وعدہ شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ
اور آئندہ کھول دے گا اللہ تم کو قیامت کے دن
فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾
جس بات میں تم جھگڑ رہے تھے

امتحان کا نتیجہ:

یعنی یہاں امتحان ہے نتیجہ امتحان قیامت کے دن کھل جائیگا۔ جس وقت ضعف وطاقت کے سب جھگڑے چکا دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قسموں کی قسمیں:

صحیحین کی حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں واللہ میں جس چیز پر قسم کھالوں اور پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور اس نیک کام کو کروں گا اور اپنی قسم کا کفارہ دیدوں گا۔ تو مندرجہ بالا آیتوں اور حدیثوں میں کچھ فرق نہ سمجھا جائے۔ وہ قسمیں اور عہد و پیمان جو آپس کے معاہدے اور وعدے کے طور پر ہوں ان کا پورا کرنا تو بیشک بے حد ضروری ہے اور جو قسمیں رغبت دلانے روکنے کے لئے زبان سے نکل جائیں وہ بیشک کفارہ دے کر ٹوٹ سکتی ہیں۔ پس اس آیت میں مراد جاہلیت کے زمانے جیسی قسمیں ہیں۔

غلبہ اسلام کے بعد معاہدات:

چنانچہ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اسلام میں دو جماعتوں کی آپس میں ایک رہنے کی قسم کوئی چیز نہیں ہاں جاہلیت میں ایسی امداد واعانت کی جو قسمیں آپس میں ہو چکی ہیں اسلام ان کو اور مضبوط کرتا ہے۔ اس حدیث کے پہلے جملے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اب اس کی ضرورت نہیں کہ ایک برادری والے دوسری برادری والوں سے عہد و پیمان کریں کہ ہم تم ایک ہیں راحت رنج میں شریک ہیں وغیرہ۔ کیونکہ رشتہ اسلام تمام مسلمانوں کو ایک برادری کر دیتا ہے مشرق مغرب کے مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد وغمخوار ہیں۔ بخاری ومسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت انسؓ کے گھر میں رسول کریم علیہ افضل التسلیم نے انصار ومہاجرین میں قسما قسمی کرائی، اس سے یہ ممنوع بھائی بندی مراد نہیں، یہ تو بھائی چارہ تھا جس کی بناء پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے آخر میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور ورثہ قریبی رشتہ داروں سے مخصوص ہوگیا۔

یزید کی بیعت:

مسند احمد میں ہے کہ جب یزید بن معاویہ کی بیعت لوگ توڑنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنے تمام گھرانے کے لوگوں کو جمع کیا اور خدا کی تعریف کر کے اما بعد کہہ کر فرمایا کہ ہم نے یزید کی بیعت اللہ ورسول کی بیعت پر کی ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدار کے لئے قیامت کے دن ایک جھنڈا گاڑا جائیگا اور اعلان کیا جائے گا یہ غدار ہے فلاں بن فلاں کا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے کے بعد سب سے بڑا اور سب سے برا غدر یہ ہے کہ اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کسی کے ہاتھ پر کر کے پھر توڑ دینا۔ یاد رکھو تم میں سے کوئی یہ برا کام نہ کرے اور اس بارے میں حد سے نہ بڑھے ورنہ مجھ میں اور اس میں جدائی ہے۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص کسی مسلمان بھائی سے کوئی شرط کرے اور اسے پورا کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ مثل اس شخص کے ہے جو اپنے پڑوسی کو امن دینے کے بعد بے پناہ چھوڑ دے۔ پھر انہیں دھمکاتا ہے جو عہد و پیمان کی حفاظت نہ کریں کہ ان کے اس فعل سے خدا تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ مکہ میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں فتور تھا سوت کاتنے کے بعد ٹھیک ٹھاک اور مضبوط ہو جانے کے بعد بے وجہ توڑ تاڑ کر پھر ٹکڑے کر دیتی۔ تو یہ مثال ہے اس کی جو عہد کو مضبوط کر کے پھر توڑ دے۔

حضرت معاویہ اور شاہ روم کا معاہدہ:

حضرت معاویہؓ کا قصہ لکھ آئے ہیں کہ ان میں اور شاہ روم میں ایک مدت تک کے لئے صلح نامہ ہوگیا تھا اس مدت کے خاتمے کے قریبا آپ نے مجاہدین سرحد روم کی طرف روانہ کئے کہ وہ سرحد پر پڑاؤ ڈالیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی دھاوا کریں تا کہ رومیوں کو تیاری کا موقعہ نہ ملے۔ جب حضرت عمرو بن عنبسہؓ کو یہ خبر ہوئی تو آپ امیر المؤمنین حضرت معاویہؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے اللہ اکبر! اے معاویہؓ! عہد پورا کرو غدر اور بدعہدی سے بچو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس قوم سے عہد معاہدہ ہو جائے تو جب تک کہ مدت صلح ختم نہ ہو جائے کوئی گرہ کھولنے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکروں کو واپس بلوالیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا
وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ
لیکن راہ بھلاتا ہے جس کو چاہے اور سجھاتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ
جس کو چاہے

قدرت اور حکمت کے تقاضے:

یعنی اسے قدرت تھی کہ اختلاف نہ رہنے دیتا مگر حکمت اس کو مقتضی نہ تھی۔ جیسا کہ کئی مواقع میں ہم اس کی تقریر کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

ایک ہی طریقہ کا بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ سب کو اسلام پر متفق کر دیتا اور سب وفا عہد کرنیوالے ہو جاتے آپس میں اختلاف نہ رہتا۔ بے راہ کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کو بے مدد چھوڑ دیتا۔ مدد نہ کرتا اور راہ پر ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایمان وخیر کی توفیق دے دیتا۔ ہر شخص سے باز پرس لاجواب بنانے اور سزا و جزا دینے کے لئے ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾
اور تم سے پوچھ ہوگی جو کام تم کرتے تھے

کافروں سے بھی بدعہدی نہ کرو:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ کافر سے بھی غدر اور بدعہدی نہ کرے۔ کفران باتوں سے ہٹتا نہیں۔ اور اپنے اوپر وبال آتا ہے۔" (تفسیر عثانی)

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ
اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسموں کو دھوکا (فریب) آپس میں
فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا
کہ ڈگ (پھسل) نہ جائے کسی کا پاؤں جمنے کے پیچھے
السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
اور تم چکھو سزا اس بات پر کہ تم نے روکا اللہ کی راہ سے
وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾
اور تم کو بڑا عذاب ہو

عہد شکنی کر کے اسلام کو بدنام نہ کرو:

یعنی عہد شکنی کر کے اور قسمیں توڑ کر بدعہدی کی راہ مت نکالو۔ اور مسلمان قوم کو بدنام نہ کرو کہ تمہارے خراب اور پست کیرکٹر کو دیکھ کر یقین لانے والے شک میں پڑ جائیں۔ اور غیر مسلم قومیں اسلام میں داخل ہونے سے رکنے لگیں۔ اور تم پر خدا کی راہ سے روکنے کا گناہ چڑھے جس کی سزا بڑی سخت ہوگی۔ (تفسیر عثانی)

دخل فساد دھوکہ۔ یعنی قسموں کو فریب دہی اور فساد انگیزی کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگ تمہارے معاہدات پر اعتماد کر لیں اور تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائیں اور تم ان کو فریب دے کر قسمیں اور معاہدے توڑ دو۔

قدم جمنے کے بعد پھسل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بے خوف اور مطمئن ہو جانے کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ۔ عرب کا محاورہ ہے کہ عافیت کے بعد اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے یا سلامتی کے بعد کسی گڑھے میں گر پڑتا ہے تو کہتے ہیں اس کا قدم پھسل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت اسلام کی شاہراہ تھی بیعت پر قائم رہنا اور اس کو نہ توڑنا راہ اسلام پر برابر چلتے رہنے اور استقامت رکھنے کا نام تھا اور بیعت توڑ دینا لغزش قدم تھی۔ تکلیف کا مزہ چکھنے سے مراد ہے دنیا میں تکلیف بھگتنا۔ اور عذاب عظیم سے مراد ہے آخرت کا بڑا عذاب۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ
اور نہ لو اللہ کے عہد پر مول (مال) تھوڑا سا
اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
بے شک جو اللہ کے یہاں ہے وہی بہتر ہے تمہارے حق میں
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾
اگر تم جانتے ہو

مال کے لالچ میں شریعت کی خلاف ورزی نہ کرو:

پہلے مذکور تھا آپس میں قول توڑنے کا۔ اب اللہ سے قول توڑنے کا ذکر ہے۔ یعنی مال کی طمع سے خلاف شرع حکم مت کرو۔ انجام کار ایسا مال وبال لائے گا جو موافق شرع ہاتھ لگے۔ تمہارے حق میں وہ ہی بہتر ہے (موضح القرآن)۔ یا ایفائے عہد کا جو اجر خدا کے یہاں ملے گا وہ اس ثمن قلیل سے کہیں بہتر ہے ثمن کو قلیل اس لئے کہا کہ اگر ساری دنیا تب بھی مل جائے تب بھی آخرت کے مقابلہ میں قلیل وحقیر ہے۔ (تفسیر عثانی)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ
جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائیگا اور جو اللہ کے پاس ہے کبھی ختم (سو رہنے والا ہے) نہ ہوگا

فانی کے لالچ میں دائمی کو نہ چھوڑو:

پھر باقی و دائم کو چھوڑ کر فانی و زائل کا پسند کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ (تفسیر عثانی)

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۔ جو کچھ (دنیوی اور اخروی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ (اس دنیا سے، جس کے تم طلبگار ہو) تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہیں اگر تم سمجھو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا یعنی جو کچھ دنیوی مال و متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور اللہ کی رحمت کے خزانے کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ یہ جملہ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ الخ کی علت ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ اپنی دنیا کا ضرر کرتا ہے۔ تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دو (آخرت کو پسند کرو دنیا کی پرواہ مت کرو۔ رواہ الحاکم بسند صحیح واحمد۔

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ
اور ہم بدلہ میں دیں گے صبر کرنے والوں کو
بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
ان کا حق اچھے (بہتر) کاموں پر جو کرتے تھے

عہد پر استقامت کا ضرور اجر ملے گا:

یعنی جو لوگ خدا کے عہد پر ثابت قدم رہیں گے اور تمام مشکلات اور صعوبتوں کو صبر کے ساتھ برداشت کریں گے ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ ایسے بہترین عمل کا بدلہ ضرور ہمارے یہاں سے مل کر رہے گا۔ (تفسیر عثانی)

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ہم ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے ۔یعنی جن لوگوں نے بیماری افلاس، کفار کی ایذا پابندی احکام کی مشقت اور جہاد میں ڈٹے رہنے کی مصیبتوں پر صبر کیا اللہ ان کے صبر کا ان کو ثواب عطا فرمائے گا اور اتنا ثواب دے گا کہ ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت اچھا ہوگا۔ ہر نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دے گا اور اس سے بھی زیادہ جتنی اللہ کی مشیت ہوگی۔

فرائض و مستحبات:

بعض علماء نے کہا اَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے مراد فرائض اور مستحبات ہیں۔ ممنوعات اور مباحات سے فرائض و مستحبات بہرحال بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ
جس نے کیا نیک کام مرد ہو یا عورت ہو اور وہ ایمان پر ہے
مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ
تو اس کو ہم زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی

بہرحال نیکی کے بدلے ستھری زندگی ملے گی:

اوپر کی آیت میں صابرین اور ایفائے عہد کرنیوالوں کے اجر کا ذکر تھا۔ یہاں تمام اعمال صالحہ کے متعلق عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی مرد یا عورت نیک کاموں کی عادت رکھے بشرطیکہ وہ کام صرف صورۃ نہیں بلکہ حقیقۃً نیک ہوں۔ یعنی ایمان اور معرفت صحیحہ کی روح اپنے اندر رکھتے ہوں تو ہم اس کو ضرور پاک، ستھری اور مزیدار زندگی عنایت کریں گے۔ مثلاً دنیا میں حلال روزی قناعت وغنائے قلبی، سکون وطمانیت، ذکر اللہ کی لذت، حب الٰہی کا مزہ ادائے فرض عبودیت کی خوشی کامیاب مستقبل کا تصور۔

اللہ سے محبت کی لذت:

تعلق مع اللہ کی حلاوت جس کا ذائقہ چکھ کر ایک عارف نے کہا تھا۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔ دردل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔ من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم

سچ ہے۔"اهل الیل فی لیلهم الذمن اهل اللهو فی لهوهم اسی لئے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگر سلاطین کو خبر ہو جائے کہ شب بیداروں کو رات کے اٹھنے میں کیا لذت و دولت حاصل ہوتی ہے تو اس کے چھیننے کیلئے اسی طرح لشکرکشی کریں جیسے ملک گیری کے لئے کرتے ہیں۔ بہرحال مؤمن قانت کی پاک اور مزہ دار زندگی یہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ قبر میں پہنچ کر اس کا رنگ اور زیادہ نکھر جاتا ہے۔ آخر انتہاء اس حیات طیبہ پر ہوتی ہے جس کے متعلق کہا ہے۔"حیاة بلا موت وغنی بلافقر، وصحة بلاسقم، وملک بلا هلک ،وسعا دة بلاشقاوة ، رزقنا الله تعالیٰ بفضله ومنه ایاها۔

(تنبیہ): اس آیت نے بتلا دیا کہ قرآن کی نظر میں عورت اور مرد کی نیکی اور کامیابی کا ایک ہی ضابطہ ہے۔ یعنی عورت اور مرد بلا امتیاز اپنے اپنے حسب حال نیکی کر کے پاک زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس نے فلاح حاصل کر لی جو مسلمان ہو گیا اور برابر سرابر روزی دیا گیا اور جو ملا اس پر قناعت نصیب ہوئی۔ اور حدیث میں ہے جسے اسلام کی راہ دکھادی گئی

اور جسے پیٹ پالنے کا ٹکڑا میسر ہو گیا اور خدا تعالیٰ نے اس کے دل کو قناعت سے بھر دیا اس نے نجات پالی (ترمذی)۔ صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی اسے دیتا ہے ہاں کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھالیتا ہے۔ آخرت کیلئے اس کے ہاتھ میں کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ اور آخرت میں ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجر عطا کریں گے۔

ایمان کی شرط:

وھو مؤمن، بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں، خواہ کیسے ہی اچھے اعمال کریں زیادہ سے زیادہ عذاب کی تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار خلوص اور حسن نیت پر ہے (یعنی محض خوشنودی خدا کے لئے ہونا ضروری ہے) اور کافروں کی نیکیوں میں یہ چیز مفقود ہے۔

حیات طیبہ:

حیات طیبہ سے مراد سعید بن جبیر کے نزدیک رزق حلال ہے اور حسن کے نزدیک قناعت، مقاتل بن حبان نے کہا طاعت میں زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا طاعت کی شیرینی پاکیزہ زندگی ہے۔ بیضاوی نے کہا پاکیزہ زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ کیونکہ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ دل ہے تو ظاہر ہے اس کی دنیوی زندگی پاکیزہ زندگی ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ قناعت کرے گا۔ تقسیم خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجر عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا اس طرح اس کی زندگی خوش عیشی کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور مالدار ہے تب بھی اس کو موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی اطمینان کے ساتھ نہیں گذار سکتا۔ میں کہتا ہوں آیت إِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا کا بھی یہی مطلب ہے۔

محبت کے تقاضے:

میں کہتا ہوں بندے کو جب اللہ سے محبت ہوتی ہے تو جو کچھ محبوب کی طرف سے اس کو پہنچتا ہے تلخی ہو یا شیرینی وہ سب سے لذت اندوز ہوتا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا ہے، محبوب کی طرف سے جو دکھ پہنچتا ہے وہ محبوب کی طرف سے ملنے والے سکھ سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے دکھ میں تو صرف رضا محبوب ہوتی ہے اور سکھ میں (کچھ) ذاتی مقصد (بھی) ہوتا ہے اور (خالص) رضا محبوب زیادہ لذت آفریں ہوتی ہے اور محب کو محبوب کی مرضی ہی سب سے پیاری ہوتی ہے۔ شیخ عارف رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:

عاشقم برلطف وبرقہرت بجد اے عجم من عاشقم بر ہر دو ضد
ناخوش از وے خوش بود در جان من جاں فدائے یار جاں رنجان من

دنیا میں بشارت:

میں کہتا ہوں، حیات طیبہ کی تشریح میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ نے اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا ہے لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ان کے لئے دنیوی زندگی میں بشارت ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ یونس میں گزر چکی ہے۔ جب مؤمن کو اس زندگی میں اللہ کی خوشنودی کے حصول اور بارگاہ قدس میں مرتبہ قرب پر پہنچنے اور درجات بلند ہونے کی بشارت مل جاتی ہے تو دنیا میں ہی اس کو وہ نعمت وراحت مل جاتی ہے جس کی جنت کے اندر ملنے کی اس کو امید ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ اہل جنت سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے جنتی عرض کریں گے (اے ہمارے رب) راضی نہ ہونے کی وجہ بھی کیا ہوسکتی ہے۔ تو نے تو ہم کو وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی شخص کو نہیں دیں۔ اللہ فرمائے گا کیا ان نعمتوں سے بھی بڑی نعمت تم کو دوں۔ پھر فرمائے گا۔ (وہ سب سے اعلیٰ نعمت یہ ہے کہ) میں تم کو اپنی خوشنودی عطا کرتا ہوں آئندہ کبھی میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے طبرانی نے الاوسط میں بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اسی حدیث کے مضمون کو پڑھ کر ایک عارف نے کہا ہے:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است درحیرتم کہ وعدہ فردا برائے چیست

شیخ محمد عابد مجددی فرماتے تھے جو لذت وراحت دنیا میں اہل فقر کو حاصل ہے اگر بادشاہوں اور امیروں کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ اہل فقر پر رشک کرنے لگتے اور جل جاتے۔

مؤمن کا خوف:

اللہ کی عظمت وکبریائی کو دیکھ کر۔ مؤمن کے دل سے خوف کبھی دور نہیں ہوتا۔ وہ انبیاء جن کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے اور اپنے حسن خاتمہ میں کوئی شک نہیں ہوتا ان کو دوسروں کے مقابلے میں اللہ کی عظمت وبزرگی کا زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے دوسرے مؤمنوں کے مقابلے میں ان کو اللہ کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا اور تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ صحابہ کو قطعی وحی کے ذریعے سے حصول رضا خداوندی اور داخلہ جنت کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اللہ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے۔

لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ اس قطعی بشارت کے باوجود کامل طور پر اللہ سے ڈرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی یہ حالت تھی تو صحابہ کے بعد جن مؤمنوں کو کشف ظنی کے طور پر بشارت دے دی جاتی ہے ان کا تاثر بشارت خوف کے خلاف کیسے ہوسکتا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حیات طیبہ سے مراد ایسی زندگی ہو جو بہرحال خیروبرکات سے پر ہوتی ہے۔

مؤمن کا عجیب معاملہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے۔ سوائے مؤمن کے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔ مؤمن پر اگر راحت ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر بن جاتا ہے اگر اس پر کوئی بدحالی اور دکھ آتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔ رواہ احمد فی المسند ومسلم فی الصحیح عن صہیبؓ واحمد وابن حبان عن انسؓ والبیہقی بسند صحیح عن سعید۔

مجاہد وقتادہ کے نزدیک حیات طیبہ سے جنت کی زندگی مراد ہے۔

وَلَنَجۡزِیَنَّهُمۡ اَجۡرَهُمۡ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا

اور بدلے میں دیں گے ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر

یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ

جو کرتے تھے سو جب تو پڑھنے لگے قرآن تو پناہ لے

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ﴿۹۸﴾

اللہ کی شیطان مردود سے

قرأت قرآن کے آداب:

حدیث میں ہے "خیر کم من تعلم القران وعلمه" (تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے) معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے قراءت قرآن بہترین کام ہے۔ اور پچھلی آیات میں وہ بہتر کاموں پر اجر ملنے کا ذکر تھا۔ اس لئے یہاں قراءت کے بعض آداب کی تعلیم فرماتے ہیں تا کہ آدمی بے احتیاطی سے اس بہتر کام کا اجر ضائع نہ کر بیٹھے۔ شیطان کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں سے روکے خصوصاً قراءت قرآن جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ کب ٹھنڈے دل سے گوارا کرسکتا ہے۔ ضرور اس کی کوشش ہوگی کہ مؤمن کو اس سے باز رکھے اور اس میں کامیاب نہ ہو تو ایسی آفات میں مبتلا کردے جو قراءت قرآن کا حقیقی فائدہ حاصل ہونے سے مانع ہوں۔ ان سب مغویانہ تدبیروں اور پیش آنے والی خرابیوں سے حفاظت کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے۔ کہ جب مؤمن قرأت قرآن کا ارادہ کرے پہلے صدق دل سے حق تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور شیطان مردود کی زد سے بھاگ کر خداوند قدوس کی پناہ میں آجائے۔ اصلی استعاذہ (پناہ میں آنا) تو دل سے ہے۔ مگر زبان ودل کو موافق کرنے کیلئے مشروع ہے کہ ابتدائے قرأت میں زبان سے بھی اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

تعوذ کا حکم:

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت سے پہلے دعا کرتے (یعنی اعوذ باللہ پڑھا کرتے) تھے۔ جمہور سلف وخلف کا اس پر جماع ہے لیکن جمہور کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ سنت ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری تہائی رات میں اٹھ بیٹھے اور سورۂ آل عمران کی آخری دس آیات

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ

سے پڑھیں پھر کھڑے ہو کر وضو کیا الی آخرہ..... صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہم ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اچانک آپ کو غفلت سی ہوگئی پھر کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسکرانے کی کیا وجہ ہے۔ فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ

مسئلہ: کیا نماز کے اندر ہر رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہیے یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد قائل ہیں کہ نماز کی صرف پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے اعوذ پڑھی جائے۔

تعوذ کے الفاظ:

ابن السنی اور ابن ماجہ نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں داخل ہو جاتے تھے تو تین بار اللہ اکبر کبیراً اور تین بار الحمدللہ کثیراً اور تین بار سبحان اللہ بکرة واصیلاً کہنے کے بعد اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے تھے۔

من نفخه ونفثه وهمزه کے الفاظ بھی آئے ہیں (میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے وسوسہ سے) حاکم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد اور حاکم اور اہل السنن نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت

سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کے بعد پڑھتے سبحانک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک پھر تین بار لاالہ الا اللہ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد پڑھتے اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم من نفخه ونفثه وھمزہ امام احمد نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم آیا ہے مگر اس کی اسناد میں بعض راویوں کے نام ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔

ابوداؤد میں حسن بصری کا قول (بغیر صحابی کے) آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ تعوذ کرتے تھے اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم۔

ثعلبی اور واحدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم پڑھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم پڑھو، مجھے جبرئیل نے قلم سے یعنی لوح محفوظ سے (نقل کرکے) ایسا ہی پڑھایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ
اسکا زور نہیں چلتا ان پر جو ایمان رکھتے ہیں اور
اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾
اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں

وہ لوگ جو شیطان سے محفوظ رہتے ہیں:

یعنی جس نے خدا پر بھروسہ کیا اور اس کی پناہ ڈھونڈی اس پر شیطان زور سے حاوی نہیں ہوسکتا اگر ایسا شخص کسی وقت محض تھوڑی دیر کیلئے بمقتضائے بشریت شیطان کے چکمہ میں آیا بھی۔ تب بھی شیطان اپنا قبضہ اور تسلط اس پر نہیں جما سکتا۔ بہت جلد اس کی آنکھ کھل جائیگی اور غفلت میں تمادی نہ ہوگی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُوْنَ (الاعراف رکوع ۲۴) (تفسیر عثمانی)

پچھلی آیت سے ربط:

آیت بالا میں تعوذ کا حکم دیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ شاید شیطان کو اہل ایمان پر کوئی تسلط حاصل ہے اس خیال کی نفی اس آیت میں کردی، کذا قال البیضاوی میں کہتا ہوں، یہ آیت گذشتہ آیت کی علت بھی ہوسکتی ہے۔ مؤمن اللہ سے استعاذہ اس لئے کرتے ہیں کہ انکا بھروسہ اپنے رب پر ہی ہوتا ہے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسی کی پناہ میں دیدیتے ہیں اللہ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ رکھنا مؤمن مخلص کا خصوصی وصف ہے جو ہر مؤمن کے ساتھ ہروقت رہتا ہے زبان سے تعوذ کرنے کا حکم تو سنت دعا کی تکمیل کے لئے ہے تاکہ ظاہر بھی باطن کے موافق ہوجائے اور شیطان سے پوری پوری امان حاصل ہوجائے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ
اس کا زور تو انہی پر ہے جو اسکو رفیق سمجھتے ہیں
هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اور جو اس کو شریک مانتے ہیں

شیطان کے دوست:

یعنی جو لوگ از خود شیطان کو اپنا رفیق بنالیں اور بجائے ایک خدا پر بھروسہ کرنے کے اس پر بھروسہ رکھیں۔ گویا اس کو خدائی کا شریک ٹھہرالیں یا اس کے اغواء سے دوسری چیزوں کو خدا کا شریک مانیں، انہی پر شیطان کا پورا قبضہ اور تسلط ہے کہ جس طرح چاہتا ہے انگلیوں پر نچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ شیطان کا تسلط تو صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے رفاقت کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کا کسی کو ساجھی قرار دیتے ہیں۔ یعنی جو شیطان کے دوست ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں باوجودیکہ شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے لیکن وہ خود شیطان کو اپنے اوپر تسلط کرلیتے ہیں ہماری اس تفسیر کی رو سے اس آیت میں اور آیت مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: تلاوت قرآن سے پہلے اعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم کا پڑھنا اس آیت کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے مگر کبھی کبھی اس کا ترک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اس لئے جمہور علماء امت نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیا ہے اور ابن جریر طبری نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے اس معاملے میں روایات حدیث قولی اور عملی، تلاوت سے پہلے اکثر حالات میں اعوذ باللہ پڑھنے کی اور بعض حالات میں نہ پڑھنے کی یہ سب ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے شروع میں مبسوط ذکر کی ہیں۔

مسئلہ: نماز میں تعوذ (یعنی اعوذ باللہ) صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے یا ہر رکعت کے شروع میں۔ اس میں ائمہ فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف پہلی رکعت میں پڑھنا چاہئے اور امام شافعیؒ ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں دونوں کے دلائل تفسیر مظہری میں مبسوط لکھے گئے ہیں (ص ۴۹ جلد ۵)

مسئلہ: تلاوت قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا درست ہے مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوذ کافی ہے البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا تو اس وقت دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: تلاوت قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کلام یا کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں وہاں صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔ (درمختار، شامی)

غصہ کا علاج:

البتہ مختلف اعمال اور حالات میں تعوذ کی تعلیم حدیث میں منقول ہے۔ مثلاً جب کسی کو غصہ زیادہ آئے تو حدیث میں ہے کہ (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) پڑھنے سے شدت غضب فرو ہو جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

بیت الخلاء سے پہلے:

نیز حدیث میں ہے کہ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث، پڑھنا مستحب ہے۔ (شامی) (معارف قرآن)

وَإِذَا بَدَّلْنَآ ءَايَةً مَّكَانَ ءَايَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ أَعْلَمُ
اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت اور اللہ
بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنتَ مُفْتَرٍۭ ۚ بَلْ
خوب جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں تو تو بنا لاتا ہے
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝
یہ بات نہیں پر اکثروں کو ان میں خبر نہیں

شیطان کی رکاوٹیں:

پہلے حکم دیا تھا کہ قرآن پڑھتے وقت شیطان رجیم کے کید سے پناہ ڈھونڈو۔ کہیں وہ اس بہترین کام میں رکاوٹ اور خرابی نہ ڈالے۔ یہاں اس کی بعض رکاوٹوں کا ذکر کرتے ہیں جو قرآن کے متعلق پیدا کرتا تھا۔

آیات کے منسوخ ہونے کا مسئلہ:

واقعہ یہ ہے کہ پورا قرآن ایک مرتبہ تو نازل ہوا نہیں، موقع بموقع آیات نازل ہوتی تھیں۔ ان میں بعض وقتی احکام بھی آتے تھے۔ پھر دوسرے وقت حالات کے تبدیل ہونے پر دوسرا حکم آ جاتا تھا مثلاً ابتداء میں قتال سے ممانعت اور ہاتھ روکے رکھنے کا حکم تھا۔ ایک زمانہ کے بعد اجازت دی گئی۔ یا ابتداء میں حکم تھا۔ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِّصْفَهُ الخ تھوڑی مدت کے بعد مکہ ہی میں یہ آیات نازل ہوئیں عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْءَانِ "الخ کفار ایسی چیزوں کو سن کر اعتراض کرتے کہ یہ خدا کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا خدا تعالیٰ نے (معاذ اللہ) پہلے بے خبری سے ایک بات کا حکم دیدیا تھا؟ پھر یہ خبر ہوئی تو دوسرا حکم اتارا؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام آپ خود بنا لاتے ہیں۔ ورنہ خدا کے احکام ایسے نہیں ہو سکتے کہ ایک دن کچھ دوسرے دن کچھ۔ اس طرح کے شبہات و وساوس ممکن تھا شیطان بعض مسلمانوں کے دلوں میں القا کرے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ تمہارا یہ اعتراض محض جہالت ہے۔ تم کو اگر "نسخ" کی حقیقت معلوم ہوتی تو کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالتے "نسخ" کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک میعادی حکم کی میعاد پوری ہونے پر دوسرا حکم بھیجا جائے۔ کیا طبیب منضج کا نسخہ دس بیس دن پلا کر اگر مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول کیا جا سکتا ہے؟ یا جو ایسا کہے وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔ حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جس وقت جو حکم اتارا گیا یعنی جو روحانی غذا یا دوا تجویز کی گئی وہ کہاں تک مریضوں کے مزاج اور حالات کے مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مفتری، (اللہ پر) دروغ بندی کرنے والا۔ بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا محمد اپنے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہیں آج ایک حکم دیتے ہیں اور کل اس کی ممانعت کر دیتے ہیں، یہ از خود تراش کر اللہ پر دروغ بندی کر دیتے ہیں۔

اکثر کافر بے سمجھ ہیں:

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ یعنی اکثر کافر احکام کی مصلحت نہیں جانتے یا یہ مطلب ہے کہ اکثر کافر اہل علم میں تمیز نہیں ہیں اگر ان کو امتیاز ہوتا تو پہچان لیتے کہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ کوئی انسان خود بنا سکے اور محمد ایسے آدمی نہیں ہیں کہ ان کو دروغ باف اور بہتان تراش کہا جا سکے۔

تبارک اللہ ماوحی بمکتسب ولا نبی علی غیب بمتھم

اللہ بزرگ ہے کوئی وحی دماغی تراشیدہ نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی نبی ایسا ہو سکتا ہے کہ وحی کے معاملہ میں اس پر الزام لگایا جا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

جیسے طبیب ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی، اور پھر دوا دوسری دی جائے گی مگر مریض کو ابتداء میں سب تفصیل نہیں بتلاتا یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو قرآن وسنت میں ہوتا ہے جو حقیقت سے واقف نہیں وہ باغواء شیطانی نسخ کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ
تو کہہ اس کو اتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ

بلاشبہ

قرآن تو اللہ کا نازل کیا ہوا ہے:

یعنی میرا یا کسی بشر کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو وہ کلام ہے جو بلاشبہ میرے رب نے روح القدس (پاک فرشتہ جبرئیل امین) کے ذریعہ سے عین حکمت ومصلحت کے موافق مجھ پر نازل فرمایا گویا "مِنْ رَّبِّکَ" کہہ کر متنبہ فرمادیا کہ اس کی نازل کرنے والی وہ ہستی ہے جس نے خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قدر حیرت انگیز طریقہ سے ایسے اعلیٰ واکمل اخلاق پر تربیت فرمائی جو تمہارے سامنے ہے۔ اور "روح القدس" کا واسطہ بیان فرما کر شاید اس طرف اشارہ کرنا ہو کہ جس کلام کا حامل "روح القدس" بنایا گیا وہ روحانیت ، پاکیزگی اور ملکوتی خصال کا پیکر ہونا چاہیے۔ چنانچہ دیکھ لوان اوصاف میں اس شان کا کیا کوئی دوسرا کلام آسمان کے نیچے نظر آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ اس کو جبرئیل میرے رب کی طرف سے حکمت کے مطابق لے کر آئے ہیں تا کہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری (کا ذریعہ) ہوجائے۔ روح القدس سے مراد جبرئیل ہیں۔ قدس کا معنی ہے پاکی یعنی پاکی والی روح۔

تدریجی نزول:

نزلہ تنزیل مصدر، تنزیل کا معنی ہے تدریجاً تھوڑا تھوڑا نازل کرنا۔ یہ لفظ تنبیہ کررہا ہے کہ قرآن کا مصالح کے مطابق تدریجی نزول تبدیل کا مقتضی ہے (اگر بعض احکام کو بدلنا نہ ہوتا تو یکدم سب قرآن نازل کر دیا جاتا) الحق حکمت کاملہ۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى

تا کہ ثابت کرے ایمان والوں کو اور ہدایت او رخوش خبری

لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

مسلمانوں کے واسطے

تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت:

یعنی موقع بموقع اور بتدریج احکام وآیات کا نزول دیکھ کر ایمان والوں کے دل قوی اور اعتقاد پختہ ہوتے ہیں کہ ہمارا رب ہمارے ہر حال اور زندگی کے ہر ایک دور سے پورا خبردار ہے اور نہایت حکمت سے ہماری تربیت کرتا ہے جیسے حالات پیش آئیں ان کے موافق ورہنمائی کرتا اور ہر کام پر اسکے مناسب خوشخبری سناتا ہے۔

لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی تدریجاً اس لئے نزول ہوا کہ جو لوگ اس کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان میں مزید استحکام ہوجائے اور ناسخ کو سننے کے بعد جب وہ غور کریں اور سمجھیں کہ حکمت ومصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ پچھلا حکم اس وقت منسوخ کر کے یہ نیا حکم نازل کردیا جائے تو ان کے عقائد میں مزید پختگی پیدا ہوجائے اور اطمینان قلب حاصل ہوجائے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ناسخ کو نازل کر کے ایمانداروں کی جانچ کرنی مقصود ہے جب وہ قدیم حکم کی جگہ جدید حکم کو برحق یقین کرلیں اور سمجھ جائیں کہ اللہ حکمت والا ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو اس سے ان کو مزید استحکام ایمانی حاصل ہوجائے۔ للمسلمین ، مسلمین سے مراد ہیں فرماں بردار۔ مطیع حکم۔ صرف مسلمانوں کے لئے ہدایت وبشارت کا ذریعہ قرار دینے سے در پردہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ غیر مسلموں کیلئے یہ باعث ہدایت وبشارت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ

اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو تو سکھلاتا ہے ایک

بَشَرٌ ؕ

آدمی

مشرکین کا خیال:

یعنی قرآن شریف نہ خدا کا کلام ہے، ورنہ نسخ اس میں نہ ہوتا۔ اور نہ یہ آپ کا کلام ہوسکتا ہے۔ کیونکہ آپ کا امی ہونا سب کو معلوم ومسلم تھا ایک امی جس نے نہ کبھی کوئی کتاب چھوئی ہو نہ قلم ہاتھ میں پکڑا ہو۔ بلکہ باوجود اعلیٰ درجہ کے قریشی ہونے کے چالیس برس تک ایک شعر بھی زبان سے نہ کہا ہو، جس میں عرب کی چھوکریاں تک فطری سلیقہ اور ملکہ رکھتی تھیں، کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ بدون تعلیم وتعلم کے دفعۃً ایسی کتاب بنالائے جو اس قدر عجیب وغریب علوم وحکم، موثر ہدایات اور کایا پلٹ کردینے والے قوانین واحکام پر مشتمل ہو۔ ناگزیز کہنا پڑے گا کہ کوئی دوسرا شخص انہیں یہ باتیں سکھلاتا اور ایسا کلام بنا کر دیدیتا ہے۔ وہ شخص کون تھا جس کی بے اندازہ قابلیت سے قرآن جیسی کتاب تیار ہوئی اس کے نام میں اختلاف تھا۔ جبر، یسار، عائش، یعیش۔ کئی عجمی غلاموں کے نام لئے گئے ہیں جن میں کوئی یہودی تھا کوئی نصرانی۔ بلکہ بعض کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ نصرانیت چھوڑ کر مذہب اسلام قبول کر چکے تھے۔ کہتے ہیں حضور گاہ بگاہ آتے جاتے

ان میں سے کسی ایک کے پاس بیٹھتے تھے یا وہ حضور کی خدمت میں کبھی حاضر ہوا کرتا تھا۔ مگر تعجب ہے اتنے بڑے قابل انسانوں کا تو نام بھی تاریخ نے پورے تیقن وتعین کے ساتھ یاد نہ رکھا۔ اور جو ان سے سیکھ کر محض نقل کر دیا کرتے تھے۔ دنیا ان کے قدموں پر گر پڑی۔ حتیٰ کہ جنہوں نے ان کو نبی نہ مانا دنیا کا سب سے بڑا مصلح اور کامل انسان ان کو بھی تسلیم کرنا پڑا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امّی ہونا:

بہر حال مشرکین کے اس سفیہانہ اعتراض سے یہ ضرور ثابت ہو گیا کہ دعوائے بعثت سے پہلے آپ کا امی ہونا ان کے نزدیک ایسا مسلم تھا کہ قرآن علوم ومعارف کو آپ کی امیت مسلمہ سے تطبیق نہ دے سکتے تھے۔ اسی لئے کہنا پڑتا تھا کہ کوئی دوسرا شخص آپ کو یہ باتیں سکھلا جاتا ہے۔ بلاشبہ آپ سکھلائے ہوئے تھے۔ لیکن سکھلانے والا کوئی بشر نہ تھا۔ وہ رب قدیر تھا جس نے فرمایا اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ۔ (تفسیر عثمانی)

وہ غلام جن پر الزام تھا:

ابن اسحاق نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مروہ پہاڑی کے قریب ایک رومی عیسائی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اس کا نام جبر تھا۔ جبر بنی الحضرم قبیلہ میں سے کسی کا غلام تھا۔ اور کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی کا بیان ہے۔ ہمارے دو غلام تھے جو یمن کے تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیھہ تھی۔ دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور توریت وانجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف سے گزرتے اور وہ (انجیل یا توریت) پڑھتے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر کر سننے لگتے۔ ابن ابی حاتم نے حصین بن عبداللہ کے طریق سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔ ضحاک کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کفار دکھ دیتے تو آپ ان دونوں غلاموں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اور ان کے کلام سے کچھ سکھ محسوس کرتے۔ مشرک کہنے لگے محمد انہی دونوں سے سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِسَانُ الَّذِیۡ یُلۡحِدُوۡنَ اِلَیۡہِ اَعۡجَمِیٌّ

جس کی طرف تعریض کرتے ہیں اس کی زبان ہے عجمی

وَّ ہٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۰۳﴾

اور یہ قرآن زبان عربی ہے صاف

مشرکین کے بہتان کی تردید:

یعنی اگر قرآن کے علوم خارقہ اور دوسری وجوہ اعجاز کو اپنی غباوت کی وجہ سے تم نہیں سمجھ سکتے تو اس کی زبان کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کا ادراک تو کر سکتے ہو۔ جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا اور اعلان کیا جا چکا ہے کہ تمام جن وانس مل کر اس کلام کا مثل پیش نہ کر سکیں گے۔ پھر جس کا مثل لانے سے عرب کے تمام فصحائے وبلغائے بلا استثناء احدے عاجز ودرماندہ ہوں ایک گمنام عجمی بازاری غلام سے کیونکر امید کی جا سکتی ہے کہ ایسا کلام معجز تیار کر کے پیش کر دے۔ اگر تمام عرب میں کوئی شخص بالفرض ایسا کلام بنا سکتا تو وہ خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ مگر قرآن کے سوا آپ کے دوسرے کلام کا ذخیرہ قرآن کے بیان کردہ موضوعات پر موجود ہے جو باوجود انتہائی فصاحت کے کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت قرآنی کے ہمسری نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

عجمی: اعجمی، صاف عربی نہ بولنے والا۔ قاموس میں ہے لفظ اعجم قوم اور شخص دونوں کی صفت میں آتا ہے اعجم اور اعجمی گونگا اور وہ شخص جو صاف (عربی) نہ بول سکے۔ عجمی عجم کا رہنے والا جو جنس عجم سے ہو خواہ فصیح البیان ہو۔ غیر عرب کو عجم کہتے ہیں۔ بعض محققین لغت کا قول ہے کہ عجمہ کا معنی ابانت کے معنی کے مقابل ہے۔ یعنی صاف زبان میں بات نہ کرنا۔ اعجام کا معنی ہے ابہام۔ استعجمت الدار گھر گونگا ہو گیا۔ یعنی سب گھر والے مر گئے کوئی جواب دینے والا بھی باقی نہیں رہا۔ (تفسیر مظہری)

عبیداللہ بن مسلمؒ کہتے ہیں ہمارے دو کامی آدمی روم کے رہنے والے تھے جو اپنی زبان میں اپنی کتاب پڑھتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاتے آتے کبھی ان کے پاس کھڑے ہو کر سن لیا کرتے، اس پر مشرکین نے اڑایا، کہ انہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سیکھتے ہیں اس پر یہ آیت اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا

وہ لوگ جن کو اللہ کی باتوں پر یقین نہیں ان کو اللہ راہ نہیں دیتا

یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۰۴﴾

اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے

منکرین کی سزا:

یعنی کھلے دلائل کے باوجود جو شخص یہی دل میں ٹھان لے کہ یقین نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ بھی اس کو مقصد پر پہنچنے کی راہ نہیں دیتا۔ جتنا سمجھایئے کبھی نہ سمجھے گا۔ بداعتقاد آدمی ہدایت سے محروم رہ کر آخر سخت سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور وہی لوگ جھوٹے ہیں

یہی مشرک خود جھوٹے ہیں:

یعنی آپ کو کہتے ہیں "اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ" حالانکہ آپ کی امانت وراستبازی پہلے سے مسلم اور ہر ایک چال ڈھال سے ظاہر تھی۔ کیا جھوٹ بنانے والوں کا چہرہ اور طور وطریق ایسا ہوتا ہے؟ جھوٹ بنانا تو ان اشقیاء کا شیوہ ہے جو خدا کی باتیں سن کر اور اس کے نشانات دیکھ کر بھی یقین نہ کریں۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہوگا کہ آدمی خدا کی باتوں کو جھوٹا کہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ کامل جھوٹے اور پورے پورے کاذب یہی لوگ ہیں کیونکہ ظہور معجزات کے بعد اللہ کے معصوم نبی اور اللہ کی آیات کا انکار اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت تراشی سب سے بڑا جھوٹ ہے یا هُمُ الْكٰذِبُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ ان کو جھوٹ سے کوئی چیز نہیں روک سکتی نہ شرافت، نہ دین۔

مؤمن جھوٹ نہیں بول سکتا:

بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حراد نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مؤمن زنا کرسکتا ہے؟ فرمایا کبھی ایسا ہوسکتا ہے۔ میں نے عرض کیا کیا مؤمن چوری کرسکتا ہے۔ فرمایا کبھی ایسا ہوسکتا ہے میں نے عرض کیا کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟ فرمایا نہیں۔ اللہ نے فرمادیا ہے اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا

جو کوئی منکر ہو اللہ سے یقین لانے کے پیچھے مگر وہ نہیں

مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل برقرار ہے ایمان پر

مرتد ہونے والا:

ایک تو وہ مجرم ہیں جو سیکڑوں دلائل وآیات سن کر بھی یقین نہ لائیں۔ مگر ان سے بڑھ کر مجرم وہ ہیں جو یقین لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات ووساوس سے متاثر ہوکر صداقت سے منکر ہوجائیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن ابی سرح نے کیا تھا کہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہوگیا۔ العیاذ باللہ۔ ایسے لوگوں کی سزا آگے بیان فرمائی ہے۔

مجبور آدمی:

درمیان میں "الا من اکرہ" الخ سے ایک ضروری استثناء کردیا گیا۔ یعنی اگر کوئی مسلمان صدق دل سے برابر ایمان پر قائم ہے ایک لمحہ کیلئے بھی ایمانی روشنی اور قلبی طمانیت اس کے قلب سے جدا نہیں ہوئی صرف کسی خاص حالت میں بہت ہی سخت دباؤ اور زبردستی سے مجبور ہوکر شدید ترین خوف کے وقت گلوخلاصی کیلئے محض زبان سے منکر ہوجائے یعنی کوئی کلمہ اسلام کے خلاف نکال دے بشرطیکہ اس وقت بھی قلب میں کوئی تردد نہ ہو، بلکہ زبانی لفظ سے سخت کراہیت ونفرت ہو، ایسا شخص مرتد نہیں بلکہ مسلمان ہی سمجھا جائیگا۔

عظیم لوگ:

ہاں اس سے بلند مقام وہ ہے کہ آدمی مرنا قبول کرے مگر منہ سے بھی ایسا لفظ نہ نکالے۔ جیسا کہ حضرت بلالؓ حضرت یاسرؓ حضرت سمیہؓ حضرت خبیبؓ بن زید انصاری اور حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہم وغیرہ کے واقعات تاریخوں میں موجود ہیں بنظر اختصار ہم یہاں درج نہیں کرسکتے۔ ابن کثیر میں دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ ایمان لانے کے بعد (لوٹ کر) اللہ کے (یعنی اس کی ذات صفات یا قیامت ونبوت کے) ساتھ کفر کرنے لگیں اور جی کھول کر (دل کی خوشی کے ساتھ) کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑے دکھ کی سزا ہوگی ہاں جو لوگ کفر کرنے پر مجبور کیے گئے ہوں اور ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اور زبان سے کلمات کفر بمجبوری کہہ گزریں) وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

شان نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول عمار بن یاسر کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمار کو ان کے باپ یاسر کو، ان کی ماں سمیہ کو اور صہیبؓ وبلالؓ وخبیبؓ وسالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مشرکوں نے بلال خبیب اور عمار کو پکڑ لیا۔ عمار نے تقیہ کرکے وہ بات کہدی جو مشرکوں کو پسند تھی پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ بیان کردیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کلمات کفر) کہنے کے وقت تمہارے دل کی کیا حالت تھی۔ عرض کیا دل تو آپ کے قول پر مطمئن

تھا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ کے چند مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا۔بعض صحابہ نے (مدینہ سے) ان کو لکھا تھا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چل دیئے۔ راستہ میں ان کو قریش نے پکڑ لیا اور سخت دکھ دیئے۔ مجبوراً بنفرت خاطر ناگواری کے ساتھ کلمات کفر کہہ دیئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا کہ عامر بن حضرمی کے غلام جبر کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ان کے آقا نے ان پر زبردستی کی تھی مجبوراً جبر نے کلمات کفر کہہ دیئے تھے بغوی نے لکھا ہے پھر جبر کا آقا بھی مسلمان ہوگیا اور اسلام میں پختہ رہا اور جبر کو ساتھ لے کر اس نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔

ایمان پر دل کے مطمئن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عقیدہ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔دل ایمان پر قائم رہا یہ جملہ بتارہا ہے کہ دل سے سچا جاننا ایمان کا رکن ضروری ہے (خالی شہادت ایمان بغیر دلی عقیدہ کے اللہ کے نزدیک ناقابل اعتبار ہے)۔

اسلام کے پہلے شہید:

حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا (ایک ٹانگ ایک اونٹ سے دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے) اور شرمگاہ میں نیزہ ڈال کر چیر دیا گیا۔ حضرت یاسر کو بھی قتل کر دیا گیا اسلام میں سب سے اول یہی دونوں شہید ہوئے عمار نے بمجبوری وہ بات زبان سے نکال دی جو مشرک چاہتے تھے۔

حضرت عمارؓ:

قتادہ نے کہا، بنی مغیرہ نے عمار کو پکڑ کر چاہ میمون میں غوطے دیئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر۔ حضرت عمار نے وہی بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے۔مگر آپ کا دل اس بات سے نفرت کرتا تھا۔ دل کو انکار رسالت گوارا نہ تھا۔کسی نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی کہ عمار کافر ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں عمار کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے اسکے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔آخر حضرت عمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بات بری ہے، میں نے آپ کو برا کہہ دیا اور (انکار کے طور پر) آپ کا ذکر کیا فرمایا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تم کو محسوس ہو رہی تھی۔عرض کیا دل تو ایمان پر مطمئن تھا یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا، اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسی حرکت کریں تو تم دوبارہ (بھی یہی کفریہ الفاظ) لوٹا سکتے ہو۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ثعلبی اور واحدی نے بھی اسی طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیب ہی نے

سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کفر کے لیے سینہ کے کشادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل نے کفر کو پسند کر لیا اور بخوشی کفر کو قبول کر لیا۔

اکراہ کی تحقیق:

کسی کو ایسے کام پر آمادہ کرنا جس کو وہ دل سے گوارا نہ کرتا ہو اکراہ ہے۔ اکراہ کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی کو کسی ناگوار کام کے کرنے پر اس طرح آمادہ کرنا کہ اگر وہ انکار کرلے تو اس کو اذیت اور دکھ اٹھانا پڑ جائے لیکن یہ ایذا، اور دکھ اس کو بے اختیار نہ بنادے مثلاً انکار کی صورت میں مارنا قید کر دینا۔ ظاہر ہے کہ پٹنے اور قید ہو جانے کے بعد بھی مضروب اور قیدی بے اختیار نہیں ہو جاتا۔صرف جسمانی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۲) انکار کی صورت میں مجبور آدمی اپنے اختیار کا مالک ہی نہ رہے مثلاً ہاتھ پاؤں کاٹنا یا قتل کر دینا۔ان دونوں صورتوں میں اکراہ کا حکم اس وقت جاری ہوگا کہ مجبور کرنے والا۔ اس اذیت دینے پر قدرت رکھتا ہو جس کی دھمکی دے رہا ہے اور جس کو مجبور کیا جارہا ہو اس کا بھی غالب خیال ہو کہ اگر میں انکار کر دوں گا تو اس شخص کی طرف سے مجھے یہ دکھ پہنچ جائے گا۔آیت میں اکراہ کی اول صورت مراد نہیں ہے ایسے اکراہ کا اثر تو صرف خرید وفروخت، اقرار قرض، کسی جائیداد کے ٹھیکہ کے لین دین وغیرہ پر ہی پڑتا ہے اس صورت میں جب خوف اذیت نہ رہے اور ایذا رساں طاقت سے آزادی مل جائے۔تو مجبوری کی حالت میں جو عقد، اقرار، ٹھیکہ وغیرہ کا لین دین کیا ہو اس کو فسخ کر دینا جائز ہے چاہے قائم رکھے چاہے منسوخ کر دے۔تجارت، لین دین وغیرہ ایسے عقود ہیں جن کے لئے فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔

حضرت خبیب کا واقعہ:

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیب ہی نے سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کا طریقہ قائم کیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ کو ایک تختہ سے باندھ دیا پھر مدینہ کی طرف منہ کر دیا اور بندش مضبوط کر دی پھر کہنے لگے اسلام سے لوٹ جاؤ ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ حضرت خبیب نے فرمایا خدا کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ اسلام سے مرتد ہونے کی شرط پر مجھے ساری دنیا کی دولت مل جائے۔کافر کہنے لگے اب تو چاہتے ہو گے کہ محمد میری جگہ ہوتے اور میں اپنے گھر بیٹھا چین کرتا۔ حضرت خبیب نے فرمایا نہیں خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔کافر برابر کہتے رہے۔خبیب اسلام سے لوٹ جاؤ۔ حضرت خبیب نے فرمایا نہیں، میں کبھی اسلام سے نہیں پھرنے کا۔ کہنے لگے اگر اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے بولے اللہ کی راہ میں مارا جانا ایک حقیر چیز ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت خبیب نے شہادت سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے جن میں سے دو شعر یہ تھے:

''اگر مسلمان ہونے کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کس بل سے اللہ کی راہ میں زمین پر گرتا ہوں، میرا یہ قتل ہونا اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے اگر اللہ چاہے گا تو پارہ پارہ میں جسم کے جوڑ جوڑ میں برکت عطا فرمادے گا۔''

ابن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت خبیب اور حضرت زید دونوں ایک ہی دن شہید کئے گئے اور جس روز ان کی شہادت ہوئی اسی روز لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے وعلیکما السلام۔

مسیلمہ کے ہاتھوں شہید ہونے والے:

ابن ابی شیبہ نے حسن بصری کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کرلیا اور ایک سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تیرا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مسیلمہ نے کہا میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔ اس نے جواب دیا آپ بھی۔ مسیلمہ نے دوسرے سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مسیلمہ نے پوچھا میرے متعلق تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا میں بہرا ہوں۔ مسیلمہ نے یہی بات تین بار دہرائی اور اس شخص نے بھی یہی جواب دہرادیا۔ آخر مسیلمہ نے اس کو قتل کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو اول شخص کے متعلق فرمایا، اس نے اللہ کی دی ہوئی اجازت کو اختیار کرلیا اور دوسرے نے بلند آواز سے اعلان حق کیا اس کو مبارک ہو۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے تو اس کا مال تلف کرنا اس کے لئے جائز ہے۔ ضرورت کے وقت غیر کا مال مباح ہوجاتا ہے جیسے سخت بھوک کے وقت کسی کا مال کھالینا جائز ہے۔ لیکن صاحب مال مجبور کرنے والے سے اپنے مال کا تاوان وصول کرے گا کیونکہ مجبور شخص تو اس جابر کا آلہ کار ہے اور جس صورت میں آلہ کار بننا درست ہو اس میں تاوان آلہ کار بنانے والے سے لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر شراب پینے یا مردار کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کرلینا باتفاق علماء جائز ہے۔ لیکن کیا نہ کھانا اور جان دے دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام کو کھا پی لینا واجب ہے۔ انکار کرکے جان دیدینا جائز نہیں۔ جیسے حلال چیز (یعنی پرائی حلال چیز کو) جان بچانے کے لئے کھا پی لینا واجب ہے ویسے ہی شراب اور مردار کا حکم ہے۔ اگر کھانے پینے سے انکار کرکے جان دیدے گا تو گنہگار ہوگا اور بلاضرورت اپنی جان کھو دینے میں اس جابر کا مددگار مانا جائے گا۔

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا یہ رخصت نہیں اباحت ہے۔ اضطرار کی حالت میں مردار بھی ذبیحہ کی طرح حلال ہوجاتا ہے۔ آیت میں حالت اضطرار مستثنیٰ ہے۔ فرمایا اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ استثناء کرکے حالت اضطرار کو عدم اضطرار کی حالت سے حکم میں علیحدہ کرلیا گیا ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ عدم اضطرار کی حالت میں حرمت کا حکم ہے تو اضطرار کی حالت میں اباحت ہوگی۔ رخصت نہ ہوگی) ہاں اگر غیر کا مال کھانے پر مجبور کیا گیا اور انکار کرنے کی صورت میں مارا گیا تو باتفاق علماء ماجور ہوگا۔ کیونکہ غیر کے مال کی حرمت ہر حال میں قائم ہے (کھالینے کی صرف رخصت ہے) یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ اکراہ سے خطاب نہیں بدلا کرتا کہ ایک ہی چیز ایک مرتبہ مباح اور فرض ہوجائے اور پھر کبھی وہی چیز حرام ہوجائے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ نے ایک عام ضابطہ قائم کردیا ہے کہ جس تصرف کا حکم الفاظ پر جاری ہوتا ہو دل کی رضا پر موقوف نہ ہو وہ حکم اس وقت بھی مرتب ہوگا جب وہ تصرف جبر کی حالت میں کیا جائے۔ اس قسم کے تصرفات (جو الفاظ پر مبنی ہوں اور ان میں دل کی رضامندی ضروری نہیں) دس ہیں۔ نکاح، طلاق، طلاق سے رجوع، ایلاء فی، ظہار، غلام کی آزادی، قصاص کی معافی قسم، نذر ان سب کے احکام صرف زبان سے کہنے سے نافذ ہوجائیں گے۔ زبانی ایجاب وقبول سے نکاح ہوجائے گا۔ زبان سے لفظ طلاق کہہ دینے سے طلاق ہوجائے گی۔ صرف زبان سے آزاد کرنے سے غلام آزاد ہوجائے گا وغیرہ وغیرہ۔ ان احکام کے مرتب ہونے کے لئے دل کی رضامندی ضروری نہیں پس کسی نے جبراً اگر طلاق یا نکاح میں ایجاب وقبول یا معافی یا قسم وغیرہ کے الفاظ کہلوا لیے تو احکام مرتب ہوجائیں گے) شعبی نخعی اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے بھی اپنے مسلک کی تائید میں چند احادیث نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی (کا حکم رکھتی) ہے نکاح، طلاق، رجعت۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ واحمد والحاکم والدارقطنی۔ ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

ہم کہتے ہیں جس شخص پر جبر کیا گیا ہو وہ بھی تو با اختیار ہوتا ہے اس کا کلام بھی اختیار ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور کامل اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور ہزل کے طور پر طلاق دینے والے کی طرح وہ بھی حکم کلام (یعنی طلاق) کو پسند نہیں کرتا وہ خوب واقف ہوتا ہے کہ جبر کرنے والے کی مخالفت بھی تکلیف دہ ہے۔ اور وقوع طلاق بھی دکھ دینے والا ہے مگر دونوں میں آسان مصیبت کو وہ جان کر اختیار کرتا ہے لہٰذا مکرہ (مجبور) کی طلاق کا واقع ہونا ضروری ہے۔

ابن ہمام نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ چار مسئلے مبہم نا قابل حل ہیں جن کی کوئی واپسی نہیں۔ نکاح، طلاق، غلاموں کی آزادی اور صدقہ (یعنی ان چاروں میں اکراہ، اور جبر سے بھی حکم مرتب ہو جاتا ہے)

میں کہتا ہوں، بظاہر امام ابوحنیفہ کا استدلال قوی ہے اور اگر احادیث میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو قیاس کی طرف رجوع لازم ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ (مکرہ کی) طلاق عتاق وغیرہ کا وقوع ہو جائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوا کہ جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ اگر یہ کلمہ نہ کہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور یہ بھی بظن غالب معلوم ہو کہ دھمکی دینے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے تو ایسے اکراہ کی حالت میں اگر وہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دے مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو اور اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (قرطبی ومظہری)

یہ آیت ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی جن کو مشرکین نے گرفتار کر لیا تھا اور کہا تھا کہ یا وہ کفر اختیار کریں ورنہ قتل کر دیئے جائیں گے۔

یہ گرفتار ہونے والے حضرات حضرت عمار اور ان کے والدین یاسر اور سمیہؓ اور صہیب اور بلال اور خباب رضی اللہ عنہم تھے، جن میں سے حضرت یاسر اور ان کی زوجہ سمیہؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کیا۔ حضرت یاسرؓ کو قتل کر دیا گیا اور حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کو دوڑایا گیا، جس سے ان کے دو ٹکڑے الگ الگ ہو کر شہید ہوئیں۔ اور یہی دو بزرگ ہیں جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہادت نصیب ہوئی۔ اسی طرح حضرت خبابؓ نے کلمہ کفر بولنے سے قطعی انکار کر کے بڑے اطمینان کے ساتھ قتل کیے جانے کو قبول کیا، ان میں سے حضرت عمارؓ نے جان کے خوف سے زبانی اقرار کفر کا کر لیا، مگر دل ان کا ایمان سے مضبوط اور جما ہوا تھا۔ (معارف القرآن)

مسئلہ: معاملات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں دل سے رضامندی ہونا ضروری ہے جیسے خرید و فروخت وہبہ وغیرہ کہ ان میں دل سے رضامندی ہونا معاملہ کیلئے شرط ہے بنص قرآن اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "یعنی کسی دوسرے شخص کا مال حلال نہیں ہوتا جب تک تجارت وغیرہ کا معاملہ طرفین کی رضامندی سے نہ ہو" اور حدیث میں ہے:

لایحل مال امرء مسلم الا بطیب نفس منه.

"یعنی کسی مسلمان کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک وہ خوش دلی سے اس کے دینے پر راضی نہ ہو"

ایسے معاملات اگر اکراہ کے ساتھ کرا لئے جائیں تو شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں، اکراہ کی حالت سے نکلنے کے بعد اس کو اختیار ہوگا کہ بحالت اکراہ جو بیع یا ہبہ وغیرہ کیا تھا اس کو اپنی رضا سے باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

اور کچھ معاملات ایسے بھی ہیں جن میں صرف زبان سے الفاظ کہہ دینے پر مدار ہے، دل کا قصد و ارادہ یا رضا و خوشی شرط معاملہ نہیں۔ مثلاً نکاح، طلاق، رجعت عتاق وغیرہ، ایسے معاملات کے متعلق حدیث میں ارشاد ہے: **ثلث جدھن جد وھزلھم جدالنکاح والطلاق والرجعة**، رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ (یعنی اگر دو شخص زبان سے نکاح کا ایجاب وقبول شرائط کے مطابق کر لیں یا کوئی شوہر اپنی بیوی کو زبان سے طلاق دیدے۔ یا طلاق کے بعد زبان سے رجعت کرے، خواہ وہ بطور ہنسی مذاق کے ہو دل میں ارادہ نکاح یا طلاق یا رجعت کا نہ ہو پھر بھی محض الفاظ کے کہنے سے نکاح منعقد ہو جائے گا اور طلاق پڑ جائے گی، نیز رجعت صحیح ہو جائے گی۔ (مظہری)

مجبور کی طلاق:

امام اعظم ابوحنیفہ، شعبی، زہری نخعی اور قتادہ رحمہم اللہ کے نزدیک طلاق مکرہ کا بھی یہی حکم ہے کہ حالت اکراہ میں اگرچہ وہ طلاق دینے پر دل سے آمادہ نہیں تھا مجبور ہو کر الفاظ طلاق کہہ دیئے، اور وقوع طلاق کا تعلق صرف الفاظ طلاق ادا کر دینے سے ہے۔ دل کا قصد و ارادہ شرط نہیں جیسا کہ حدیث مذکور سے ثابت ہے اس لئے یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔

مگر امام شافعی اور حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے نزدیک حالت اکراہ کی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے۔

رفع عن امتی الخطاء والنسیان و مااستکرھوا علیه، رواہ الطبرانی عن ثوبانؓ.

"یعنی میری امت سے خطاء اور نسیان اور جس چیز پر ان کو مضطر و مجبور کر دیا جائے سب اٹھا دیئے گئے"۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ حدیث احکام آخرت کے متعلق ہے کہ خطاء یا نسیان سے یا اکراہ کی حالت میں جو کوئی قول وفعل شریعت کے خلاف کر لیا اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ باقی رہے احکام دنیا اور وہ نتائج جو اس فعل پر مرتب ہو سکتے ہیں ان کا وقوع تو محسوس ومشاہد ہے اور دنیا میں اس وقوع پر جو آثار و احکام مرتب ہوتے ہیں وہ ہو کر رہیں گے۔

مثلاً کسی نے کسی کو خطاءً قتل کر دیا تو اس کو قتل کا گناہ اور آخرت کی سزا تو بے شک نہ ہوگی، مگر جس طرح قتل کا محسوس اثر مقتول کی جان کا چلا جانا واقع ہے اسی طرح اس کا یہ شرعی اثر بھی ثابت ہوگا کہ اس کی بیوی عدت کے بعد نکاح ثانی کر سکے گی، اس کا مال وراثت میں تقسیم ہو جائے گا اسی طرح جب الفاظ طلاق یا نکاح یا رجعت زبان سے ادا کر دیئے تو ان کا شرعی اثر بھی ثابت ہو جائے گا (مظہری وقرطبی) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) (معارف القرآن)

حضرت عمار کے واقعہ کی اور تفصیل:

ابن جریر میں ہے کہ مشرکوں نے آپ کو پکڑا اور عذاب دینے شروع کئے

یہاں تک کہ آپ ان کے ارادوں کے قریب ہو گئے۔ پھر حضور علیہ السلام کے پاس آ کر اس کی شکایت کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم اپنے دل کا حال کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ وہ تو ایمان پر مطمئن ہے، جما ہوا ہے آپ نے فرمایا اگر وہ پھر لوٹیں تو تم بھی لوٹنا۔ بیہقی میں اس سے بھی زیادہ تفصیل سے ہے اس میں ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اپنا یہ دُکھ بیان کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عذابوں سے نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا بھلا نہ کہہ لیا اور ان کے معبودوں کا ذکر خیر سے نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنا دل کیسا پاتے ہو؟ جواب دیا کہ ایمان پر مطمئن۔ فرمایا اگر وہ پھر کریں تو تم بھی پھر کر لینا۔ اسی پر آیت اتری۔ پس علماء کرام کا اتفاق ہے کہ جس پر جبر و اکراہ کیا جائے اسے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے ان کی موافقت کر لے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی ان کی نہ مانے جیسے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کر کے دکھایا کہ مشرکوں کی ایک نہ مانی حالانکہ وہ انہیں بدترین تکلیفیں دیتے تھے یہاں تک کہ سخت گرمیوں میں پوری تیز دھوپ میں آپؓ کو لٹا کر آپؓ کے سینے پر پتھر رکھ دیا کہ اب بھی شرک کرو تو نجات پاؤ۔ لیکن آپؓ نے پھر بھی ان کی نہ مانی صاف انکار کر دیا اور خدا تعالیٰ کی توحید احد احد کے لفظ سے بیان فرماتے رہے بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ واللہ اگر اس سے بھی زیادہ تمہیں چبھنے والا کوئی لفظ میرے علم میں ہوتا تو میں وہی کہتا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے اور انہیں بھی ہمیشہ راضی رکھے۔

حضرت حبیب بن زید کا واقعہ:

اسی طرح حضرت حبیب بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب ان سے مسیلمہ کذاب نے کہا کیا تو (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا میرے رسول اللہ ہونے کی بھی گواہی دیتا ہے؟ تو آپؓ نے فرمایا میں نہیں سنتا۔ اس پر اس جھوٹے مدعی نبوت نے ان کے جسم کے ایک عضو کے کاٹ ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر یہی سوال و جواب ہوا دوسرا عضو جسم کا کٹ گیا۔ یونہی ہوتا رہا لیکن آپؓ آخر دم تک اسی پر قائم رہے۔ خدا تعالیٰ آپؓ سے خوش ہوا اور آپ کو بھی خوش رکھے۔ مسند احمد میں ہے کہ جو چند لوگ مرتد ہو گئے تھے انہیں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آگ میں جلوا دیا۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم عذاب نہ کرو، ہاں بیشک میں انہیں قتل کرا دیتا اس لئے کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جو اپنے دین کو بدل دے اسے قتل کر دو۔ جب یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا ابن عباسؓ کی ماں پر افسوس۔ اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی وارد کیا ہے۔

مرتد کو قتل کرنا:

مسند میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے دیکھا کہ ایک شخص ان کے پاس ہے۔ پوچھا یہ کیا؟ جواب ملا کہ یہ ایک یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا اب پھر یہودی ہو گیا ہے ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا واللہ میں بیٹھوں گا بھی نہیں جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو یہی فیصلہ ہے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو اپنے دین سے لوٹ جائے۔ اسے قتل کر دو یا فرمایا جو اپنے دین کو بدل دے۔ یہ واقعہ صحیحین میں بھی ہے لیکن الفاظ اور ہیں پس افضل و اولیٰ یہ ہے کہ مسلمان اپنے دین پر قائم اور ثابت قدم رہے گو اسے قتل بھی کر دیا جائے۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی:

چنانچہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن حذافہ سہمی صحابیؓ کے ترجمہ میں لائے ہیں کہ آپ کو رومی کفار نے قید کر لیا اور اپنے بادشاہ کے پاس پہنچا دیا اس نے آپ سے کہا کہ تم نصرانی بن جاؤ۔ میں تمہیں اپنے راج پاٹ میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی شہزادی تمہارے نکاح میں دیتا ہوں صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ تو کیا؟ اگر تو اپنی تمام بادشاہت مجھے دیدے اور تمام عرب کا راج بھی مجھے سونپ دے اور یہ چاہے کہ میں ایک آنکھ جھپکنے کے برابر بھی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر جاؤں تو یہ بھی ناممکن ہے۔ بادشاہ نے کہا پھر میں تجھے قتل کر دوں گا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ تجھے اختیار ہے۔ چنانچہ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا اور انہیں صلیب پر چڑھا دیا گیا اور تیراندازوں نے قریب سے بحکم بادشاہ ان کے ہاتھ پاؤں اور جسم چھیدنا شروع کیا۔ بار بار کہا جاتا تھا کہ اب بھی نصرانیت قبول کر لو اور آپ پورے استقلال اور صبر سے فرماتے جاتے تھے کہ ہرگز نہیں آخر بادشاہ نے کہا اسے سولی سے اتار لو۔ پھر حکم دیا کہ پیتل کی دیگ یا پیتل کی بنی ہوئی گائے خوب تپا کر آگ بنا کر لائی جائے۔ چنانچہ وہ پیش ہوئی بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کی بابت حکم دیا کہ اسے اس میں ڈال دو۔ اسی وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں آپ کے دیکھتے ہوئے اس مسلمان قیدی کو اس میں ڈال دیا گیا، وہ مسکین اسی وقت چرمر ہو کر رہ گئے گوشت پوست جل گیا ہڈیاں چمکنے لگیں رضی اللہ عنہ۔ پھر بادشاہ نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ دیکھو اب بھی ہماری مان لو اور ہمارا مذہب قبول کر لو ورنہ اسی آگ کی دیگ میں اسی طرح تمہیں بھی ڈال

کر جلا دیا جائے گا۔ آپ نے پھر بھی اپنے ایمانی جوش سے کام لے کر فرمایا کہ ناممکن! کہ میں خدا تعالیٰ کے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ انہیں چرخی پر چڑھا کر اس میں ڈال دو جب یہ اس آگ کی دیگ میں ڈالے جانے کے لئے چرخی پر اٹھائے گئے تو بادشاہ نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں اسی وقت اس نے حکم دیا کہ رک جائیں۔ انہیں اپنے پاس بلا لیا اس لئے کہ اسے امید بندھ گئی تھی کہ شاید اس عذاب کو دیکھ کر اب اس کے خیالات پلٹ گئے ہیں میری مان لے گا اور میرا مذہب قبول کر کے میری دامادی میں آ کر میری سلطنت کا ساجھی بن جائے گا لیکن بادشاہ کی یہ تمنا اور یہ خیال محض بے سود نکلا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ ﷺ نے فرمایا کہ میں صرف اس وجہ سے رویا تھا کہ آہ آج ایک ہی جان ہے جسے راہ خدا میں اس عذاب کے ساتھ میں قربان کر رہا ہوں کاش کہ میرے روئیں روئیں میں ایک ایک جان ہوتی کہ آج میں سب جانیں راہ للہ اسی طرح ایک ایک کر کے فدا کرتا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو قید خانہ میں رکھا کھانا پینا بند کر دیا کئی دن کے بعد شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا لیکن آپ نے اس بھوک پر بھی اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی۔ بادشاہ نے بلوا بھیجا اور اسے نہ کھانے کا سبب دریافت کیا۔ تو آپ نے جواب دیا کہ اس حالت میں یہ میرے لئے حلال تو ہو گیا ہے لیکن میں تجھ جیسے دشمن کو اپنے بارے میں خوش ہونے کا موقعہ دینا چاہتا ہی نہیں ہوں۔ اب بادشاہ نے کہا اچھا تو میرے سر کا بوسہ لے تو میں تجھے اور تیرے ساتھ کے اور تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیتا ہوں۔ آپ نے اسے قبول فرما لیا اس کے سر کا بوسہ لے لیا اور بادشاہ نے بھی اپنا وعدہ پورا کیا اور آپ کو اور آپ کے تمام ساتھیوں کو چھوڑ دیا۔ جب حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے آزاد ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے تو آپ نے فرمایا ہر مسلمان پر حق ہے کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ماتھا چومے اور میں ابتداء کرتا ہوں یہ فرما کر پہلے آپ نے ان کے سر پر بوسہ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ
ولیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا سو ان پر
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
غضب ہے اللہ کا اور ان کو بڑا عذاب ہے
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى
یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھا دنیا کی زندگی کو

الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
آخرت سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا
الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾
منکر لوگوں کو

کفر کے دو سبب:

یعنی ایسے منکروں کو جو حیات دنیا ہی کو کعبہ مقصود ٹھہرالیں کامیابی کا رستہ کہاں ملتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں" جو کوئی ایمان سے پھرا ہے تو دنیا کی غرض کو، جان کے ڈر سے یا برادری کی خاطر سے یا زر کے لالچ سے۔ جس نے دنیا عزیز رکھی اس کو آخرت کہاں؟ اگر جان کے ڈر سے لفظ کہے تو چاہئے جب ڈر کا وقت جا چکے پھر توبہ و استغفار کر کے ثابت ہو جائے۔" (تفسیر عثمانی)

اللہ نے اس آیت میں کافروں کے کفر کے دو سبب بیان فرمائے۔ ایک ظاہری دوسرا حقیقی۔ ظاہری سبب تو یہ تھا کہ انہوں نے خود کفر کو پسند کر رکھا تھا اور آیات الٰہی میں غور نہیں کرتے تھے اور حقیقی سبب یہ تھا کہ اللہ ان کو ہدایت یاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال جبر اور قدر کے درمیان ہیں (نہ انسان بالکل قادر ہے نہ محض مجبور اور بے اختیار)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
یہ وہی ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے اُن کے دل پر
وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
اور کانوں پر اور آنکھوں پر اور یہی ہیں
الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
بے ہوش

دنیا پرستی کے دائمی مریض:

یعنی دنیا طلبی اور ہوا پرستی کے نشہ میں ایسے مست و بے ہوش ہیں جن کے ہوش میں آنے کی کوئی امید نہیں خدا کی دی ہوئی قوتیں انہوں نے سب بیکار کر دیں۔ آخر کانوں سے حق کی آواز سننے، آنکھوں سے حق کے نشان دیکھنے، اور دلوں سے حق بات سمجھنے اور سوچنے کی توفیق سلب ہو گئی۔ مہر کرنے کا مطلب پہلے سورۂ بقرہ وغیرہ میں گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دلوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو حق نہیں جانتے اور کانوں پر مہر لگنے کی

وجہ سے حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے اور آنکھوں پر مہر لگنے کی وجہ سے چشم عبرت اندوز سے آیات خداوندی کو نہیں دیکھتے پس یہ بالکل غافل ہیں کہ صانع عالم کی طرف سے غافل ہیں باوجویکہ جانور اور بے عقل پتھر بھی اپنے بنانیوالے سے بے خبر نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

خود ظاہر ہے کہ آخرت میں یہی لوگ خراب ہیں

یعنی جو لوگ اپنی بے اعتدالیوں اور غلط کاریوں سے خدا کی بخشی ہوئی قوتیں تباہ کر ڈالیں اور دنیا ہی کو قبلہ مقصود بنالیں ان سے بڑھ کر خراب انجام کس کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

برخلاف گنہگار مسلمانوں کے کہ یہ بھی اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ نفسانی خواہشات اور گناہوں میں برباد کرتے ہیں لیکن انہوں نے چونکہ توحید کا دامن پکڑ لیا ہے اس لئے کبھی نہ کبھی عذاب الٰہی سے ان کو نجات مل جائے گی۔ اور توحید کا عقیدہ ان کو جنت میں لے جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ہے ان لوگوں پر کہ انہوں نے وطن چھوڑا

مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ

ہے بعد اسکے کہ مصیبت (پچھلائے گئے) اٹھائی پھر جہاد کرتے رہے

مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾

اور قائم رہے بے شک تیرا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

مکہ میں بعضے لوگ کافروں کے ظلم سے بچل گئے تھے۔ یا صرف زبانی لفظ کفر کہہ لیا تھا اس کے بعد جب ہجرت کی جہاد کیا اور بڑے استقلال و پامردی سے اسلام پر قائم رہے اتنے کام ایمان کے کئے، وہ تقصیر بخشی گئی اور خدا کی مہربانی مبذول ہوئی ایک بزرگ تھے "عمار" ان کے باپ تھے "یاسر" اور ماں "سمیہ" دونوں ظلم اٹھاتے مرگئے، پر لفظ کفر نہ کہا۔ یہ مسلمانوں کا پہلا خون تھا جو خدا کی راہ میں گرا۔ بیٹے (عمار) نے خوف جان سے لفظ کہہ دیا، پھر روتے ہوئے حضرت کے پاس آئے تب یہ آیتیں اتریں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر عثمانی)

عبداللہ بن سعد ابی سرح:

حسن بصری اور عکرمہ نے کہا اس آیت کا نزول عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق ہوا۔ عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا پھر مرتد ہوکر عیسائی ہوگیا اور کافروں سے جاملا تھا۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا تھا، عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفان کا اخیافی بھائی تھا اس لئے اس نے حضرت عثمان سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کردی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی اور قتل کا حکم واپس لے لیا اس کے بعد عبداللہ پکا مسلمان ہوگیا اور اس کی اسلامی حالت بہت اچھی رہی۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

عامر حضرمی کا غلام:

ابن عامر کی قرأت میں فتنوا آیا ہے یعنی کافر ہونے اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کے بعد ایمان لاکر انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا (اس سورت میں) اس آیت کا نزول عامر حضرمی اور ان کے غلام جبر کے متعلق قرار دیا جائے گا جبر مسلمان ہوگئے تھے۔ عامر ان کو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ جبر (بظاہر) مرتد ہوگئے تھے کچھ مدت کے بعد عامر خود مسلمان اور پختہ مسلمان ہوگئے اور جبر کو جن کو زبردستی مرتد بنایا گیا تھا ساتھ لے کر ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہ کر کافروں سے جہاد کیا اور مصائب پر صبر کیا۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا

جس دن آئے گا ہر جی جواب سوال کرتا اپنی طرف سے

نفسا نفسی کا دن:

یعنی ایک کی طرف سے دوسرا نہ بول سکے گا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی، بیوی، اولاد، احباب و اقارب کوئی کام نہ دے گا۔ ہر شخص اپنی فکر میں پڑا ہوگا کہ کس طرح خدا کے عذاب سے مخلصی حاصل کرے۔ طرح طرح کے جھوٹے سچے عذر برأت کیلئے تراشے گا اور جواب و سوال کر کے چاہے گا کہ رستگاری حاصل کرے۔ (تفسیر عثمانی)

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی ہر شخص کو اپنے ہی بچاؤ کی فکر اور کوشش ہوگی دوسرے کا خیال بھی نہ ہوگا کافر کہے گا اے ہمارے مالک! انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، اے ہمارے مالک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا، ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں جو معبود برحق ہے کہ ہم (خود) مشرک نہیں تھے۔ ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے ہم نیک عمل کریں گے۔ مؤمن کہے گا اے رب میں تجھ سے اپنی جان کی امان مانگتا ہوں مجھے کافر لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر دینا۔

جہنم کی دہشت:

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا، قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ فرمایا: ساتویں زمین سے لایا جائے گا، اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی، اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچتے ہوں گے۔ جب دوزخ انسانوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر عرض کرے گا اے میرے مالک! میری جان (بچادے)''۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عمر بن خطابؓ نے کعب احبار سے فرمایا (کچھ آخرت کا تذکرہ کر کے) ہمارے اندر (اللہ کا) خوف پیدا کردو۔ کعب احبار نے عرض کیا: امیر المومنین! اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پائیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا۔ جہنم ایک ایسا دم کھینچے گی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ بھی کہہ اٹھیں گے میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں۔ اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے ارشاد فرمایا ہے یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا۔

روح اور بدن میں جھگڑا:

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا، روح کہے گی اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی، نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی (جو کچھ بداعمالی ہے وہ اس کی بدن کی ہے) بدن کہے گا تو نے مجھے لکڑی کی طرح (بے حس، بے شعور، بے جان) پیدا کیا تھا میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا، میرے پاؤں نہ تھے کہ میں ان سے چلتا نہ میری آنکھیں تھیں کہ میں ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آ گئی تو میری زبان بولنے لگی میری آنکھ بینا ہوگئی اور میرے پاؤں رواں ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک اپاہج کسی کے باغ میں پہنچ گئے باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے، اندھا، تو پھلوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا اور اپاہج (دیکھتا تو تھا) پھلوں تک پہنچ نہ سکتا تھا، آخر اندھے کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح دونوں نے پھل حاصل کر لیے (اور دونوں چوری کے مجرم قرار پائے) روح اور بدن بھی دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا
اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا اور ان پر
يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
ظلم نہ ہوگا

یعنی نیکی کے ثواب میں کمی نہ ہوگی اور بدی کی سزا استحقاق سے زائد نہ دی جائیگی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً
اور بتلائی اللہ نے ایک مثال (مثال) ایک بستی تھی
مُّطْمَئِنَّةً
چین امن سے

یعنی نہ باہر سے دشمن کا کھٹکا نہ اندر سے کسی طرح کی فکر و تشویش۔ خوب امن چین سے زندگی گزر رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

سلیم بن عمر کا بیان ہے، میں ام المومنین حضرت حفصہؓ کے ساتھ تھا۔ آپ مکہ سے نکل کر مدینہ کو جا رہی تھیں راستہ میں اطلاع ملی کہ حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے آپ فوراً لوٹ پڑیں اور فرمایا: تم بھی میرے ساتھ لوٹ آؤ۔ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ وہی بستی ہے جس کا ذکر اللہ نے آیت قریۃ كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً میں کیا ہے۔ ازالۃ الخفاء۔ (تفسیر مظہری)

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ
چلی آتی تھی اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے

یعنی کھانے کے لئے غلے اور پھل وغیرہ کھنچے چلے آتے تھے۔ ہر چیز کی افراط تھی، گھر بیٹھے دنیا کی نعمتیں ملتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ
پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ انکے
الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اسکا جو وہ کرتے تھے

شہر والوں کی ناشکری:

اس بستی کے رہنے والوں نے خدا کے انعامات کی قدر نہ پہچانی، دنیا کے مزوں میں پڑ کر ایسے غافل اور بدمست ہوئے کہ منعم حقیقی کا دھیان بھی نہ آیا۔ بلکہ اس

کے مقابلہ میں بغاوت کی ٹھان لی۔ آخر خدا تعالیٰ نے ان کی ناشکری اور کفران نعمت کا مزہ چکھایا۔ یعنی امن چین کی جگہ خوف وہراس نے اور فراخ روزی کی جگہ بھوک اور قحط کی مصیبت نے ان کو اس طرح گھیر لیا جیسے کپڑا پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے۔ ایک دم کو بھوک اور ڈر ان سے جدا نہ ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

کون سی بستی مراد ہے:

میں کہتا ہوں یہ سورت تو مکی ہے اور مکہ والوں پر جو ہفت سالہ قحط پڑا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی دستوں کے حملہ کرنے کا خوف ہوا وہ ہجرت کے بعد ہوا، لامحالہ ان آیات کو یا تو مدنی تسلیم کیا جائیگا یا قریہ سے مراد مکہ نہ ہوگا کوئی اور بستی ہوگی جس کا ذکر اللہ نے بطور تمثیل کیا ہے تا کہ اس کی بدانجامی کو سن کر اہل مکہ کو بھی خوف پیدا ہو اور چونکہ اہل مکہ اس ذکر کے بعد بھی عبرت اندوز نہیں ہوئے۔ اس لئے ان کا بھی وہی نتیجہ ہوا جو مذکورہ بستی والوں کا ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اکثر حضرات نے اس کو مکہ مکرمہ کا واقعہ قرار دیا کہ وہ سات سال تک شدید قحط میں مبتلا رہے، کہ مردار جانور اور کتے اور غلاظتیں کھانے پر مجبور ہو گئے، اور مسلمانوں کا خوف ان پر مسلط ہو گیا پھر مکہ کے سرداروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کفر و نافرمانی کے قصوروار تو مرد ہیں عورتیں، بچے تو بے قصور ہیں اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مدینہ طیبہ سے کھانے وغیرہ کا سامان بھجوا دیا۔ (مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء سے قحط کا خاتمہ:

اور ابوسفیان نے بحالت کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صلہ رحمی اور عفو ودرگزر کی تعلیم دیتے ہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہلاک ہوئی جاتی ہے اللہ تعالیٰ سے دعاء کیجئے کہ یہ قحط ہم سے دور ہو جائے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعاء فرمائی اور قحط ختم ہوا۔ (قرطبی)

وَلَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡهُمۡ فَكَذَّبُوۡهُ

اور ان کے پاس پہنچ چکا رسول انہی میں کا پھر اس کو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الۡعَذَابُ وَهُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

پھر آ پکڑا ان کو عذاب نے اور وہ گنہ گار تھے

ایک عظیم نعمت کی ناشکری:

ظاہری نعمتوں کے علاوہ جو اوپر مذکور ہوئیں ایک بڑی بھاری باطنی نعمت بھی ان کو دی گئی تھی، یعنی انہی کی قوم ونسب میں سے ایک رسول بھیجا گیا۔ جس کا اتباع کر کے وہ خدا کی خوشنودی کے بڑے اونچے مقامات حاصل کر سکتے تھے انہوں نے اتباع وتصدیق کی جگہ اس کی تکذیب ومخالفت پر کمر باندھ لی اور اس طرح پستی میں گرتے چلے گئے۔ آخر قدیم سنت اللہ کے موافق ظالموں اور گنہگاروں کو عذاب نے آ پکڑا پھر کسی کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ان آیات میں کسی معین بستی کا تذکرہ نہیں۔ محض بطور تمثیل کسی تباہ شدہ بستی کا لاعلی التعیین حوالہ دیکر یا ایک ایسی بستی کا وجود فرض کر کے کفار مکہ کو آگاہ کیا گیا ہے کہ تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہو سکتا ہے۔ کفران نعمت اور تکذیب وعداوت رسول کی سزا سے بےفکر نہ ہوں۔ بعض علماء کے نزدیک اس مثال میں بستی سے مراد مکہ معظمہ ہے جہاں ہر قسم کا امن چین تھا اور باوجود وادی غیر ذی زرع ہونے کے طرح طرح کے پھل اور میوے کھنچے چلے آتے تھے۔ ''اَوَلَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجۡبٰٓى اِلَيۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىۡءٍ (القصص رکوع ۶)''۔ اہل مکہ نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی۔ شرک وعصیان، بے حیائی اور اوہام پرستی میں منہمک ہو گئے۔ پھر خدا تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں بھیجی۔ اس کے انکار وتکذیب میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

''اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّاَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ''

(ابراہیم رکوع ۵) آخر خدا تعالیٰ نے امن واطمینان کے بجائے مسلمان مجاہدین کا خوف اور فراخ روزی کی جگہ سات سال کا قحط ان پر مسلط کر دیا۔ جس میں کتے اور مردار تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ پھر ''بدر'' کے معرکہ میں غازیان اسلام کے ہاتھوں خدا کا عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔ ادھر تو یہ ہوا دوسری طرف جو لوگ ان ظالموں کے جور وستم سے تنگ آ کر گھر بار چھوڑ بھاگے تھے انکو خدا نے بہتر ٹھکانا دیا۔ دشمنوں کے خوف سے مامون ومصئون بنایا، روزی کے دروازے کھول دیے۔ زبردست دشمنوں پر فتح عنایت کی بلکہ اقلیموں کا بادشاہ اور متقیوں کا امام بنا دیا۔ شاید اسی لئے ان آیات میں مکہ والوں کا حال سنا کر اگلی آیت ''فَكُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ'' الخ میں مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے کہ تم اس قسم کی حرکات سے بچتے رہنا جن کی بدولت مکہ والوں پر مصیبت ٹوٹی۔ (تفسیر عثمانی)

ام المؤمنین حفصہؓ کا قول:

سلیم بن نمبر کہتے ہیں ہم ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ساتھ حج سے لوٹتے ہوئے آرہے تھے اس وقت مدینہ منورہ میں خلیفۃ المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھرے ہوئے تھے۔ مائی صاحبہؓ اکثر راہ چلتوں سے ان کی بابت دریافت فرمایا کرتی تھیں، دو سواروں کو جاتے ہوئے دیکھ کر آدمی بھیجا کہ ان سے خلیفۃ الرسول کا حال پوچھو، انہوں نے خبر دی کہ افسوس آپ شہید کر دیئے گئے۔ اسی وقت آپ نے فرمایا خدا کی قسم یہ مدینہ ہی ہے جس کی

بابت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وضرب اللہ الخ۔ عبیداللہ بن مغیرہ کے شیخ کا بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا
سو کھاؤ جو روزی دی تم کو اللہ نے حلال اور پاک
وَّاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
اور شکر کرو اللہ کے احسان کا اگر تم اسی کو
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾
پوجتے ہو

خدا کے بندہ کا کام:

یعنی جس کو خدا کی پرستش کا دعویٰ ہو اسے لائق ہے کہ خدا کی دی ہوئی حلال وطیب روزی سے تمتع کرے اور اس کا احسان مان کر شکر گزار بندہ بنے۔ حلال کو حرام نہ سمجھے اور نعمتوں سے مستفع ہوتے وقت منعم حقیقی کو نہ بھولے۔ بلکہ اس پر اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اسی کے احکام و ہدایات کی پابندی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

کلوا سے مسلمانوں کو خطاب ہے جن کو اللہ نے کفر سے نکالا اور اسلام کی ہدایت کی۔ نعمت اللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دوسری دنیوی نعمتیں ہیں جو اللہ نے مؤمنوں کو عطا فرمائی ہیں۔ پہلے اللہ نے کفر پر توبیخ کی اور ایک ناشکری قوم کی مثال سے کفران کا نتیجہ بد اور ان پر عذاب نازل ہونے کا ذکر کیا تاکہ مشرک اعمال جاہلیت سے کنارہ کش ہوجائیں اور باطل مذاہب چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حلال چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ
اللہ نے تو یہی حرام کیا ہے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت
الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ
اور جس پر نام پکارا اللہ کے سوا کسی اور کا
اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
پھر جو کوئی ناچار ہو جائے نہ زور کرتا ہو نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
مہربان ہے

اس آیت کی تفسیر ''سورۂ بقرہ'' اور ''انعام'' وغیرہ میں گزر چکی وہاں دیکھ لی جائے یہاں غرض یہ ہے کہ جس طرح پہلی آیت میں اشارہ تھا کہ حلال کو اپنے اوپر حرام نہ کرے، اس آیت میں تنبیہ کی گئی کہ حرام چیزوں کو حلال نہ ٹھہرائے۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اسی کا حق ہے جس نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں۔ چنانچہ آئندہ آیات میں نہایت وضاحت سے یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو اور خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور اس چیز کو جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نامزد کردی گئی ہو، اس حکم کے بعد اگر کوئی بہت ہی سخت مجبور ہو بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے آگے بڑھنے والا ہو (اور اس حالت میں ان چیزوں میں سے کچھ کھا لے) تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت باندھو گے بلاشبہ جو لوگ اللہ پر خود تراشیدہ دروغ بندی کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ
اور مت کہو اپنی زبانوں کے جھوٹ بنا لینے سے
هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ
الْكَذِبَ ؕ
پر بہتان باندھو

بغیر شرعی حکم کے حلال حرام نہ بتاتے پھرو:

یعنی بدون کسی مستند شرعی کے کسی چیز کے متعلق منہ اٹھا کر کہہ دینا کہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب وافتراء ہے۔ حلال وحرام تو وہ ہی ہوسکتا ہے جسے خدا تعالیٰ نے حلال یا حرام کہا ہو۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے۔ جیسے مشرکین مکہ کرتے تھے جس کا ذکر سورۂ انعام میں گذر چکا وہ فی الحقیقت خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ کبھی ایسا رویہ اختیار نہ کریں جس چیز کو خدا نے حلال کیا حلال اور جس کو حرام کیا حرام سمجھیں۔

بدون ماخذ شرعی کے حلت وحرمت کا حکم نہ لگائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوالنصر کی احتیاط:

حضرت ابوالنضر ؒ نے فرمایا، میں نے جب سے سورۂ نحل کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ پڑھی ہے اس وقت سے آج تک (کسی چیز کی حرمت وحلت کا) فتویٰ دینے سے ڈرتا ہوں۔

لوگوں کا حال: حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، آئندہ لوگ (ازخود) کہیں گے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی ممانعت کی ہے اور اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے یا بعض لوگ کہیں گے، اس کو اللہ نے حلال کردیا ہے اور اس کو حرام کردیا ہے اور اللہ اس سے فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا۔ ازالۃ الخفاء (ازمفسرؒ) (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
بے شک جو بہتان باندھتے ہیں اللہ پر ان کا بھلا
لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
نہ ہوگا تھوڑا (کچھ) سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے واسطے عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾
دردناک ہے

مشرکین خود جھوٹ گھڑتے ہیں:

یعنی مشرکین مکہ جو حضور کو معاذ اللہ مفتری کہتے تھے یاد رکھیں کہ وہ خود مفتری ہیں۔ ازراہ کذب وافتراء جس چیز کو چاہیں حلال یا حرام کہہ کر خدا کی طرف منسوب کردیتے ہیں ان کو عنقریب معلوم ہوجائیگا کہ یہ روش اختیار کرکے کسی بھلائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ تھوڑے دن اور دنیا کا مزہ اڑالیں پھر دائمی جیل خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا
اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا
قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ
جو تجھ کو پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا
وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
پر وہ اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے

سورۂ ''انعام'' آیت ''وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ الخ'' کے فوائد میں اس کا بیان گزر چکا ملاحظہ کرلیا جائے۔

اللہ کے سوا کسی کو حلال وحرام کرنے کا حق نہیں ہے:

یہاں مقصد یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ نے سب کے لئے یا کسی خاص قوم کے لئے معین وقت تک حرام کی ہے عین حکمت ہے کسی بشر کو حق نہیں کہ اس میں تصرف کرکے حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنائے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ
پھر بات یہ ہے کہ تیرا رب ان لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے

مثلاً حرام کو حلال یا حلال کو حرام بنایا'' نادانی سے'' اس لئے فرمایا کہ خدا کی جو نافرمانی اور گناہ آدمی کرتا ہے خواہ جان بوجھ کر کرے، وہ فی الحقیقت نادان اور بے عقل بن کر کرتا ہے۔ اگر ذرا عقل سے کام لے اور گناہ کے بدنتائج کا تصور کرے تو ہرگز معصیت پر اقدام نہیں کرسکتا سورۂ ''نساء'' آیۃ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ''الخ کے تحت میں جو اس کے متعلق لکھا گیا ہے اسے بھی ایک مرتبہ ملاحظہ کرلیا جائے۔

ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ
پھر توبہ کی اس کے پیچھے اور سنوارا اپنے کام کو سو
رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾
تیرا رب ان باتوں کے پیچھے بخشنے والا مہربان ہے

توبہ سے معاف ہوجاتا ہے: یعنی کفریات سے توبہ کرکے مسلمان ہوجانے اور آئندہ کے لئے اپنی حالت درست کرلینے پر حق تعالیٰ تمام گزشتہ گناہ معاف فرمادیتا ہے خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔

بازآ بازآ ہرآنچہ کردی بازآ گر کافر وگبر وبت پرستی بازآ
ایں درگہ مادرگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی بازآ

بعض سلف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی جو کرتا ہے وہ جاہل ہی ہوتا ہے توبہ کہتے ہیں گناہ سے ہٹ جانے کو اور اصلاح کہتے ہیں اطاعت پر کمر کس لینے کو۔ پس جو ایسا کرے اس کے گناہ اور اس کی لغزش کے بعد بھی اللہ اسے بخش دیتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ
اصل میں تو ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا فرمانبردار اللہ کا

حَنِيفًا ۗ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾

سب سے ایک طرف ہوکر اور نہ تھا شرک والوں میں

حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ:

مشرکین عرب کی شرکیات کا رد کر کے امام الموحدین ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا طریقہ یاد دلاتے ہیں کیونکہ عرب کے لوگ ان کی نسل سے تھے اور دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ ملت ابراہیمی سے انہیں دور کی نسبت بھی نہ رہی تھی۔ انہیں بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام موحدین کے امام، نیکی کے معلم، تمام دنیا کے مشرکین کے مقابلہ میں تن تنہا ایک امت عظیم کے برابر تھے جن کی ذات واحد میں حق تعالیٰ نے وہ سب خوبیاں اور کمالات جمع کر دیئے تھے جو کسی بڑے مجمع میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

ابراہیم خدا کا کامل مطیع وفرمانبردار بندہ تھا جو ہر طرف سے ٹوٹ کر ایک خدا کا ہو رہا تھا۔ ممکن نہ تھا کہ بدون حکم الٰہی کسی چیز کو محض اپنی طرف سے حلال یا حرام ٹھہرا دے وہ خود تو معاذ اللہ شرک کا ارتکاب کہاں کرسکتا۔ مشرکین کی جماعت اور بستی میں رہنا بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ پھر جو لوگ آپ کو 'حنیف'' کہتے ہیں اور دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں۔ انہیں شرم کرنی چاہیے کہ خدا پر افتراء باندھ کر حلال کو حرام یا حرام کو حلال کہنا اور شرک کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑنا کیا ایک ''حنیف'' اور ابراہیمی کی شان ہوسکتی ہے؟ یاد رکھو! حلال وحرام کے بیان اور اصول دین میں اصل ملت ابراہیمی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی ملت کی اقامت واشاعت اور بسط وتفصیل کے لئے تشریف لائے ہیں اگر اصلی دین ابراہیم پر چلنا چاہو تو آپ کا طریقہ اختیار کرو۔ (تفسیر عثمانی)

اُمَّۃً کا معنی: امت کے معانی صاحب قاموس نے حسب ذیل بیان کئے ہیں وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ وہ شخص جو حق پر ہو اور تمام مذاہب (باطلہ) کا مخالف ہو، چستی، طاعت، عالم وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے جو متعدد اشخاص میں بھی پائے جائے دشوار ہیں آپ سب لوگوں کے مقتدا تھے حق پر قائم تھے۔ تمام باطل مذاہب کے مخالف تھے (اللہ کی فرماں برداری میں) مجسم نشاط وطاعت تھے اللہ اور اس کے احکام کو جانتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ معلم خیر تھے تمام دنیا کے لوگ آپ کی اقتداء (کا دعوی) کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بے شک ابراہیم ایک کامل امت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تنہا ذات میں وہ تمام صفات وکمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تنہا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللہ مستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جانا تو یگانہ ولے ذات تو ہست مجموعہ آثار کمالات ہمہ !!!

ملتِ ابراہیمی اور شریعتِ محمدیہ:

ملت ابراہیمی کے تمام فروع واصول ملت محمدیہ ہیں بتمام وکمال محفوظ ہیں۔ اگرچہ صدہا بلکہ ہزار ہا اصول وفروع شریعت محمدیہ میں زیادہ ہیں مگر مخالف نہیں بلکہ اسی کی شرح اور بسط اور تتمیم وتکمیل ہے۔ پس ملت ابراہیمی بمنزلہ متن کے ہے اور شریعت محمدیہ بمنزلہ شرح کے ہے اور ہزار ہا زوائد وفوائد پر مشتمل ہے اور مجمع الزوائد اور منبع الفوائد ہے اور اسی معنی کی شرح کو متن کے تابع کہا جاتا ہے کہ متن شرح کے لئے بمنزل اساس کے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ کو صاحب مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے اس لئے کہ مشکوٰۃ اگرچہ صدہا زوائد پر مشتمل ہے مگر اس کی تاسیس اور بناء مصابیح السنہ پر ہے اس بناء پر مشکوٰۃ کو مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

توبہ سے گناہ کی معافی عام ہے خواہ
بے سمجھی سے کرے یا جان بوجھ کر

حضرت ابراہیم کے دو وصف:

مراد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تنہا ایک فرد ایک امت اور قوم کے کمالات وفضائل کے جامع ہیں اور ایک معنی لفظ امت کے مقتدائے قوم اور جامع کمالات کے بھی آتے ہیں بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور قانت کے معنی تابع فرمان کے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں وصفوں میں خاص امتیاز رکھتے ہیں مقتدا ہونے کا تو یہ عالم ہے کہ پوری دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے لوگ سب آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور آپ کی ملت کے اتباع کو عزت وفخر جانتے ہیں اور قانت ومطیع ہونے کا خاص امتیاز ان امتحانات سے واضح ہوجاتا ہے جن سے اللہ کے یہ خلیل گزرے ہیں آتش نمرود، اہل وعیال کو لق ودق جنگل میں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم پھر آرزوؤں سے حاصل ہونے والے بیٹے کی قربانی پر آمادگی یہ سب امتیازات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان القاب سے معزز فرمایا ہے۔ (معارف القرآن)

شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ

حق ماننے والا اس کے احسانوں کا

شکر گذاری:

یعنی ابراہیمؑ خدا کا شکر گزار بندہ تھا۔ تم سخت ناسپاس اور کفران نعمت کرنے

والے ہو جیسا کہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً الخ کے فوائد میں لکھا جا چکا ہے۔ پھر اس کی راہ پر کیونکر ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کو اللہ نے چن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر

یعنی توحید کامل اور تسلیم و رضا کی سیدھی راہ پر چلایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ

اور دی ہم نے دنیا میں اس کو خوبی

دنیا کی بھلائی:

یعنی نبوت، فراخ روزی، اولاد، اور وجاہت و مقبولیت عامہ کہ تمام اہل ادیان بالاتفاق ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور ہر فرقہ چاہتا ہے کہ اپنا سلسلہ ابراہیم علیہ السلام سے ملائے۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبری اور خالص دوستی:

وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں۔ حسنہ سے مراد ہے پیغمبری اور خالص دوستی۔ حضرت مجدد نے فرمایا، حسنہ سے مراد خلت (خالص دوستی) ہے ہر شخص اپنے خلیل کو ان اسرار سے واقف کرتا ہے جو محبّ یا محبوب سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی آل کے لئے اسی طرح کی رحمت نازل ہونے کی درخواست کی تھی جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل کی گئی تھی۔ آپ نے دعاء کی تھی اللهم صل علىٰ محمد وعلىٰ ال محمد كماصليت علىٰ ابرٰهيم وعلىٰ ال ابرٰهيم۔

علامہ مفسر کی زبان قلم سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعریف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خالص محبوبیت کے مرتبہ پر فائز تھے خلت کا درجہ خالص محبوبیت کے درجہ سے نیچا ہے مقام خلت محبوبیت خالصہ کے راستہ میں واقع ہے اس لئے حضور مقام خلت پر نہیں ٹھہرے نہ ٹھہرنے کی اجازت تھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ مقام خلت میں بھی کچھ استقرار کریں اور استقرار کی اجازت مل نہیں سکی اس لئے اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین میں سے ایک ہزار سال کے بعد ایک شخص کو مقام خلت میں استقرار عطا فرما دیا۔ تابع کا کمال متبوع کے کمال کا جز ہوتا ہے اور جز کل میں داخل ہوتا ہے پس حضرت مجدد کا کمال یعنی مقام خلت میں استقرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال محبوبیت کا ہی ایک حصہ تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی سے حضرت مجدد کو یہ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔ کسی گورنر، کمانڈر یا شاہی ملازم کا کسی قلعہ کو سر کرنا یا کسی شہر پر قبضہ کر لینا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس فاتح کا تعلق مرکز سلطانی سے ہوتا ہے اور ملازم کی فتحیابی اور قبضہ سلطان معظم کی کامیابی اور فتح ہوتی ہے پس حضرت مجدد کو مقام خلت پر فائز کرنا اور استقرار عطا کرنا حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مقام خلت پر فائز کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں ہے

آخرت کا مقام:

یعنی اس نے اپنے حق میں جو دعاء کی تھی۔ وَاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ قبول ہوئی۔ بیشک وہ آخرت میں صالحین کے اعلیٰ طبقہ میں شامل ہونگے۔ جو انبیاء علیہم السلام کا طبقہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ:

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ حضرت معاذؓ امت قانت اور حنیف تھے اس پر کسی نے اپنے دل میں سوچا کہ عبداللہ غلطی کر گئے ایسے تو بشہادت قرآن حضرت خلیل الرحمٰنؑ تھے۔ پھر زبانی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو امت فرمایا ہے، تو آپ نے فرمایا جانتے بھی ہو امت کے کیا معنی؟ اور قانت کے کیا معنی؟ امت کہتے ہیں اسے جو لوگوں کو بھلائی سکھائے اور قانت کہتے ہیں اسے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں لگا رہے بیشک (حضرت) معاذؓ ایسے ہی تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین ابراہیم پر

حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ شرک والوں میں

اس کا بیان سورۂ ''انعام'' آیت ''دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ'' کے تحت میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

ملت ابراہیمی کا احیاء:

مقصد یہ ہے کہ حلال و حرام اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیم ہے۔ درمیان میں یہود و نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیئے گئے ہیں۔ آخر آپ کو خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا تا اصل ملت ابراہیمی

کو جو غفلت اور تحریف وتصرف بیجا کی دستبرد سے ضائع ہو چکی تھی۔ از سر نو زندہ اور روشن کیا جائے اور شر کی تمام رگیں کاٹ دی جائیں حدیث میں ہے ۔"بعثت با لسمحة الحنيفية البيضاء" اس کی پوری شرح وتفصیل حضرت شاہ ولی اللہ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں کی ہے جو قابل دید ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی توحید میں نرمی کے ساتھ اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے میں، پے در پے دلیلیں پیش کرنے میں ہر شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق مناظرہ کرنے میں، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں، دین ابراہیمی کے اصول وشرائع اختیار کرنے میں، ابراہیم کے طریقے پر چلو، یہ تمام چیزیں وہ نعمتیں تھیں جو اللہ نے ابراہیم کو عطا فرمائی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا تھا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ طریق ابراہیمی کی پیروی میں یہ تمام امور داخل ہیں۔

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملت ابراہیمؑ پر چلنے کا حکم دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرتبہ خلت پر پہنچنے کے بڑے مشتاق تھے اور آپ کو حضرت ابراہیمؑ سے بہت زیادہ محبت تھی۔ آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ اس محبت پر دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا
ہفتہ کا دن جو مقرر (لازم) کیا سو انہی پر جو اس میں اختلاف
فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
کرتے تھے اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
قیامت کے دن جس بات میں اختلاف کرتے تھے

اہل کتاب کی جعلسازیاں:

یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اس امت پر بھی نہیں ہے۔ البتہ درمیان میں "یہود" نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے جب اپنے لئے یہ دن انتخاب کیا تو حکم ہوا کہ اچھا اسی کی تعظیم کرو اور مچھلی کا شکار اس روز مت کرو! یہ حکم کسی نے مانا کسی نے نہ مانا۔ نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے۔ اور آخرت میں جو فیصلہ ہوگا وہ الگ رہا۔ ایک اسی پر کیا منحصر ہے وہاں تو سارے اختلافات اور جھگڑے چکا دیئے جائیں گے۔ مثلاً حضرت ابراہیم کی نسبت کوئی "یہودی" بتلاتا تھا کوئی "نصرانی" حالانکہ حق تعالیٰ نے آگاہ کر دیا کہ وہ "حنیف مسلم" تھے۔ بہر حال آخرت میں سب اختلافات کا فیصلہ ہو جائیگا اور ہر شخص آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا کون راستی پر۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر کی مخالفت:

اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔یعنی سنیچر کے معاملہ میں انہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی۔ کلبی کا بیان ہے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہر سات دن میں ایک روز یعنی جمعہ کے دن کوئی کام اور پیشہ نہ کریں صرف عبادت کیا کریں چھ دن اپنے پیشے کیا کریں۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم تو (عبادت کے لئے مخصوص) وہ دن چاہتے ہیں جس روز اللہ سارے عالم کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا یعنی سنیچر کا دن۔ اللہ نے سنیچر کا دن مقرر کر دیا اور سختی کر دی (کہ اس کے پابند رہیں) پھر حضرت عیسیٰ نے بنی اسرائیل کے سامنے جمعہ کے دن کو پیش کیا (یعنی جمعہ کا دن عیسائیوں کے لئے مقرر کیا) کہنے لگے ہم کو تو یہ بات پسند نہیں کہ ہماری عید کے بعد ہی ان (یہودیوں) کی عید ہو جائے۔ غرض عیسائیوں نے (عبادت کے لئے) اتوار کا دن پسند کر لیا آخر اللہ نے جمعہ کا دن اس امت کو دے دیا اور اس امت نے عطاء الٰہی کو قبول کر لیا اور اللہ نے امت اسلامیہ کو اس دن کی برکات بھی عطا فرما دیں۔

امت محمدیہ کی فضیلت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم (دنیا میں) پیچھے ہیں۔ قیامت کے دن آگے ہوں گے۔ باوجود اس کے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے پیچھے۔ پھر یہ ان کا دن تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا۔ یعنی جمعہ کا دن پر انہوں نے اس کی مخالفت کی، لیکن اللہ نے ہم کو اس کی ہدایت کر دی۔ سب لوگ اس (روز عبادت) میں ہمارے پیچھے ہیں، یہودیوں کے لئے کل کا دن ہے (یعنی سنیچر) اور عیسائیوں کے لئے کل کے بعد کا دن (یعنی اتوار)

بغوی کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ہم دنیا والوں سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن اول ہوں گے ہمارا فیصلہ اور لوگوں سے پہلے کر دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم سب سے آخر والے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے والے ہیں۔ ہاں انہیں کتاب اللہ ہم سے پہلے دی گئی۔ یہ دن بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کیا لیکن ان کے اختلاف نے انہیں کھو دیا اور اللہ رب العزت نے ہمیں اس کی ہدایت دی، پس یہ سب لوگ ہمارے پیچھے ہی پیچھے ہیں۔ یہود ایک دن پیچھے نصاریٰ دو دن۔ آپ فرماتے ہیں ہم سے پہلے کی امتوں کو اللہ تعالیٰ نے

اس دن سے محروم کر دیا۔ یہود نے ہفتے کا دن رکھا نصاریٰ نے اتوار کا اور جمعہ ہمارا ہوا۔ پس جس طرح دنوں کے اس اعتبار سے وہ ہمارے پیچھے ہیں اسی طرح قیامت کے دن بھی ہمارے پیچھے ہی رہیں گے ہم دنیا کے اعتبار سے پچھلے ہیں اور قیامت کے اعتبار سے پہلے ہیں یعنی تمام مخلوق میں سب سے پہلے فیصلے ہمارے ہوں گے۔ (مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ
بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھ کر
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ
اور نصیحت سنا کر بھلی طرح اور الزام دے ان کو جس
هِيَ اَحْسَنُ
طرح بہتر ہو

دعوت کے آداب:

اوپر کی آیتوں میں مخاطبین کو آگاہ کرنا تھا کہ یہ پیغمبر اصل ملت ابراہیمی لیکر آئے ہیں، اگر کامیابی چاہتے ہو اور "حنیف" ہونے کے دعوے میں سچے ہو تو اس راستہ پر چل پڑو۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ الخ سے خود پیغمبر علیہ السلام کو تعلیم دی جارہی ہے کہ لوگوں کو راستہ پر کس طرح لانا چاہیے، اس کے تین طریقے بتلائے۔ حکمت، موعظمت حسنہ، جدال بالتی ہی احسن "حکمت" سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین مضبوط دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے پیش کئے جائیں جن کو سن کر فہم و ادراک اور علمی ذوق رکھنے والا طبقہ گردن جھکا سکے۔ دنیا کے خیالی فلسفے ان کے سامنے ماند پڑ جائیں اور کسی قسم کی علمی و دماغی ترقیات وحی الٰہی کی بیان کردہ حقائق کا ایک شوشہ تبدیل نہ کر سکیں۔ "موعظمت حسنہ" موثر اور رقت انگیز نصیحتوں سے عبارت ہے جن میں نرم خوئی اور دلسوزی کی روح بھری ہو۔ اخلاص، ہمدردی اور شفقت وحسن اخلاق سے خوبصورت اور معتدل پیرایہ میں جو نصیحت کی جاتی ہے بسا اوقات پتھر کے دل بھی موم ہو جاتے ہیں، مردوں میں جانیں پڑ جاتی ہیں۔ ایک مایوس و پژمردہ قوم جھرجھری لیکر کھڑی ہو جاتی ہے، لوگ ترغیب وترہیب کے مضامین سن کر منزل مقصود کی طرف بیتابانہ دوڑنے لگتے ہیں۔ اور بالخصوص جو زیادہ عالی دماغ اور ذکی وفہیم نہیں ہوتے مگر طلب حق کی چنگاری سینے میں رکھتے ہیں۔ ان میں موثر وعظ و پند سے عمل کی ایسی اسٹیم بھری جاسکتی ہے جو بڑی اونچی عالمانہ تحقیقات کے ذریعہ سے ممکن نہیں، ہاں دنیا میں ہمیشہ سے ایک ایسی جماعت بھی موجود رہی ہے جن کا کام ہر چیز میں الجھنا اور بات بات میں حجتیں نکالنا اور کج بحثی کرنا ہے۔ یہ لوگ نہ حکمت کی باتیں قبول کرتے ہیں نہ وعظ ونصیحت سنتے ہیں، بلکہ چاہتے ہیں کہ ہر مسئلے میں بحث ومناظرہ کا بازار گرم ہو۔

بحث کے آداب:

بعض اوقات اہل فہم وانصاف اور طالبین حق کو بھی شبہات گھیر لیتے ہیں اور بدون بحث کے تسلی نہیں ہوتی اس لئے وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فرمایا یعنی اگر ایسا موقع پیش آئے تو بہترین طریقہ سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو۔ اپنے حریف مقابل کو الزام دو تو بہترین اسلوب سے دو۔ خواہ مخواہ دل آزار اور جگر خراش باتیں مت کرو۔ جن سے قضیہ بڑھے اور کچھ نتیجہ نہیں۔ امر معاملہ طول کھینچے۔ مقصود تفہیم اور احقاق حق ہونا چاہیے، حقیقت یہ اخلاقی جنگ پروری اور ہٹ دھرمی سے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ الحکمۃ سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن ایک محکم مضبوط اٹل کلام ہے جس پر کوئی نقص نہیں اٹھایا جاسکتا (گویا حکمۃ بمعنی محکم کے ہے اور اس سے مراد قرآن ہے) اور الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سے مراد معارضہ ہے۔ معارضہ ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جائے اور شبہات دور ہو جائیں۔ اس کا حسن یہ ہے کہ دلیل کے ساتھ ترہیب اور ترغیب بھی ہو (یعنی نہ ماننے پر سخت عذاب کا ڈراوا اور ماننے کے بعد بہترین نتیجہ کی بشارت) بعض علماء نے کہا موعظت حسنہ سے مراد ایسا نرم کلام ہے جس میں درشتی اور چڑچڑا پن نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

دعوت وتبلیغ کے اصول اور مکمل نصاب:

اس آیت میں دعوت وتبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموئی ہوئی ہے۔ تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت ہرم ابن حیانؒ کی موت کا وقت آیا تو عزیزوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمایئے تو فرمایا کہ وصیت تو لوگ اموال کی کیا کرتے ہیں وہ میرے پاس ہے نہیں، لیکن میں تم کو اللہ کی آیات خصوصاً سورۂ نحل کی آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں کہ ان پر مضبوطی سے قائم رہو وہ آیات یہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

الْمَوْعِظَةِ، موعظۃ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو ایسی طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے مثلاً اس کے ساتھ قبول کرنے کے ثواب وفوائد اور نہ کرنے کے عذاب ومفاسد ذکر کئے جائیں۔ (قاموس ومفردات راغب)

الْحَسَنَةُ کے معنی یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو، اس کے شکوک وشبہات دور ہوں اور مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔

روح المعانی میں ہے کہ اچھے طریقے سے یہ مراد ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے دلائل ایسے پیش کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور و معروف ہوں تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں اور ہٹ دھرمی کے راستہ پر نہ پڑ جائے۔

دعوت کے یہ آداب سب کیلئے ہیں:

سیدی حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ ان تین چیزوں کے مخاطب الگ الگ تین قسم کی جماعتیں ہونا سیاق آیت کے لحاظ سے بعید معلوم ہوتا ہے۔ انتہیٰ

ظاہر یہ ہے کہ یہ آداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے پھر اس کلام میں خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لاتا ہے جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے، اور طرز بیان و کلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھتا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

لطیف نکتہ: البتہ صاحب روح المعانی نے اس جگہ ایک نہایت لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا کہ آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت تیسری چیز مجادلہ، اصول دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریق دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دعوت دو چیزیں ہیں حکمت اور موعظت، جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہیے خواہ علماء و خواص کو ہو یا عوام الناس کو، البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک و اوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث مباحثہ پر آمادہ ہیں تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی مگر اس کے ساتھ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کی قید لگا کر بتلادیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ آداب:

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں۔ جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔

لوگوں کی رعایت:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت میں اس کا بڑا لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے صحابہ کرامؓ جیسے عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے ان کے لئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت یہ تھی کہ وعظ و نصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے تاکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور ان کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا

''لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو اور ان کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ، مایوس یا متنفر نہ کرو''۔ (صحیح بخاری، کتاب العلم)

ربانی علماء:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تمہیں چاہیے کہ ربانی، حکماء، علماء اور فقہاء بنو۔ صحیح بخاری میں یہ قول نقل کر کے لفظ ربانی کی یہ تفسیر فرمائی کہ جو شخص دعوت و تبلیغ اور تعلیم میں ترتیب کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان آسان باتیں بتلائے جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں تو اس وقت دوسرے احکام بتلائے جو ابتدائی مرحلے میں مشکل ہوتے وہ عالم ربانی ہے۔

آجکل جو وعظ و تبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً اس کام کے کرنے والے ان اصول و آداب کی رعایت نہیں کرتے لمبی تقریریں وقت بے وقت نصیحت، مخاطب کے حالات کو معلوم کئے بغیر اس کو کسی کام پر مجبور کرنا ان کی عادت بن گئی ہے۔

مخاطب اندازِ خطاب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت واصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سبکی یا رسوائی نہ ہو، اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور برے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع عام کو مخاطب کر کے فرماتے تھے۔ ما بال اقوام یفعلون کذا۔

''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ فلاں کام کرتے ہیں''

اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وہ بھی سن لیتا اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا تھا۔ (معارف القرآن)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ
تیرا رب ہی بہتر جانتا ہے ان کو جو بھول (بھٹکا) گیا اس کی راہ اور

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

وہی بہتر جانتا ہے ان کو جو راہ پر ہیں

احکام کے مطابق دعوت دیتے رہو:

یعنی طریق دعوت وتبلیغ میں تم کو خدا کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا چاہیے۔ اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا۔ نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔ وہ ہی راہ پر آنے والوں اور نہ آنے والوں کے حالات کو بہتر جانتا ہے جیسا مناسب ہوگا ان سے معاملہ کریگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی آپ کا فریضہ تو صرف تبلیغ اور دعوت ہے۔ حصول ہدایت اور سزا و جزا کا علم اللہ کو ہے اس کی ذمہ داری آپ کی نہیں جو کوئی گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ سب سے واقف اللہ ہے اور وہی ہر ایک کو جزا و سزا دینے والا ہے۔

بحث کے مہلکات: امام غزالیؒ نے فرمایا کہ جس طرح شراب ام الخبائث ہے کہ خود بھی بڑا گناہ ہے اور دوسرے بڑے بڑے جسمانی گناہوں کا ذریعہ بھی ہے اسی طرح بحث ومباحثہ میں جب مقصود مخاطب پر غلبہ پانا اور اپنا علمی تفوق لوگوں پر ظاہر کرنا ہو جائے تو وہ بھی باطن کیلئے ام الخبائث ہے۔ جس کے نتیجہ میں بہت سے روحانی جرائم پیدا ہوتے ہیں، مثلاً حسد، بغض، تکبر غیبت، دوسرے کے عیوب کا تجسس، اس کی برائی سے خوش اور بھلائی سے رنجیدہ ہونا قبول حق سے استکبار، دوسرے کے قول پر انصاف واعتدال کے ساتھ غور کرنے کے بجائے جواب دہی کی فکر خواہ اس میں قرآن وسنت میں کیسی ہی تاویلات کرنا پڑیں۔

یہ تو وہ مہلکات ہیں جن میں باوقار علماء ہی مبتلا ہوتے ہیں اور معاملہ جب ان کے متبعین میں پہنچتا ہے تو دست وگریبان اور جنگ وجدال کے معرکے گرم ہو جاتے ہیں، انا للہ۔

اہل علم کی برادری:

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: ''علم تو اہل علم وفضل کے مابین ایک رحم متصل (رشتہ اخوت وبرادری) ہے، تو وہ لوگ جنہوں نے علم ہی کو عداوت بنالیا ہے وہ دوسروں کو اپنے مذہب کی اقتداء کی دعوت کس طرح دیتے ہیں، ان کے پیش نظر دوسرے پر غلبہ پانا ہی ہے تو پھر ان سے باہمی انس ومودت اور مروت کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے اور ایک انسان کے لئے اس سے بڑھ کر شر اور برائی اور کیا ہوگی کہ وہ اس کو منافقین کے اخلاق میں مبتلا کر دے، اور مومنین ومتقین کے اخلاق سے محروم کر دے''۔

غیر نافع علم:

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کر لیتا ہے یا پھر، اس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے کیونکہ جو علم نافع نہ ہو وہ عذاب ہی ہے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اشدالناس عذاباً یوم القیمة عالم لم ینفعه الله بعلمه

''سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع نہ بخشا ہو''۔

ایک دوسری حدیث صحیح میں ہے:

لا تتعلموا العلم لتبا هوابه العلمآء ولتماروابه السفهاء ولتصر فوابه وجوه الناس الیکم فمن فعل ذلک فهو فی النار۔

''علم دین کو اس غرض سے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ دوسرے علماء کے مقابلہ میں فخر وعزت حاصل کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو یا اس کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اپنی طرف کرلو اور جو ایسا کریگا وہ آگ میں ہے''۔ (ابن ماجہ من حدیث جابر باسناد صحیح کذا فی تخریج العراقی علی الاحیاء)

اہل حق کا مسلک:

اسی لئے ائمہ فقہاء اور اہل حق کا مسلک اس معاملے میں یہ تھا کہ علمی مسائل میں جھگڑا اور جدال ہرگز جائز نہیں سمجھتے تھے۔ دعوت حق کے لئے اتنا کافی ہے کہ جس کو خطاء پر سمجھے، اس کو نرمی اور خیر خواہی کے عنوان سے دلائل کے ساتھ اس کی خطا پر متنبہ کر دے پھر وہ قبول کر لے تو وہ بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے جھگڑے اور بدگوئی سے کلی احتراز کرے، حضرت امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

کان مالک یقول المراء والجدال فی العلم یذهب بنور العلم عن قلب العبد وقیل له رجل له علم بالسنة فهل یجادل عنها قال لا ولکن یخبر بالسنة فان قبل منه والا سکت۔ (اوجز المسالک شرح مؤطا ص۱۵ جلد۱)

''امام مالکؒ نے فرمایا کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو گیا وہ حفاظت سنت کیلئے جدال کر سکتا ہے فرمایا نہیں، بلکہ اس کو چاہیے کہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے پھر وہ قبول کرے تو بہتر ورنہ سکوت اختیار کرے''۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا: ''جس شخص کو کسی غلطی پر متنبہ کرنا ہے اگر تم نے اس کو تنہائی میں نرمی کے ساتھ سمجھایا تو یہ نصیحت ہے، اور اگر علانیہ لوگوں کے سامنے اس کو رسوا کیا تو یہ فضیحت ہے''

آجکل تو ایک دوسرے کے عیوب کو اخباروں، اشتہاروں کے ذریعے منظر عام پر لانے کو دین کی خدمت سمجھ لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین اور اس کی

دعوت کی صحیح بصیرت اور آداب کے مطابق اس کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ

اور اگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر کہ تم کو تکلیف

بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۲۶﴾

پہنچائی (پہنچے) جائے اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے صبر والوں کو

بدلہ لینے کا اصول:

یعنی دعوت وتبلیغ کی راہ میں اگر تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچائیں جائیں تو قدرت حاصل ہونے کے وقت برابر کا بدلہ لے سکتے ہو، اجازت ہے لیکن صبر کا مقام اس سے بلند تر ہے۔ اگر صبر کرو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اور دیکھنے والوں کے بلکہ خود زیادتی کرنے والوں کے حق میں بہتر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات مذکورہ کا شان نزول اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تعمیل کا حکم

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت مدنی ہے۔ غزوہ احد میں ستر صحابہ کی شہادت اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے مثلہ کرنے کے واقعہ میں نازل ہوئی، صحیح بخاری کی روایت اسی کے مطابق ہے دارقطنی نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ: ''غزوۂ احد میں جب مشرکین لوٹ گئے تو صحابہ کرام میں سے ستر اکابر کی لاشیں سامنے آئیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت حمزہؓ بھی تھے، چونکہ مشرکین کو ان پر بڑا غیظ تھا، اس لئے ان کو قتل کرنے کے بعد ان کی لاش پر اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ ان کی ناک، کان اور دوسرے اعضاء کاٹے گئے، پیٹ چاک کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منظر سے سخت صدمہ پہنچا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حمزہؓ کے بدلے میں مشرکین کے ستر آدمیوں کا اسی طرح مثلہ کروں گا، جیسا انہوں نے حمزہؓ کو کیا ہے، اس واقعہ میں یہ تین آیات نازل ہوئیں: وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ الخ۔ (تفسیر قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ دوسرے حضرات صحابہ کرام کے ساتھ بھی ان ظالموں نے اسی طرح کا معاملہ مثلہ کرنے کا کیا تھا۔

(کما رواہ الترمذی واحمد وابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہا عن ابی بن کعبؓ)

اس میں چونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط غم سے بلا لحاظ تعداد ان صحابہ کے بدلے میں ستر مشرکین کے مثلہ کرنے کا عزم کیا تھا جو اللہ کے نزدیک اس اصول عدل ومساوات کے مطابق نہ تھا، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دنیا میں قائم کرنا منظور تھا، اس لئے ایک تو اس پر متنبہ فرمایا گیا کہ بدلہ لینے کا حق تو ہے مگر اسی مقدار اور پیمانہ پر جس مقدار کا ظلم ہے بلا لحاظ تعداد چند کا بدلہ ستر سے لینا درست نہیں، دوسرے آپ کو مکارم اخلاق کا نمونہ بنانا مقصود تھا اس لئے یہ نصیحت کی گئی کہ برابر سرابر بدلہ لینے کی اگرچہ اجازت ہے مگر وہ بھی چھوڑ دو اور مجرموں پر احسان کرو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب ہم صبر ہی کریں گے کسی ایک سے بھی بدلہ نہیں لیں گے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (مظہری عن البغوی) فتح مکہ کے موقع پر جب یہ تمام مشرکین مغلوب ہو کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے قبضہ میں تھے، یہ موقع تھا کہ اپنا وہ عزم وارادہ پورا کر لیتے جو غزوۂ احد کے وقت کیا تھا مگر آیات مذکورہ کے نزول کے وقت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ارادے کو چھوڑ کر صبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے اس لئے فتح مکہ کے وقت ان آیات کے مطابق صبر کا عمل اختیار کیا گیا، شاید اسی بناء پر بعض روایات میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ آیتیں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی تھیں اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ ان آیات کا نزول مکرر ہوا ہو، اول غزوۂ احد میں نازل ہوئیں اور پھر فتح مکہ کے وقت دوبارہ نازل ہوئیں (کما حکاہ المظہری عن ابن الحصار)

مسئلہ: اس آیت نے بدلہ لینے میں مساوات کا قانون بتایا ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی کو قتل کر دے اس کے بدلے میں قاتل کو قتل کیا جائے گا جو زخمی کر دے تو اتنا ہی زخم اس کرنے والے کو لگایا جائے گا جو کسی کا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر قتل کر ڈالے تو ولی مقتول کو حق دیا جائے گا کہ وہ بھی پہلے قاتل کا ہاتھ یا پاؤں کاٹے پھر قتل کر دے۔

البتہ اگر کسی نے پتھر مار کر کسی کو قتل کیا یا تیروں سے زخمی کر کے قتل کیا تو اس میں نوعیت قتل کی صحیح مقدار متعین نہیں کی جاسکتی کہ کتنی ضربوں سے یہ قتل واقع ہوا ہے اور مقتول کو کتنی تکلیف پہنچی ہے اس معاملہ میں حقیقی مساوات کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اس لئے اس کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا (جصاص)

مسئلہ: آیت کا نزول اگرچہ جسمانی تکالیف اور جسمانی نقصان پہنچانے کے متعلق ہوا ہے مگر الفاظ عام ہیں جس میں مالی نقصان پہنچانا بھی داخل ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ جو شخص کسی سے اس کا مال غصب کرے تو اس کو بھی حق حاصل ہے کہ اپنے حق کے مطابق اس سے مال چھین لے یا چوری کر کے لے بشرطیکہ جو مال لیا ہے وہ اپنی حق کی جنس سے ہو مثلاً نقد روپیہ لیا ہے تو اس کے بدلے میں اتنا ہی نقد روپیہ اس سے غصب یا چوری کے ذریعے لے سکتا ہے غلہ، کپڑا وغیرہ لیا ہے تو اسی طرح کا غلہ کپڑا لے سکتا ہے مگر ایک جنس کے بدلے میں دوسری جنس نہیں لے سکتا۔ مثلاً روپے کے بدلے میں کپڑا یا کوئی دوسری استعمالی چیز زبردستی نہیں لے سکتا، اور بعض فقہاء نے مطلقاً اجازت دی ہے خواہ جنس حق سے ہو یا کسی دوسری جنس سے، اس مسئلہ کی کچھ تفصیل قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھی ہے اور تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ میں عام قانون مذکور تھا جس میں سب مسلمانوں کے لئے برابر کا بدلہ لینا جائز مگر صبر کرنا افضل وبہتر بتلایا گیا ہے اس کے بعد کی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی خطاب فرما کر صبر کرنے کی تلقین وترغیب دی گئی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظیم اور منصب بلند کے لئے دوسروں کی نسبت سے وہی زیادہ موزوں ومناسب ہے اس لئے فرمایا واصبر وماصبرک الاباللہ، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انتقام کا ارادہ ہی نہ کریں صبر ہی کو اختیار کریں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبر اللہ ہی کی مدد سے ہوگا یعنی صبر کرنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آسان کر دیا جائے گا۔

آخری آیت میں پھر ایک عام قاعدہ اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد حاصل ہونے کا یہ بتلا دیا:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو دو صفتوں کے حامل ہوں ایک تقویٰ دوسرے احسان، تقویٰ کا حاصل نیک عمل کرنا اور احسان کا مفہوم اس جگہ خلق خدا تعالیٰ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے، یعنی جو لوگ شریعت کے تابع اعمال صالحہ کے پابند ہوں اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوں، حق تعالیٰ انکے ساتھ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت (نصرت) حاصل ہو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۔ اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے یہی بہتر ہے۔

کسی برائی کے بدلے کو عقوبت اور عقاب کہا جاتا ہے اس کو عقوبت (برابدلہ) کہنا محض لفظی مناسبت کی وجہ سے ہے جیسے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں بدی کے بدلہ کو بھی برائی کہا گیا ہے حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ برائی کی سزا حد جرم کے برابر دے سکتے ہو اس سے تجاوز نہ کرو۔ صبر کرنے سے مراد ہے انتقام نہ لینا اور بدلہ لینے سے رک جانا۔

لھو خیر یعنی انتقام سے صبر بہتر ہے ان عاقبتم فعاقبوا میں تو در پردہ عفو کی ترغیب ہے اور لئن صبرتم میں تاکید کے ساتھ صبر کرنے کی صراحت ہے۔ لِلصّٰبِرِيْنَ میں لفظ صابرین کو ذکر کرنے سے اللہ کی طرف سے فی الجملہ ان لوگوں کی تعریف ہے جو مصائب اور شدائد پر صبر کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ
اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾
اور ان پر غم نہ کھا اور تنگ (خفا) مت ہو ان کے فریب سے

صبر کی اہمیت:

یعنی مظالم وشدائد پر صبر کرنا، سہل کام نہیں۔ خدا ہی مدد فرمائے تو ہو سکتا ہے کہ آدمی ظلم سہتا رہے اور اف نہ کرے۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ وہ تدبیر کرتے ہیں ان سے دل تنگ نہ ہو۔

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اور اللہ پر اعتماد سب سے زیادہ تھا اس لئے خصوصیت کے ساتھ آپ کو اس آیت میں خطاب فرمایا۔

وَاصْبِرْ یعنی کفار کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس پر صبر کرو۔

وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہی آپ کا صبر ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور ان پر یعنی کافروں پر یا مؤمنوں پر اور مؤمنوں کو پہنچی ہوئی اذیت پر رنج نہ کرو۔

وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۔ یعنی کافر جو مؤمنوں کے خلاف مکاریاں کرتے ہیں آپ ان کی پرواہ نہ کریں ان کو کوئی اہمیت نہ دیں آپ کو ان پر فتح دینا اور ان کو سزا دینا ہمارا ذمہ ہے۔

ضیق اور ضیق (سینہ کی تنگی، گھٹن، غم) دونوں ہم معنی ہیں۔ ابو عمرو نے کہا ضیق غم، ضیق شدت ابو عبیدہ نے کہا ضیق کھانے پینے اور مسکن کی کمی، ضیق دل کی گھٹن، کبیدگی غم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ
اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں اور جو
مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾
نیکی کرتے ہیں

اللہ کی مدد تقویٰ کے ساتھ ہے:

یعنی انسان جس قدر خدا سے ڈر کر تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی اختیار کریگا اسی قدر خدا کی امداد واعانت اس کے ساتھ ہوگی، سوایسے لوگوں کو کفار کے مکر وفریب سے تنگ دل اور غمگین ہونے کی کوئی وجہ نہیں حق تعالیٰ اس عاجز ضعیف کو بھی متقین ومحسنین کے ساتھ اپنے فضل ورحمت سے محشور فرمائے۔ تم سورۃ النحل بعونہ وتوفیقہ وللہ الحمد۔ (تفسیر عثمانی)

یا اتقوا سے مراد ہیں وہ لوگ جو بدلہ لینے میں زیادتی کرنے سے بچتے ہیں اور محسنون سے مراد ہیں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف کرتے ہیں۔

اللہ کی مدد کا مطلب:

اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی رفاقت، دوستی، مہربانی اور مدد ونصرت کا ساتھ ہونا یا معیت ذاتیہ مراد ہے جو بے کیف ہے اس کی کوئی کیفیت نہ سمجھی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے۔

ابن سعد وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے جس کا ذکر اوپر کردیا گیا ہے اسی حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم کا کفارہ دیدیا اور جو ارادہ کیا تھا اس سے باز رہے اور صبر کیا۔

ابن المنذر، طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کی طرح حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور بیان کی ہے اور شان نزول کے سلسلے میں ایسی ہی حدیث سورت کے آغاز میں ہم نے ابن اسحاق، ابن جریر اور عطاء کے حوالہ سے ذکر کردی ہے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

عبداللہ بن امام احمد نے زوائد المسند میں اور نسائی اور ابن المنذر اور ابن حبان اور ضیاء اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے فرمایا، احد کی جنگ میں ۶۴ انصار اور چھ مہاجر کام آئے۔ مہاجرین شہداء میں حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے ان سب کو کافروں نے مثلہ کیا تھا (یعنی سب شہیدوں کے ناک کان بھی کاٹ لئے تھے) انصار نے کہا اگر ہم کو کسی روز ایسا موقع ہاتھ لگا تو ہم بھی ان کی حالت قابل رحم بنادیں گے (یعنی ہم بھی مثلہ کردیں گے کہ جو لاشوں کو دیکھے گا اس کو ان کی ذلیل خستہ حالت دیکھ کر رحم آئے گا) کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو اللہ نے آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ نازل فرمادی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم بدلہ نہ لیں گے صبر کریں گے چار آدمیوں کے علاوہ باقی سب سے ہاتھ روک لو، (کسی کو قتل نہ کرو)۔

ہندہ بنت عتبہ (زوجہ ابوسفیان) نے آپ کے جگر کے ایک ٹکڑا چبا ڈالا تھا اور اس کو نگل گئی مگر وہ پیٹ میں رک نہ سکا اور اس نے اگل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سنو! اگر وہ کھالیتی تو آگ میں کبھی داخل نہ ہوتی۔ حمزہ کو اللہ نے یہ عزت عطا فرمادی ہے کہ ان کا کوئی حصہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی جو یہ حالت دیکھی تو ایسا منظر آنکھوں کے سامنے آیا کہ اس سے زیادہ دل خراش منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ فرمایا: ابوالسائب! آپ پر اللہ کی رحمت ہو، مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑے نیک کردار اور صلہ رحمی کرنے والے تھے، اگر آپ کے بعد رہنے والوں کے رنجیدہ ہونے کا خیال نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی کہ آپ کو یونہی (بے گور وکفن) چھوڑ دوں تاکہ (قیامت کے دن) آپ کا حشر متعدد (درندوں اور پرندوں کی) گرہوں کے اندر سے ہو۔ خدا کی قسم! اگر اللہ نے مجھے ان پر فتح عنایت کی تو آپ کی جگہ میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور ضرور مثلہ کروں گا، اس پر اللہ نے آیات مذکورہ نازل فرمائیں، اور نزول آیات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم (انتقام نہیں لیں گے بلکہ) صبر کریں گے۔ چنانچہ آپ اپنے ارادہ سے باز آگئے اور قسم کا کفارہ ادا کردیا۔

نخعی، ثوری، سدی، مجاہد اور ابن سیرین کے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں ہوئی۔ جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے ظلم کے مطابق انتقام لینے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے۔ یہی اس کی شان نزول ہے، ظالم نے جتنا ظلم کیا ہو اس سے زیادہ انتقام لینا جائز نہیں، بقدر ظلم بدلہ لیا جاسکتا ہے اور معاف کردینا بہتر ہے۔

مسئلہ: باتفاق علماء مثلہ کرنا ناجائز ہے ابن اسحاق نے حضرت سمرہ بن جندب کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (تقریر فرمانے کے لئے) جس مقام پر بھی کھڑے ہوئے جب تک اسی جگہ صدقہ (خیر خیرات زکوٰۃ) دینے کا حکم نہیں دے دیا اور مثلہ کرنے کی ممانعت نہ کردی وہاں سے نہ ہٹے۔

مثلہ کرنے کی ممانعت بکثرت احادیث میں آئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آخری تین آیات:

حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں سورۂ نحل پوری مکہ مکرمہ میں اتری ہے مگر اس کی یہ تین آخری آیتیں مدینہ منورہ میں اتری ہیں جب کہ جنگ احد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے اور آپ کے اعضاء بدن بھی شہادت کے بعد کاٹ لئے گئے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا کہ اب جب مجھے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں پر غلبہ دے گا تو میں ان میں سے تیس شخصوں کے ہاتھ پاؤں اسی طرح کاٹوں گا۔ مسلمانوں کے کام میں جب اپنے محترم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ پڑے تو ان کے جوش بہت بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ واللہ! ہم ان پر غالب آکر ان کی لاشوں کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کریں گے کہ عربوں نے کبھی ایسا دیکھا ہی نہ ہو، اس پر یہ آیتیں اتریں۔ (سیرت ابن اسحاق)۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اس میں ایک راوی ایسا ہے جن کا نام ہی نہیں لیا گیا مبہم چھوڑا گیا ہے۔ ہاں دوسری سند سے یہ متصل بھی مروی ہے۔ بزار میں ہے کہ جب حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پاس آن کر کھڑے ہوکر دیکھنے لگے۔ آہ! اس سے زیادہ دل دکھانے والا منظر اور کیا ہوگا کہ محترم چچا کی لاش کے ٹکڑے آنکھوں کے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ

کی رحمت ہو۔ جہاں تک میرا علم ہے میں جانتا ہوں کہ آپ رشتے ناتے کے جوڑنے والے نیکیوں کو لپک کر کرنے والے تھے۔ واللہ دوسرے لوگوں کے دردوغم کا خیال نہ ہوتا تو میں تو آپ کے اس جسم کو یونہی چھوڑ دیتا یہاں تک کہ آپ کو اللہ تعالیٰ درندوں کے پیٹوں میں سے نکالتا یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ فرمایا۔ جب ان مشرکوں نے یہ حرکت کی ہے تو واللہ میں بھی ان میں کے ستر شخصوں کی یہی درگت بناؤں گا۔ اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے اور یہ آیتیں اتریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قسم کے پورا کرنے سے رک گئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ لیکن سند اس کی بھی کمزور ہے اس کے راوی صالح بن بشیر مری ہیں جو ائمہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں بلکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تو انہیں منکر الحدیث کہتے ہیں۔

مسلمانوں کے جذبات کی اصلاح:

شعبیؒ اور ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی زبان سے نکلا تھا کہ ان لوگوں نے جو ہمارے شہیدوں کی بے حرمتی کی ہے اور ان کے اعضاء بدن کاٹ دیئے ہیں واللہ ہم بھی ان سے اس کا بدلہ لے کر ہی چھوڑیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیتیں اتاریں۔ مسند احمد میں ہے کہ جنگ احد میں ساٹھ انصاری شہید ہوئے اور چھ مہاجر، رضی اللہ عنہم۔ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا کہ جب ہم ان مشرکوں پر غلبہ پائیں گے تو ہم بھی ان کے ٹکڑے کئے بغیر نہ رہیں گے۔ چنانچہ فتح مکہ والے دن ایک شخص نے کہا کہ آج کے دن قریش پہچانے بھی نہ جائیں گے۔ اسی وقت ندا ہوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو پناہ دیتے ہیں۔ بجز فلاں فلاں کے، جن کے نام لے دیئے گئے ہیں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فرمایا کہ ہم صبر کرتے ہیں اور بدلہ نہیں لیتے۔

ابن ابی حاتم میں حضرت محمد ابن حاطبؒ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ ان لوگوں میں سے تھے جو باایمان پرہیزگار اور نیک کار ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

سورۃ بنی اسرائیل

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس پر بادشاہ ظلم کرے گا اور یہ تعبیر بھی ہوسکتی ہے کہ وہ ایک قوم کے مکر سے محفوظ رہے گا اور وہ ایک فتنہ سے ڈرتا رہے گا حالانکہ وہ اس سے بری ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سورہ بنی اسرائیل مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے
سُبۡحٰنَ
پاک ذات ہے

پاک ذات:

یعنی اس کی ذات نقص وقصور اور ہر قسم کے ضعف وعجز سے پاک ہے جو بات ہمارے خیال میں بے انتہا عجیب معلوم ہو اور ہماری ناقص عقلیں اسے بے حد مستبعد سمجھیں، خدا کی قدرت ومشیت کے سامنے وہ کچھ بھی مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس سورۃ کی فضیلت:

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل اور سورہ کہف اور سورہ مریم سب سے پہلی سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے کبھی تو اس طرح پے در پے لگاتار رکھتے چلے جاتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ پورا مہینہ روزوں ہی میں گزار دیں گے اور کبھی کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم سمجھ لیتے کہ شاید آپ اس مہینے میں روزے رکھیں گے ہی نہیں، اور آپ کی عادت مبارک تھی کہ ہر رات سورہ بنی اسرائیل اور سورہ زمر پڑھا کرتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ کے مضامین:

اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسراء اور معراج کا بیان ہے اس لئے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی

اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ سن کر ہوشیار ہوجائیں اور اپنا انجام سوچ لیں اہل مکہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور محلات کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

واقعۂ معراج کا فلسفہ:

اس سورت کا آغاز واقعہ معراج کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سالہ ہوشربا مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا۔ گویا مسلسل دس سال کے صبر کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت وکرامت و رفعت و بلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ پست افتد ز بر دستش کنند　　　خوشہ چوں بر کشد پستش کنند

حق جل شانہٗ نے آپ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آیت کبریٰ کا مشاہدہ کرایا لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی اور صبر جمیل پر جس معیت سراپا خیر و برکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کردیا اور اپنے قرب خاص سے آپ کو نوازا کما قال تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَكَانَ قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰی اور اس خارق عادت واقعہ کو آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنایا اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں اہل مکہ کو متنبہ کردیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب واحباب کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی القبلتین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اس وعدہ معیت کا اظہار ہے جس کا ان اللّٰہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

عجیب کرشمہ:

اور چونکہ ایک رات میں عروج ونزول اور یہ سیر سمٰوات خداوند کریم کی قدرت ومرحمت کا عجیب کرشمہ تھا اس لئے اس کو تسبیح اور تنزیہ سے شروع کیا گیا تاکہ کوئی ملحد اور زندیق اس سیر سمٰوت کو قدرت خداوندی سے خارج نہ سمجھے۔

اسراء و معراج:

علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے لے کر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتھیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ پر لفظ اسراء یا لفظ معراج کا بھی اطلاق کردیا جاتا ہے۔

مقصودِ معراج:

اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو اپنے عجائب قدرت دکھلائے۔ اگرچہ یہ عالم بھی عجیب ہے مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم وگمان سے بالا اور برتر ہیں۔ سدرۃ المنتھی کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورہ نجم کی آیات سے ظاہر ہے لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰی۔

واقعۂ معراج کا انکار کفر ہے:

صحابہ اور تابعین اور علماء ربانیین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پرنور کو یہ معراج بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوئی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث کثیرہ وصحیحہ وصریحہ سے ثابت ہے کہ جن کا نہ انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے اس درجہ کثیر ہیں کہ حد تواتر کو پہنچی ہیں جن کا انکار ناممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر تاویل کی گنجائش نہیں۔ متواترات کا انکار کفر ہے اور نصوص محکمات میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ سے ہر زمانہ میں اہل اسلام کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی ہوئی اور آپ بیداری کی حالت میں بجسدہ العنصری آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ سلف اور خلف اور جمہور فقہاء ومحدثین ومتکلمین اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سب کا یہی قول ہے۔

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا۔ نیز سورہ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیات کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیات کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔

نیز اگر واقعہ اسراء ومعراج کوئی خواب ہوتا تو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابوجہل اور ابولہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر واپس آسکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تصدیق:

نیز مستدرک حاکم میں اسناد صحیح اور امام بیہقی کی دلائل النبوۃ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جا کر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہوگئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے جا کر کہا کہ تمھیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے۔ آپ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ابوبکرؓ نے کہا۔ کیا واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات کہی ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے۔

ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دور ہیں اور بعید از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے انکا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔
(تفسیر ابن کثیر و تفسیر درمنثور و خصائص کبری)

لہٰذا اب جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے۔

حدیث اُمّ ہانیؓ:

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسراء و معراج کے لئے لینے آئے تو آپ اس وقت ام ہانیؓ کے گھر میں تھے فرشتے آپ کو ام ہانی کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے معجم طبرانی میں ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قالت بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بی فی بیتی ففقد من اللیل فامتنع مبنی النوم مخافۃ ان یکون عرض لہ بعض قریش. فقال رسول اللہ علیہ وسلم ان جبریل اتانی فاخذ بیدی فاخرجنی الیٰ آخر الحدیث۔

شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے درمیان شب کے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ گھر میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہیں مبادا قریش میں سے آپ کا کوئی دشمن آپ کے پیچھے نہ لگ گیا ہو۔جب صبح ہوئی اور آپ گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی تو آپ نے مجھ سے اسراء اور معراج کا واقعہ بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔ (دیکھو خصائص کبریٰ و تفسیر درمنثور)

ام ہانیؓ کی اسی حدیث میں ہے کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کر دوں۔ام ہانی کہتی ہیں کہ میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لئے آپ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ حملہ نہ کر بیٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا۔پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن عساکر نے حدیث معراج کو عبداللہ بن عمر اور ام سلمہ اور عائشہ صدیقہ اور ام ہانی اور عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے اور اس طویل حدیث میں اور مفصل حدیث میں یہ لفظ آیا ہے۔

ففقد النبی صلی اللہ علیہ وسلم تلک اللیلۃ فتفرقت بنو عبدالمطلب یطلبونہ و یلتمسونہ و خرج العباسؓ حتی بلغ ذا طوی فجعل یصرخ یا محمد یا محمد فاجابہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیک لبیک فقال ابن اخی اعییت قومک منذاللیلۃ فاین کنت قال اتیت من بیت المقدس. قال فی لیلتک قال نعم قال اصابک خیر قال ما اصابنی الّا خیر. (تفسیر درمنثور)

یعنی اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے گم اور غائب ہوئے اور یہ نہ معلوم ہو سکا کہ رات کے وقت آپ کہاں چلے گئے اس لئے بنی المطلب آپ کی تلاش میں نکلے اور حضرت عباسؓ بھی آپ کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ جب وادی طوی میں پہنچے تو حضرت عباس زور زور سے یا محمد یا محمد کہہ کر آواز دینے لگے اسی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب میں آواز آئی لبیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں۔حضرت عباس نے کہا اے بھتیجے تم نے اس رات گھر والوں کو پریشان کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھکا دیا۔آپ نے فرمایا میں بیت المقدس سے واپس آیا ہوں۔کہا اسی رات میں۔ آپ نے کہا، ہاں، پوچھا خیر تو ہے آپ نے فرمایا ہاں خیر ہے۔ (تفسیر درمنثور)

شب رخ تافتہ زین دار فانی	بخلوت درسرائے ام ہانی
رسیدش جبریل از بیت معمور	براق برق سیر آورد از دور
توی پشت و گراں سیر و سبک خیز	براندن دور بین وقت شدن تیز

صدیق اکبرؓ کا بیان:

اور بیہقی اور طبرانی اور بزار کی روایت میں ہے کہ صبح کے وقت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا طلبتک یا رسول اللہ البارحتہ فی مکانک. یا رسول اللہ میں نے گزشتہ شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مکان میں نہ پایا۔ (کذا فی شرح الشفا للعلامۃ القاری)

معراج جسمانی احادیث متواترہ سے ثابت ہے:

بے شمار روایتوں میں بتواتر یہ امر منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر جسم ہی سوار ہوتا ہے نہ کہ روح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ تابعین کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے لہٰذا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں۔ (تفسیر ابن جریر طبری)

یہ کہ معراج جسمانی بحالت بیداری، دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا انکار بھی کفر ہے۔

مرزائے قادیان کی خرافات:

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اتارا جانا قرآنِ کریم سے ثابت ہے اور علی ھذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانیین کا یہی عقیدہ چلا آ رہا ہے۔

مرزائے قادیان کو ڈر یہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہوجائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر جانا ثابت ہوجائے گا اور پھر جب انکا رفع الی السماء ثابت ہوجائے گا تو ان کا نزول من السماء یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہوجائے گا کیوں کہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اسلئے مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کردیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر جانا عقلاً ونقلاً محال ہے کوئی زندہ شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مکہ سے باہر نہیں گئے۔ بستر پر ہی لیٹے لیٹے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہوگیا چنانچہ مرزا ازالۃ الاوہام ص ۴۷ میں لکھتا ہے کہ یہ معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے انتہیٰ۔ ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بنایا اور ثالثاً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا تو قادیان کے اس دہقان کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہوچکا ہے۔

مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے بیت المقدس اور آسمانوں اور سدرۃ المنتھیٰ کشف سے دیکھ رہے تھے یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی ہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں مرزا ازالۃ الاوہام کے صفحہ نمبر ۴۸ میں لکھتا ہے کہ:

"سیر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہی ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مؤلف خود صاحب تجربہ ہے" سبحان اللہ مسیلمہ قادیان کی اس جسارت اور وقاحت کو تو دیکھئے کہ اپنے لئے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے۔

تسلی: حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے جیسے رات اور دن کسی کے گھبرانے سے اور دعا سے رات کم نہیں ہوجاتی اپنے وقت پر آپ صبح ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں۔ انتہی کلامہ۔

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

(معارف القرآن کاندھلویؒ)

الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ
جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے
اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا
مسجد اقصیٰ تک ☆

سفر کی غرض:

یعنی صرف ایک رات کے محدود حصہ میں اپنے مخصوص ترین اور مقرب ترین بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو حرم مکہ سے بیت المقدس تک لے گیا۔ اس سفر کی غرض کیا تھی۔ آگے لِنُرِیَهٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خود اس سفر میں یا "بیت المقدس" سے آگے کہیں اور لیجا کر اپنی قدرت کے عظیم الشان نشان اور حکیمانہ انتظامات کے عجیب وغریب نمونے دکھلانے منظور تھے۔ سورہ نجم میں ان آیات کا کچھ ذکر کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ "سدرۃ المنتھی" تک تشریف لے گئے اور نہایت عظیم الشان آیات کا مشاہدہ فرمایا" وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰی عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰی عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا یَغۡشٰی مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡکُبۡرٰی "(النجم۔ رکوع ۱) علماء کی اصطلاح میں مکہ سے بیت المقدس تک کے سفر کو "اسراء" اور وہاں سے اوپر "سدرۃ المنتھی" تک کی سیاحت کو "معراج" کہتے ہیں۔ اور بسا اوقات دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ "اسراء" یا "معراج" سے تعبیر کردیا جاتا ہے۔

واقعۂ معراج کی اہمیت:

معراج کی احادیث تقریباً تیس صحابہ سے منقول ہیں جن میں معراج و اسراء کے واقعات بسط وتفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ جمہور سلف وخلف کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پرنور کو حالت بیداری میں بجسدہ الشریف معراج ہوئی۔ صرف دو تین صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء ومعراج کو منام (نیند) کی حالت میں بطور ایک عجیب وغریب خواب کے مانتے تھے۔ چنانچہ اسی سورۃ

میں آگے چل کر جو لفظ وَمَاجَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ اَرَيْنٰكَ الخ آتا ہے اس سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں سلف میں سے یہ کسی کا قول نہیں کہ معراج حالت بیداری میں محض روحانی طور پر ہوئی ہو۔ جیسا کہ بعض حکماء وصوفیہ کے مذاق پر تجویز کیا جاسکتا ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ وَلَيْسَ مَعْنَى الْاِسْرَاءِ بِالرُّوْحِ الذَّهَابُ يَقْظَةً كَالْاِنْسِلَاخِ الَّذِي ذَهَبَ اِلَيْهِ الصُّوْفِيَةُ وَالْحُكَمَاءُ فَاِنَّهُ وَاِنْ كَانَ خَارِقاً لِلْعَادَةِ وَمَحَلًّا لِلتَّعَجُّبِ اَيْضاً اِلَّا اَنَّهُ اَمْرٌ لَا تَعْرِفُهُ الْعَرَبُ وَلَمْ يَذْهَبْ اِلَيْهِ اَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ" اھ

بیشک ابن قیم نے زادالمعاد میں عائشہ صدیقہ، معاویہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہم کے مسلک کی اس طرح توجیہ کی ہے۔ لیکن اس پر کوئی نقل پیش نہیں کی۔ محض ظن وتخمین سے کام لیا ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ نے جو الفاظ ان بزرگوں کے نقل کئے ہیں ان میں کہیں حالت بیداری کی تصریح نہیں۔

یہ واقعہ محض کوئی روحانی سیر نہ تھی:

بہر حال قرآن کریم نے جس قدر اہتمام اور ممتاز ودرخشاں عنوان سے واقعہ اسرا کو ذکر فرمایا اور جس قدر جدّ ومستعدی سے مخالفین اس کے انکار و تکذیب پر تیار ہو کر میدان میں نکلے، حتیٰ کہ بعض موافقین کے قدم بھی لغزش کھانے لگے یہ اسکی دلیل ہے کہ واقعہ کی نوعیت محض ایک عجیب وغریب خواب یا سیر روحانی کی نہ تھی۔ روحانی سیر وانکشافات کے رنگ میں آپ کے جو دعاوی ابتدائے بعثت سے رہے ہیں۔ دعوائے اسراء کفار کے لئے کچھ ان سے بڑھ کر تعجب خیز وحیرت انگیز نہ تھا جو خصوصی طور پر اس کو تکذیب و تردید اور استہزاء وتمسخر کا نشانہ بناتے اور لوگوں کو دعوت دیتے کہ آؤ، آج مدعی نبوت کی ایک بالکل انوکھی بات سنو، نہ آپکو خاص اس واقعہ کے اظہار پر اس قدر متفکر ومشوش ہونے کی ضرورت تھی جو بعض روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض احادیث میں صاف لفظ ہیں "ثُمَّ اَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ يا ثُمَّ اَتَيْتُ مَكَّةَ" (پھر صبح کے وقت میں مکہ پہنچ گیا) اگر معراج محض کوئی روحانی کیفیت تھی تو آپ مکہ سے غائب ہی کہاں ہوئے۔ اور شداد بن اوس وغیرہ کی روایت کے موافق بعض صحابہ کا یہ دریافت کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے کہ "رات میں قیام گاہ پر تلاش کیا حضور کہاں تشریف لے گئے تھے"؟ ہمارے نزدیک اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ" کے یہ معنی لینا کہ "خدا اپنے بندہ کو خواب میں یا محض روحانی طور پر مکہ سے بیت المقدس لے گیا"۔ اس کے مشابہ ہے کہ کوئی شخص۔ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ" کے یہ معنی لینے لگے کہ "اے موسیٰ میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لیکر مصر سے نکل جاؤ" یا سورہ "کہف" میں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے جانا اور انکے ہمراہ سفر کرنا جس کیلئے کئی جگہ فَانْطَلَقَا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ یہ سب کچھ محض خواب میں یا بطور روحانی سیر کے واقع ہوا تھا۔ باقی لفظ "رویا" جو قرآن میں آیا، اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرما چکے ہیں۔ "رُءْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم" مفسرین نے کلام عرب سے اسکے شواہد پیش کئے ہیں کہ "رویا" کا لفظ گاہ بگاہ مطلق رؤیت (دیکھنے) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس سے مراد یہی اسراء کا واقعہ ہے تو مطلق نظارہ کے معنی لئے جائیں جو ظاہری آنکھوں سے ہوا۔ تاکہ ظواہر نصوص اور جمہور امت کے عقیدہ کی مخالفت نہ ہو۔ ہاں شریک کی روایت میں بعض الفاظ ضرور ایسے آئے ہیں جن سے "اسراء" کا بحالت نوم واقع ہونا معلوم ہوتا ہے۔ مگر محدثین کا اتفاق ہے کہ شریک کا حافظہ خراب تھا۔ اس لئے بڑے بڑے حفاظ حدیث کے مقابلہ میں ان کی روایت قابل استناد نہیں ہوسکتی۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے اواخر میں حدیث شریک کے اغلاط شمار کرائے ہیں اور یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کی روایت کا مطلب ایسا لیا جاسکتا ہے جو عام احادیث کے مخالف نہ ہو۔ اس قسم کی تفاصیل ہم یہاں درج نہیں کر سکتے۔ شرح صحیح مسلم میں یہ مباحث پوری شرح وبسط سے درج کئے ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ مذہب راجح یہی ہے کہ معراج واسراء کا واقعہ حالت بیداری میں بجسدہ الشریف واقع ہوا۔ ہاں اگر اس سے پہلے یا بعد خواب میں بھی اس طرح کے واقعات دکھلائے گئے ہوں تو انکار کرنے کی ضرورت نہیں۔

بعض شبہات اور اُن کا ازالہ:

کہا جاتا ہے کہ ایک شب میں اتنی لمبی مسافت زمین وآسمان کی کیسے طے کی ہوگی یا کرۂ نار وزمہریر میں سے کیسے گذرے ہونگے۔ یا اہل یورپ کے خیال کے موافق جب آسمانوں کا وجود ہی نہیں تو ایک آسمان سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر اس شان سے تشریف لے جانا جو روایات میں مذکور ہے کیسے قابل تسلیم ہوگا۔ لیکن آج تک کوئی دلیل اسکی پیش نہیں کی گئی کہ آسمان واقع میں کوئی شے موجود نہیں۔ اگر ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ یہ نیلگونی چیز جو ہم کو نظر آتی ہے فی الحقیقت آسمان نہیں ہے۔ تب بھی اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس نیلگونی رنگ کے اوپر آسمانوں کا وجود نہیں ہوسکتا۔ رہا ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کرنا تو تمام حکماء تسلیم کرتے ہیں کہ سرعت حرکت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔ اب سے سو برس پیشتر تو کسی کو یہ بھی یقین نہیں آسکتا تھا کہ تین سو میل فی گھنٹہ چلنے والی موٹر تیار ہوجائے گی۔ یا دس ہزار فٹ کی بلندی تک ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پرواز کرسکیں گے۔ "اسٹیم" اور "قوت کہربائیہ" کے یہ کرشمے کس نے دیکھے تھے۔ کرہ نار تو آج کل ایک لفظ بے معنیٰ ہے۔ ہاں اوپر جاکر ہوا کی سخت

برودت وغیرہ کا مقابلہ کرنے والے آلات طیاروں میں لگا دیئے گئے ہیں جو اڑنے والوں کی زمہریر سے حفاظت کرتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کی بنائی ہوئی مشینوں کا حال تھا۔ خالق کی بلاواسطہ پیدا کی ہوئی مشینوں کو دیکھتے ہیں تو عقل دنگ ہو جاتی ہے۔ زمین یا سورج چوبیس گھنٹہ میں کتنی مسافت طے کرتے ہیں۔ روشنی کی شعاع ایک منٹ میں کہاں سے کہاں پہنچتی ہے۔ بادل کی بجلی مشرق میں چمکتی اور مغرب میں گرتی ہے اور اس سرعت سیر وسفر میں پہاڑ بھی سامنے آ جائے تو پرکاہ کی برابر حقیقت نہیں سمجھتی۔ جس خدا نے یہ چیزیں پیدا کیں کیا وہ قادر مطلق اپنے حبیب صلعم کے براق میں ایسی برق رفتاری کی کلیں اور حفاظت وآسائش کے سامان نہ رکھ سکتا تھا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی راحت وتکریم کے ساتھ چشم زدن میں ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل ہو سکیں۔

نکتہ: شاید اسی لئے واقعہ "اسرا" کا بیان لفظ "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ" سے شروع فرمایا، تاکہ جو لوگ کوتاہ نظری اور تنگ خیالی سے حق تعالیٰ کی لامحدود قدرت کو اپنے وہم وتخمین کی چہار دیواری میں محصور کرنا چاہتے ہیں، کچھ اپنی گستاخیوں اور عقلی ترکتازیوں پر شرمائیں ؎

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

(تفسیر عثمانی)

مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حرمت والی مسجد (یعنی کعبہ) سے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی وساطت سے حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں مسجد حرام کے اندر نینداور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا (نہ سو رہا تھا نہ جاگ رہا تھا) کہ جبرائیلؑ میرے پاس براق لے کر آئے۔ دوسری روایت میں ہے میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ (یعنی نیند کی حالت میں تھا) کہ ایک آنے والا میرے پاس آیا سورۂ النجم کی تفسیر میں ہم نے اس کی تفصیل کر دی ہے۔

سفر کا آغاز کہاں سے ہوا:

بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے وہیں سے معراج ہوئی تھی اس روایت پر مسجد حرام سے مراد (کعبہ یا حطیم نہ ہوگا بلکہ) حرم ہوگا۔ حرم کو مسجد حرام اس لیے فرمایا کہ سارا حرم مسجد ہے یا یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام حرم میں واقع ہے حرم مسجد حرام کو محیط ہے۔ معراج کو جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں ہونا حضرت انسؓ کی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ جو صحیحین میں مذکور ہے اور حضرت انسؓ نے حضرت ابوذرؓ کے حوالے سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ میں تھا کہ (کعبہ کی چھت میں) میرے لیے شگاف کر دیا گیا یہ حدیث بھی ہم نے سورۂ والنجم کی تفسیر میں ذکر کر دی ہے۔

ابویعلی نے مسند اور طبرانی نے الکبیر میں بیان کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی اس رات کو آپ حضرت ام ہانی کے مکان میں تھے اور اسی رات میں (فوراً) آپ واپس آ گئے تھے اور امّ ہانی سے معراج کی کیفیت بیان فرمائی تھی، اور فرمایا تھا کہ پیغمبروں کو مُشکّل (یعنی مجسم) کر کے میرے سامنے لایا گیا اور میں نے ان کو نماز پڑھائی پھر (صبح کو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں آئے اور قریش کو اطلاع دی۔ لوگوں نے ناممکن سمجھ کر تعجب کیا اور بعض مسلمان بھی مرتد ہو گئے۔ کچھ لوگ دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، اگر انہوں نے ایسا فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے۔ لوگوں نے کہا کیا اس کی ایسی باتوں کو بھی آپ سچ جانتے ہیں۔ فرمایا میں تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتوں کی ان کے متعلق تصدیق کرتا ہوں (جبرئیلؑ کا آنا اور اللہ کی طرف سے قرآن لانا اور وقتاً فوقتاً نازل ہو کر وحی لانا تو اس سے بھی زیادہ دور کی باتیں ہیں اور میں ان تمام باتوں میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ایمان لایا ہوں) حضرت ابوبکرؓ کو اسی تصدیق کی وجہ سے صدیق کا لقب مل گیا کچھ لوگ بیت المقدس جا چکے تھے اور وہاں کے حالات سے واقف تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے متعلق دریافت کیا۔ فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے اور آپ بیت المقدس کو سامنے دیکھ کر حالات بیان کرنے لگے، لوگوں نے کہا، کیفیت تو آپ نے ٹھیک بیان کی اب آپ ہمارے قافلہ کے متعلق بتایئے (کہ وہ کہاں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اونٹوں کی تعداد اور اونٹوں پر جو مال تھا اس کی کیفیت بتا دی اور فرمایا فلاں دن طلوع آفتاب کے وقت قافلہ آ پہنچے گا اور آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہوگا، لوگ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے درے میں پہنچے قافلہ آتا ہوا مل گیا اور ویسا ہی ملا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پھر بھی ایمان نہ لائے اور بولے "یہ تو محض کھلا ہوا جادو ہے"۔

میں کہتا ہوں معراج کا واقعہ دو مرتبہ ہوا ایک بار حطیم سے اور دوسری بار حضرت ام ہانی کے مکان سے۔ دونوں حدیثیں اپنی جگہ صحیح ہیں دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے کہا شب معراج ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی لوگ کہتے ہیں ایک بار رجب کے مہینے میں شب معراج ہوئی اور دوسری بار ماہ رمضان میں۔

مسجد اقصیٰ:

اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک اقصیٰ (انتہائی، آخری۔ پرے کے کنارے کی) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک کوئی اور مسجد نہ تھی اور اس زمانے میں بیت المقدس سے پرے بھی کوئی مسجد نہ

تھی۔ رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا، مسجد اقصیٰ بہت دور تھی ان کی نظر میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے رات ہی میں واپس آ جانا ناممکن تھا۔

ایک آن میں یہ سفر ناممکن نہیں:

بیضاوی نے لکھا ہے بیت المقدس تک آن کی آن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچ جانا ناممکن تھا۔ آفتاب کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت زمین کے دونوں کناروں کے درمیان کی مسافت سے کچھ اوپر ایک سو ساٹھ گنا زائد ہے اور ایک سیکنڈ میں آفتاب کا نچلا کنارہ بالائی کنارے کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور یہ امر علم کلام میں ثابت کر دیا گیا ہے کہ تمام اجسام میں اعراض کو قبول کرنے کی صلاحیت ایک جیسی ہے پھر کیا محال ہے کہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن یا بدنی قوتوں میں آفتاب جیسی یا اس سے بھی زیادہ تیز حرکت پیدا کر دی ہو، جب سرعت حرکت ممکن بلکہ بعض اجسام میں واقع ہے تو اللہ کے لیے ناممکن نہیں کہ جو کچھ اور جیسا کچھ چاہے پیدا کر دے۔ رہا تعجب تو وہ معجزات پر ہوا ہی کرتا ہے وہ معجزہ ہی کیا جس پر تعجب نہ ہو۔

واقعہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانیؓ کو بتلایا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ آپ اس کا کسی سے ذکر نہ کریں ورنہ لوگ اور زیادہ تکذیب کریں گے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو اس میں تکذیب کی کیا بات تھی۔

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں پر اس کا اظہار کیا تو کفار مکہ نے تکذیب کی اور مذاق اڑایا یہاں تک کہ بعض نو مسلم اس خبر کو سنکر مرتد ہو گئے اگر معاملہ خواب کا ہوتا تو ان معاملات کا کیا امکان تھا اور یہ بات اس کے منافی نہیں کہ آپ کو اس سے پہلے اور بعد میں کوئی معراج روحانی بصورتِ خواب بھی ہوئی۔

واقعۂ معراج کے راوی:

اور امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں ان تمام روایات کو پوری جرح و تعدیل کے ساتھ نقل کیا ہے پھر پچیس صحابہ کرام کے اسماء ذکر کئے ہیں جن سے یہ روایات منقول ہیں ان کے اسماء یہ ہیں۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب، علی مرتضیٰؓ، ابن مسعودؓ، ابوذر غفاریؓ، مالک بن صعصعہ، ابوہریرہؓ، ابوسعید، ابن عباس، شداد بن اوسؓ، ابی بن کعبؓ، عبدالرحمٰن بن قرظ، ابحیہ، ابولیلے، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، حذیفہ بن یمان، بریدہ، ابوایوب انصاریؓ، ابوامامہ، سمرہ بن جندب، ابوالحمراء، صہیب الرومیؓ، ام ہانی، عائشہ ام المومنین، اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم اجمعین اس کے بعد ابن کثیر نے فرمایا۔

فحديث الاسراء اجمع عليه المسلمون واعرض عنه الزنادقة والملحدون. (ابن کثیر)

واقعہ اسراء کی حدیث پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے صرف ملحد و زندیق لوگوں نے اس کو نہیں مانا۔

مختصر واقعہ معراج ابن کثیر کی روایت سے:

امام ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت مذکورہ کی تفسیر اور احادیث متعلقہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر اسراء بیداری میں پیش آیا خواب میں نہیں، مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک یہ سفر براق پر ہوا۔ جب دروازہ بیت المقدس پر پہنچے تو براق کو دروازہ کے قریب باندھ دیا اور آپ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوئے اور اس کے قبلہ کی طرف تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں ادا فرمائیں اس کے بعد ایک زینہ لایا گیا جس میں نیچے سے اوپر جانے کے درجے بنے ہوئے تھے اس زینہ کے ذریعہ آپ پہلے آسمان پر تشریف لے گئے اس کے بعد باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے (اس زینہ کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ کیا اور کیسا تھا آجکل بھی زینہ کی بہت سی قسمیں دنیا میں رائج ہیں ایسے زینے بھی ہیں جو خود حرکت میں لفٹ کی صورت کے زینے بھی ہیں اس معجزانہ زینہ کے متعلق کسی شک و شبہ میں پڑنے کا کوئی مقام نہیں) ہر آسمان میں وہاں کے فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور ہر آسمان میں ان انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی جن کا مقام کسی معین آسمان میں ہے۔ مثلاً چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں میں حضرت خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر آپ ان تمام انبیاء علیہم السلام کے مقامات سے بھی آگے تشریف لے گئے اور ایک ایسے میدان میں پہنچے جہاں قلم تقدیر کے لکھنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو دیکھا جس پر اللہ جل شانہ کے حکم سے سونے کے پروانے اور مختلف رنگ کے پروانے گر رہے تھے اور جس کو اللہ کے فرشتوں نے گھیرا ہوا تھا۔

جبریلؑ کی اصل شکل اور رفرف:

اسی جگہ حضرت جبرئیل امین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اصلی شکل میں دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے اور وہیں پر ایک رفرف سبز رنگ کا دیکھا جس نے افق کو گھیرا ہوا تھا۔ رفرف مسند سبز، ہرے رنگ کی پالکی اور آپ نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جسکے پاس بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار سے کمر لگائے بیٹھے ہوئے تھے اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جنکی باری دوبارہ داخل ہونے کی قیامت تک نہیں آتی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کا بچشم خود معائنہ فرمایا۔ اس وقت آپ کی امت پر اول پچاس نمازوں کے فرض ہونے کا حکم ملا پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں۔ اس سے تمام عبادات کے اندر نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

تمام انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی امامت:

اس کے بعد آپ واپس بیت المقدس میں اترے اور جن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختلف آسمانوں میں ملاقات ہوئی تھی وہ بھی آپ کے ساتھ اترے (گویا) آپ کو رخصت کرنے کے لئے بیت المقدس تک ساتھ آئے اس وقت آپ نے نماز کا وقت ہوجانے پر سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا فرمائی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ نماز اسی دن صبح کی نماز ہو۔ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ امامت انبیاء کا واقعہ بعض حضرات کے نزدیک آسمان پر جانے سے پہلے پیش آیا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ واپسی کے بعد ہوا کیونکہ آسمانوں پر انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کے واقعہ میں یہ منقول ہے کہ سب انبیاء سے جبرئیل امین نے آپکا تعارف کرایا۔ اگر واقعہ امامت پہلے ہو چکا ہوتا تو یہاں تعارف کی ضرورت نہ ہوتی اور یوں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس سفر کا اصل مقصد ملاء اعلیٰ میں جانے کا تھا پہلے اسی کو پورا کرنا اقرب معلوم ہوتا ہے پھر جب اس اصل کام سے فراغت ہوئی تو تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے ساتھ مشایعت رخصت، کے لئے بیت المقدس تک آئے اور آپ کو جبرئیل امین کے اشارہ سے سب کا امام بنا کر آپ کی سیادت اور سب پر فضیلت کا عملی ثبوت دیا گیا۔

اس کے بعد آپ بیت المقدس سے رخصت ہوئے اور براق پر سوار ہو کر اندھیرے وقت میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

واقعہ معراج کے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامہ مبارک دیکر حضرت دحیہ ابن خلیفہؓ کو بھیجا اس کے بعد حضرت دحیہؓ کے خط پہنچانے اور شاہ روم تک پہنچنے اور اس کے صاحب عقل و فراست ہونے کا تفصیلی واقعہ بیان کیا۔ (جو صحیح بخاری اور حدیث کی سب معتبر کتب میں موجود ہے۔ جس کے آخر میں ہے کہ شاہ روم ہرقل نے نامہ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی تحقیق کرنے کیلئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان ابن حرب اور ان کے رفقاء جو اس وقت مشہور تجارتی قافلہ لے کر شام میں آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جنکی تفصیل صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں موجود ہے، ابو سفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے حیثیت ہونا ظاہر ہو مگر ابوسفیان کہتے ہیں کہ مجھے اپنے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا کھل جائے اور میں بادشاہ کی نظر سے گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں۔ البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ اس کے سامنے واقعہ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا۔ تو میں نے کہا کہ میں ان کا ایک معاملہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس کے متعلق آپ خود معلوم کرلیں گے کہ وہ جھوٹ ہے۔ ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ یہ مدعی نبوت یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور پھر اسی رات میں صبح سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہمارے پاس پہنچ گئے۔

ایلیاء (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم ہرقل کے سرہانے پر قریب کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں اس رات سے واقف ہوں۔ شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ آپ کو اس کا علم کیسے اور کیونکر ہوا اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ میں رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا جب تک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں۔ اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کردیئے مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے عملہ کے لوگوں کو بلایا انہوں نے ملکر کوشش کی مگر وہ ان سے بھی بند نہ ہوسکا دروازے کے کواڑ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہوکر کاریگروں اور نجاروں کو بلوایا۔ انہوں نے دیکھ کر کہا کہ ان کواڑوں کے اوپر دروازہ کی عمارت کا بوجھ پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی تدبیر نہیں صبح کو ہم دیکھیں گے کہ کس طرح کیا جائے۔ میں مجبور ہوکر لوٹ آیا اور دونوں کواڑ اس دروازے کے کھلے رہے۔ صبح ہوتے ہی میں پھر اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دروازہ مسجد کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں روزن کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھا گیا ہے اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ آج اس دروازہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید اس لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنے والے تھے اور پھر بیان کیا کہ اس رات آپ نے ہماری مسجد میں نماز بھی پڑھی ہے اس کے بعد اور تفصیلات بیان کی ہیں۔ (ابن کثیر ص۲۴ ج۳)

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ واقعہ معراج اس وقت پیش آیا جبکہ اسلام عام قبائل عرب میں پھیل چکا تھا ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ واقعہ معراج ہجرت مدینہ سے کئی سال پہلے کا ہے۔

مسجد حرام اور مسجد اقصےٰ:

حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ''مسجد حرام'' پھر میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کونسی تو آپ نے فرمایا ''مسجد اقصےٰ'' میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ چالیس سال پھر فرمایا کہ مسجدوں کی ترتیب تو یہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ساری زمین کو مسجد بنا دیا ہے جس جگہ نماز کا وقت آ جائے وہیں نماز ادا کر لیا کرو۔ (رواہ مسلم)

امام تفسیر مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی جگہ کو پوری زمین سے دو ہزار سال پہلے بنایا ہے اور اس کی بنیادیں ساتویں زمین کے اندر تک پہنچی ہوئی ہیں اور مسجد اقصےٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا ہے۔

(رواہ النسائی باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرؓ تفسیر قرطبی ص ۱۳۷ ج ۴)

مسجد اقصےٰ اور ملک شام کی برکات:

آیت میں بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ میں حول سے مراد پوری زمین شام ہے ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے دریائے فرات تک مبارک زمین بنائی ہے اور اس میں سے فلسطین کی زمین کو تقدس خاص عطا فرمایا ہے۔ (روح المعانی)

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ملک شام تو تمام شہروں میں سے میرا منتخب خطہ ہے اور میں تیری طرف اپنے منتخب بندوں کو پہنچاؤں گا (قرطبی) اور مسند احمد میں حدیث ہے کہ دجال ساری زمین میں پھریگا مگر چار مسجدوں تک اس کی رسائی نہ ہوگی۔

پہلا واقعہ: حضرت سلیمان علیہ السلام بانی مسجد اقصیٰ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد پیش آیا کہ بیت المقدس کے حاکم نے بے دینی اور بدعملی اختیار کر لی تو مصر کا ایک بادشاہ اس پر چڑھ آیا اور بیت المقدس کا سامان سونے چاندی کا لوٹ کر لے گیا مگر شہر اور مسجد کو منہدم نہیں کیا۔

دوسرا واقعہ: اس سے تقریباً چار سو سال بعد کا ہے کہ بیت المقدس میں بسنے والے بعض یہودیوں نے بت پرستی شروع کر دی اور باقیوں میں نا اتفاقی اور باہمی جھگڑے ہونے لگے اس کی نحوست سے پھر مصر کے کسی بادشاہ نے ان پر چڑھائی کر دی اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا پھر انکی حالت کچھ سنبھل گئی۔

تیسرا واقعہ: اس کے چند سال بعد جب بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس پر چڑھائی کر دی اور شہر کو فتح کر کے بہت سا مال لوٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنے قائمقام کی حیثیت سے اس شہر کا حاکم بنا دیا۔

چوتھا واقعہ: اس نئے بادشاہ نے جو بت پرست اور بدعمل تھا بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ چڑھ آیا اور کشت و خون اور قتل و غارت کی کوئی حد نہ رہی شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چار سو پندرہ سال کے بعد پیش آیا اس کے بعد یہودی یہاں سے جلاوطن ہو کر بابل چلے گئے جہاں نہایت ذلت وخواری سے رہتے ہوئے ستر سال گذر گئے اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کر کے بابل فتح کر لیا۔ پھر شاہ ایران کو ان جلاوطن یہودیوں پر رحم آیا اور ان کو واپس ملک شام میں پہنچا دیا اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کر دیا۔ اب یہودا اپنے اعمال بد اور معاصی سے تائب ہو چکے تھے۔ یہاں نئے سرے سے آباد ہوئے تو شاہ ایران کے تعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنا دیا۔

پانچواں واقعہ:

یہ پیش آیا کہ جب یہود کو یہاں اطمینان اور آسودگی دوبارہ حاصل ہوگئی تو اپنے ماضی کو بھول گئے اور پھر بدکاری اور بداعمالی میں منہمک ہو گئے تو حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جس بادشاہ نے انطاکیہ آباد کیا تھا اس نے چڑھائی کر دی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بہت بے حرمتی کی مگر عمارت مسجد کی بچ گئی مگر پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہوگئی انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چھٹا واقعہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور رفع جسمانی کے چالیس برس بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے اپنے حکمران سلاطین روم سے بغاوت اختیار کر لی رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کو تباہ کر کے وہی حالت بنا دی جو پہلے تھی اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطش تھا جو نہ یہودی تھا نہ نصرانی کیونکہ اس کے بہت روز کے بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا ہے اور اس کے بعد سے حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی۔ یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ یہ چھ واقعات تفسیر بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر حقانی لکھے گئے ہیں۔

ممتاز عظمت والا گھر:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے لئے سونے چاندی اور جواہرات یاقوت و زمرد سے بنایا تھا اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا۔ جنات نے یہ تمام جواہرات اور سونے چاندی جمع کر کے ان سے مسجد بنائی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

دودھ کو پسند کرنا:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس براق لایا گیا جو گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا تھا جو ایک ایک قدم اتنی اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچے۔ میں اس پر سوار ہوا وہ مجھے لے چلا میں بیت المقدس پہنچا اور اسی کنڈے میں اُسے باندھ دیا جہاں انبیاء باندھا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کی۔ جب وہاں سے نکلا تو حضرت جبرئیل میرے پاس ایک برتن میں شراب لائے اور ایک میں دودھ لائے۔ میں نے دودھ کو پسند کرلیا۔ جبرئیل نے فرمایا تم فطرت تک پہنچ گئے۔

حضرت موسیٰ کی نماز:

ابوداؤد میں ہے کہ معراج والی رات جب میں حضرت موسیٰؑ کی قبر سے گزرا تو میں نے انہیں وہاں نماز میں کھڑا پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے مسجد اقصیٰ کے نشانات پوچھے۔ جو آپ نے بتانے شروع کئے ہی تھے کہ حضرت صدیقؓ کہنے لگے آپ بجا ارشاد فرمار ہے ہیں اور سچے ہیں۔ میری گواہی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسے دیکھ رکھا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب مجھے میرے رب عزوجل کی طرف چڑھایا گیا تو میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنے چہروں اور سینوں نوچ اور چھیل رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو جواب دیا گیا کہ وہ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزت آبرو کے درپے رہتے تھے۔

اہم مقامات میں نماز:

اور روایت میں ہے کہ جب میں براق پر حضرت جبرئیل کی معیت میں چلا تو ایک جگہ انہوں نے مجھ سے فرمایا یہیں اتر کر نماز ادا کیجئے جب میں نماز پڑھ چکا تو فرمایا جانتے ہو یہ کونسی جگہ ہے؟ یہ طیبہ یعنی مدینہ ہے یہی ہجرت گاہ ہے۔ پھر ایک اور جگہ مجھ سے نماز پڑھوالی اور فرمایا یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا پھر ایک اور جگہ نماز پڑھوا کر فرمایا یہ بیت لحم ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ پھر میں بیت المقدس پہنچا وہاں تمام انبیاءؑ جمع ہوئے جبرئیل نے مجھے امام بنایا۔ میں نے ان کی امامت کی۔ پھر مجھے آسمان کی طرف چڑھالے گئے۔ پھر آپ کا ایک ایک آسمان پر پہنچنا وہاں پیغمبروں سے ملنا مذکور ہے۔

حوروں سے ملاقات:

ابن ابی حاتم میں بھی معراج کے واقعہ کی مطول حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی مسجد کے پاس اس دروازے پر پہنچے جسے باب محمد کہا جاتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) وہیں ایک پتھر تھا جسے حضرت جبرئیل نے اپنی انگلی لگائی تو اس میں سوراخ ہو گیا۔ وہیں آپ نے براق کو باندھا اور مسجد پر چڑھ گئے۔ بیچوں بیچ پہنچ جانے کے بعد حضرت جبرئیل نے کہا آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ آرزو کی ہے کہ وہ آپ کو حوریں دکھائے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا آیئے وہ یہ ہیں سلام کیجئے وہ صخرہ کے بائیں جانب بیٹھی ہوئیں تھیں میں نے وہاں پہنچ کر انہیں سلام کیا۔ سب نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم سب کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیک سیرت خوبصورت حوریں، ہم بیویاں ہیں خدا کے ان پرہیزگار بندوں کی جو نیک کار ہیں، جو گناہوں کے میل کچیل سے دور ہیں جو پاک کر کے ہمارے پاس لائے جائیں گے پھر نہ نکالے جائیں گے ہمارے پاس ہی رہیں گے کبھی جُدا نہ ہوں گے ہمیشہ زندہ رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔

انبیاء کی امامت:

میں ان کے پاس سے چلا آیا وہیں لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے اور ذرا سی دیر میں بہت سے آدمی جمع ہو گئے۔ مؤذن نے اذان کہی تکبیر ہوئی اور ہم سب کھڑے ہو گئے۔ منتظر تھے کہ امامت کون کرے گا کہ جبرئیلؑ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے کر دیا۔ میں نے انہیں نماز پڑھائی جب فارغ ہوا تو جبرئیلؑ نے کہا جانتے بھی ہو کن کو آپ نے نماز پڑھائی؟ میں نے کہا نہیں۔

آسمان پر استقبال:

فرمایا آپ کے پیچھے آپ کے یہ سب مقتدی خدا کے پیغمبر تھے۔ جنھیں اللہ تعالیٰ مبعوث فرما چکا ہے۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر آسمان کی طرف چلے۔ آپ فرماتے ہیں پھر جبرئیل مجھے لے کر نیچے اترے میں نے ان سے پوچھا کہ جس آسمان پر میں پہنچا وہاں کے فرشتوں نے خوشی ظاہر کی ہنس ہنس کر مسکراتے ہوئے مجھ سے ملے بجز ایک فرشتے کے کہ اس نے مرے سلام کا جواب تو دیا مجھے مرحبا بھی کہا لیکن مسکرائے نہیں، یہ کون ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا وہ مالک ہیں، جہنم کے داروغہ ہیں اپنے پیدا ہونے سے لے کر آج تک وہ ہنسے ہی نہیں اور قیامت تک ہنسیں گے بھی نہیں کیونکہ ان کی خوشی کا یہی ایک بڑا موقعہ تھا۔

قریشیوں کا ایک قافلہ:

واپسی میں قریشیوں کے ایک قافلہ کو دیکھا جو غلہ لادے جا رہا تھا۔ اس میں ایک اونٹ تھا جس پر ایک سفید اور ایک سیاہ بورا تھا جب آپ اس کے قریب سے گزرے تو وہ چمک گیا اور مڑ گیا گر پڑا اور لنگڑا ہو گیا آپ اسی طرح اپنی جگہ پہنچا دیئے گئے۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا:

مسند احمد میں ہے عبداللہ بن شقیق نے حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ اگر میں رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو کم از کم ایک بات تو ضرور پوچھ لیتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ کہا یہی کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ تو حضرت ابوذرؓ نے فرمایا یہ تو میں نے آپ سے پوچھا تھا آپ نے جواب دیا کہ میں نے اسے نور دیکھا میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟ اور روایت میں ہے کہ وہ نور ہے میں اسے کہاں سے دیکھ سکتا ہوں؟ ایک روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا۔

بیت المقدس کی نشانیاں:

بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب میں نے معراج کے واقعہ کا لوگوں سے ذکر کیا اور قریش نے مجھے جھٹلایا میں اس وقت حطیم میں کھڑا ہوا تھا اللہ نے بیت المقدس میری نگاہوں کے سامنے لا دیا اور اسے بالکل ظاہر کر دیا۔ اب جو نشانیاں وہ مجھ سے پوچھتے تھے میں دیکھتا جاتا تھا اور بتلاتا جاتا تھا۔ بیہقی میں ہے کہ بیت المقدس میں آپ نے حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی۔

ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ اپنے معراج کی کیفیت تو بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا سنو! میں نے اپنے اصحاب کو مکہ میں عشاء کی نماز دیر سے پڑھائی، پھر جبرئیلؑ میرے پاس سفید رنگ کا ایک جانور لائے گدھے سے اونچا اور خچر سے نیچا اور مجھ سے فرمایا کہ اس پر سوار ہو جائیے۔ اس نے کچھ سختی کی تو آپ نے اس کا کان مروڑا اور مجھے اس پر سوار کرا دیا۔ اس میں مدینہ میں نماز پڑھنے کا پھر مدین میں اس درخت کے پاس نماز پڑھنے کا ذکر ہے جہاں حضرت موسیٰؑ ٹھہرے تھے۔ پھر بیت لحم میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے، جہاں حضرت عیسیٰؑ تولد ہوئے تھے۔ پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا۔ وہاں سخت پیاس لگنے کا اور دودھ اور شہد کے برتن آنے کا اور پیٹ بھر کر دودھ پینے کا ذکر ہے فرماتے ہیں وہیں ایک شیخ تکیہ لگائے بیٹھے تھے جنہوں نے کہا یہ فطرت تک پہنچ گئے اور راہ یافتہ ہوئے۔ پھر ہم ایک وادی پر آئے جہاں جہنم کو میں نے دیکھا جو سخت دہکتے ہوئے انگارے کی طرح تھی پھر لوٹتے ہوئے فلاں جگہ قریش کا قافلہ ہمیں ملا جو اپنے کسی گم شدہ اونٹ کی تلاش میں تھا۔ میں نے انہیں سلام کیا بعض لوگوں نے میری آواز بھی پہچان لی اور آپس میں کہنے لگے یہ آواز تو بالکل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر صبح سے پہلے میں اپنے اصحاب کے پاس مکہ شریف پہنچ گیا۔ میرے پاس ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رات میں کہاں تھے؟ جہاں جہاں خیال پہنچا میں نے سب جگہ تلاش کیا لیکن آپ نہ ملے۔ میں نے کہا میں تو رات بیت المقدس ہو آیا کہا وہ تو یہاں سے مہینہ بھر کے فاصلہ پر ہے۔ اچھا وہاں کے کچھ نشانات بیان فرمائیے۔ اسی وقت وہ میرے سامنے کر دیا گیا گویا کہ میں اسے دیکھ رہا ہوں، اب جو بھی مجھ سے سوال ہوتا میں دیکھ کر جواب دیدیتا۔ پس ابوبکرؓ نے کہا کہ میری گواہی ہے، کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں لیکن کفار قریش باتیں بنانے لگے کہ ابن ابی کبشہ کو دیکھو کہتا پھرتا ہے کہ ایک ہی رات میں بیت المقدس ہو آیا۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں ایک نشان بتلاؤں۔ تمہارے قافلے کو میں نے فلاں مقام پر دیکھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا جسے فلاں شخص لے آیا۔ اب وہ اتنے فاصلے پر ہیں ایک منزل ان کی فلاں جگہ ہوگی دوسری فلاں جگہ اور وہ فلاں دن یہاں پہنچیں گے ان کے قافلے میں سب سے پہلے گندمی رنگ کا اونٹ ہے، جس پر سیاہ جھول پڑی ہوئی ہے اور دو سیاہ بوریاں اسباب کی دونوں طرف لدی ہوئی ہیں۔ جب وہ دن آیا جو دن اس قافلے کی واپس پہنچنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، دو پہر کو لوگ دوڑے بھاگے شہر کے باہر گئے کہ دیکھیں یہ سب باتیں سچ ہیں؟ تو دیکھا کہ قافلہ آ رہا ہے اور واقعی وہی اونٹ آگے ہے۔

جنت میں حضرت بلال کی آہٹ:

ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ جب آپ معراج والی رات جنت میں تشریف لے گئے تو ایک طرف سے پیروں کی چاپ کی آواز آئی۔ آپ نے پوچھا جبرئیل! یہ کون ہیں؟ جواب ملا کہ حضرت بلال مؤذن ہیں۔ آپ نے واپس آ کر فرمایا بلال تو نجات پا چکے، میں نے اس اس طرح دیکھا۔

حضرت موسیٰؑ کا حلیہ:

اس میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے بوقت ملاقات فرمایا نبی امی کو مرحبا ہو۔ حضرت موسیٰ گندمی رنگ کے لانبے قد کے کانوں تک یا کانوں سے قدرے اونچے بال والے تھے۔

بخاری ومسلم کی ایک روایت میں آپ کا حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ حضرت ابراہیمؑ کے حلیے وغیرہ بھی بیان کرنا مروی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث میں حطیم میں آپ سے بیت المقدس کے سوالات کئے جانے اور پھر اس کے ظاہر ہو جانے کا واقعہ بھی ہے اس میں بھی ان تینوں نبیوں سے ملاقات کرنے کا اور ان کے حلیے کا بیان ہے اور یہ بھی کہ آپ نے انہیں نماز میں کھڑا پایا۔ آپ نے مالک خازنِ جہنم کو بھی دیکھا اور انہوں نے ہی ابتداءً آپ سے سلام کیا بیہقی وغیرہ میں کئی ایک صحابہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے مکان پر سوئے ہوئے تھے۔ آپ عشا کی نماز سے فارغ ہو گئے تھے وہیں سے آپ کو معراج ہوئی۔

بعض لوگوں کا مرتد ہونا:

اب حضرت عائشہؓ کی روایت سنیے۔ بیہقی میں ہے کہ جب صبح کے وقت

لوگوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا ذکر کیا تو بہت سے لوگ مرتد ہو گئے جو اس سے پہلے باایمان اور تصدیق کرنے والے تھے۔ پھر حضرت صدیقؓ کے پاس ان کا جانا اور آپ کا سچا ماننا اور صدیق لقب پانا مروی ہے۔

حضرت ام ہانیؓ کا بیان:

طبرانی میں حضرت ام ہانیؓ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میرے ہاں سوئے ہوئے تھے۔ میں نے رات کو آپ کی ہر چند تلاش کی لیکن نہ پایا۔ ڈر تھا کہ کہیں قریشیوں نے کوئی دھوکا نہ کیا ہو، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ تھام کر مجھے لے چلے دروازے پر ایک جانور تھا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے اونچا تھا مجھے اس پر سوار کیا۔ پھر مجھے بیت المقدس پہنچایا۔ حضرت ابراہیمؑ کو دکھایا وہ اخلاق میں اور صورت شکل میں بالکل میرے مشابہ تھے۔ حضرت موسیٰ کو دکھایا لانبے قد کے سیدھے بالوں کے ایسے تھے جیسے ازدشنؤ کے قبیلے کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اسی طرح مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دکھایا، درمیانہ قد سفید سرخی مائل رنگ بالکل ایسے جیسے عروہ بن مسعود ثقفی ہیں۔ دجال کو دکھایا۔ ایک آنکھ اس کی بالکل مٹی ہوئی تھی۔ ایسا تھا جیسے قطن ابن عبدالعزیٰ۔ اتنے ارشاد کے بعد فرمایا کہ اچھا میں جاتا ہوں اور جو دیکھا ہے وہ قریش سے بیان کرتا ہوں۔ میں نے آپ کا پلہ تھام لیا اور عرض کیا کہ للّٰہ آپ اپنی قوم میں اس کو بیان نہ کریں وہ آپ کو جھٹلائیں گے آپ کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور اگر بس چلا تو آپ کی بے ادبی کریں گے۔ لیکن آپ نے جھٹکا مار کر اپنا دامن میرے ہاتھ سے چھڑا لیا اور سیدھے قریش کے مجمع میں پہنچ کر ساری باتیں بیان فرمادیں۔ جبیر بن مطعم کہنے لگا بس حضرت! آج ہمیں معلوم ہو گیا اگر آپ سچے ہوتے تو ایسی بات ہم میں بیٹھ کر نہ کہتے۔ ایک شخص نے کہا کیوں حضرت! راستے میں ہمارا قافلہ بھی ملا تھا؟ آپ نے فرمایا ہاں، اور ان کا ایک اونٹ کھو گیا تھا جس کی تلاش کر رہے تھے۔ کسی نے کہا اور فلاں قبیلے والوں کے اونٹ بھی راستے میں ملے؟ آپ نے فرمایا وہ بھی ملے تھے فلاں مقام پر تھے اس میں ایک سرخ رنگ اونٹنی تھی جس کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ ان کے پاس ایک بڑے پیالہ میں پانی تھا جسے میں نے پیا بھی۔ انہوں نے کہا اچھا ان کے اونٹوں کی گنتی بتلاؤ۔ ان میں چرواہے کون کون تھے۔ یہ بھی بتلاؤ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے قافلہ آپ کے سامنے کر دیا۔ آپ نے ساری گنتی بھی بتلادی اور چرواہوں کے نام بھی بتلا دیئے ایک چرواہا ان میں ابن ابی قحافہ تھا اور یہ بھی فرمادیا کہ کل صبح کو وہ ثنیہ پہنچ جائیں گے چنانچہ اس وقت اکثر لوگ بطور آزمائش ثنیہ جا پہنچے۔ دیکھا کہ واقعی قافلہ آ گیا ان سے پوچھا کہ تمہارا اونٹ کھویا گیا تھا؟ انہوں نے کہا درست ہے کھو گیا تھا دوسرے قافلے والوں سے پوچھا کیا کسی سرخ رنگ اونٹنی کا پاؤں ٹوٹ گیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ بھی صحیح ہے۔ پوچھا کیا تمہارے پاس بڑا پیالہ پانی کا بھی تھا؟ ابوبکرؓ نے کہا ہاں خدا کی قسم اسے تو میں نے آپ رکھا تھا اور ان میں سے نہ کسی نے اسے پیا نہ وہ پانی گرایا گیا۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ یہ آپ پر ایمان لائے اور اس دن سے ان کا نام صدیق رکھا گیا۔

واقعہ معراج کے راوی:

حضرت ابوالخطاب عمر بن وحیہؒ اپنی کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر میں حضرت انسؓ کی روایت سے معراج کی حدیث وارد کر کے اس کے متعلق نہایت عمدہ کلام کر کے پھر فرماتے ہیں معراج کی حدیث متواتر ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوذرؓ، حضرت مالک ابن صعصعہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت شداد بن اوسؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ، حضرت ابوحبہؓ، حضرت ابولیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر، حضرت حذیفہ، حضرت بریدہ، حضرت ابوایوب، حضرت ابوامامہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابوالحمراء، حضرت صہیب رومی، حضرت ام ہانی، حضرت عائشہ، حضرت اسماء وغیرہ سے مروی ہے رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان میں سے بعض نے تو اسے مطول بیان کیا ہے اور بعض نے مختصر۔ گو ان میں سے بعض روایتیں سنداً صحیح نہیں، لیکن بالجملہ صحت کے ساتھ واقعہ معراج ثابت ہے اور مسلمان اجماعی طور پر اس کے قائل ہیں ہاں بیشک زندیق اور ملحد لوگ اس کے منکر ہیں وہ خدا کے نورانی چراغ کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں لیکن وہ پوری روشنی کی ساتھ چمکتا ہوا ہی رہے گا گو کافروں کو برا لگے۔

قیامت کی علامات:

مسند احمد میں ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ شب معراج میں ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملا وہاں قیامت کے قائم ہونے کے خاص وقت کی بابت مذاکرہ ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ نے لاعلمی ظاہر کی تو کہا حضرت موسیٰ سے پوچھو، انہوں نے بھی بے خبری ظاہر کی، پھر طے ہوا کہ حضرت عیسیٰ پر رکھو، آپ نے فرمایا اس کے صحیح وقت کا علم تو بجز خدا کے کسی کو نہیں، ہاں یہ تو مجھ سے فرمایا گیا ہے کہ دجال نکلنے والا ہے اس وقت میرے ساتھ دو چھڑیاں ہوں گی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی سیسے کی طرح گھلنے لگے گا۔ آخر میری وجہ سے اللہ اسے ہلاک کرے گا۔ پھر تو درخت پتھر بھی بول اٹھیں گے کہ اے مسلمان دیکھ یہاں میرے نیچے ایک کافر چھپا ہوا ہے۔ آ اور اسے قتل کر۔ پس اللہ تعالیٰ ان سب کو ہلاک کرے گا۔ لوگ ٹھنڈے دلوں اپنے شہروں اپنے وطنوں میں

لوٹ جائیں گے۔ اسی زمانہ میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جو ہر اونچائی سے کودتے پھاندتے آئیں گے جو چیز پائیں گے غارت کردیں گے جو پانی دیکھیں گے پی جائیں گے آخر لوگ تنگ آ کر مجھ سے شکایت کریں گے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ساتھ ہی ہلاک کردے گا لیکن زمین پر ان لاشوں کے تعفن کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل ہوجائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو ان کی لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گی۔ مجھے یہ خوب معلوم ہے کہ اس کے بعد ہی فوراً قیامت آجائے گی جیسے پورے دن کی حمل والی عورت ہو کہ نہ جانے صبح فارغ ہوجائے یا رات ہی کو۔

کشتی نوح پر سواری:

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات مسجد حرام سے بیت المقدس کی مسجد تک پہنچایا گیا اس رات آپ زمزم اور مقام ابراہیم کے درمیان تھے کہ جبرئیل دائیں اور میکائیل بائیں سے آپ کو اڑا لے گئے۔ اور اپنے پیارے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی پر چڑھالیا تھا۔ تمہیں اپنے بڑوں کی طرح ہماری شکرگزاری کرنی چاہیے۔ دیکھوں میں نے تمہاری طرف اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت نوحؑ چونکہ کھا کر، پی کر، پہن کر غرض ہر وقت خدا کی حمد وثنا بیان فرماتے رہتے تھے اس لئے آپ کو شکرگزار بندہ کہا گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ

جس کو گھیر رکھا ہے ہماری برکت نے تاکہ دکھلائیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے

ملک شام کی مادی وروحانی برکات:

یعنی جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری وباطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے انبیاء ورسل کا مسکن ومدفن اور انکے فیوض وانوار کا سرچشمہ رہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیادت:

شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات انبیاء بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کردیئے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسمٰعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ ''کعبہ'' اور ''بیت المقدس'' دونوں کے انوار وبرکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ احادیث معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو سیادت وامامت انبیاء کا منصب دیا

گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ☆

یعنی اصلی سننے والا اور دیکھنے والا خدا ہے۔ وہ جسے اپنی قدرت کے نشان دکھلانا چاہے دکھلا دیتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مناجات کو سنا اور احوال رفیعہ کو دیکھا۔ آخر ''معراج شریف'' میں بی یُبْصِرُ والی آنکھ سے وہ آیات عظام دکھلائیں، جو آپ کی استعداد کامل اور شان رفیع کے مناسب تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکرؓ کی سچائی:

بغوی نے لکھا ہے جب معراج سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذی طوٰی میں پہنچے تو فرمایا جبرئیل! میری قوم والے اس کی تصدیق نہیں کریں گے حضرت جبرئیل نے فرمایا ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے اور وہ بڑے سچے ہیں۔

واقعہ معراج قریش کے سامنے:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا اس کی صبح کو میں مکہ میں بیٹھا اپنے متعلق سوچ رہا تھا اور سمجھا ہوا تھا کہ میری قوم والے مجھے جھوٹا قرار دیں گے ایک گوشہ میں الگ تھلگ غمگین بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں اس طرف سے ابوجہل کا گذر ہوا اور مذاق کے لہجے میں اس نے کہا (کیسے بیٹھے ہو) کیا کوئی نئی چیز حاصل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا تھا ابوجہل نے کہا، کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیت المقدس کو۔ ابوجہل بولا پھر صبح ہوئی تو تم ہمارے سامنے موجود ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ ابوجہل انکار نہ کرسکا اس کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ بات اسی پر نہ پڑے۔ کہنے لگا تم نے جو بات میرے سامنے بیان کی ہے کیا اپنی قوم والوں کے سامنے بھی بیان کردو گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، ابوجہل نے (پکار کر) کہاں اے گروہ کعب بن لوئی یہاں آؤ، آواز پر لوگ ٹوٹ پڑے، اور سول اللہ اور ابوجہل کے پاس آپہنچے، ابوجہل بولا اب تم نے جو کچھ مجھ سے بیان کیا تھا اپنی قوم سے بھی بیان کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں مجھے آج رات لے جایا گیا، لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا بیت المقدس کو۔ لوگوں نے کہا پھر صبح کو تم ہمارے سامنے بھی ہو۔ فرمایا ہاں، یہ سنتے ہی کچھ لوگ (مذاق سے) تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے تعجب سے اپنا سر پکڑ لیا۔ اور کچھ لوگ جو ایمان لاچکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرچکے تھے، اسلام سے پھر گئے اور ایک مشرک دوڑا دوڑا حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا

اب آپ کا اپنے ساتھی کے متعلق کیا خیال ہے، وہ تو کہہ رہا ہے کہ رات مجھے بیت المقدس کو لے جایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، کیا انہوں نے ایسا کہا ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا اگر انہوں نے ایسا کہا ہے تو سچ کہا ہے۔ لوگوں نے کہا، کیا آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس کو چلے بھی گئے اور صبح سے پہلے آ بھی گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، میں تو ان کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں ان کے پاس جو صبح شام آسمان سے خبریں آتی ہیں میں تو ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکر کو صدیق اسی لیے کہا جانے لگا (کہ آپ نے بے تامل معراج کی تصدیق کردی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی آپ نے بے تامل مان لیا تھا) راوی کا بیان ہے کہ ان لوگوں میں بعض لوگ ایسے تھے جو بیت المقدس جاچکے تھے انہوں نے کہا کیا آپ ہمارے سامنے بیت المقدس کا بیان کرسکتے ہیں۔ حضور نے فرمایا، ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے بیت المقدس کی کیفیت بیان کرنی شروع کی اور برابر بیان کرتا رہا یہاں تک کہ بعض حالات کا مجھ پر اشتباہ ہوگیا تو فوراً (نظروں کے سامنے سے پردے ہٹادیئے گئے اور) بیت المقدس میری نظروں کے سامنے آ گیا اور عقیل کے گھر سے بھی ورے لاکر اس کو رکھدیا گیا اور میں مسجد کو اپنی نظر سے دیکھ دیکھ کر بیان کرنے لگا، وہ لوگ کہنے لگے بیشک بیت المقدس کی جو حالت تم نے بیان کی ہے وہ صحیح ہے۔ پھر بولے: محمد! ہمارے قافلے کی کچھ خبر بھی بیان کرو۔ ہمارے لیے وہ بہت ہی اہم ہے، تم نے اس کو کہیں دیکھا تھا۔ فرمایا، ہاں فلاں قافلے کی صورت مقام روحاء میں میری نظر کے سامنے آئی تھی۔ اس کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا، لوگ اس کی تلاش میں تھے، ان کے پڑاؤ (فرودگاہ) پر ایک پیالہ میں پانی رکھا تھا۔ مجھے پیاس لگی تھی، میں نے وہ پانی پی لیا اور پیالہ کو اس کی اس کی سابق جگہ پر رکھدیا تم اس قافلے والوں سے دریافت کرنا کہ جب وہ اپنے پڑاؤ پر واپس آئے تھے تو ان کو پیالہ میں پانی ملا تھا؟ لوگوں نے کہا یہ ایک نشانی ہے (جو فیصلہ کن ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا میں فلاں قبیلہ والوں کے قافلے کی طرف سے گزرا تھا، فلاں فلاں دو آدمی ایک اونٹ پر سوار تھے۔ یہ واقعہ مقام ذی مرکا ہے، مجھے دیکھ کر اونٹ ان دونوں سواروں سمیت بدکا تھا ان دونوں شخصوں سے دریافت کرلینا لوگوں نے کہا یہ بھی (صداقت کو جانچے گی) ایک نشانی ہے۔ لوگوں نے پوچھا، اچھا ہمارے اونٹوں کی تفصیل اور ان کی حالت کے متعلق کچھ بتاؤ۔ فرمایا مقام تنعیم میں میں اونٹوں کی طرف سے گذرا تھا لوگوں نے کہا ان کی گنتی کیا تھی، سامان جو ان پر لدا ہوا تھا وہ کیا تھا ان کی ہیئت کیا تھی؟ فرمایا (اس وقت تو) مجھے ان باتوں کی طرف توجہ نہ تھی پھر مقام حزورہ میں وہ مکمل شکل کے ساتھ اپنے سامان اور ہیئت اور سواروں کے ساتھ میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ان کی ہیئت ایسی ایسی تھی اور فلاں فلاں لوگ ان کے ساتھ تھے اور ایک خاکستری رنگ کا اونٹ ان کے آگے آگے تھا جس پر دو بوریاں سلی ہوئی لدی ہوئی تھی۔ طلوع آفتاب کے وقت وہ قافلہ تمہارے سامنے آجائے گا۔ لوگوں نے کہاں یہ بھی (سچائی جانچنے کی) ایک نشانی ہے) اس گفتگو کے بعد وہ لوگ فوراً دوڑتے ہوئے گھاٹی پر پہنچے اور کہنے لگے خدا کی قسم محمد نے واقعہ تو واضح طور پر بیان کردیا ہے، اس کے بعد کداء (مکہ کے باہر ایک پتھریلی زمین یا پہاڑی تھی) پر پہنچے اور وہیں بیٹھ کر طلوع آفتاب کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر قافلہ نہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا قرار دے سکیں۔ انتظار ہی میں تھے کہ کسی نے اچانک کہا یہ آفتاب نکل آیا اور فوراً دوسرا آدمی بولا اور یہ اونٹ بھی سامنے آ گئے جن کے آگے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہے اور فلاں فلاں لوگ قافلے میں موجود ہیں یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ لوگ ایمان نہیں لائے اور کہنے لگے یہ بلاشبہ کھلا ہوا جادو ہے۔

بیت المقدس سامنے کردیا گیا:

مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں حجر (اسود) کے پاس موجود تھا اور قریش میرے رات کے جانے کے متعلق دریافت کر رہے تھے۔ انہوں نے بیت المقدس کے متعلق بھی مجھ سے پوچھا تھا جو مجھے یاد نہ تھا اور اس کی وجہ سے مجھے ایسی بے چینی ہوئی تھی کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی۔ لیکن اس وقت اللہ بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لے آیا (یعنی درمیانی پردے ہٹگئے اور بیت المقدس مجھے سامنے نظر آنے لگا) اب جو سوال بھی مجھ سے کرتے تھے، میں دیکھ کر اس کو بتادیتا تھا میں نے انبیاء کی جماعت کے ساتھ بھی اپنے آپ کو دیکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ موسیٰ کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ چھریرے بدن کے گھونگھریالے بالوں والے شخص تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قبیلہ شنورہ کا کوئی آدمی ہو ان کی مشابہت عروہ بن مسعود ثقفیؓ میں سب سے زیادہ ہے، میں نے ابراہیمؑ کو بھی کھڑے نماز پڑھتے دیکھا۔ ابراہیمؑ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھنے والا تمہارا ساتھی ہے (یعنی میں)۔ پھر نماز کا وقت آ گیا تو میں نے انبیاء کی امامت کی نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا محمد! یہ مالک داروغہ دوزخ ہیں ان کو سلام کرو۔ میں نے مالک کی طرف منہ موڑ کر دیکھا تو انہوں نے ہی مجھے پہلے سلام کیا۔

متعدد انبیاء کے حلیے:

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات کو مجھے (معراج میں) لے جایا گیا، میری ملاقات موسیٰ سے ہوئی وہ چھریرے بدن کے گھونگرالے بالوں والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ

سنورہ کے کوئی آدمی ہیں۔ عیسیٰ سے بھی میری ملاقات ہوئی وہ درمیانی قد کے گٹھے بدن کے سرخ رنگ والے آدمی تھے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نکل کر آئے ہیں۔ میں نے ابراہیم کو بھی دیکھا ابراہیم کی نسل میں سب سے زیادہ ان سے مشابہت رکھنے والا میں ہوں۔ میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب۔ پھر مجھ سے کہا گیا ان دونوں میں سے جونسا چاہو لے لو۔ میں نے دودھ لے کر پی لیا، اس شخص نے (یعنی جس شخص نے انتخاب کا اختیار دیا تھا) کہا تم کو فطرت کی راہ پر ڈالدیا گیا یا یہ کہا کہ تم نے فطرت کو پالیا اگر شراب کو لے لیتے تو تمہاری امت گمراہ ہوجاتی۔

ہم نے سورۂ والنجم میں ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کا واقعہ مفصل لکھدیا ہے (تفصیل وہاں دیکھی جائے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور کیا اس کو

هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے ☆

مسلمانوں کیلئے عبرت اور بنی اسرائیل کو نصیحت:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فضل وشرف بیان فرما کر سلسلہ کلام حضرت موسیٰ کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا گیا۔ چونکہ ''اسراء'' کے ذیل میں ''مسجد اقصیٰ'' (بیت المقدس) تک جانا مذکور ہوا تھا۔ آگے ''مسجد اقصیٰ'' اور اسکے قدیم متولیوں (بنی اسرائیل) پر جومختلف دور گذرے، مسلمانوں کی عبرت اور خود بنی اسرائیل کی نصیحت کے لئے ان کا بیان کیا جاتا ہے، یہ آیت اسی کی تمہید ہے۔ واقعہ ''اسراء'' میں اشارہ تھا کہ حجازی پیغمبر کی امت ہی آئندہ اس امانت الٰہی کی مالک بننے والی ہے جو شام کی مبارک سرزمین میں ودیعت کی گئی تھی۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر خیریت چاہتے ہیں تو اب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں، حق تعالیٰ انکے حال پر مہربانی فرمائے گا۔ ورنہ پہلے کی طرح پھر شرارتوں پر سزا ملے گی اور مسجد اقصیٰ کی تولیت سے محروم کردیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ؕ﴿۲﴾

کہ نہ ٹھہراؤ میرے سوا کسی کو کارساز ☆

توراۃ کی تعلیم:

یعنی تورات میں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ خالص توحید پر قائم رہیں اور خدا کے سوا کسی کو کارساز نہ سمجھیں ہمیشہ اسی پر بھروسہ اور توکل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ

تم جو اولاد ہو ان لوگوں کی جن کو چڑھا لیا ہم نے نوح کے ساتھ بیشک وہ تھا

كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴿۳﴾

بندہ حق ماننے والا ☆

احسان خداوندی:

یعنی تم ان کی اولاد ہو جو نوح کے ساتھ کشتی پر سوار ہو کر عذاب الٰہی سے بچے تھے۔ جو احسان تمہارے بڑوں پر کیا گیا ہے فراموش مت کرو۔ دیکھو نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو کیسے احسان شناس اور شکر گذار بندے تھے۔ تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہیئے۔ (تفسیر عثمانی)

شکر گزاری:

اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا نوح بلا شبہ بڑا شکر گذار بندہ تھا۔ ابن مردویہ نے ابو فاطمہ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوح جو بھی چھوٹا بڑا کام کرتے تھے بسم اللہ والحمد للہ کہہ لیا کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ نے ان کو عبد شکور فرمایا جب آپ کچھ کھاتے یا پیتے یا کوئی کپڑا پہنتے تو اللہ کا شکر ادا کرتے تھے یہ مؤخر الذکر اثر حضرت سعد بن مسعود ثقفی کا ہے جو ابن جریر اور طبرانی نے بیان کیا ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں ادائے شکر کی ترغیب دی ہے کہ تم نوح کے ساتھیوں کی نسل سے ہو اور نوح بڑا شکر گذار بندہ تھا کہ اللہ نے اس کے ساتھ والوں کو بھی اس کی معیت میں محفوظ رکھا تھا۔ (اگر وہ محفوظ نہ رکھے جاتے تو تم کہاں سے آتے ان کو محفوظ رکھنا درحقیقت تم پر اللہ کا احسان ہے جس کا شکر کرنا تم پر لازم ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو

فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ

کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں

مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾

دوبار اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی ☆

بنی اسرائیل کا دوہرا فساد:

تورات میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ یہ قوم (بنی اسرائیل) دو مرتبہ ملک میں سخت خرابی پھیلائے گی اور ظلم وتکبر کا شیوہ اختیار کر کے سخت تمرد وسرکشی کا مظاہرہ کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہر مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑا۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الکتاب سے مراد توریت اور الارض سے مراد ملک شام ہے حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا، الی بمعنی علی ہے اور الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ بات لوح محفوظ میں لکھدی تھی، قطعی فیصلہ کر دیا تھا کہ تم دو مرتبہ فساد برپا کرو گے پہلا بگاڑ اس وقت ہوا جب بنی اسرائیل نے توریت کے احکام چھوڑ دیئے ممنوعات کو اختیار کیا اور حضرت شعیا بن مضیا کو شہید کر دیا اور دوسرا افساد اس وقت کیا جب انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىهُمَا بَعَثۡنَا
پھر جب آیا پہلا وعدہ بھیجے ہم نے
عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ
تم پر اپنے بندے ☆

یعنی جن کو ہم نے سزا دینے کے لئے تم پر مسلط کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا جو مجوسی تھا اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی اور قرآن کریم میں آیت

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ اُوۡلٰىهُمَا بَعَثۡنَا عَلَيۡكُمۡ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ

سے یہی واقعہ مراد ہے۔ بخت نصر کا لشکر مسجد قدس میں داخل ہوا مردوں کو قتل اور عورتوں بچوں کو قید کیا اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ لیا۔ اور سو برس تک ان بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح کی بامشقت خدمت ذلت کے ساتھ ان سے لیتا رہا۔

تسلط سے آزادی:

پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کر دیا جس نے بابل کو فتح کیا اور بقیہ ماندہ بنی اسرائیل کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرایا اور جتنے اموال وہ بیت المقدس سے لایا تھا وہ سب واپس بیت المقدس میں پہنچا دیئے اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ جاؤ گے تو ہم بھی پھر قتل و قید کا عذاب تم پر لوٹا دیں گے آیت قرآن عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ عُدتُّمۡ عُدۡنَا‌ سے یہی مراد ہے۔

شاہ روم کا تسلط:

پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس میں لوٹ آئے اور سب اموال و سامان بھی قبضہ میں آ گیا تو پھر معاصی اور بداعمالیوں کی طرف لوٹ گئے اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کر دیا۔ آیت:

فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ لِيَسُوۡٓءٗا وُجُوۡهَكُمۡ سے یہی مراد ہے شاہ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں پر جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا اور پھر تمام ان اموال بیت المقدس کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں پر لاد کر لے گیا اور اپنے کنیسۃ الذہب میں رکھدیا یہ سب اموال ابھی تک وہیں ہیں اور وہیں رہیں گے یہاں تک کہ حضرت مہدی پھر ان کو بیت المقدس میں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع کر دیں گے۔ (الحدیث بطولہ رواہ القرطبی فی تفسیر)

بیان القرآن میں ہے کہ دو واقعے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے ان سے مراد دو شریعتوں کی مخالفت ہے پہلے شریعت موسوی کی مخالفت اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد شریعت عیسویہ کی مخالفت ہے۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

اُولِىۡ بَاۡسٍ شَدِيۡدٍ فَجَاسُوۡا خِلٰلَ الدِّيَارِ‌
سخت لڑائی والے پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ
وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا ۝
اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا ☆

یعنی بستی میں مکانوں کے اندر گھس کر خوب کشت و خون اور لوٹ کھسوٹ کی۔ اس طرح خدا نے سزا دہی کا جو وعدہ کیا تھا پورا ہو کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ رَدَدۡنَا لَـكُمُ الۡكَرَّةَ
پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ☆

دوبارہ بنی اسرائیل کا غلبہ:

یعنی جب تم ہماری طرف رجوع ہوئے اور توبہ و انابت کا طریقہ اختیار کیا ہم نے پھر ایک مرتبہ تم کو دشمنوں پر غالب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

الکرۃ یعنی سلطنت اور طاقت۔ علیہم یعنی ان لوگوں پر جن کو تم پر مسلط کیا تھا۔ بیضاوی نے اس کی تفصیل اس طرح لکھی ہے کہ بہمن بن اسفندیار جب اپنے دادا گشتاسپ بن لہراسپ کی جگہ شاہ ایران ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں بنی اسرائیل کے لئے کچھ رحم پیدا کر دیا، اس نے تمام اسرائیلیوں کو قید سے رہا کر کے ملک شام کو بھیجدیا اور حضرت دانیال کو سب کا سردار بنا دیا یہ لوگ شام کو چلے گئے اور بخت نصر کی فوج پر انہوں نے تسلط پالیا، حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

عَلَيۡهِمۡ وَاَمۡدَدۡنٰكُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِيۡنَ
ان پر اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے
وَجَعَلۡنٰكُمۡ اَكۡثَرَ نَفِيۡرًا ۝ اِنۡ اَحۡسَنۡتُمۡ
اور اس سے زیادہ کر دیا تمہارا لشکر اگر بھلائی کی تم نے

اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے ☆

یعنی بھلائی برائی کا جو کچھ نفع نقصان پہنچنا تھا تم ہی کو پہنچنا تھا۔ سو پہنچا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا

پھر جب پہنچا وعدہ دوسرا بھیجے اور بندے کہ

وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ

اداس کر دیں تمہارے منہ اور گھس جائیں مسجد میں جیسے گھس گئے تھے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ﴿۷﴾

پہلی بار اور خراب کر دیں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی ☆

یعنی مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیئے۔ اور ''مسجد اقصیٰ'' (بیت المقدس) میں گھس کر پہلے کی طرح اودھم مچائی ہیکل وغیرہ کو تباہ کر دیا۔ اس طرح ''بنی اسرائیل'' کی قوت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

صدیقہ بادشاہ کا واقعہ:

بغوی نے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل برابر نافرمانیاں اور گناہ کرتے رہتے تھے اور اللہ ان سے درگذر فرماتا تھا اور اپنے احسانات سے نوازتا رہتا تھا گناہوں کی پاداش میں سب سے پہلے جو مصیبت ان پر آئی وہ تھی جس کا اظہار اللہ نے اپنے پیغمبر موسیٰ کی زبان سے کرا دیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ ہوا جس کا نام صدیقہ تھا۔

حضرت شعیا علیہ السلام:

اس زمانہ میں اللہ کی طرف سے یہ ضابطہ جاری تھا کہ بادشاہ کو ہدایت کرنے اور سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اس کے ساتھ اللہ ایک پیغمبر بھی مبعوث فرمادیا کرتا تھا، ان پیغمبروں پر کوئی جدید کتاب نازل نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ توریت کے احکام پر چلنے کی ہدایت ہر پیغمبر کرتا تھا۔ صدیقہ بادشاہ ہوا تو اس کی راہنمائی کے لیے اللہ نے شعیا بن امضیا کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا، شعیا کی بعثت حضرت زکریا و یحییٰ سے پہلے تھی شعیا نے ہی حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی اور کہا تھا، اے یروشلم تجھے بشارت ہو اب تیرے پاس ایک گدھے پر سوار ہونے والا اور دوسرا شتر سوار آئے گا۔

شاہ بابل کا حملہ:

غرض مدت تک صدیقہ بیت المقدس اور بنی اسرائیل کا بادشاہ رہا جب اس کا دور حکومت ختم ہونے کا وقت آ گیا تو اللہ نے سخاریب شاہ بابل کو (عراق سے) بھیج دیا سخاریب کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے، سخاریب چلتا چلتا بیت المقدس کے اطراف تک پہنچ گیا۔ اس زمانہ میں صدیقہ کی پنڈلی میں پھوڑا تھا، شعیا نبی نے صدیقہ سے کہا، اے شاہ اسرائیل سخاریب شاہ بابل چھ لاکھ پھریرے اڑاتا آ پہنچا لوگ ڈر کے مارے بھاگ گئے تو ہوشیار ہو جا، صدیقہ کو یہ بات سن کر بڑی فکر ہوئی، کہنے لگا اے اللہ کے نبی کیا آپ کے پاس اللہ کی طرف سے اس واقعہ کے متعلق کوئی وحی آئی ہے کہ ہمارا اور سخاریب کا فیصلہ کیا ہوگا۔ حضرت شعیا نے فرمایا، وحی تو کوئی نہیں آئی، یہ کہہ ہی رہے تھے کہ شعیا کے پاس وحی آ گئی اور حکم ملا کہ شاہ اسرائیل کے پاس جا کر اس کو حکم دیدو کہ تیرا وقت آ گیا اب تو اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے وصیت کر دے اور اپنا جانشین بنا دے، حضرت شعیا نے صدیقہ سے جا کر کہہ دیا کہ اللہ کی طرف سے میرے پاس وحی آئی ہے جس میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تجھ سے کہہ دوں کہ تیرے مرنے کا وقت آ گیا ہے اب تو جو کچھ وصیت کرنا ہو کر دے اور اپنے گھر والوں میں سے جس کو چاہے اپنی جگہ بادشاہ بنا دے۔

بادشاہ صدیقہ کی دُعاء:

صدیقہ یہ پیام سن کر قبلہ رو ہو کر نماز کو کھڑا ہو گیا دعا کی اور اللہ کے سامنے رویا اور زاری کی اور خلوص قلب کے ساتھ گڑگڑا کر عرض کیا۔

اے اللہ! رب الارباب اے تمام معبودوں کے معبود اے وہ ذات جو تمام عیوب سے پاک اور تمام نقائص سے مبرا ہے اے رحمان اے مہربانی کرنے والے جس کو نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند اے اللہ میں نے جو کام کیے جو عمل مجھ سے ہوئے اور بنی اسرائیل پر انصاف کے ساتھ میں نے جو حکومت کی وہ سب کچھ تیری توفیق سے ہوا تو مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہے میرا ظاہر و باطن تیرے سامنے ہے (مجھ پر رحم فرما)۔

دُعاء کی قبولیت:

صدیقہ اللہ کا نیک بندہ تھا اللہ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ جا کر صدیقہ سے کہہ دو اللہ نے تیری دعا قبول کر لی تجھ پر رحم فرمایا، تجھے تیرے دشمن سخاریب سے نجات دیدی اور تیری میعاد زندگی پندرہ سال بڑھادی، شعیا نے آ کر صدیقہ کو یہ پیام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی صدیقہ کے دل سے دشمن کا خوف جاتا رہا، رنج و فکر دور ہو گیا اور سجدے میں گر کر اس نے دعا کی اے میرے اور میرے باپ دادا کے معبود میں تجھے ہی سجدہ کرتا ہوں، تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں، تجھے بڑا جانتا ہوں تیری تعظیم کرتا ہوں، تو ہی جس کو چاہتا ہے حکومت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے نکال لیتا ہے تو ظاہر باطن کو جانتا ہے تو ہی اول تو ہی آخر تو ہی ظاہر اور تو ہی پوشیدہ ہے تو ہی رحم کرتا اور بے قراروں کی دعا قبول کرتا ہے تو نے ہی میری دعا قبول فرمائی اور میری زاری پر رحم کیا جب سر اٹھایا تو اللہ نے

شعیا نبی کے پاس وحی بھیجی بادشاہ صدیقہ سے کہہ دو کہ اپنے خادموں میں سے کسی کو حکم دے کر انجیر کا پانی منگوا کر اپنے پھوڑے پر لگائے، اللہ صبح تک شفا دیدے گا۔ صدیقہ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ نے اس کو تندرست کر دیا۔

دشمن کی تباہی:

بادشاہ نے حضرت شعیا سے عرض کیا اپنے رب سے یہ دعا کر دیجئے کہ اللہ ہم کو بتا دے ہمارے اس دشمن کا کیا ہوگا اللہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا۔

اللہ نے شعیا سے فرمایا بادشاہ سے کہہ دو کہ میں نے تمہارے دشمن کو تم سے روک دیا اور تم کو اس سے بچالیا، صبح تک سب مر جائیں گے صرف سخاریب اور اس کے پانچ اہل کار بچیں گے تم ان کو پکڑ لینا، صبح ہوئی تو کسی پکارنے والے نے چیخ کر شہر کے دروازے پر کہا اے بنی اسرائیل کے بادشاہ اللہ نے تیرا کام پورا کر دیا تیرے دشمن کو تباہ کر دیا، باہر نکل کر دیکھ لے، سخاریب اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہو گیا۔

شاہ بابل کی گرفتاری:

بادشاہ باہر نکلا، مردوں میں سخاریب کو تلاش کرایا گیا مگر اس کی لاش نہیں ملی بادشاہ نے اس کی طلب میں آدمی دوڑائے آخر اس دوش نے ایک غار میں سخاریب کو اور اس کے پانچ اہلکاروں کو جا پکڑا ان میں بخت نصر بھی تھا سب کو زنجیروں میں باندھ کر صدیقہ کے پاس لے آئے فوراً بادشاہ سجدہ میں گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد سے عصر تک سجدہ میں پڑا رہا پھر سخاریب سے کہا تم نے دیکھا ہمارے رب نے تمہارے ساتھ کیا کیا تم بے خبر تھے اور اس نے اپنی طاقت سے تم کو قتل کر دیا، سخاریب نے کہا مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا اور تم پر رحمت نازل فرمائے گا۔ اپنے ملک سے نکلنے سے پہلے ہی مجھے اس کی اطلاع مل چکی تھی مگر میں نے صحیح رہنما کا کہنا نہیں مانا میری کم عقلی نے مجھے اس بدبختی میں مبتلا کر دیا اگر میں راہنما کی بات سن لیتا یا سمجھ سے کام لے لیتا تو تم سے جنگ ہی نہیں کرتا۔ (تم پر چڑھائی نہ کرتا) صدیقہ نے کہا اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے جس سے چاہا تم کو تباہ کرا دیا (اب جو تم اور تمہارے پانچ ساتھی بچ گئے ہیں تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کے نزدیک تمہاری کوئی عزت ہے کہ اس نے تم کو باقی رکھا) اس نے تجھے اور تیرے ساتھیوں کو صرف اس لیے باقی رکھا ہے کہ دنیا میں تمہاری بدنصیبی اور آخرت میں تمہارا عذاب بڑھ جائے اور ہمارے رب نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا ہے اس کی اطلاع ان لوگوں کو بھی جا کر دے دو جو تمہارے ساتھ یہاں نہیں آئے اور اپنے پیچھے والوں کو بھی (ہمارے رب کے عذاب سے) ڈرا دو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم سب کو قتل کر دیتا تیرا اور تیرے ساتھیوں کا خون اللہ کے نزدیک چیچڑی کے خون سے بھی حقیر ہے اگر میں قتل کر دیتا (تو میرے رب کو پروا بھی نہ ہوتی) پھر کوتوال نے شاہ اسرائیل کے حکم سے ان لوگوں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال کر ستر روز تک بیت المقدس اور ایلیا کے گردا گرد پھرایا۔ ان میں سے ہر شخص کو روزانہ جو کی دو روٹیاں کھانے کو دی جاتی تھی، سخاریب نے شاہ اسرائیل سے کہا تم جو سلوک ہمارے ساتھ کر رہے ہو اس سے قتل ہو جانا ہی بہتر ہے شاہ اسرائیل نے ان کو قتل خانہ کو بھجوا دیا۔

سخاریب کی رہائی:

اس کے بعد اللہ نے حضرت شعیا کے پاس وحی بھیجی کہ بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ سخاریب کو اور اس کے ساتھیوں کو رہا کر دے تاکہ وہ ان لوگوں کو جو ان سے پرے ہیں جا کر ڈرائیں بادشاہ کو چاہیے کہ سخاریب اور اس کے ساتھیوں کی عزت کرے اور عزت کے ساتھ سوار کر کے ان کے ملک کو بھیج دے۔ شعیا نے بادشاہ کو اللہ کا یہ حکم پہنچا دیا اور بادشاہ نے حکم کی تعمیل کی۔ سخاریب ساتھیوں سمیت بابل پہنچ گیا اور لوگوں کو جمع کر کے اپنے لشکر کی حالت بتائی، کاہنوں اور نجومیوں نے کہا بادشاہ سلامت ہم تو آپ کو پہلے بنی اسرائیل کے خدا کی خبر اور ان کے نبی کی کیفیت اور نبی کے پاس جو ان کے خدا کی طرف سے وحی آنے والی تھی، اس کی اطلاع دے چکے تھے مگر آپ نے ہمارا کہنا نہ مانا بنی اسرائیل ایسی امت ہے کہ ان کا رب ان کے ساتھ ہے اور ان کے رب کی موجودگی میں کوئی ان سے لڑ نہیں سکتا۔ سخاریب کا واقعہ اس کی قوم کو ڈرانے کے لیے ہوا تھا، اللہ نے اس واقعہ سے ان کو کافی نصیحت کر دی۔

سخاریب کی موت:

اس کے بعد سخاریب سات برس زندہ رہا پھر مر گیا اور مرنے سے پہلے اس نے اپنا جانشین اپنے پوتے بخت نصر کو بنا دیا بخت نصر اپنے دادا کے راستہ پر چلا اور وہی کام کیے جو اس کے دادا نے کیے تھے اور سترہ سال حکومت کی۔

بنی اسرائیل کی ابتری:

صدیقہ کے مرنے کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت بگڑ گئی قوم میں گڑ بڑ ہو گئی باہم حکومت کے لیے دوڑ شروع ہو گئی اور آپس میں خوب کشت و خون ہوا شعیا موجود تھے مگر ان کی نصیحت کوئی نہیں مانتا تھا جب قوم کی ابتری یہاں تک پہنچ گئی تو اللہ نے شعیا کے پاس وحی بھیجی تم اپنی قوم کے سامنے کھڑے ہو کر۔ خطبہ دو میں تمہاری زبان پر اپنی وحی جاری کر دوں گا (جو کچھ میں کہلوانا چاہوں گا وہ تمہاری زبان پر آ جائے گا)

حضرت شعیاء علیہ السلام کا خطاب:

شعیا قوم کو خطاب کرنے کھڑے ہو گئے اور اللہ نے ان کی زبان پر یہ الفاظ وحی جاری کر دیے۔ اے آسمان سن لے اور اے زمین تو بھی کان ادھر

لگا اللہ بنی اسرائیل کی حالت بیان کرنا چاہتا ہے ان کو اللہ اپنی نعمتیں دے کر پرورش کیا اپنے لیے ان کو منتخب کر لیا اپنی طرف سے خصوصی عزت عطا کی اور سب لوگوں پر ان کو برتری عنایت فرمائی یہ لوگ بھٹکی ہوئی بکریوں کی طرح تھے جن کا کوئی نگران نگہبان نہ تھا اللہ نے ان منتشر بکریوں کو یکجا کیا۔ بھٹکی ہوئی بکریوں کو جمع کیا اور شکستہ کو جوڑا بیمار کو تندرست کر دیا لاغر کو فربہی عطا کی اور فربہ کی فربہی کی حفاظت کی اللہ نے جب ان کے ساتھ یہ سلوک کیا تو یہ مغرور ہو گئے اور آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے سینگ مارنے لگے ایک نے دوسرے کو قتل کر دیا یہاں تک کہ ان میں کوئی بھی ایسا صحیح الحال شخص نہ رہا کہ کوئی شکستہ اعضاء والا اس کی پناہ میں آ جاتا ہلاکت کو اس خطا کا رامت کے لیے جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے مقدر کر دیا (یعنی یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ان کی قومی موت کے اسباب کیا ہیں) اونٹ کو اپنا وطن یاد آتا ہے تو وہ وطن کو لوٹ آتا ہے گدھے کو اپنی خوید یاد آتی ہے جس سے وہ پیٹ بھرا کرتا تھا تو وہ خوید کی طرف لوٹ آتا ہے۔ بیل کو جب سبزہ زار یاد آتا ہے جس کو کھا کر وہ موٹا ہوا تھا تو وہ سبزہ زار کی طرف آ جاتا ہے لیکن یہ قوم جو عقل و دانش والے ہیں، بیل نہیں ہیں گدھے نہیں ہیں اس کے باوجود ان کو معلوم نہیں کہ ان کی موت کہاں سے آ رہی ہے میں ان کی ایک مثال بیان کرتا ہوں تم ان سے کہہ دو کہ ایک ویران زمین تھی جو مدت تک ویران پڑی رہی۔ بے آب و گیاہ تھی اس میں کوئی عمارت نہ تھی لیکن اس کا مالک ایک صاحب قدرت اور حکمت والا شخص تھا مالک نے اس زمین کو آباد کرنے کی طرف توجہ کی اس نے پسند نہیں کیا کہ لوگ کہیں اس زمین کا مالک قوت رکھتا ہے پھر بھی اس نے زمین کو ویران رکھ چھوڑا ہے یا یہ کہیں کہ اس کا مالک حکمت و دانش رکھتا ہے اس کے باوجود زمین کو اس نے برباد کر دیا ہے یہ خیال کر کے اس نے زمین کی چار دیواری بنائی، اندر ایک مضبوط محل تیار کیا، نہریں جاری کیں زیتون، انار، کھجور اور رنگ برنگ کے پھلوں کے درخت بوئے اور ایک عقلمند باہمت طاقتور امانت دار محافظ کی نگرانی میں اس زمین کو دے دیا جب درختوں میں شگوفے نکلے تو ناکارہ شگوفے نکلے لوگ کہنے لگے یہ زمین خراب ہے مناسب یہ ہے کہ اس کی دیواریں گرا دی جائیں محل کو ڈھا دیا جائے، نہریں پاٹ دی جائیں، نہروں کے دہانے بند کر دیئے جائیں درختوں کو جلا دیا جائے اور جیسے پہلے زمین بنجر و ویران تھی ویسی ہی کر دی جائے، تم ان سے کہہ دو کہ (ہر چہار سمت کی) دیوار میرا دین ہے محل میری شریعت ہے، نہر میری کتاب ہے نگران زمین میرا پیغمبر ہے اور درخت تم لوگ ہو اور ناکارہ شگوفے جو درختوں سے برآمد ہو رہے ہیں وہ تمہارے ناپاک اعمال ہیں جو فیصلہ تم نے اپنے لیے کیا ہے وہی فیصلہ میں نے تمہارے لیے جاری کر دیا ہے۔ یہ ایک مثال ہے جو میں نے ان (کے حالات کو سمجھانے) کے لیے بیان کی ہے۔ یہ گائے بکریاں ذبح کر کے میری قربت چاہتے ہیں حالانکہ یہ گوشت نہ مجھے پہنچتا ہے نہ میں اسے کھاتا ہوں، ان کو اس بات کی دعوت دی جا رہی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں اور جس کو قتل کرنا میں نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل کرنے سے باز رہیں اور اس طرح میرا تقرب حاصل کریں مگر ان کے ہاتھ خون ناحق سے رنگین ہیں اور کپڑے ناجائز خون ریزی سے آلودہ ہیں۔ یہ لوگ میرے لیے مکان یعنی مسجدیں پختہ بناتے ہیں ان کے اندرونی حصوں کو پاک بھی رکھتے ہیں مگر اپنے دلوں کو ناپاک اور جسموں کو گندہ اور میلا رکھتے ہیں مسجدوں میں پردے لگاتے اور ان کو آراستہ کرتے ہیں مگر اپنی عقلوں کو ویران اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں مجھے ان مسجدوں کے پختہ کرنے کی کیا حاجت ہے میں تو ان میں رہتا نہیں اور میں پردے لٹکانے کی مجھے کیا ضرورت ہے، میں تو ان کے اندر آتا نہیں، میں نے مسجدیں بلند کرنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ وہاں میری یاد کی جائے اور میری پاکی بیان کی جائے۔ یہ لوگ کہتے ہیں ہم روزے رکھتے ہیں لیکن ہمارے روزے اوپر نہیں اٹھائے جاتے ہم نمازیں پڑھتے ہیں پر ہماری نمازیں نور نہیں پیدا کرتیں ہم خیرات کرتے ہیں مگر ہمارے صدقات ہم کو پاک نہیں کرتے، ہم گدھوں کی آوازوں کی طرح (چیخ چیخ کر) دعا کرتے ہیں اور بھیڑیوں کی آوازوں کی طرح (دہاڑیں مار کر) روتے ہیں مگر ہماری کوئی چیز قبول نہیں کی جاتی۔ تم ان سے دریافت کرو۔ دعا قبول کرنے سے مجھے کون سی چیز روکتی ہے۔ کیا میں سب سے زیادہ سننے والا سب سے بڑھ کر دیکھنے والا اور قریب ترین جواب دینے والا اور ارحم الراحمین نہیں ہوں، میں ان کے روزوں کو کس طرح اوپر اٹھاؤں جب کہ روزوں میں یہ جھوٹ بولتے ہیں اور لقمہ حرام کھاتے ہیں۔ میں ان کی نمازوں میں نور کیسے پیدا کروں جب کہ ان کے دل میرے دشمنوں اور میرے مخالفوں اور میری قائم کی ہوئی حدود کو توڑنے والوں کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔ ان کے صدقات میرے ہاں کیسے بارآور ہوں وہ تو پرایا مال صدقہ میں دیتے ہیں، میں تو خیرات کا اجر ان لوگوں کو دیتا ہوں جو معصوم اہل خیر ہوں۔ میں ان کی دعائیں کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ ان کی دعا تو صرف قول بے عمل ہوتی ہے (کہتے ہیں عمل کچھ نہیں کرتے) ان کا عمل قول سے بہت دور ہوتا ہے میں تو دعا اس کی قبول کرتا ہوں جو صاحب اطمینان اور نرم دل ہو اور میں اس کی بات سنتا ہوں جو سوال سے بچنے والا مسکین ہو، میری رضامندی کی نشانی مسکینوں کی رضامندی ہے۔

جب یہ لوگ میرا کلام سنتے ہیں اور میرا پیام تم ان کو پہنچاتے ہو تو کہتے ہیں یہ بنائی ہوئی باتیں اور وہی پارینہ قصے ہیں جو باپ دادا سے ہم سنتے چلے آئے ہیں اور جادوگروں کاہن جیسے (الفاظ کا) جوڑ لگاتے ہیں ویسا ہی یہ بھی جوڑا ہوا کلام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی پیش

کر سکتے ہیں۔ شیطان ہمارے پاس بھی وحی لاتے ہیں اگر ہم چاہیں تو شیطانوں کی وحی کی وجہ سے ہم بھی غیب سے واقف ہو جائیں۔ سنو۔

میں نے جس روز آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا اسی روز ایک فیصلہ (قیامت ہونے کا) کر دیا تھا اور اپنے اوپر اس فیصلہ کو لازمی اور قطعی کر لیا تھا اور اس سے پہلے (دنیوی زندگی کی) ایک مقرر میعاد بنادی تھی، وہ فیصلہ ضرور واقع ہوگا اگر یہ لوگ غیب دانی کے دعوے میں سچے ہیں تو تم کو بتادیں کہ اس فیصلہ کو میں کب جاری کروں گا یا وہ کس زمانہ میں (ظاہر) ہوگا۔ اور اگر ان میں اس امر کی قدرت ہے کہ جو کچھ چاہیں پیش کر سکتے ہیں تو ایسی قدرت کا مظاہرہ کریں، جس سے میں اس فیصلے (قیامت) کو نافذ کروں گا، میں بہر حال اس فیصلہ کو تمام مذاہب پر غالب کروں گا خواہ شرک کرنے والوں کو پسند نہ ہو اور اگر وہ جیسا چاہیں جوڑ سکتے ہیں۔ تو ایسی حکمت کے ساتھ تالیف کریں جس حکمت سے میں امر قضاء (کو نافذ کرنے) کی تدبیر کرتا ہوں۔ اور میں نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے کے دن ہی یہ طے کر دیا تھا کہ نبوت جاری کروں گا اور حکومت نچلے طبقہ کے عوام کو دوں گا۔ اور بے عزتوں کو عزت کمزوروں کو قوت محتاجوں کو دولت، جاہلوں کو علم اور بے پڑھے لکھوں کو حکمت عطا کروں گا۔ تم ان سے دریافت کرو کہ اگر وہ جانتے ہوں۔ تو بتائیں ایسا کب ہوگا اور کون یہ کام کرے گا اور کون لوگ ان چیزوں کے کارگذار اور مددگار ہوں گے، یہ یقینی امر ہے کہ میں ان کاموں کے لیے ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو اکھڑ نہ ہوگا، درشت مزاج نہ ہوگا، بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا، فحش بات زبان پر نہ لائے گا اور بے حیائی کی باتیں نہ کرے گا۔ میں اس کو سیدھا چلاؤں گا تمام عمدہ اخلاق عطا کروں گا وقار کو اس کا لباس بناؤں گا۔ نیکی اور بھلائی کو اس کا شعار (اندرونی لباس) تقویٰ کو اس کا ضمیر حکمت کو اس کا علم، سچائی اور وفاء عہد کو اس کا خمیر، عفو وخیر کو اس کی عادت، انصاف کو اس کی سیرت، حق کو اس کی شریعت، ہدایت کو اس کا امام اور اسلام کو اس کا مذہب بناؤں گا۔ اس کا نام احمد ہوگا میں اس کے ذریعہ سے گمراہوں کو ہدایت، جاہلوں کو علم، گمناموں کو بلندئ ذکر اور غیر معروف لوگوں کو شہرت عطا کروں گا۔ میں اس کے ذریعے سے قلیل کو کثیر، ناداروں کو زردار بناؤں گا۔ پراگندہ لوگوں کو جمعیت، منتشر دلوں میں ملاپ متفرق خواہشات رکھنے والوں میں باہم الفت اور متفرق جماعتوں میں اتحاد عنایت کروں گا، میں اس کی امت کو خیر الامم بناؤں گا جو لوگوں کی ہدایت کے لیے پیدا کی جائے گی بھلائی کا حکم دے گی برائی سے روکے گی، وہ مجھے واحد مانے گی مجھ پر ایمان لائے گی اور میرے لیے (اپنے اذکار واعمال کو) خالص کرے گی، وہ نمازیں پڑھے گی (نماز میں) قیام کرے گی، قعود ورکوع اور سجود کرے گی وہ میری راہ میں صف در صف (یعنی صف بستہ ہوکر) لڑے گی اور دشمنوں پر ہجوم کرے گی اور اپنے گھروں اور مالوں کو چھوڑ کر میری رضامندی کی طلب میں نکلے گی۔ میں ان کے دلوں میں ڈالدوں گا تکبیر توحید تسبیح تحمید مدح تمجید (یعنی اپنی بزرگی، یکتائی، پاکی، حمد ثناء اور بزرگی) کا اعتراف واقرار اور اظہار، سفر میں بھی ان کی مجلسوں میں بھی، خوابگاہوں میں بھی آمد ورفت کے راستوں میں بھی اور قیام گاہوں میں بھی۔ وہ تکبیریں کہیں گے، تنہا میری الوہیت کا اظہار کریں گے اور میری پاکی بیان کریں گے ٹیلوں کی بلندیوں پر (چڑھ کر) چہروں اور ہاتھوں پاؤں کو میرے لیے پاک کریں گے اور کمر پر کپڑے باندھیں گے ان کے خون ان کی قربانیاں ہوں گے ان کے سینے ان کی انجیلیں (یعنی وہ قرآنی آیات کے مخزن) ہونگے وہ راتوں میں راہب (اللہ سے ڈرنے والے شب زندہ دار) اور دن میں (دشمنوں کے مقابلے میں) شیر ہوں گے اور یہ میرا فضل ہے میں جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ اور میں بڑے فضل والا ہوں۔

بنی اسرائیل نے حضرت شعیاء کو آرے سے چیر دیا:

جب حضرت شعیا اپنے خطبہ سے فارغ ہوئے تو آپ کو قتل کرنے کے لیے بنی اسرائیل نے آپ کے اوپر حملہ کر دیا آپ بھاگ پڑے راستہ میں ایک درخت ملا (درخت سے آواز آئی اے اللہ کے نبی میرے اندر آجایئے) اور وہ درخت پھٹ گیا، حضرت شعیا اس کے اندر داخل ہوگئے مگر شیطان نے پیچھے سے آپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لیا (آپ کے اندر داخل ہوجانے کے بعد درخت جڑ کر ہموار ہوگیا مگر کپڑے کا کونہ باہر رہ گیا) شیطان نے لوگوں کو وہ کونہ دکھا دیا (اور کہا شعیا اس کے اندر ہیں ثبوت یہ ہے کہ ان کے لباس کا یہ کونہ باہر رہ گیا ہے) لوگوں نے آرے سے درخت کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضرت شعیا کو بھی چیر ڈالا۔

حضرت ارمیا کی بعثت:

اس کے بعد اللہ نے ایک شخص کو جس کا نام ناشیہ بن آموص تھا بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا اور اس کی رفاقت وہدایت کے لیے حضرت ہارون بن عمران کی اولاد میں سے ارمیا بن حلقیا کو نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ یہی خضر تھے جن کا نام ارمیا تھا اور خضر لقب کیونکہ آپ (ایک بار) خشک گھاس پر بیٹھے تھے اور اٹھے تو وہ سرسبز ہوکر لہلہانے لگی تھی، اللہ نے حضرت ارمیا کو بادشاہ کی ہدایت اور سیدھے راستے پر چلانے کے لیے مامور فرمایا۔

بنی اسرائیل کی بدعتیں:

کچھ مدت کے بعد بنی اسرائیل میں بڑی بڑی بدعتیں پیدا ہوگئیں معاصی کی کثرت ہوگئی اور ممنوعات کو انہوں نے حلال قرار دے لیا۔ اللہ نے حضرت ارمیا کو حکم دیا کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کے پاس جاؤ۔ میں تم کو جو حکم دے رہا ہوں وہ ان سے بیان کرو میرے احسانات یاد دلاؤ اور جو بدعتیں ان کے اندر پیدا ہوگئی ہیں، وہ بتاؤ ارمیا نے عرض کیا اے میرے رب اگر تیری

طرف سے مجھے قوت عطا نہ ہو تو میں (بجائے خود) کمزور ہوں اگر تو مجھے (مقصد تک) نہ پہنچائے تو میں عاجز ہوں اور اگر تو میری مدد نہ کرے تو، (میری مدد کہیں سے نہ ہوگی) میں بے یارو مددگار ہوں اللہ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام امور میری مشیت سے ہوتے ہیں تمام دل اور زبانیں میرے ہاتھ میں ہیں، میں جس طرح چاہتا ہوں ان کو موڑ دیتا ہوں میں تمہارے ساتھ ہوں اور میری موجودگی میں کوئی دکھ تم کو نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ارمیاء کا خطاب:

الغرض ارمیا بنی اسرائیل کو خطاب کرنے کھڑے ہوگئے لیکن ان کو کچھ علم نہ تھا کہ کیا کہنا ہے اور کیا کہیں فوراً اللہ نے ان کے دل میں ایک بلیغ خطبہ القاء کردیا، آپ نے لوگوں کو طاعت کا ثواب اور نافرمانی کا عذاب کھول کر بتایا اور آخر میں (استغراقی حالت میں) اللہ کی زبان سے کہا، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ ان (بنی اسرائیل) پر ایک بڑا فتنہ مسلط کروں گا جس کے اندر دانش مند بھی حیران ہوجائے گا (کوئی خلاصی کا راستہ سمجھ میں نہیں آئے گا) اور ایک ظالم سنگدل کو ان پر غالب کردوں گا جس کو میں ہیبت کا لباس پہنادوں گا (یعنی بڑا ہولناک ظالم ہوگا) اور اس کے سینے سے رحم کو نکال لوں گا اس کے ساتھ ایک لشکر ہوگا۔ تاریک رات کی سیاہی کی طرح ہر طرف ہر چیز پر چھا جانیوالا)

بنی اسرائیل کی تباہی:

اس کے بعد اللہ نے ارمیا کو وحی بھیجی کہ میں یافث سے بنی اسرائیل کو تباہ کراؤں گا۔ یافث باشندگان بابل تھے۔ (شاید اہل بابل یافث بن نوح کی نسل میں سے ہوں) چنانچہ اللہ نے بنی اسرائیل پر بخت نصر (بابلی) کو مسلط کردیا، بخت نصر چھ لاکھ فوج لے کر نکلا اور مع لشکر بیت المقدس میں داخل ہوگیا۔ شام کو روندڈالا بنی اسرائیل کو اتنا قتل کیا کہ فنا کردیا، بیت المقدس کو تباہ کردیا اور ہر فوجی کو حکم دیا کہ اپنی ڈھال بھر کر مٹی بیت المقدس پر ڈالدے، اس طرح بیت المقدس کو سپاہیوں نے خاک سے پاٹ دیا۔ پھر بخت نصر نے حکم دیا کہ بلاد بیت المقدس کے تمام باشندوں کو یکجا جمع کرلیا جائے چنانچہ سب لوگوں کو فوج والے پکڑ کرلے گئے۔ بنی اسرائیل کے سب بچے بڑے بخت نصر کے سامنے یکجا جمع کردیئے گئے بخت نصر نے ان میں سے ستر ہزار بچے چھانٹ لیے (یعنی اپنی غلامی اور خدمت گاری کے لیے منتخب کرلیے) اور مال غنیمت فوج کو تقسیم کردینے کا حکم دے دیا سواروں نے کہا مال غنیمت تو کل آپ کا ہے آپ شاہی خزانہ میں داخل کرادیجئے بنی اسرائیل کے یہ بچے جو آپ نے منتخب کیے ہیں یہ فوج کو تقسیم کردیجئے، بخت نصر نے یہ بات مان لی، اور بچوں کو بطور غلام سرداران فوج کو تقسیم کردیا ہر شخص کے حصے میں چار غلام آئے پھر باقی لوگوں کی تین جماعتیں کردیں بنی اسرائیل کی ایک تہائی جماعت کو تو شام میں ہی قائم رکھا گیا۔ ایک تہائی کو قیدی بنالیا گیا اور تہائی کو قتل کردیا گیا۔ ناشیہ کو اور ستر ہزار بچوں کو بخت نصر بابل لے گیا۔ بنی اسرائیل کی یہ پہلی تباہی تھی جو خود انہی کی بداعمالی کی وجہ سے ان پر آئی۔

آیت فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ میں یہی تباہی مراد ہے اور عباد سے مراد بخت نصر اور اس کے ساتھی ہیں۔

بخت نصر کا خواب:

ایک مدت کے بعد بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا کوئی چیز خواب میں دیکھی تھی لیکن اس کو یاد نہیں رہا کہ کیا دیکھا تھا۔ دانیال، حنانیا، عزاریا اور میثائیل قیدیوں میں موجود ہی تھے، یہ سب انبیاء کی نسل سے تھے، بخت نصر نے ان لوگوں کو بلوایا اور خواب دریافت کیا۔ ان بزرگوں نے کہا آپ خواب بیان کیجئے تو ہم اس کی تعبیر دیں بخت نصر نے کہا مجھے تو خواب یاد نہیں رہا تم ہی میرا خواب بتاؤ اور تم ہی اس کی تعبیر بیان کرو اگر ایسا نہ کروگے تو میں شانوں سے تمہارے ہاتھ اکھڑوالوں گا۔ یہ بے چارے (یہ ظالمانہ حکم سن کر) دربار سے باہر آئے اور اللہ کے سامنے بہت گریہ وزاری کی، اللہ نے ان کو بادشاہ کے سوال کا جواب بتادیا جواب کا علم ہونے کے بعد یہ حضرات بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہا آپ نے ایک مورت دیکھی تھی جس کے دونوں پاؤں اور پنڈلیاں پختہ مٹی کی تھیں اور زانوں اور رانیں تانبے کی اور پیٹ چاندی کا اور سینہ سونے کا اور سر و گردن لوہے کے۔ بادشاہ نے کہا تم نے سچ کہا ان حضرات نے کہا آپ یہ دیکھ ہی رہے تھے اور آپ کو تعجب ہو رہا تھا کہ اللہ نے آسمان سے ایک پتھر اتارا پتھر نے مورتی کو ریزہ ریزہ کردیا یہی وہ چیز ہے جو آپ بھول گئے تھے۔ بخت نصر نے کہا تم نے سچ کہا اب اس کی تعبیر دو۔

خواب کی تعبیر:

انھوں نے جواب دیا آپ کو چند بادشاہوں کی حکومت دکھائی گئی ہے کسی کی حکومت تو نرم (کمزور) ہے اور کسی کی اس سے سخت اور کسی کی بہت ہی حسین اور کسی کی سب سے زیادہ سخت پختہ مٹی (ٹھیکرے) سب سے کمزور حکومت ہے پھر اس کے اوپر تانبا پہلی حکومت سے زیادہ سخت حکومت ہے پھر تانبے سے خوبصورت اور اعلیٰ چاندی ہے اور سونا چاندی سے زیادہ حسین اور برتر ہے سب کے اوپر لوہا آپ کی حکومت ہے جو پہلی حکومتوں سے زیادہ سخت اور مضبوط ہے اور وہ پتھر جو آسمان سے اترتا ہوا آپ نے دیکھا وہ اللہ کا غیبی حکم ہے جو اللہ کی طرف سے آکر اس ساری مورتی کو چکنا چور کردے گا اور حکومت صرف اللہ کی رہ جائے گی۔

بنی اسرائیلیوں کا قتل:

بنی اسرائیل کو اہل بابل کی خدمت میں رہتے رہتے جب مدت ہوگئی تو ایک

روز بابل والوں نے بخت نصر سے کہا یہ غلام جو ہماری درخواست پر آپ نے ہم کو عنایت کیے تھے جب سے ہمارے ساتھ رہے ہیں ہم اپنی عورتوں کو کچھ بدلا ہوا پاتے ہیں، عورتوں کے رخ ہماری طرف سے پھر کر ان کی طرف ہو گئے ہیں، آپ ان کو یہاں سے نکال دیجئے یا قتل کرا دیجئے۔ بخت نصر نے کہا تم کو اختیار ہے، چاہو ان کو قتل کر دو، چاہو نکال دو۔ جب لوگوں نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے اللہ سے گریہ وزاری کی اور عرض کیا بارالٰہا ہم پر یہ مصیبت دوسروں کے گناہوں کی پاداش میں پڑی ہے (تو ہم پر رحم فرما) اللہ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ تم کو زندہ رکھوں گا۔ آخر کچھ لوگ تو مارے گئے اور بخت نصر نے جن کو جیتا چھوڑ دیا وہ رہ گئے انہی میں دانیال، حنانیا، عزاریا اور میشائیل بھی تھا۔

بخت نصر کی شاہی:

بالآخر جب اللہ نے بخت نصر کو ہلاک اور غارت کر دینے کا ارادہ کیا تو وہ خود ہی اپنی تباہی کا سبب بن گیا۔ جو بنی اسرائیل اس کے قبضے میں تھے ان سے ایک روز کہنے لگا۔ بتاؤ جو مکان میں نے تباہ کر دیا وہ مکان کیسا تھا؟ اور جن لوگوں کو میں نے وہاں قتل کیا وہ کون تھے؟ بنی اسرائیل نے جواب دیا وہ اللہ کا گھر تھا اور وہ مقتول اس گھر کو آباد کرنے والے تھے، یہ لوگ نسلِ انبیاء سے تھے۔ لیکن جب انہوں نے مظالم اور زیادتیاں کیں تو اللہ نے ان کی خطا کاریوں کی سزا میں آپ کو ان پر مسلط کر دیا۔ ان کے رب نے جو سارے جہان کا رب ہے ان کو عزت عطا فرمائی تھی اور معزز بنایا تھا لیکن جب انہوں نے وہ کام کئے جو نہایت برے تھے (یعنی مظالم اور نافرمانیاں) تو اللہ نے ان کو غارت کر دیا اور دوسروں کو ان پر مسلط کر دیا، لیکن غالب آنیوالا مغرور ہو گیا۔ اس نے خیال کیا کہ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنے بل بوتہ پر کیا۔ بخت نصر نے کہا اچھا تو تم لوگ مجھے ایسی تدبیر بتاؤ کہ میں اونچے آسمان پر چڑھ جاؤں اور جو بھی وہاں ہو اس کو قتل کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کر لوں زمین کی حکومت سے تو میں اب فارغ ہو گیا ہوں، بنی اسرائیل نے کہا کوئی مخلوق بھی ایسا نہیں کر سکتی، کسی میں یہ طاقت نہیں ہے کہنے لگا تم کو ایسا کرنا تو ہوگا (آسمان پر چڑھنے اور اس کو فتح کرنے کی تدبیر بتانی ہوگی)، ورنہ میں تم سب کو قتل کر دوں گا، یہ بات سن کو سب لوگ اللہ کے سامنے روئے اور گڑگڑائے اور عاجزی کے ساتھ دعا کی اللہ نے ان کی مدد کی اور) اپنی قدرت سے ایک مچھر بھیج دیا جو بخت نصر کی ناک کے سوراخ میں گھس کر دماغ تک پہنچ گیا اور دماغ کی جھلی پر اس نے ڈنک مارا۔ بخت نصر بیتاب ہو گیا اس کو قرار ہی نہیں آتا تھا۔ جب تک سر پر ضربیں نہ لگتی تھی۔ آخر اسی حالت میں مر گیا۔ مرنے کے بعد لوگوں نے سر چیر کر دیکھا تو ایک مچھر دماغ کی جھلی پر ڈنک مارتا نظر آیا جو بنی اسرائیل اس کے قبضہ میں باقی تھے اللہ نے ان کو نجات دی اور وہ شام کو چلے گئے وہاں پہنچ کر انہوں نے عمارتیں بنائیں ان کی تعداد بھی بہت ہوگئی اور جو حالت ان کی پہلے تھی اس سے بہتر حالت ہوگئی لوگ کہتے ہیں کہ جو بنی اسرائیل قتل کر دیئے گئے تھے اللہ نے ان کو بھی زندہ کر دیا اور وہ بھی ان میں آکر شامل ہو گئے۔

بنی اسرائیل کی آزادی:

جب بنی اسرائیل ملک شام میں آئے تو ان کے پاس اللہ کی کتاب باقی نہیں تھی، توریت جلا دی گئی تھی، حضرت عزیر بھی بابل کے قیدیوں میں تھے اور چھوٹ کر شام کو آئے تھے آپ تمام لوگوں سے الگ (کہیں جنگل میں جا کر) دن رات (توریت کے غم میں) روتے رہتے تھے۔ ایک روز کسی شخص نے ان سے پوچھا آپ اتنا روتے کیوں ہیں فرمایا اللہ کی کتاب کو روتا ہوں، اللہ کا وہ احکام نامہ جو ہمارے پاس تھا (جلا دیا گیا) نہ رہا، اس کے بغیر نہ ہماری دنیا درست ہو سکتی ہے نہ آخرت۔ اس شخص نے کہا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ توریت آپ کو دوبارہ مل جائے تو روزے رکھیے (نفس کو) پاک کیجئے اور کپڑے بھی پاک رکھیے اور کل کو اسی جگہ میں آپ سے ملوں گا حضرت عزیر نے روزہ بھی رکھا جسم اور کپڑوں کو بھی پاک کیا اور اسی مقررہ مقام پر اس شخص کا انتظار کرنے لگے۔ حسب وعدہ وہ شخص پانی سے بھرا ہوا ایک برتن لے کر آیا یہ شخص فرشتہ تھا۔ اللہ نے اس کو بھیجا تھا۔ حضرت عزیر کو اس نے کچھ پانی پلایا۔ پانی پیتے ہی توریت آپ کے سینے میں منقش ہوگئی۔ جب بنی اسرائیل کے پاس لوٹ کر آئے اور توریت پیش کی تو بنی اسرائیل کو آپ سے اتنی محبت ہوگئی کہ کسی چیز سے ایسی محبت نہیں ہوئی تھی آپ محبوب قوم بن گئے پھر کچھ مدت کے بعد اللہ آپ کو بلا لیا۔

بنی اسرائیل کی گمراہیاں اور پیغمبروں کی جدوجہد:

اور بنی اسرائیل طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو گئے اور اللہ بھی ان کو سزا دیتا رہا اور پیغمبروں کو ان کی ہدایت کے لیے بھیجتا رہا۔ بنی اسرائیل کسی پیغمبر کی تو (صرف) تکذیب کرتے تھے اور کسی کو قتل کر دیتے تھے (تصدیق نہیں کرتے تھے)۔ سب کے آخر میں اللہ نے حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کو بھیجا یہ تینوں حضرت داؤد کی نسل سے تھے۔ حضرت زکریا اپنی موت سے مر گئے۔ بعض نے کہا آپ کو شہید کر دیا گیا۔

بنی اسرائیل کی دوسری غلامی اور قتل عام:

جب بنی اسرائیل نے حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا اور حضرت عیسیٰ کو اٹھا لیا گیا تو بابل کے ایک بادشاہ کو جس کو خردوش کہا جاتا تھا بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا خردوش نے بابل کا لشکر لے کر شام پر چڑھائی کی ملک میں داخل ہو کر تمام بنی اسرائیل پر مسلط ہو گیا۔ جب کامل تسلط پا لیا تو اپنے ایک فوجی سردار

سے جس کا نام یبورزاذان تھا کہا، میں نے اپنے معبود کی قسم کھائی تھی کہ بیت المقدس والوں پر جب مجھے فتح حاصل ہوگی تو ان کو اتنا قتل کروں گا کہ ان کا خون بہ بہ کر میرے لشکر کے وسطی حصہ تک آ جائے، ہاں اگر قتل کرنے کے لئے کوئی شخص باقی ہی نہ رہے تو مجبوری ہے۔ تم میری اس قسم کو پورا کرو۔ یبورزاذان اس حکم کی تعمیل کے لیے کھڑا ہو گیا اور بیت المقدس میں داخل ہو کر قربان گاہ تک پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کچھ خون زمین سے ابل رہا ہے، پوچھا یہ کیا بات ہے، یہ خون کیسا ابل رہا ہے۔ بنی اسرائیل نے کہا اس جگہ ہم نے ایک قربانی ذبح کی تھی، قربانی قبول نہیں ہوئی اور اس وقت سے برابر یہ خون ابل رہا ہے۔ ویسے آٹھ سو برس سے ہم قربانیاں کرتے چلے آئے ہیں اور سب کی سب قبول ہوتی رہی ہیں صرف یہ ہی قربانی قبول نہیں ہوئی یبورزاذان نے کہا تم نے مجھے سچ نہیں بتایا کہنے لگے اگر پہلے جیسا وقت ہوتا تو ضرور یہ قربانی بھی قبول ہو جاتی مگر اب تو نہ ہماری حکومت رہی نہ سلسلہ وحی و نبوت۔ اسی لیے یہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اسی مقام پر یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سرداروں کے سات سو ستر جوڑے ذبح کر ڈالے مگر خون جب بھی نہیں تھما۔ یبورزاذان نے بنی اسرائیل کے سات سو لڑکے اور قتل کرا دیے پھر بھی خون ٹھنڈا نہ ہوا۔ یبورزاذان نے جب دیکھا کہ خون تھمتا ہی نہیں ہے تو بنی اسرائیل سے کہا کم بختو مجھے سچ سچ بتادو اور اپنے رب کے حکم پر صبر کرو، ایک طویل مدت تک اس زمین پر تمہاری حکومت رہی ہے، تم جو چاہتے تھے کرتے تھے، میں تم میں سے کسی آگ پھونکنے والے مرد کو چھوڑوں گا نہ عورت کو، سبھی کو قتل کر دوں گا۔ یہ وقت آنے سے پہلے مجھے سچ سچ بتادو۔ جب بنی اسرائیل نے قتل کی یہ شدت اور ناقابل برداشت مصیبت دیکھی تو سچی بات کہدی، کہنے لگے حقیقت میں یہ ایک پیغمبر کا خون ہے وہ ہم کو بہت سی باتوں سے منع کرتے تھے اور اللہ کے غضب سے ڈراتے تھے، اگر ہم ان کا کہا مان لیتے تو یقیناً وہ راستہ ہمارے لیے بہت سیدھا راستہ تھا۔ انہوں نے ہم کو تمہارے متعلق بھی اطلاع دی تھی مگر ہم نے ان کو سچا نہ جانا اور بجائے تصدیق کے ان کو قتل کر دیا یہ خون انہی کا ہے، یبورزاذان نے پوچھا ان کا نام کیا تھا۔ بنی اسرائیل نے کہا یحییٰ بن زکریا۔

یبورذان کا مسلمان ہوا:

یبورزاذان نے کہا اب تم نے سچی بات بتادی تم سے تمہارا رب اسی کا انتقام لے رہا ہے اس کے بعد یبورزاذان سجدے میں گر پڑا اور جو لوگ اس کے گرداگرد تھے ان کو حکم دیا کہ خردوش کے لشکر کے جو آدمی یہاں ہیں ان کو باہر کردو اور شہر کے دروازے بند کردو۔ جب بنی اسرائیل کے ساتھ تنہا رہ گیا تو کہا اے یحییٰ بن زکریا آپ کے قتل کی وجہ سے جس مصیبت میں آپ کی قوم گرفتار ہوئی اور جتنے مارے گئے۔ اس کو میرا اور آپ کا رب جانتا ہے۔ اب آپ اپنے رب کے حکم سے ٹھیر جائیں قبل اس کے کہ آپ کی قوم کے کسی شخص کو میں زندہ نہ چھوڑوں فوراً اللہ کے حکم سے خون تھم گیا اور یبورزاذان نے بنی اسرائیل کو قتل کرنے کا حکم منسوخ کر دیا اور بولا بنی اسرائیل جس پر ایمان لائے ہیں میں بھی اس پر ایمان لایا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں پھر بنی اسرائیل سے کہا خردوش نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں تم کو اتنا قتل کروں کہ تمہارا خون بہ بہ کر اس کے لشکر کے وسطی حصہ تک پہنچ جائے اور میں اس کے حکم عدولی کی طاقت نہیں رکھتا بنی اسرائیل نے کہا خردوش نے جو تم کو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرو۔ یبورزاذان نے ایک خندق کھودنے کا حکم دیا۔ خندق تیار ہو گئی تو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے جتنے گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ، گائیں بھینسیں اور بکریاں اور بھیڑیں ہیں سب کو ذبح کر کے خندق میں ڈال دیا جائے۔ اس کی تعمیل بھی کر دی گئی۔ یہاں تک کہ ان جانوروں کا خون لشکر گاہ کے وسط تک بہ کر پہنچ گیا اور ان جانوروں کے اوپر ان مقتولوں کی لاشوں کو ڈلوا دیا جن کو پہلے قتل کرا چکا تھا، خردوش سمجھا کہ خندق کے اندر صرف لاشیں ہی بھری پڑی ہیں خون تو لشکر گاہ تک پہنچ ہی چکا تھا اس لیے خردوش نے یبورزاذان کو قتل بند کردینے کا حکم دے دیا، پھر بابل واپس چلا گیا۔ اس حادثہ میں سارے بنی اسرائیل فنا ہو گئے یا فنا ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہی وہ دوسرا واقعہ ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ ہلا واقعہ تو بخت نصر اور کے لشکر کا ہوا اور دوسرا واقعہ خردوش اور اس کی فوج کا۔ دوسرا واقعہ پہلے واقعہ سے زیادہ سنگین تھا اس کے بعد بنی اسرائیل کو استقلال نصیب نہیں ہوا شام اور علاقہ شام کی حکومت رومیوں اور یونانیوں کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ ہاں جو بنی اسرائیل بچ گئے تھے ان کی نسل بکثرت ہوگئی اور بیت المقدس اور اس کے علاقہ میں ان کی ریاست قائم ہوگئی۔ مستقل حکومت نہ بن سکی۔

ٹیٹس کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی تباہی:

پھر بھی اللہ کی بڑی نعمتیں ان کو حاصل ہیں اور اسائش و آرام سے صبر کرنے لگے پھر انہوں نے طرح طرح کے جرائم کیے اور نافرمانیاں کیں تو اللہ نے ان پر ٹیٹس بن اسیانش رومی کو مسلط کر دیا ٹیٹس نے ان کی بستیوں کو تباہ کر دیا اور بیت المقدس سے ان کو نکال باہر کیا۔ ریاست ان سے چھین لی اور ایسی ذلت کی مار دی کہ آئندہ جس قوم میں بھی رہے ذلت کے ساتھ اور جزیہ ادا کر کے رہے اور بیت المقدس اجڑا پڑا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو آپ کے حکم سے مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔

یہودیوں کی بار بار تباہی:

قتادہ نے کہا پہلی مرتبہ اللہ نے جالوت کو مسلط کیا جالوت نے ان کو قید

کیا اور آبادیوں کو تباہ کردیا۔ ثُمَّ رَدَدۡنَا لَكُمُ الۡكَرَّةَ یعنی پھر حضرت داؤد کے زمانہ میں اللہ نے ان کی باری پھیر دی فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ یعنی جب دوسری تباہی کا وقت آیا تو بخت نصر کو اللہ نے ان پر مسلط کیا بخت نصر نے ان کو قیدی بنایا اور بستیوں کو اجاڑا عَسٰی رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ یعنی امید رکھو کہ آئندہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا، چنانچہ اللہ نے ان پر دوبارہ رحم فرمایا لیکن بنی اسرائیل نے پھر مختلف زمانوں میں شرارتیں کیں اور اللہ نے بھی سزا اور عقوبت ان کو دی، آخر کار عرب کو ان پر مسلط فرمایا، اللہ نے خود فرمایا وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ اور جب آپ کے رب نے آگاہی دیدی تھی کہ قیامت کے دن تک ان (یہودیوں) پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو برا عذاب دیتے رہیں گے۔ لہٰذا یہودی ہمیشہ عربوں کے ہاتھوں سے عذاب میں رہیں گے۔

ایک بنی اسرائیلی کا خواب:

سدی نے ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی ویرانی ایک یتیم لڑکے کے ہاتھوں سے ہوگی جو بابل کی ایک بیوہ کا لڑکا ہوگا اور اس کا نام بخت نصر ہوگا (اس زمانہ میں) بنی اسرائیل چونکہ سچ بولتے تھے اس لیے ان کا خواب بھی سچا ہوتا تھا یہ شخص خواب دیکھنے کے بعد بخت نصر کی جستجو میں نکلا یہاں تک کہ اس کی ماں کے پاس پہنچ گیا بخت نصر لکڑہارا تھا اس شخص نے دیکھا کہ وہ سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے آیا گٹھے کو سر سے ڈالنے کے بعد بیٹھ گیا اس آدمی نے بخت نصر سے کچھ باتیں کیں پھر اس کو تین درہم دیے اور کہا جا کر اس کی کچھ کھانے پینے کی چیز لے آؤ بخت نصر نے جا کر ایک درہم کا گوشت ایک درہم روٹی اور ایک درہم کی شراب خرید لی اور لے آیا سب نے مل کر کھانا کھایا اور شرب پی اس آدمی نے دوسرے اور تیسرے روز بھی ایسا ہی کیا۔ روزانہ تین درہم کی کھانے پینے کی چیزیں منگوائیں اور سب نے کھایا۔ پھر بخت نصر سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی دن تم بادشاہ ہو جاؤ تو میرے لیے پروانہ امان ابھی سے لکھدو (تاکہ تمہاری حکومت کے وقت میرے کام آئے) بخت نصر نے کہا، کیا تو مجھ سے مذاق کر رہا ہے اس شخص نے کہا میں مذاق نہیں کرتا، تمہارا کیا حرج ہے کہ پروانہ امان لکھ کر مجھے منت کش بنا دو بخت نصر نے پروانہ امن لکھ دیا، اس شخص نے کہا جب تمہارے گرد اگرد لوگ جمع ہوں اور میں اس وقت پہنچوں تو تمہارے پاس تک میری رسائی کیسے ہوگی۔ بخت نصر نے کہا کسی بانس میں اس تحریر کو باندھ کر بلند کرنا میں پہچان لوں گا۔ غرض بخت نصر نے تحریر لکھ کر اس شخص کو دے دی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا قتل:

قتادہ نے کہا بنی اسرائیل کا بادشاہ حضرت یحییٰ بن زکریا کی بڑی عزت کرتا تھا آپ کو اس نے اپنا مقرب بنا رکھا تھا (اتفاقاً) بادشاہ کو اپنی بیوی کی بیٹی اور بقول حضرت ابن عباس اپنی بھانجی سے گہری محبت ہوگئی، حضرت یحییٰ سے اس نے مسئلہ پوچھا آپ نے نکاح کی اجازت نہ دی (بیوی کی بیٹی یا بھانجی سے نکاح شریعت یہود میں بھی حرام تھا) اس لڑکی کی ماں کو حضرت یحییٰ کے فتوے کی خبر پہنچی تو اس کے دل میں حضرت کی طرف سے کینہ پیدا ہوگیا، ایک روز جب بادشاہ نے محفل شراب منعقد کی تو اس عورت نے اپنی بیٹی کو باریک سرخ رنگ کے کپڑے پہنائے خوشبو سے مہکایا، زیور سے آراستہ کیا اور بنا سجا کر بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور یہ کہہ دیا کہ تو بادشاہ کو شراب پلانا اور جب وہ تیری طرف کو مائل ہو تو اول تو اس سے شرط کرالینا کہ میرا ایک سوال آپ کو پورا کرنا ہوگا۔ جب وہ زبان دیدے تو اس سے کہنا مجھے یحییٰ بن زکریا کا سر طشت میں رکھا ہوا درکار ہے، پھر وہ جو کچھ تجھ سے چاہے اس کی تعمیل کرنا۔ لڑکی نے ایسا ہی کیا، بادشاہ جب اس کی طرف مائل ہوا تو اس نے حضرت یحییٰ کے سر کی شرط پیش کی۔ بادشاہ نے کہا کم بخت کچھ اور سوال کر لے۔ میں تیرا سوال پورا کردوں گا۔ یحییٰ کے سر کی طلبگار نہ ہو، لڑکی نے اصرار کیا۔ آخر یحییٰ کا سر بادشاہ نے منگوادیا، سر لا کر رکھدیا گیا تو سر سے آواز آرہی تھی یہ عورت تیرے لیے حلال نہیں ہے۔ جب صبح ہوئی تب بھی سر سے خون ابلتا رہا، بادشاہ نے اس پر مٹی ڈالنے کا حکم دیا تب بھی خون نہ تھما، اور مٹی ڈلوائی تب بھی خون ابلتا ہی رہا، یہاں تک کہ شہر کی فصیل تک اس طشت کو لے جایا گیا اور خون جوش مارتا رہا،

بابل کے بادشاہ کا حملہ:

اسی دوران میں بابل کے بادشاہ صحابین نے بخت نصر کی زیر قیادت بنی اسرائیل پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر بھیج دیا جب یہ فوج حدود بیت المقدس میں پہنچی تو لوگ قلعہ بند ہوگئے، انہوں نے بستیوں کے دروازے بند کر لیے، بخت نصر محاصرہ کیے پڑا رہا، آخر طول محاصرہ سے تنگ آ کر اس نے ناکام واپسی کا ارادہ کرلیا۔

بوڑھیا کا مشورہ:

بنی اسرائیل کی نسل کی ایک بڑھیا نکل کر آئی اور اس نے بخت نصر سے کہا آپ شہر فتح کیے بغیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ بخت نصر نے کہا ہاں، میرا یہاں قیام طویل ہوگیا اور ساتھ والوں کو کچھ کھانے کو مل نہیں رہا ہے۔ کہنے لگی تدبیر میں بتاتی ہوں مگر ایک بات میری آپ کو ماننی ہوگی، جس کو قتل کرنے کا

میں آپ کو مشورہ دوں اس کو آپ قتل کر دیں اور جب قتل کرنے سے روک دوں آپ رک جائیں۔ بخت نصر نے کہا اچھا، بڑھیا نے کہا، صبح کو آپ اپنے لشکر کے چار حصے کر دیں، ہر گوشہ پر لشکر کا ایک حصہ مقرر کر دیں۔ پھر سب مل کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہیں یحییٰ بن زکریا کے خون کے عوض ہم تجھ سے فتح کے طلبگار ہیں، امید ہے کہ دعا مانگتے ہی (شہر کی) دیواریں گر پڑیں گی۔ بخت نصر اور اس کے لشکر نے ایسا ہی کیا، دیواریں فوراً گر پڑیں اور تمام اطراف سے فوج اندر داخل ہوگئی۔

حضرت یحییٰ کے بدلے ستر ہزار قتل:

بڑھیا نے بخت نصر سے کہا اب اپنا ہاتھ روک لو، پھر بخت نصر کو لے کر یحییٰ بن زکریا کے خون کے پاس پہنچی اور کہا (لوگوں کو گرفتار کرا کے) اس خون پر قتل عام اس وقت تک کرو کہ اس کا ابلنا بند ہو جائے، بخت نصر نے وہاں ستر ہزار آدمیوں کو قتل کیا، آخر وہ خون تھم گیا۔ خون رک گیا تو بڑھیا نے کہا اب قتل موقوف کرو۔ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اللہ اس وقت تک راضی نہیں ہوتا جب تک قاتلوں کو اور قتل پر رضامند ہونے والوں کو قتل نہ کر دیا جائے،

حضرت دانیالؑ کا واقعہ:

بابل میں پہنچا تو چونکہ صحابین مر چکا تھا، لوگوں نے صحابین کی جگہ اس کو بادشاہ بنا دیا، بخت نصر حضرت دانیال اور آپ کے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا تھا۔ مجوسیوں کو اس بات سے جلن ہوئی اور انہوں نے بخت نصر سے دانیال کی چغلیاں کھائیں اور کہا دانیال اور ان کے ساتھی آپ کے معبود کو نہیں مانتے اور آپ کے ہاتھ کا ذبیحہ (یعنی آپ کا عقیدہ رکھنے والے مشرکوں کا ذبیحہ) بھی نہیں کھاتے۔ بخت نصر نے دانیال اور ان کے ساتھیوں سے یہ بات دریافت کی انہوں نے جواب دیا، ہاں، ہمارا ایک رب ہے اور ہم آپ لوگوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے، بخت نصر نے ایک خندق کھدوائی اور ان سب کو جن کی تعداد چھ تھی اس میں ڈلوا دیا، اور ایک شکاری شیر کو بھی خندق میں چھوڑ دیا تاکہ شیر ان لوگوں کو پھاڑ کھائے، لیکن دن گذرنے کے بعد شام کو جا کر دیکھا تو سب کو (صحیح سالم) بیٹھا ہوا پایا، شیر بھی پاؤں پھیلائے ان کے پاس ہی پڑا ہوا تھا اور اس نے کسی کے خراش بھی نہیں لگائی تھی۔ اس کے علاوہ ایک ساتواں آدمی اور بھی ان کے ساتھ موجود تھا، حقیقت میں وہ ایک بادشاہ تھا جس کی سات سال تک اللہ برابر ہر سال، صورت مسخ کرتا رہا، وہب نے اس کی یوں تفصیل کی ہے کہ بخت نصر کو اللہ نے (ایک سال) بشکل گدھ رکھا، پھر (ایک برس تک) بیل کی شکل پر کر دیا، پھر شیر کی صورت پر کر دیا۔ اسی طرح سات سال تک صورت بگڑتی اور بدلتی رہی لیکن دل ہر صورت میں انسان ہی کا رہا۔ آخر میں پھر اس کی حکومت اس کو عطا فرما دی اور وہ مومن ہو گیا۔

کیا بخت نصر مومن تھا:

وہب سے دریافت کیا گیا، کیا بخت نصر مومن تھا؟ وہب نے جواب دیا، اس کے بارے میں میں نے اہل کتاب کے اقوال مختلف پائے کوئی تو قائل ہے کہ اس کی موت ایمان پر ہوئی اور کوئی کہتا ہے اس نے بیت المقدس کو جلایا جو خانہ خدا تھا۔ اللہ کی کتابوں کو سوختہ کیا اور انبیاء کو قتل کیا اس پر اللہ کا غضب پڑا اور توبہ قبول نہیں ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے صحیح وہی ہے جو ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ
بعید نہیں تمہارے رب سے کہ رحم کرے تم پر اور اگر پھر وہی کرو گے
عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝
تو ہم پھر وہی کریں گے اور کیا ہے ہم نے دوزخ کو کافروں کا قید خانہ ۸

اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ ورنہ پھر ہلاکت ہے

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "تورات میں کہہ دیا تھا کہ بنی اسرائیل دو بار شرارت کریں گے۔ اس کی جزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوں گے۔ اسی طرح ہوا ہے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ پیچھے بنی اسرائیل کو اور قوت زیادہ دی۔ حضرت سلیمان کی سلطنت میں دوسری بار فارسی لوگوں میں بخت نصر غالب ہوا۔ تب سے ان کی سلطنت نے قوت نہ پکڑی۔ اب فرمایا کہ اللہ مہربانی پر آیا ہے اگر اس نبی کے تابع ہو تو وہی سلطنت اور غلبہ پھر کر دے اور اگر پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم وہی کریں گے۔ یعنی مسلمانوں کو ان پر غالب کیا اور آخرت میں دوزخ تیار ہے" بعض علماء نے پہلے وعدہ سے بخت نصر کا حملہ جو ولادت مسیح سے ۵۸۷ سال پہلے اور دوسرے وعدہ سے "طیطوس رومی" کا حملہ جو رفع مسیح سے ستر سال بعد ہوا مراد لیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر پوری تباہی آئی اور مقدس ہیکل کو برباد کیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ (اے بنی اسرائیل) قریب ہے کہ تمہارا رب تم رحم فرمائے۔ یعنی اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ گے اور قرآن کا اتباع کرتے ہوئے اپنے اعمال درست کر لو گے تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرمائے گا۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا اور اگر تم (اللہ کی نافرمانی اور رسول کی مخالفت کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (سزا اور انتقام کی طرف) لوٹیں گے۔

پس عبداللہ بن سلام، شاہ نجاشی، کعب احبار اور ان جیسے دوسرے اہل کتاب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو اللہ نے ان پر رحمت نازل

فرمادی، ان کی ثنا کی اور فرمایا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا، وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ اور بنی قریظہ بنی نضیر اور ان کی طرح دوسرے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اور آپ کو شہید کر دینا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا، آپ کے کھانے میں زہر ملا دیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تو اللہ بھی ان کو سزا دینے کی طرف لوٹا، ان سے انتقام لیا، بنی قریظہ کو قتل کرایا، بنی نضیر کو جلاوطن کرایا، ان پر جزیہ مقرر کیا اور ان کو ذلیل کیا۔ (تفسیر مظہری)

اب تیسرا دور شریعت محمدیہ کا ہے جو قیامت تک چلیگا اس کی مخالفت کرنے کا بھی وہی انجام ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان لوگوں نے شریعت محمدیہ اور اسلام کی مخالفت کی تو مسلمانوں کے ہاتھوں جلاوطن اور ذلیل وخوار ہوئے اور بالآخر انکے قبلہ بیت المقدس پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ فرق یہ رہا کہ پچھلے بادشاہوں نے ان کو بھی ذلیل وخوار کیا تھا اور ان کے قبلہ بیت المقدس کی بے حرمتی بھی کی تھی اب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا تو مسجد بیت المقدس جو صدیوں سے منہدم اور غیر آباد پڑی تھی اس کو از سر نو تعمیر کیا اور اس قبلہ انبیاء کے احترام کو بحال کیا۔

مسلمانوں کو سرکشی کی سزا:

آجکل جو حادثہ فاجعہ بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضہ کا اور پھر اس کو آگ لگانے کا سارے عالم اسلام کو پریشان کئے ہوئے ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی قرآنی ارشاد کی تصدیق ہو رہی ہے۔

اور ایک ایسی قوم غالب آ گئی جو دنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی رہی ہے یعنی یہود۔ اس پر مزید یہ مشاہدہ ہے کہ وہ قوم نہ تعداد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے اور نہ مسلمانوں کے مجموعی موجودہ سامان حرب کے مقابلہ میں اسکی کوئی حیثیت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا البتہ مسلمانوں کے لئے ان کی سرکشی کی سزا ضرور ہے۔

غلبہ حاصل کرنے کا سامان:

وہ اسلحہ اور سامان جس سے بیت المقدس اور فلسطین پھر مسلمانوں کو واپس مل سکتا ہے صرف اللہ تعالی کی طرف انابت و رجوع، آخرت پر یقین، احکام شرعیہ کا اتباع، اپنی معاشرت اور سیاست میں غیروں پر اعتماد اور ان کی نقالی سے اجتناب اور پھر اللہ پر بھروسہ کر کے خالص اسلامی اور شرعی جہاد ہے اللہ تعالی ہمارے عرب حکمرانوں اور دوسرے مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرما دیں۔

ایک عجیب معاملہ:

اللہ تعالی نے اس زمین میں اپنی عبادت کے لئے دو جگہوں کو عبادت کرنے والوں کا قبلہ بنایا ہے ایک بیت المقدس دوسرا بیت اللہ مگر قانون قدرت دونوں کے متعلق الگ الگ ہے بیت اللہ کی حفاظت اور کفار کا اس پر غالب نہ آنا یہ اللہ تعالی نے خود اپنی ذمہ لے لیا ہے اسی کا نتیجہ وہ واقعہ فیل ہے جو قرآن کریم کی سورہ فیل میں ذکر کیا گیا ہے کہ یمن کے نصرانی بادشاہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالی نے معہ اس کے ہاتھیوں کی فوج کے بیت اللہ کے قریب تک جانے سے پہلے ہی پرندے جانوروں کے ذریعہ ہلاک و برباد کر دیا۔

لیکن بیت المقدس کے متعلق یہ قانون نہیں بلکہ آیات مذکورہ سے معلوم ہوا ہے کہ جب مسلمان گمراہی اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو ان کی سزا کے طور پر ان سے یہ قبلہ بھی چھین لیا جائے گا اور کفار اس پر غالب آ جائیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ
یہ قرآن بتلاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے
وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو جو عمل کرتے ہیں
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ﴿۹﴾
اچھے کہ ان کے لئے ہے ثواب بڑا ☆

کامیابی کا راستہ:

یعنی یوں تو تورات بھی بنی اسرائیل کو راہ بتانے والی تھی جیسا کہ پہلے فرمایا "هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ" لیکن یہ قرآن ساری دنیا کو سب سے زیادہ اچھی، سیدھی اور مضبوط راہ بتلاتا ہے۔ تمام "قویم راہیں" اس "اقوم" کے تحت میں مندرج ہو گئی ہیں۔ لہذا اگر کامیابی اور نجات چاہتے ہو تو خاتم الانبیاء کی پیروی میں اسی سیدھی سڑک پر چلو۔ جو لوگ قلب و جوارح یعنی ایمان وعمل صالح سے اس صاف وکشادہ راہ پر چلیں گے قرآن ان کو دنیا میں حیات طیبہ کی اور آخرت میں جنت کی عظیم الشان بشارت سناتا ہے۔ باقی جنہیں انجام کا کچھ خیال نہیں۔ اندھا دھند دنیا کی لذات وشہوات میں غرق ہیں۔ آخرت کی اصلاً فکر نہیں رکھتے، ان کا انجام اگلے جملہ میں بیان کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طریق قوام:

قرآن جس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے اس کو اقوم کہا گیا ہے اقوم کی تفسیر یہ ہے کہ وہ راستہ جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب بھی ہو۔ آسان بھی ہو، خطرات سے خالی بھی ہو (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا
اور یہ کہ جو نہیں مانتے آخرت کو ان کے لئے تیار کیا ہے

لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۝ وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ

ہم نے عذاب درد ناک اور مانگتا ہے آدمی

بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ‌ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ۝

برائی جیسے مانگتا ہے بھلائی اور ہے انسان جلد باز ☆

انسان کی جلد بازی:

یعنی قرآن تو لوگوں کو سب سے بڑی بھلائی کی طرف بلاتا، اجر کبیر کی بشارتیں سناتا اور بدی کے مہلک نتائج سے آگاہ کرتا ہے لیکن حضرت انسان کا حال یہ کہ وہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اپنے لئے برائی کو اسی اشتیاق والحاح سے طلب کرتا ہے جس طرح کوئی بھلائی مانگتا ہو، یا جیسے بھلائی طلب کرنا چاہئے وہ انجام کی طرف سے آنکھیں بند کر کے بڑی تیزی کے ساتھ گناہوں اور برائیوں کی طرف لپکتا ہے بلکہ بعض بدبخت تو صاف لفظوں میں زبان سے کہہ اٹھتے ہیں "اَللّٰهُمَّ اِنۡ كَانَ هٰذَا هُوَ الۡحَـقَّ مِنۡ عِنۡدِكَ فَاَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ (خداوند صلی اللہ علیہ وسلم اگر پیغمبر اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دیجئے یا اور کوئی سخت عذاب نازل کیجئے) بعض بیوقوف غصہ سے جھنجھلا کر اپنے حق میں یا اپنی اولاد وغیرہ کے حق میں بے سوچے سمجھے بددعا کر بیٹھتے ہیں، وبعض دنیا کے نفع عاجل کو معبود بنا کر ہر ایک حلال وحرام طریقہ سے اسکی طرف دوڑتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ اس لہلہاتے پودے کے نیچے سانپ بچھو بھی چھپے ہوئے ہیں۔ جو انجام کار ہلاکت کے گڑھے میں پہنچا کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنی جلد بازی سے کسی چیز کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ لیتا ہے، بدی کے دور رس نتائج پر غور نہیں کرتا۔ پس جو بات کسی وقت سانح ہوئی فوراً کہہ ڈالی یا ایک دم کر گذرا۔ جدھر قدم اٹھ گیا بے سوچے سمجھے ادھر ہی بڑھتا چلا گیا۔ اگر جلد بازی چھوڑ کر متانت، تدبر اور انجام بینی سے کام لے تو کبھی ایسی غلطیاں نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

خیر کی دعا کرنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا اور دین کی بھلائی کے لیے اور عذاب آخرت سے محفوظ رہنے کے لیے دعا کرتا ہے۔ پس اسی طرح وہ شر کا بھی طلبگار ہوتا ہے۔ اگر اللہ اس کی بددعا قبول فرمالے تو یقیناً وہ تباہ ہو جائے مگر اللہ اپنی مہربانی سے اس کی یہ بددعا قبول نہیں فرماتا (اور اس کے سوال کے مطابق تباہ نہیں کرتا)

وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا اور انسان بڑا جلد باز ہے۔ یعنی جو خیال دل میں آتا ہے چاہتا ہے فوراً پورا ہو جائے، انجام پر غور نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ اگر اس کا خیال پورا کر دیا جائے تو ایسا نتیجہ سامنے آجائے گا جو اس کو پسند نہ ہوگا، ناگوار ہوگا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا صبر نہیں کرتا، نہ اس کو دکھ پر قرار ہوتا ہے نہ سکھ پر ہر چیز سے اکتا جاتا ہے اور تنگدل ہو کر دعا کرتا ہے۔

حضرت آدمؑ کی عجلت:

بعض علماء نے کہا الانسان سے مراد حضرت آدمؑ ہیں، جب روح آپ کے بدن میں ڈالی گئی تو ناف تک ہی پہنچی تھی کہ اٹھنے لگے، مگر گر پڑے اٹھ نہ سکے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

واقدی نے مغازی میں حضرت عائشہؓ کے کسی آزاد کردہ غلام کی وساطت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی کو ساتھ لے کر حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اس کی بڑی نگرانی رکھنا (کہیں بھاگ نہ جائے) حضرت عائشہؓ کسی عورت سے باتیں کرنے میں قیدی کی طرف سے غافل ہوگئیں، قیدی بھاگ گیا، رسول اللہ تشریف لائے اور قیدی کے متعلق دریافت فرمایا، حضرت عائشہؓ نے کہا مجھے معلوم نہیں (وہ کہاں گیا) میں ذرا اس کی طرف سے غافل ہوئی کہ وہ نکل گیا، حضور والا نے (ناراض اور غضبناک ہو کر (فرمایا اللہ تیرا ہاتھ کاٹ دے، یہ فرما کر باہر تشریف لے گئے اور ملزم کے پیچھے آدمیوں کو دوڑایا لوگ اس کو پکڑ لائے پھر آپ اندر تشریف لائے حضرت عائشہؓ بستر پر (بیٹھی) اپنے ہاتھ کو الٹ پلٹ کر رہی تھیں۔ فرمایا، کیوں کیا بات ہے؟ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا میں آپ کی بددعا (کا اثر ظاہر ہونے) کا انتظار کر رہی ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی اے اللہ میں ایک انسان ہوں دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی رنج ہوتا ہے اور غصہ آتا ہے، میں جس مومن مرد یا مومن عورت کے لیے کوئی بددعا کروں تو میری بددعا کو اس کے لیے (گناہوں سے) پاکی اور طہارت (کا سبب) بنادے۔ واللہ اعلم۔

کافر انسان:

کلام کی رفتار بتارہی ہے کہ الانسان سے مراد کافر انسان ہے اور دعاء شر سے مراد عذاب کے فوراً آجانے کی دعا ہے کافر بطور استہزاء جلد عذاب آنے کی درخواست کرتے تھے۔ نضر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو فریق بہتر ہو اس کو فتحیاب کر۔ اے اللہ اگر تیری طرف سے یہ (اسلام وقرآن) ہی حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، چنانچہ بدر کے دن نضر بن حارث کی گردن ماری گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلۡنَا الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيۡنِ

اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے

رات اور دن قدرت کے نمونے ہیں:

رات کا اندھیرا دن کا اجالا، دونوں میں سے کبھی اسکا کبھی اس کا چھوٹا بڑا ہونا، پھر رات میں چاند کی آہستہ آہستہ گھٹنے بڑھنے والی ٹھنڈی اور دھیمی چاندنی، دن میں آفتاب عالمتاب کی تیز اور گرم روشنی، یہ سب خداوند قدوس کی قدرت کاملہ کے نمونے ہیں۔ جن سے ہر ایک کا مستقل نظام علیحدہ ہے جس کے ساتھ سینکڑوں فوائد اور مصالح وابستہ ہیں۔ اور سب کا مجموعی نظام الگ ہے جو شروع سے اب تک نہایت مضبوط و محکم قوانین کے ماتحت چل رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رات کی تاریکی نیند اور آرام کے لئے مناسب ہے اور قدرت نے ایسا نظام بنا دیا ہے کہ ہر انسان اور جانور کو اسی رات کی تاریکی میں نیند آتی ہے پورا عالم بیک وقت محو خواب ہوتا ہے اگر مختلف لوگوں کی نیند کے مختلف اوقات ہوتے تو جاگنے والوں کے شور وشغب اور کام کاج کی وجہ سے سونے والوں کی نیند بھی حرام ہو جاتی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ
پھر مٹا دیا رات کا نمونہ ☆

رات کا نمونہ تاریک اور مٹا ہوا ہے، چاند کی روشنی سورج کے اعتبار سے دھیمی اور دھندلی ہوتی ہے بلکہ خود جرم قمر بھی دیکھنے والے کو داغدار نظر آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً
اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو
لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ
تاکہ تلاش کرو فضل اپنے رب کا ☆

یعنی دن کے وقت سورج کی روشنی میں ہر چیز صاف دکھائی دیتی ہے لوگ تازہ دم ہو کر روزی کی تلاش میں نکلتے اور مختلف قسم کے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ الغرض شب میں جن چیزوں پر تاریکی کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ سورج کی شعاعیں سب کو بے حجاب کر دیتی ہیں۔ اور جو لوگ خواب گراں سے مدہوش تھے آنکھیں کھول کر ادھر ادھر گشت لگانے لگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورج اور چاند کی روشنی:

حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے سورج کی چمک کے ستر حصے بنائے اور چاند کی روشنی کے بھی اتنے ہی اجزاء قائم کیے پھر چاند کی روشنی کے ۶۹ حصے سورج کی روشنی کے ساتھ شامل کر دیئے یہاں تک کہ جبرئیل نے بحکم خدا اپنا پر چاند کے چہرہ پر تین بار پھیر دیا تو اس کی چمک دمک جاتی رہی صرف روشنی رہ گئی۔ ابن الکوا نے حضرت علیؓ سے اس داغ کے متعلق دریافت کیا جو چاند کے اندر ہے، فرمایا یہ (روشنی کو) مٹانے کا نشان ہے۔

چاند کی سیاہی:

بیہقی نے دلائل میں سعید مقبری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سیاہی کے متعلق دریافت کیا جو چاند میں موجود ہے۔ فرمایا، دونوں چمکدار تھے۔ پھر بقول باری تعالیٰ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ (ایک کی چمک مٹا دی گئی) پس یہ سیاہی جو تم کو نظر آ رہی ہے۔ محو کی نشانی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن الکواء نے امیر المومنین حضرت علیؓ سے پوچھا کہ چاند میں یہ جھائی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا اسی کا بیان اس آیت میں ہے کہ ہم نے رات کے نشان یعنی چاند میں محویت و دھندلکا ڈال دیا اور دن کا نشان خوب روشن ہے یہ چاند سے زیادہ منور اور چاند سے بہت بڑا ہے۔ دن رات کو دو نشانیاں مقرر کر دی ہیں۔ پیدائش ہی ان کی اسی طرح کی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ
اور تاکہ معلوم کرو گنتی برسوں کی اور حساب ☆

یعنی لیل ونہار کی آمد وشد اور شمس وقمر کے طلوع وغروب سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور بہت طرح کے چھوٹے بڑے حساب متعلق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور دن کو روشن کرنے کی اس جگہ دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ دن کی روشنی میں آدمی اپنی روزی تلاش کر سکتا ہے محنت مزدوری، صنعت وحرفت سب کے لئے روشنی کی ضرورت ہے دوسرے یہ کہ رات دن کی آمد ورفت سے سالوں اور برسوں کی تعداد معلوم کی جا سکے کہ تین سو ساٹھ دن پورے ہونے پر مثلاً ایک سال پورا ہو گیا۔

اسی طرح دوسرے سب حسابات بھی رات دن کی آمد ورفت سے متعلق ہیں اگر رات دن کا یہ اختلاف نہ ہو تو مزدور کی مزدوری ملازم کی ملازمت معاملات کی میعادیں متعین کرنا سب مشکل ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا (۱۲)
اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر ☆

غفلت کا اندھیرا قیامت کی صبح کو ختم ہوگا:

تم سمجھ لو کہ گھبرانے اور جلدی مچانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کے یہاں ہر چیز کا خیر ہو یا شر ایک وقت اور انداز مقرر ہے۔ جیسے رات اور دن، کسی کی جلد بازی اور شتاب کاری سے رات کم نہیں ہو جاتی یا دن بڑھ نہیں جاتا۔ اپنے وقت پر آپ صبح وشام ہوتی ہے، شر کے بعد خیر اور خیر کے بعد شر کا آنا بھی ایسا ہی سمجھو جیسے رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات برابر لگی چلی آتی ہے۔ دنیا کے تمام خیر وشر کا سلسلہ ایک معین ضابطہ اور نظام کے ماتحت

ہے جس کا توڑ ڈالنا کسی کے امکان میں نہیں۔ اس دنیا کی مکدر و منغص زندگی کو شب تاریک کے مشابہ سمجھو جس کے اندھیرے میں آدمی کو خیر و شر کے نتائج بالکل صاف دکھائی نہیں دیتے۔ بیشک حق تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کو بھیجا کہ رات کی اندھیری میں مخلوق کو صحیح راستہ بتلائیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے اپنے اپنے درجہ کے موافق اجالا کریں جس سے لوگوں کو خیر و شر کی حقیقت اور اسکے نتائج کا انکشاف ہو جائے۔ لیکن ایسا صریح اور بدیہی انکشاف جس میں کسی فرد بشر کو انکار یا شبہ کی مجال ہی باقی نہ رہے۔ اس وقت ہوگا جب ہماری دنیوی زندگی کی رات ختم ہو کر فردائے محشر کا دن نکل آئے گا۔ انسان کے وہی اعمال جو دنیا کی دھندلی زندگی میں ہر وقت اسکے گلے کا ہار بنے ہوئے تھے، پر غفلت و جہالت وغیرہ کی تاریکی میں صاف نظر نہ آتے تھے قیامت کی صبح ہوتے ہی ایک کھلی کتاب کی شکل میں سامنے آجائیں گے جسے روز روشن کے اجالے میں ہر شخص بے تکلف پڑھ سکے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (ق)۔ اس وقت اپنے تمام چھوٹے بڑے اعمال کو اصلی رنگ میں دیکھ کر بول اٹھے گا۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا (کہف)

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ

اور جو آدمی ہے لگا دی ہے ہم نے اس کی بری قسمت اس کی گردن سے

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا

اور نکال دکھائینگے اس کو قیامت کے دن ایک کتاب کہ دیکھے گا اس کو کھلی ہوئی ☆

اعمال گلے کا ہار ہیں:

یعنی شومئی قسمت اور زشتئی اعمال اسکے گلے کا ہار ہے۔ بری قسمت کیساتھ برے عمل ہیں کہ چھوٹ نہیں سکتے۔ وہی نظر آئیں گے قیامت میں۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے حسن کا قول نقل کیا ہے کہ ہر شخص کے گلے میں ایک قلادہ لٹکا دیا گیا ہے جس کے اندر اس کے اعمال لکھ دیے جاتے ہیں پھر لپیٹ کر اس کے گلے میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن جب اس کو اٹھا لیا جائے گا تو اس اعمالنامہ کو اس کے سامنے کھول دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اصبہانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے سامنے اس کا اعمالنامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا، میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں اس میں وہ درج نہیں ہیں اللہ فرمائے گا چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لیے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔ (تفسیر مظہری)

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس آیت میں طائر سے مراد عمل ہیں حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں اے ابن آدم! تیرے دائیں بائیں فرشتے بیٹھے ہیں صحیفے کھلے رکھے ہیں داہنی جانب والا نیکیاں اور بائیں طرف والا بدیاں لکھ رہا ہے اب تجھے اختیار ہے زیادہ نیکی کر یا زیادہ بدی۔ تیری موت پر یہ دفتر لپیٹ دیئے جائیں گے اور تیری قبر میں تیری گردن میں لٹکا دیئے جائیں گے، قیامت کے دن کھلے ہوئے تیرے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور تجھ سے کہا جائے گا لے اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لے اور تو ہی حساب اور انصاف کر لے۔ خدا کی قسم وہ بڑا ہی عادل ہے جو تیرا معاملہ تیرے ہی سپرد کر رہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نامہ اعمال گلے کا ہار ہونے کا مطلب:

یہ ہے کہ انسان کسی جگہ کسی حال میں رہے اس کا صحیفہ عمل اس کے ساتھ رہتا ہے اس کا عمل لکھا جاتا رہتا ہے جب وہ مرتا ہے تو بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے پھر قیامت کے روز یہ صحیفہ عمل ہر ایک کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا کہ خود پڑھ کر خود ہی اپنے دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ مستحق ثواب ہے یا مستحق عذاب حضرت قتادہؒ سے منقول ہے کہ اس روز بے پڑھا آدمی بھی نامہ اعمال پڑھ لے گا۔ اس موقع پر اصبہانی نے بروایت حضرت ابوامامہؓ یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز بعض لوگوں کا نامہ اعمال جب ان کے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دیکھے گا کہ اس کے بعض اعمال صالحہ اس میں لکھے ہوئے نہیں ہیں تو عرض کرے گا کہ میرے پروردگار اس میں میرے فلاں فلاں عمل درج نہیں ہیں تو حق تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ ہم نے ان اعمال کو اس لئے مٹا دیا کہ تم لوگوں کی غیبت کیا کرتے تھے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ

پڑھ لے کتاب اپنی تو ہی بس ہے

الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا

آج کے دن اپنا حساب لینے والا ☆

پورے اعمال مندرج ہوں گے:

یعنی نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا کہ خود پڑھ کر فیصلہ کر لے، جو کام عمر بھر میں کئے تھے کوئی رہا تو نہیں یا زیادہ تو نہیں لکھا گیا۔ ہر آدمی اس وقت یقین کرے گا کہ ذرہ ذرہ عمل بلا کم و کاست اس میں موجود ہے۔ دنیا میں جو کتاب بھیجی (قرآن کریم) اور چاند سورج وغیرہ سے جو حساب متعلق ہے پہلے اس کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں قیامت کے حساب و کتاب کا ذکر فرمایا جو اسی پہلے حساب و کتاب پر بطور نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا آج تیرا نفس خود ہی تجھ سے حساب فہمی کے لیے کافی ہے۔ حسیب حساب کرنے والا۔ یا حسیب کا معنی ہے

کافی۔ یعنی تیرا نفس ہی تیرے خلاف گواہی دینے کے لیے کافی ہے بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمالنامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا (یعنی قیامت کے دن سب لوگوں کو ایک میدان میں حساب فہمی کے لیے کھڑا کیا جائے گا) تو اللہ ایک ہوا بھیجدے گا اور ہوا اڑا کر اعمالناموں کو دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ
جو کوئی راہ پر آیا تو آیا اپنے ہی بھلے کو
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا
اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی برے کو
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى
اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا☆

اپنا برا بھلا سوچ لو:

یعنی سیدھی راہ خدا نے سب کو بتلا دی اب جو کوئی اس پر چلے یا نہ چلے، اپنا بھلا برا خود سوچ لے۔ کیونکہ اپنے طریق عمل کا نفع یا نقصان اسی کو پہنچے گا۔ ایک گناہوں کی گٹھڑی دوسرے کے سر پر نہیں رکھی جائی گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾
اور ہم نہیں ڈالتے بلا جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول ☆

اتمام حجت کے بعد عذاب آتا ہے:

یعنی بلاشبہ برے عمل آفت لاتے ہیں، پر حق تعالیٰ بغیر بجھائے نہیں پکڑتا اسی واسطے رسول بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بے خبر اور غافل نہ رہنے دیں۔ نیک و بد سے پوری طرح آگاہ کر دیں۔ جن باتوں کو آدمی محض عقل و فطرت کی رہنمائی سے سمجھ سکتا ہے (مثلاً وجود باری یا توحید) انکی مزید تشریح وتوثیق پیغمبروں کی زبانی کر دی جائے اور جن چیزوں کے ادراک میں محض عقل کافی نہ ہو انہیں وحی و الہام کی روشنی میں پیش کیا جائے اسی لئے ابتداء آفرینش سے حق تعالیٰ نے وحی و رسالت کا سلسلہ جاری رکھا۔ تا آنکہ انبیاء علیہم السلام کے انوار و فیوض نے دنیا میں ایسی فضا پیدا کر دی کہ کوئی معذب قوم دنیا یا آخرت میں جہل و بے خبری کا عذر پیش کر کے عذاب الٰہی سے رستگاری حاصل نہیں کر سکتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں "اصحاب فترت" اور اطفال صغاء کی تعذیب پر بحث شروع کر دی ہے۔ ہم تطویل کے خوف سے درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

توحید و نبوت پر ایمان عقل کا فریضہ ہے:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا حاکم اللہ ہی ہے لیکن انسانی عقل بجائے خود اللہ کو ایک سمجھنے اور تمام عیوب و نقائص سے پاک جاننے اور معجزات کی روشنی میں نبوت کا اقرار کرنے کی مکلف ہے۔ اقرار توحید و رسالت کا مدار عقل پر ہے، حکم خداوندی اور ہدایت رسول پر نہیں جس کو بعثت نبی کی اطلاع نہ پہنچی ہو، یا انبیاء کو اللہ مبعوث ہی نہ کرے تب بھی توحید و تنزیہ کا اعتراف عقل کا فریضہ ہے۔ تمام شرائع اور احکام کا مدار توحید و نبوت کے اقرار پر ہے۔ اب اگر توحید و نبوت کے اقرار کا مدار بھی حکم شریعت پر ہوگا تو دور پیدا ہو جائے گا اور اس چکر کے نتیجے میں کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یوں سمجھو احکام شرعیہ نبوت و توحید کے اقرار پر مبنی ہیں، اور نبوت و توحید کا اقرار حکم شرع پر مبنی ہے۔ تو احکام شرعیہ خود ہی اپنی ذات پر موقوف ہوں گے پس انبیاء کے مبعوث نہ ہونے یا بعثت کی اطلاع نہ پانے کی وجہ سے اگر کوئی شخص شرک کرے گا تو مجرم اور مستحق عذاب ہوگا۔ اس قول کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ (حضرت آدم سے) فرمائے گا۔ آدم! حضرت آدم جواب دیں گے لبیک۔ حاضر۔ تمام بھلائیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اللہ فرمائے گا (اپنی اولاد میں سے) دوزخ کا حصہ نکالو۔ آدم عرض کریں گے دوزخ کا حصہ کیا۔ اللہ فرمائے گا۔ نو سو ننانوے فی ہزار۔ یہ فرمان ایسا ہوگا کہ (جس ہیبت سے) بچے بھی بوڑھے ہو جائیں گے، اور ہر حاملہ کو اسقاط ہو جائے گا اور لوگ نشہ والوں کی طرح (بے قابو اور) مدہوش نظر آئیں گے، حالانکہ وہ نشہ آور چیز پیے ہوئے نہ ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب سخت ہوگا۔

صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ ایک (نجات یافتہ) ہم میں سے کون ہوگا؟ فرمایا تم کو بشارت ہو کہ تم میں سے ایک (جہنمی) ہوگا اور یاجوج ماجوج میں سے ہزار۔ الی اخر الحدیث۔ امام ابوحنیفہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عقل پانے کے بعد ہر شخص توحید کے اقرار کا مکلف ہے، دیکھو یاجوج ماجوج کی قومیں سد کے پار ہوں گی ان میں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوگا پھر بھی ان پر عذاب ہوگا۔

دورِ جاہلیت کے لوگ:

دو پیغمبروں کی درمیانی مدت میں جب کہ سلسلہ رسالت (عارضی طور پر) منقطع ہو گیا ہو جو لوگ پیدا ہوئے ہوں گے، قیامت کے دن ان کی جانچ کی جائے گی۔ بزار نے حضرت ثوبان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، قیامت کے دن اہل جاہلیت (دور اسلامی سے پہلے کے لوگ جو حضرت عیسٰی کے صحیح دین پر نہ تھے) اپنے بار اپنی اپنی پشت پر اٹھائے ہوئے آئیں گے۔ اللہ ان سے باز پرس کرے گا، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول نہیں بھیجا تھا نہ ہم کو تیرا حکم پہنچا اگر تو

کوئی رسول ہمارے پاس بھیجتا تو ہم سب سے زیادہ تیرے فرمانبردار بندے ہوتے اللہ فرمائے گا اچھا اگر میں تم کو اب کوئی حکم دوں تو مانو گے (اہل جاہلیت جواب دیں گے، بیشک ہم مانیں گے) اللہ ان سے پختہ عہد و پیمان لے کر حکم دے گا، جاؤ دوزخ میں داخل ہو جاؤ، حسب الحکم وہ لوگ دوزخ کی طرف چلیں گے، جب (قریب پہنچ کر) اس کو دیکھیں گے تو ڈر کر واپس لوٹ پڑیں گے اور عرض کریں گے، اے ہمارے رب ہم کو تو دوزخ سے ڈر لگتا ہے ہم اس میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ فرمائے گا، ذلیل ہو کر اس میں داخل ہو (یعنی اس وقت تم نے نافرمانی کی اب ذلت کے ساتھ تم کو دوزخ میں جانا پڑے گا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر وہ پہلی ہی مرتبہ دوزخ میں داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لئے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔

چار آدمی اپنی گمراہی کا عذر کریں گے:

امام احمد اور ابن راہویہ نے اپنی اپنی مسندوں میں اور بیہقی نے کتاب الاعتقاد میں حضرت اسود بن سریع کی روایت سے بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن چار آدمی ایسے ہوں گے جو (اپنے گمراہ ہونے کی) حجت پیش کریں گے، بہرا پٹ، احمق، پیر فرتوت جو وسواس کی حد تک پہنچ چکا ہوگا، اور وہ شخص جو دورِ جاہلیت میں مرا ہوگا۔ بہرا کہے گا، میرے رب اسلام آیا تو میں نے دعوتِ اسلامی نہیں سنی مجھے کچھ سنائی ہی نہیں دیتا تھا۔ احمق کہے گا جب اسلام آیا تو (میری یہ حالت تھی کہ) بچے میرے مینگنیاں مارتے تھے (میں تو پاگل تھا) پیر فرتوت کہے گا اسلام جس وقت آیا تو میں سمجھ سے قاصر تھا کچھ سمجھتا ہی نہ تھا اور دورِ جاہلیت میں جو شخص مر گیا ہوگا وہ کہے گا اے میرے رب میرے پاس تو تیرا کوئی رسول ہی نہیں آیا (اللہ فرمائے گا کیا اب اگر تم کو کوئی حکم دیا جائے تو تعمیل کرو گے وہ لوگ تعمیل کا وعدہ کریں گے) اللہ ان سے تعمیل حکم کا مضبوط وعدہ لے کر حکم دے گا کہ دوزخ میں چلے جاؤ (وہ داخل نہ ہوں گے اور ڈر کر لوٹ آئیں گے) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر وہ دوزخ میں (حکم ملتے ہی) داخل ہو جاتے تو آگ ان کے لیے ٹھنڈی پڑ جاتی اور سلامتی بن جاتی۔ تینوں نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ اس کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے جو کوئی (تعمیل حکم میں) دوزخ کے اندر گھس جائے گا آگ اس کے لئے خنکی بخش اور سلامتی کا باعث ہو جائے گی اور جو (اپنی خوشی سے) داخل نہ ہوگا، اس کو کھینچ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔

بہر حال مشرک کو شرک کا عذاب ہوگا:

میں حنفیہ کے قول کے موافق کہتا ہوں کہ مشرک اگر با ہوش ہے تو اس کو خواہ پیغمبر کی دعوت نہ پہنچی ہو، پھر بھی شرک کرنے کا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ اللہ شرک کو معاف نہیں کرے گا۔ اس حکم میں بطور عموم وہ لوگ بھی داخل ہیں، جو دورِ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں شرک پر مر گئے ہیں، ممکن ہے وہ اللہ سامنے اپنی ناواقفیت کا عذر پیش کریں اور اللہ قیامت کے دن ان کا امتحان لے کر آخر جہنم میں بھیج دے۔ قیامت کے دن مشرک اپنے شرک کا انکار کریں گے اور ثبوت و شہادت طلب کریں گے تو ان کے اعضاء خود ان کے خلاف شہادت دیں گے اور اللہ کی طرف سے ثبوت مکمل ہو جائے گا اور شرک کا عذاب اللہ جس کو چاہے گا دے گا اور یہ تقاضاءِ عدل کے خلاف بھی نہ ہوگا (کیونکہ شرک سے روکنے والی اور توحید کی طرف راہنمائی کرنے والی عقل اللہ نے ان کو عطا کر دی تھی، اس کے لیے کسی مزید پیام بھیجنے کی ضرورت نہ تھی) البتہ دوسرے صحیح ضوابط زندگی سمجھنے کے لیے چونکہ عقل انسانی کافی نہیں ہے اس لیے بغیر رسالت و بعثت کے کوئی شخص ان کا مکلف نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًاۢ بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ　اللہ ایسا تو نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرنے کے بعد گمراہ کر دے تاوقتیکہ ان باتوں کو کھول کر نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا ضروری ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ رسولاً عقل کو بھی شامل ہے لفظ رسول کے اندر پیغمبر بھی داخل ہیں اور ہر انسان کی تندرست عقل بھی۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول ہے جو خیر و شر کا فرق بتاتی ہے اور اچھائی برائی کی اس کے ذریعہ سے تمیز ہوتی ہے۔ پس عقل انسانی جن فرائض و حقوق کا ادراک کر سکتی ہے ان کے ترک پر انسان کو عذاب دیا جائے گا (خواہ شرک ہو یا بدیہی واضح امور خیر و شر)

مسلمانوں اور مشرکوں کے بچے:

بخاری نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے ایک طویل حدیث خواب بیان کی ہے جس کے اندر یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ایک پیر مرد ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے گردا گرد کچھ بچے بھی تھے رسول اللہ کا گذر ادھر سے ہوا اور آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں اور یہ بچے مسلمانوں کے اور مشرکوں کے ہیں، صحابہ نے یہ بات سن کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے بچے بھی فرمایا ہاں مشرکوں کے بچے بھی۔

ابن جریر نے حضرت سمرہ کا بیان نقل کیا ہے، ہم نے رسول اللہ سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔ یہی حدیث حضرت ابن مسعود سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری کے بچے کے جنازہ میں شرکت کے لیے رسول اللہ کو بلایا گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے لیے تو خوشی ہی خوشی ہے وہ تو جنت کی چڑیا تھی کبھی کوئی گناہ نہیں کیا نہ گناہ کرنے کی عمر پائی۔ یا اس کے خلاف کچھ ہوگا فرمایا (سنو) عائشہؓ! اس نے جنت کو پیدا کیا تو اس کے لیے کچھ اشخاص بھی ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کردیئے اور دوزخ کو پیدا کیا تو اس کے لیے کچھ لوگ ان کے باپوں کی پشت میں ہی پیدا کردیئے۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کے معاملے میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، توقف ہی رکھنا چاہیے۔ باوجودیکہ ان کے جنتی ہونے پر اجماع سلف ہے امام احمد اور ابن ابی زید اور ابویعلی وغیرہ نے فراء وغیرہ کے حوالے سے اجماع ہونا نقل کیا ہے اس کے علاوہ قرآن واحادیث کی صریح عبارتیں بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کذا قال النوی والسیوطی۔ (لیکن یہ سب لاعلمی کا اظہار مسلمانوں کے بچوں کے سلسلہ میں بھی آیت فتح کے نزول سے پہلے تھا)۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بزاز نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ امت جب تک تقدیر کی بابت (کوئی جھگڑا) اور بچوں کے (جنتی و دوزخی ہونے کے) سلسلہ میں کوئی گفتگو نہ کرے گی اس کا معاملہ ٹھیک رہے گا (کوئی فساد نہ ہوگا) ابن حبان کے نزدیک جن بچوں کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے ان سے مراد مشرکوں کے بچے ہیں۔ یہ حدیث بھی آیت فتح سے منسوخ ہے اور یہ ارشاد اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ کو مشرکوں کے بچوں کے نتیجہ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔

وہ احادیث جو مشرکوں کے بچوں کے دوزخی ہونے کے سلسلے میں ذکر کی گئی ہیں ان میں کوئی حدیث بھی اتنی قوی نہیں جتنی وہ احادیث قوی ہیں جن میں اولادِ مشرکین کا جنت میں ہونا ظاہر کیا گیا ہے، پھر قرآن مجید کی آیات سے بھی ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے، اس لیے ناقابل قبول ہیں۔ اور چونکہ یہ احادیث خبری شکل میں ہیں۔ یعنی ان میں اولاد مشرکین کے دوزخی ہونے کی اطلاع دی گئی ہے اور نسخ احکام میں ہوتا ہے خبروں میں جاری نہیں ہوتا، اس لیے ہم ان کو منسوخ نہیں کہتے بلکہ انتہائی ضعیف کہتے ہیں بایں معنی ان کو منسوخ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے ان کے لیے عذاب دوزخ تو مقرر کردیا ہے لیکن رسول اللہ کی شفاعت سے اس کو دور کردے گا۔ ابن ابی شیبہ کی حدیث اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اولاد انسانی میں سے جو لوگ لاہی (کھیلنے والے یا غافل) مرگئے ہوں ان کے متعلق میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ ان کو عذاب نہ دیا جائے، اللہ نے میرا سوال پورا کردیا۔ ابن عبدالبر نے کہا اس حدیث میں لاہی سے مراد بچے ہیں ان کے اعمال (قابل گرفت نہیں) محض لہو لعب ہیں نہ عقل کے ساتھ ہوتے ہیں نہ عزم کے ساتھ۔

امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ اور عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، تین (قسم کے لوگوں) سے قلم اٹھا لیا گیا ہے (یعنی وہ شرعی احکام کے مکلف ہی نہیں ہیں) دیوانہ جب تک اچھا نہ ہو جائے، سوتا ہوا آدمی جب تک بیدار نہ ہو جائے اور بچہ جب تک بڑا (یعنی بالغ) نہ ہو جائے۔

سیوطی نے لکھا ہے اطفال مشرکین کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان برزخ میں ان کو رکھا جائے گا (وہ نہ دوزخی ہوں گے نہ جنتی) بعض نے کہا ان کو خاک کردیا جائے گا۔ مگر اس کی کوئی دلیل نہیں۔ اولاد مسلمین کے متعلق اجماع امت ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے ان کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں۔

حضرت ابراہیم بچوں کے کفیل ہیں:

مسند کی حدیث میں ہے کہ مسلمانوں بچوں کی کفالت جنت میں حضرت ابراہیم کے سپرد ہے صحیح مسلم میں حدیث قدسی ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد یک طرفہ خالص بنایا ہے۔ ایک روایت میں اس کے ساتھ ہی مسلمان کا لفظ بھی ہے۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے اس خواب میں ایک شخص کو ایک جنتی درخت تلے دیکھا جن کے پاس بہت سے بچے تھے۔ سوال پر حضرت جبرئیل نے بتلایا کہ یہ (حضرت) ابراہیمؑ ہیں اور ان کے پاس یہ بچے مسلمانوں اور مشرکوں کی اولاد ہیں۔ لوگوں نے کہا حضور مشرکین کی اولاد بھی۔ آپ نے فرمایا ہاں مشرکین کی اولاد بھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

پیغام رسائی کی مختلف صورتیں:

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا: یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں۔ یعنی اللہ تعالی کسی بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہ احکام خداوندی سے باخبر نہ ہو جائے اور اللہ کی حجت اس پر قائم نہ ہو جائے بایں طور کہ اللہ تعالی اس کی طرف رسول بھیجے اور وہ بندوں کو احکام خداوندی سے مطلع کرے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول خود ہر ایک کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچائے بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ خود بیان کرے یا اس کی طرف سے کوئی عالم یا مبلغ اللہ کا پیغام پہنچا دے بہرحال اس کی رسالت اور شریعت کا علم ہو جانا کافی ہے۔ خواہ وہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، رسالت عامہ ہے۔ تمام عالم کے لئے

ہے صحابہ کرام تابعین اور علماء امت کے ذریعے سے مشرق اور مغرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لئے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

وجودِ باری اور توحید میں کوئی معذور نہیں ہے:

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید خداوندی اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو معمول عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کما قال تعالیٰ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ۔ اس لئے انکار خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگر چہ اس کو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمارت بغیر معمار کے ممکن نہیں اور کتابت بغیر کاتب کے ممکن نہیں اور صنعت بغیر صانع کے ممکن نہیں تو زمین سے لے کر آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہوگئی۔ جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ مینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برج والا آسمان اور گردوغبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی۔

غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی راہنمائی بھی اس کے لئے کافی ہے اور انبیاء کرام نے دلائل اور براہین سے اس کی مزید تشریح اور توثیق کردی۔ (معارف کاندھلوی)

وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا
اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو حکم بھیج دیا
مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا
اس کے عیش کرنیوالوں کو پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں تب ثابت
الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا
ہوگئی ان پر بات پھر اکھاڑ مارا ہم نے ان کو اٹھا کر ☆

یونہی اچانک عذاب نہیں آتا:

یعنی جب بداعمالیوں کی بدولت کسی بستی کو تباہ کرنا ہوتا ہے تو یوں ہی دفعۃً پکڑ کر ہلاک نہیں کر دیتے، بلکہ اتمام حجت کے بعد سزا دی جاتی ہے۔ اول پیغمبر یا اسکے نائبین کی زبانی خدائی احکام انکو پہنچائے جاتے ہیں۔ خصوصاً وہاں کے امراء اور بارسوخ لوگوں کو جن کے ماننے نہ ماننے کا اثر جمہور پر پڑتا ہے۔ آگاہ کیا جاتا ہے جب یہ بڑی ناک والے سمجھ بوجھ کر خدائی پیغام کو رد کر دیتے اور کھلے بندوں نافرمانیاں کر کے تمام بستی کی فضا کو مسموم و مکدر بنا دیتے ہیں۔ اس وقت وہ بستی اپنے کو علانیہ مجرم ثابت کر کے عذاب الٰہی کی مستحق ہو جاتی ہے (نعوذ باللہ م شرور انفسنا) (تنبیہ) وقال بعض السلف ان الامر فی قوله تعالیٰ "اَمَرْنَا مترفیها" امرٌ تکوینی قدری بالنفس و قوله تعالیٰ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ" معناه نفی الامر التشریعی فلا منافاة، فافهم. (تفسیر عثمانی)

ایک شبہ اور اس کا جواب:

الفاظ آیت إِذَا أَرَدْنَا اور اس کے بعد امرنا کے ظاہر سے یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ ان لوگوں کا ہلاک کرنا ہی مقصود خداوندی تھا اس لئے ان کو اول بذریعہ انبیاء ایمان واطاعت کا حکم دینا پھر ان کے فسق و فجور کو عذاب کا سبب بنانا یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوا تو اس صورت میں یہ بیچارے معذور و مجبور ہوئے اس کے جواب کی طرف ترجمہ اور خلاصہ تفسیر کے ضمن میں یہ اشارہ آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و اختیار دیا اور عذاب و ثواب کے راستے متعین کر دیئے جب کوئی اپنے اختیار سے عذاب ہی کے کام کا عزم کرے تو عادت اللہ یہ ہے کہ وہ اسی عذاب کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں تو اصلی سبب عذاب کا خود ان کا عزم اور قصد ہے کفر و معصیت کا نہ کہ محض ارادہ اس لئے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔

حق تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور اس کو عذاب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ابتدائی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس قوم کے حاکم و رئیس ایسے لوگ بنا دیئے جاتے ہیں جو عیش پسند، عیاش ہوں یا حاکم بھی نہ بنیں تو اس قوم کے افراد میں ایسے لوگوں کی کثرت کر دی جاتی ہے دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ شہوات و لذات میں مست ہو کر اللہ کی نافرمانیاں خود بھی کرتے ہیں دوسروں کے لئے بھی اس کی راہ ہموار کرتے ہیں بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آ جاتا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

امر تکوینی کی ایک نادر مثال

واذا اردنا ان نهلک قرية امرنا مترفيها ففسقو فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا (بنی اسرائیل)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ علیہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ اور جب ہم نے چاہا کہ کھپا دیں کوئی بستی حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو پھر انہوں نے بے حکمی کی اس میں۔ تب ثابت ہوئی ان پر بات۔ تب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔

یعنی انقلاب اور عروج و زوال کی طبعی رفتار جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قائم ہے۔ یہ ہے کہ خوشحال صاحب دولت و ثروت جن کو عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی ملک و ملت کے کاموں میں مصروف ہونا چاہئے تھا وہ ان سے غافل ہو کر تعیش میں مصروف ہو جاتے ہیں اُن کی تمام دلچسپیاں عیش و عشرت اور اسباب و ذرائع سے وابستہ ہو جاتی ہیں۔ جس کے نتیجہ میں لامحالہ ایک طرف پوری قوم اور پورے ملک کی اخلاقی حالت تنزل پذیر ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اپنے امراء

اور برسر اقتدار طبقہ کی طرح داد عیش دینے لگتے ہیں دوسری جانب ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے اور ایک ایسی ابتری پھیلتی ہے جس کا لازمی تقاضا وہ بحران ہوتا ہے جس کا نام انقلاب ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ صاحب عزت ذلیل اور ارباب اقتدار پست اور غلام ہو جاتے ہیں اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر پوری قوم تباہی اور بربادی کے گھاٹ اتار دی جاتی ہے۔

انقلاب اور تباہی و بربادی کے یہ تمام اسباب انسان کے علم سے مہیا ہوتے ہیں مگر کسی چیز کا سبب بننا' پھر سب کا اثر پیدا کرنا دونوں امر الٰہی پر موقوف ہیں' اُسی کا خلق و ایجاد اور اسی کا حکم تھا کہ مثلاً کونین یا گلو میں ''بخار'' توڑنے کی خاصیت پیدا ہوئی پھر اُسی کا حکم ہوتا ہے تو کونین بخار توڑتی ہے اس کا حکم نہ ہو تو کونین اور گلو سے بھی زیادہ موثر چیزیں بیکار ہوتی ہیں۔

بہر حال کسی قوم کے تنزل اور اس کی بربادی کے اسباب اگرچہ انسانی اعمال ہیں مگر ان اعمال کا سبب بننا اور پھر ان کا موثر ہونا امر الٰہی پر موقوف ہے یہ امر جو سلسلہ اسباب کے متعلق صادر ہوتے رہتے ہیں ''تکوینی امر'' ہیں۔ (افادات حضرت مدنی رحمہ اللہ)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ
اور بہت غارت کر دیے ہم نے قرن نوح کے پیچھے ☆

ہلاکتِ اقوام:

آدم و نوح کے درمیانی زمانہ میں سب آدمی اسلام پر رہے۔ پھر شرک و بت پرستی شروع ہوئی۔ نوح علیہ السلام ان کی اصلاح کیلئے بھیجے گئے۔ سینکڑوں برس سمجھایا، نہ مانے، آخر سب ہلاک کئے گئے۔ اس کے بعد بہت سی قومیں (عاد و ثمود وغیرہ) تباہ ہوئیں۔ حاصل یہ کہ قوموں کے ہلاک کئے جانے کا سلسلہ بعثت نوح کے بعد سے شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

قرن کا مفہوم: صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں محمد بن قاسم نے عبداللہ بن تستر مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میرے سر پر رکھ کر فرمایا یہ لڑکا ایک قرن جیے گا۔ محمد بن قاسم کا بیان ہے، ہم عبداللہ کی عمر کا حساب برابر لگائے رہتے تھے، یہاں تک کہ ان کی عمر کے سو سال پورے ہو گئے تو ان کا انتقال ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾
اور کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ جاننے والا دیکھنے والا ☆

بے قصور سزا نہیں ملتی:

یعنی کسی کو بے قصور نہیں پکڑتا نہ غیر مناسب سزا دیتا ہے۔ بلکہ ایک کے گناہوں کو دیکھ کر اور اسکے اوضاع و اطوار کو پوری طرح جان کر موزوں و مناسب برتاؤ کرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ
جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر جلد دیدیں ہم اس کو
فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ
اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾
اس کے واسطے دوزخ داخل ہوگا اس میں اپنی برائی سن کر دھکیلا جا کر ☆

مہلت بھی ملتی ہے:

یعنی ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو فوراً ہلاک کر دیا جائے نہیں۔ ہم ان لوگوں میں سے جو صرف متاع دنیا کیلئے سرگرداں ہیں، جس کو چاہیں اور جس قدر چاہیں اپنی حکمت و مصلحت کے موافق دنیا کا سامان دے دیتے ہیں تا ان کی جدوجہد اور فانی نیکیوں کا فانی پھل مل جائے اور اگر آخری سعادت مقدر نہیں تو شقاوت کا پیمانہ پوری طرح لبریز ہو کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ دوزخ کے ابدی جیل خانہ میں دھکیل دیے جائیں گے۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا
اور جس نے چاہا پچھلا گھر اور دوڑ کی اس کے واسطے
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ
جو اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سو ایسوں کی
سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾
دوڑ ٹھکانے لگی ہے ☆

مؤمن صالح کی کوشش بیکار نہیں جاتی:

یعنی جس کے دل میں ایمان و یقین موجود ہو اور نیک نیتی سے خدا کی خوشنودی اور ثواب اخروی کی خاطر پیغمبر کے بتلائے ہوئے راستہ پر عملی دوڑ دھوپ کرے۔ اس کی کوشش ہرگز ضائع ہونے والی نہیں۔ یقیناً بارگاہ احدیت میں حسن قبول سے سرفراز ہو کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اور تفسیر روح المعانی نے سعیہا کی تشریح میں سعی کے مطابق سنت ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو یعنی عمل مفید مطابق سنت بھی ہو اور اس پر استقامت اور مداومت بھی ہو بدنظمی کے ساتھ کبھی کر لیا کبھی نہ کیا اس سے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو،

اسے وہی جمع کرتا رہتا ہے جس کے پاس اپنی عقل نہ ہو۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے جس نے کسی مسلمان ماں باپ کے یتیم بچہ کو پالا اور کھلایا پلایا یہاں تک کہ وہ بے نیاز ہوگیا اس کے لئے یقیناً جنت واجب ہے اور جس نے کسی مسلمان غلام کو آزاد کیا اللہ اسے جہنم سے آزاد کرے گا اس کے ایک ایک عضو کے بدلے اس کا ایک ایک عضو جہنم سے آزاد ہوگا۔ اس حدیث کی ایک سند میں ہے، جس نے اپنے ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو پالیا پھر بھی دوزخ میں گیا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کرے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ تینوں چیزیں ایک ساتھ بیان ہوئی ہیں یعنی آزادگئ گردن، خدمتِ والدین اور پرورشِ یتیم، ایک روایت میں ماں باپ کی نسبت یہ بھی ہے کہ خدا اسے دُور کرے اور اسے برباد کرے الخ۔ ایک روایت میں تین مرتبہ اس کے لئے یہ بددعا ہے۔ ایک روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر درود نہ پڑھنے والے اور ماہِ رمضان میں بخشش خدا سے محروم رہ جانے والے اور ماں باپ کی خدمت اور رضامندی سے جنت میں نہ پہنچنے والے کے لئے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بددعا کرنا منقول ہے۔

ایک انصاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کے ساتھ میں کوئی سلوک کرسکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں چار سلوک، ان کے جنازے کی نماز، ان کے لئے دعا واستغفار، ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہو۔ یہ ہے وہ سلوک جو ان کی موت کے بعد بھی تو ان کے ساتھ کرسکتا ہے (ابوداؤد، ابن ماجہ) ایک شخص نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں جہاد کے ارادے سے آپ کی خدمت میں خوش خبری لے کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا جا اسی کی خدمت میں لگا رہ جنت اس کے پیروں کے پاس ہے۔ دوبارہ سہ بارہ اس نے مختلف مواقع پر اپنی یہی بات دوہرائی اور یہی جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دہرایا۔ (نسائی۔ ابن ماجہ وغیرہ) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے باپوں کی نسبت وصیت فرماتا ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری ماؤں کی نسبت وصیت فرماتا ہے۔ پچھلے جملے کو تین بار بیان فرما کر فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے قرابتداروں کی بابت وصیت کرتا ہے سب سے زیادہ نزدیک والا پھر اس کے پاس والا (ابن ماجہ، مسند احمد) فرماتے ہیں دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے۔ اپنی ماں سے سلوک کر اور اپنے باپ سے اور اپنی بہن سے اور اپنے بھائی سے پھر جو اس کے بعد قریب ہو اسی طرح درجہ بدرجہ (مسند احمد) بزار کی مسند میں ضعیف سند سے مروی ہے کہ ایک صاحب اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے طواف کرارہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے لگے کہ اب تو میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کردیا؟ آپ نے فرمایا، ایک شمہ بھی نہیں، واللہ اعلم (تفسیر ابن کثیر)

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝

اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی ☆

یعنی حق تعالیٰ اپنی حکمت و مصلحت کے موافق بعض طالبین دنیا کو دنیا اور تمام طالبین آخرت کو آخرت عطا فرماتا ہے۔ اسکی عطا میں کوئی مانع و مزاحم نہیں ہوسکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت دنیوی امداد سے دونوں کو حسب مصلحت حصہ پہنچتا ہے۔ محض کفر وعصیان کی وجہ سے دنیوی بخشش کے دروازے بند نہیں کردیے جاتے۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے فاقہ پہنچے اور لوگوں سے اسے بند کرانا چاہے اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ سے اس کی بابت دعا کرے اللہ اس کے پاس تونگری بھیجدے گا یا تو جلدی یا دیر سے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ

دیکھ کیسا بڑھا دیا ہم نے ایک کو ایک سے

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝

اور پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ☆

آخرت کے درجات:

یعنی دنیوی زندگی میں مال، دولت، عزت، حکومت، اولاد وغیرہ کے اعتبار سے ایک دوسرے پر کس قدر فضیلت ہے۔ اسی پر قیاس کرلو کہ آخرت میں تفاوت اعمال واحوال کے لحاظ سے کس قدر فرق مراتب ہوگا۔ چنانچہ نصوص سے ثابت ہے کہ درجات جنت اور درکات جہنم بے حد متفاوت ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین وآسمان کا تفاوت ہوگا۔ نیچے والے اوپر والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم زمین پر کھڑے ہوکر افق میں کوئی ستارہ دیکھتے ہیں۔ پہلے بتایا جاچکا کہ جنت کے یہ درجات انہی کو مل سکتے ہیں جو آخرت کے لئے اس کے لائق دوڑ دھوپ کریں۔ اگلی آیتوں میں دور تک آخرت کی سعی کا طریقہ بتلایا گیا ہے جس پر چلنے سے انسان کو یہ بلند مقامات حاصل ہوتے ہیں۔ ابن عباس کا قول ہے کہ حق تعالیٰ نے "تورات" کی ساری (اخلاقی) تعلیم سورۂ "بنی اسرائیل" کی پندرہ آیتوں میں درج کردی ہے وہ پندرہ آیتیں اگلے رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حکم پھر بیٹھ رہے گا

مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾

تو الزام کھا کر بے کس ہو کر ☆

شرک کی ذلت:

یعنی شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس کے اختیار کرنے پر اللہ تعالی اور اس کے فرشتے، بلکہ دنیا کے ہر عقلمند کے نزدیک تم مذموم وملزم ٹھہرو گے۔ چنانچہ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم تھی وہ بھی دانشمندوں کی سوسائٹی میں جگہ حاصل کرنے کیلئے اپنی ترمیم واصلاح کر کے آہستہ آہستہ توحید کی طرف قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہر ایک عاقل یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ اشرف المخلوقات انسان کے لئے یہ چیز سخت ذلت ورسوائی کا موجب ہے کہ اپنے سے کمتر یا کسی عاجز مخلوق کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ خصوصاً ان چیزوں کے سامنے دست سوال دراز کرے جو خود اسی کی تراشی ہوئی ہیں۔ جو آدمی خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے سامنے جھکتا ہے، خدائے بے نیاز حقیقی نصرت وبرکت کا دروازہ اس پر بند کر کے کمزوری اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ دیتا ہے۔ چنانچہ سخت کٹھن وقت میں جب کہ اسے اعانت وامداد کی بڑی ضرورت ہوگی، کوئی یار ومددگار نہ ملے گا۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ (تفسیر عثانی)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ

اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو

اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

اس کے سوائے اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو ☆

والدین کے حقوق:

خدا تو حقیقۃً بچہ کو وجود عطا فرماتا ہے۔ والدین اس کی ایجاد کا ظاہری ذریعہ ہیں۔ اس لئے کئی آیتوں میں خدا تعالی کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کئے گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کی"۔ ایک حدیث میں فرمایا کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔ والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں ان کی جان ومال سے خدمت اور دل سے تعظیم ومحبت کرے۔ مرنے کے بعد انکا جنازہ پڑھے، انکے لئے دعاء واستغفار کرے۔ ان کے عہد تا مقدور پورے کرے، ان کے دوستوں کے ساتھ تعظیم وحسن سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ صلہ رحمی سے پیش آئے وغیرہ ذالک۔ (تفسیر عثانی)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اور تیرے رب نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا مت کرو اور ماں باپ کے ساتھ خوب اچھا سلوک کرو۔ قضاء یعنی قطعی حکم۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن اور ربیع بن انس نے اس جگہ یہی ترجمہ کیا ہے۔ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا اس لیے حکم دیا کہ ظاہری اسباب کے تحت ماں باپ ہی اولاد کے وجود اور زندگی کی علت ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اسی پر شاہد ہے، جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ "اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے" آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نماز اپنے وقت (مستحب) میں اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا "والدین کے ساتھ اچھا سلوک"۔ (قرطبی)

والدین کی اطاعت کی احادیث:

(۱) مسند احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مستدرک حاکم میں بسند صحیح حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کر دو۔ (مظہری) (۲) اور جامع ترمذی ومستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں۔

(۳) بیہقی میں بروایت حضرت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو خدمتگذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ اس طرح نظر کر لے، آپ نے فرمایا کہ "ہاں سو مرتبہ بھی (ہر نظر پر یہی ثواب ملتا رہے گا) اللہ تعالی بڑا ہے (اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آتی)۔

اطاعتِ والدین کی حدود:

اس پر علماء وفقہا کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ حدیث میں ہے: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔)

مسئلہ: جب تک جہاد فرض عین نہ ہو جائے فرض کفایہ کے درجے میں رہے اس وقت تک کسی لڑکے کے لئے بغیر ان کی اجازت کے جہاد میں شریک ہو جانا جائز نہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شریک جہاد ہونے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں زندہ ہیں آپ نے فرمایا ففیھما فجاھد یعنی بس تو اب تم ماں باپ کی خدمت میں رہ کر جہاد کرو مطلب

یہ ہے کہ ان کی خدمت ہی میں تمہیں جہاد کا ثواب مل جائے گا۔ دوسری روایت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ اس شخص نے یہ بیان کیا کہ میں اپنے ماں باپ کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں اس پر آپ نے فرمایا کہ ''جاؤ ان کو ہنساؤ جیسا کہ ان کو رلایا ہے'' یعنی ان سے جا کر کہہ دو کہ میں آپ کی مرضی کے خلاف جہاد میں نہیں جاؤں گا۔ (قرطبی)

حصولِ علم اور تبلیغ کا سفر:

بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو وہ عالم بننے کے لئے سفر کرے یا لوگوں کو تبلیغ ودعوت کے لیے سفر کرے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔

مسئلہ: والدین کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم قرآن وحدیث میں آیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے خصوصاً ان کی وفات کے بعد۔ صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''باپ کے ساتھ بڑا سلوک یہ ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور حضرت ابو اسید بدریؓ نے نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھا تھا ایک انصاری شخص آیا اور سوال کیا یا رسول اللہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھی ان کا کوئی حق میرے ذمہ باقی ہے آپ نے فرمایا ہاں، ان کے لئے دُعاء اور استغفار کرنا اور جو عہد انہوں نے کسی سے کیا تھا اس کو پورا کرنا اور ان کے دوستوں کا اکرام واحترام کرنا اور ان کے ایسے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤ کرنا جن کا رشتہ قرابت صرف انہیں کے واسطے سے ہے والدین کے یہ حقوق ہیں جو ان کے بعد بھی تمہارے ذمہ باقی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حضرت خدیجہؓ ام المومنین کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کے پاس ہدیہ بھیجا کرتے تھے جس سے حضرت خدیجہ کا حق ادا کرنا مقصود تھا۔

عجیب واقعہ:

قرطبی نے اپنی اسناد منفصل کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ میرے باپ نے میرا مال لے لیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے والد کو بلا کر لاؤ اسی وقت جبرئیل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جب اس کا باپ آ جائے تو آپ اس سے پوچھیں کہ وہ کلمات کیا ہیں جو اس نے دل میں کہے ہیں خود اس کے کانوں نے بھی انکو نہیں سنا جب یہ شخص اپنے والد کو لیکر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والد سے کہا کہ کیا بات ہے آپ کا بیٹا آپ کی شکایت کرتا ہے کیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا مال چھین لیں والد نے عرض کیا کہ آپ اسی سے یہ سوال فرمائیں کہ میں اس کی پھوپھی خالہ یا اپنے نفس کے سوا کہاں خرچ کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایۂ (جس کا مطلب یہ تھا کہ بس حقیقت معلوم ہوگئی اب اور کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں) اس کے بعد اس سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا ہیں جن کو ابھی تک خود تمہارے کانوں نے بھی نہیں سنا۔

غذوتک مولودا و منتک یافعا	تعل بما اجنی علیک و تنهل
میں نے تجھے بچپن میں غذا دی اور جوان ہونے کے بعد	بھی تمہاری ذمہ داری اٹھائی تمہارا سب کھانا پینا میری ہی کمائی سے تھا
اذا لیلۃ ضافتک بالسقم لم ابت	لسقمک الا ساھرا اتململ
جب کسی رات میں تمہیں کوئی بیماری پیش آ گئی تو تم میں نے تمام رات	تمہاری بیماری کے سبب بیداری اور بے قراری میں گذار دی
کانی انا المطروق دونک بالذی	طرقت به دونی فعینی تهمل
گویا کہ تمہاری بیماری مجھے ہی لگی ہے تمہیں نہیں	جس کی وجہ سے میں تمام شب روتا رہا
تخاف الردی نفسی علیک و انها	لتعلم ان الموت وقت موجل
میرا دل تمہاری ہلاکت سے ڈرتا رہا حالانکہ میں	جانتا تھا کہ موت کا ایک دن مقرر ہے
فلما بلغت السن والغایۃ التی	الیها مدی ما کنت فیک اؤمل
پھر جب تم اس عمر اور اس حد تک پہنچ گئے	جس کی میں تمنا کیا کرتا تھا
جعلت جزائی غلظۃ و فظاظۃ	کانک انت المنعم المتفضل
تو تم نے میرا بدلہ سختی اور سخت کلامی بنا دیا	گویا کہ تمہیں مجھ پر احسان وانعام کر رہے ہو
فلیتک اذلم ترع حق ابوتی	فعلت کما الجار المصاقب یفعل
کاش اگر تم سے میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں ہو سکتا	تو کم از کم ایسا ہی کر لیتے جیسا ایک شریف پڑوسی کیا کرتا ہے
فاولیتنی حق الجوار و لم تکن	علی بمال دون مالک تبخل
تو کم از کم مجھے پڑوسی کا حق تو دیا ہوتا اور خود میرے	ہی مال میں میرے حق میں بخل سے کام نہ لیا ہوتا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اشعار سننے کے بعد بیٹے کا گریبان پکڑ لیا اور فرمایا۔ انت و مالک لابیک یعنی جا تو بھی اور تیرا مال بھی سب باپ کا ہے۔ (تفسیر قرطبی، معارف القرآن مفتی اعظم)

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ

اگر پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے

اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا

یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہُوں اور

تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝۲۳

نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی ☆

والدین کا بوڑھاپا:

بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے لگتے ہیں زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے۔ بڑی سعادتمند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بڈھے والدین کی خدمت گذاری وفرمانبرداری سے جی نہ ہارے قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا ان کے مقابلہ میں زبان سے ''ہوں'' بھی مت کرو۔ بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو۔ ابن میسب نے فرمایا ایسی طرح

بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بوڑھے والدین:

والدین کے بڑھاپے کا زمانہ جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج ہو جائیں ان کی زندگی اولاد کے رحم وکرم پر رہ جائے اس وقت اگر اولاد کی طرف سے ذرا سی بے رخی بھی محسوس ہو تو وہ ان کے دل کا زخم بن جاتی ہے۔ دوسری طرف بڑھاپے کے عوارض طبعی طور پر انسان کو چڑ چڑا بنا دیتے ہیں تیسرے بڑھاپے کے آخری دور میں جب عقل وفہم بھی جواب دینے لگتے ہیں تو ان کی خواہشات ومطالبات کچھ ایسے بھی ہو جاتے ہیں جن کا پورا کرنا اولاد کے لئے مشکل ہوتا ہے قرآن حکیم نے ان حالات میں والدین کی دلجوئی اور راحت رسانی کے احکام دینے کے ساتھ انسان کو اس کا زمانہ طفولیت یاد دلایا کہ کسی وقت تم بھی اپنے والدین کے اس سے زیادہ محتاج تھے جس قدر آج وہ تمہارے محتاج ہیں۔

والدین کو اُف بھی نہ کہو:

اول یہ کہ ان کو اف بھی نہ کہے لفظ اف سے مراد ہر ایسا کلمہ ہے جس سے اپنی ناگواری کا اظہار ہو یہاں تک کہ ان کی بات سن کر اس طرح لمبا سانس لینا جس سے ان پر ناگواری کا اظہار ہو وہ بھی اسی کلمہ اف میں داخل ہے ایک حدیث میں روایت حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایذار سانی میں اف کہنے سے بھی کم کوئی درجہ ہوتا تو یقیناً وہ بھی ذکر کیا جاتا۔ حاصل یہ ہے کہ جس چیز سے ماں باپ کو کم سے کم بھی اذیت پہنچے وہ بھی ممنوع ہے۔

مسئلہ: والدین اگر مسلمان ہوں تو ان کے لئے رحمت کی دعاء ظاہر ہے لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی یہ دعا اس نیت سے جائز ہوگی کہ ان کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو مرنے کے بعد ان کے لئے دعاء رحمت جائز نہیں (قرطبی ملخصاً)

قَوۡلًا کَرِیۡمًا: اچھی نرم بات۔ ابن مسیب نے یہی ترجمہ کیا ہے جیسے کوئی قصور وار اپنے بدخو آقا سے نرمی کے ساتھ بات کرتا ہے (ایسا ہی تم ماں باپ سے کلام کرو) مجاہد نے کہا، جب ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے گھن نہ کرو اور جس طرح تمہارے بہت چھوٹے ہونے کے زمانے میں تمہارا بول و براز وہ صاف کرتے تھے اسی طرح ان کا (ایام پیری میں) بول و براز صاف کرنے سے تم نفرت نہ کرو، اور ان کو اف بھی نہ کہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاخۡفِضۡ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ
اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر نیاز مندی سے
وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيۡ صَغِيۡرًا ؕ۲۴
اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا ☆

والدین کے لئے دُعاء:

یعنی جب میں بالکل کمزور و ناتواں تھا تو انہوں نے میری تربیت میں خون پسینہ ایک کر دیا اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت وخوبی کی فکر کی۔ ہزار ہا آفات وحوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے۔ بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے جو کچھ میری قدرت میں ہے ان کی خدمت وتعظیم کرتا ہوں۔ لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان پر اپنی لازوال رحمت نازل فرما صرف اس (دنیوی) فانی نعمت پر ہی اکتفا نہ کر۔ بغوی نے لکھا ہے والدین کے لیے دعاء رحمت کرنے کا یہ حکم اس وقت ہے جب وہ مسلمان ہوں۔ حضرت ابن عباس کے نزدیک یہ آیت۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ سے منسوخ ہے۔ بیضاوی نے کہا دعاء رحمت کرنے کا حکم عام ہے ماں باپ کافر ہوں یا مسلمان سب کے لیے دعا کا حکم ہے کیونکہ کافر ماں باپ کے لیے دعاء رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کو اسلام کی توفیق دے اسلام کی توفیق دینا بھی رحمت ہے۔

جنت کا وسطی دروازہ:

حضرت ابوالدردا کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا وسطی دروازہ ہے اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا (چاہو) کھو دو۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم بسند صحیح۔

مرشد کی خوشنودی:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں۔ رواہ الترمذی والحاکم وصححہ۔

جنت سے محروم:

بزار نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، جنت میں داخل نہ ہوگا، احسان جتلانے والا اور نہ (ماں باپ کا) نافرمان اور نہ شراب کا خوگر۔ رواہ النسائی والدارمی۔

اس کی ناک خاک آلود ہو:

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر ماہِ رمضان آ گیا اور (رمضان میں بھی) اس کی مغفرت نہیں ہوئی (یعنی اس نے روزے نہ رکھے اور سچے دل سے توبہ

نہ کی) اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، جس کے ماں باپ یا دونوں میں سے ایک (اس کے سامنے) بوڑھے ہو گئے اور ان کی خدمت نہ کرنے کی وجہ سے) وہ جنت میں داخل نہ ہو سکا۔ دوسری روایت میں ہے (بوڑھے) ماں باپ اس کو جنت میں نہ لے جا سکے۔ رواہ البغوی والترمذی والحاکم وصححہ۔ حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے، فرمایا، وہ دونوں تیری جنت اور دوزخ ہیں۔ رواہ ابن ماجۃ۔

والدین کی فرمانبرداری ونافرمانی:

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کے معاملہ میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے اس کے لیے جنت کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور جو شخص والدین میں سے کسی ایک کے معاملے میں صبح کو اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے تو اس کے لیے جنت کا ایک دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور جو شام کو اپنے ماں باپ کے معاملہ میں اللہ کا نافرمان ہو جاتا ہے، اس کے لیے دوزخ کے دو دروازے کھل جاتے ہیں اور ایک کے معاملہ میں نافرمان ہوتا ہے تو دوزخ کا ایک دروازہ اس کے لیے کھل جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ خواہ ماں باپ نے اس کی حق تلفی کی ہو، فرمایا خواہ انہوں نے اس کی حق تلفی کی ہو خواہ اس پر ظلم کیا ہو، خواہ اس کا حق مارا ہو۔

والدین کی طرف رحم سے دیکھنا:

یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو ماں باپ کا فرماں بردار اپنے والدین کی طرف رحم (وشفقت) کی نظر سے دیکھتا ہے اللہ ہر بار نظر کرنے کے عوض اس کے لیے ایک حج مقبول (کا ثواب ضرور) لکھ دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا خواہ ہر روز سو بار دیکھے۔ فرمایا، ہاں، اللہ اس سے بھی بڑا اور پاک ہے۔

نافرمانی کی سزا:

حضرت ابوبکرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تمام گناہوں میں سے اللہ جو گناہ چاہے گا معاف فرما دے گا سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے۔ کیونکہ زندگی میں مرنے سے پہلے ہی (ماں باپ کی نافرمانی کی سزا) اللہ تعالیٰ دیدیتا ہے۔ یہ تینوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں اور اول الذکر حدیث ابن عساکر نے بھی ذکر کی ہے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے اور حاکم نے حضرت ابوبکرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام گناہوں میں سے جس گناہ کو اللہ چاہتا ہے قیامت پر (اس کے عذاب یا مغفرت کو) ٹال دیتا ہے، سوائے ماں باپ کی نافرمانی کے ماں باپ کی نافرمانی کی سزا تو مرنے سے پہلے اسی زندگی میں فوراً دیدیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ
تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ
اگر تم نیک ہو گے تو وہ
كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾
رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے ☆

والدین کی فرمانبرداری اخلاص کے ساتھ ہو:

یعنی والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع وفروتنی صمیم قلب سے ہونی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر فی الواقع تم دل سے نیک اور سعادتمند ہو گے اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص وحق شناسی کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے گا۔ فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگ دلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فروگذاشت ہو گئی، پھر توبہ ورجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔ (تنبیہ) والدین کی فرمانبرداری کن چیزوں میں ہے اور کن میں نہیں؟ اس کی تفصیل کتب فقہ وغیرہ میں دیکھنا چاہیے۔ روح المعانی میں بھی اس پر مفید ومبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دلوں میں ماں باپ سے نفرت اور بوجھ کا خیال نہ آنا چاہیے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ والدین کی فرماں برداری کے معاملے میں تمہاری نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے اگر ثواب کی امید پر اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں فرمانبرداری کرو گے تو اللہ اس کا اجر دے گا اور اگر کسی دنیوی لالچ کی وجہ سے فرماں برداری کرو گے تو اس کا نتیجہ نیت کے موافق ہوگا۔

اوّابین کون ہیں:

عوف عقیلی کے نزدیک چاشت کی نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ بغوی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قبا والے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برآمد ہو کر ملاحظہ فرمایا اور فرمایا یہ اوابین کی نماز ہے۔ رواہ احمد ومسلم ورواہ عبد بن حمید وسیبویہ عن عبداللہ بن ابی اوفی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں ان کو (رحمت کے) فرشتے گھیر لیتے ہیں، یہی اوابین کی نماز ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جن سے بے سوچے بلا ارادہ اچانک ماں باپ سے کوئی بے ادبی بدسلوکی ہو گئی ہو اور نیت ان کی نیک ہی ہو تو اس کی پکڑ نہ ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیت کا حکم عام

ہو۔ جو بھی ماں باپ کا نافرمان اپنے والدین کے ساتھ کوئی بدسلوکی کر گذرے اور پھر توبہ کر لے وہ آیت کے حکم میں داخل ہے۔

سعید بن مسیّب نے کہا اوّاب وہ شخص ہے جو گناہ کرنے کے بعد توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور توبہ کر لے، پھر گناہ کرے اور گناہ کے پیچھے توبہ کر لے۔ سعید بن جبیر نے کہا خیر کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والا اوّاب ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا اوّاب وہ شخص ہے جو ہر مصیبت اور حادثہ کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرے۔ سعید بن جبیر کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول اس طرح آیا ہے کہ اوابین سے مراد ہیں اللہ کی پاکی بیان کرنے والے کیونکہ اللہ نے پہاڑوں سے فرمایا تھا۔ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ قتادہ نے کہا نمازی مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے لوٹتے تو فرماتے

ائبون تائبون عابدون لربنا حامدون لوٹنے والے توبہ کرنے والے عبادتیں کرنے والے اپنے رب کی ہی تعریفیں کرنے والے۔

اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے جلدی میں اپنے ماں باپ کے ساتھ کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے جسے وہ اپنے نزدیک عیب کی اور گناہ کی بات نہیں سمجھتے چونکہ ان کی نیت بخیر ہوتی ہے اس لئے خدا ان پر رحمت کرتا ہے، جو ماں باپ کا فرماں بردار اور نمازی ہو اس کی خطائیں خدا کے ہاں معاف ہیں۔

کہتے ہیں کہ اوابین وہ لوگ ہیں جو مغرب اور عشاء کے درمیان نوافل پڑھیں۔ بعض کہتے ہیں جو ضحیٰ کی نماز ادا کرتے رہیں، جو ہر گناہ کے بعد توبہ کر لیا کریں، جو جلدی سے بھلائی کی طرف لوٹ آیا کریں، تنہائی میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے خلوصِ دل سے استغفار کر لیا کریں۔ عبیدؒ کہتے ہیں جو برابر ہر مجلس سے اٹھتے ہوئے یہ دعا پڑھ لیا کریں: اللھم اغفرلی ما اصبت فی مجلسی ھذا۔ ابن جریرؒ فرماتے ہیں اولیٰ قول یہ ہے کہ جو گناہ سے توبہ کر لیا کریں، معصیت سے طاعت کی طرف آجایا کریں، خدا کی ناپسندی کے کاموں کو ترک کر کے اس کی رضامندی اور پسندیدگی کے کام کرنے لگیں۔ یہی قول بہت ٹھیک ہے کیونکہ اوّابٌ مشتق ہے اَوْبٌ سے اور اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ

اور دے قرابت والے کو اس کا حق اور محتاج کو

وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾

اور مسافر کو اور مت اُڑا بے جا ☆

قرابت والوں کے حقوق:

یعنی قرابت والوں کے مالی واخلاقی ہر قسم کے حقوق ادا کرو۔ محتاج ومسافر کی خبر گیری رکھو اور خدا کا دیا ہوا مال فضول بے موقع مت اڑاؤ۔ فضول خرچی یہ ہے کہ معاصی اور لغویات میں خرچ کیا جائے یا مباحات میں بے سوچے سمجھے اتنا خرچ کر دے جو آگے چل کر تفویت حقوق اور ارتکاب حرام کا سبب بنے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ اور اپنے قرابت داروں کو ان کا حق دو۔ کنبہ پروری حسنِ معاشرت، اچھا سلوک اور بھلائی ان کے ساتھ کرو۔ اکثر اہلِ تفسیر نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، مال دار پر لازم ہے اس قرابت دار محرم کا خرچ جو نادار بچہ ہو یا نادار بالغ عورت ہو، یا اپاہج یا نابینا نادار مرد ہو اس سے حفظ جان وابستہ ہے اور حفظ حیات ہی اصل بر اور صلہ رحمی ہے سورہ بقرہ کی آیت وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کی تفسیر میں ہم نے اس مسئلہ کی تنقیح کر دی ہے۔

بغوی نے حضرت علیؓ بن حسینؓ (امام زین العابدین) کا قول نقل کیا ہے کہ قربیٰ سے مراد رسول اللہ کی قرابت ہے (یعنی رسول اللہ کے قرابتداروں کو ان کا حق ادا کرو) ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔

باغِ فدک:

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدری کا بیان نقل کیا ہے جب آیت وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرما کر فدک عطا فرما دیا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی جانب بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت کو صحیح ماننا مشکل ہے کیونکہ اس روایت پر کہنا پڑے گا کہ یہ آیت مدنی ہے حالانکہ مشہور اس کے خلاف ہے۔ (یعنی آیت کا مکی ہونا مشہور ہے) میں کہتا ہوں مشہور قابل اعتماد یہ روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود فدک طلب کیا تھا مگر آپ نے نہیں دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے اگر رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو عطا فرما دیا ہوتا تو خلفاء راشدین خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہم پھر ہرگز اس کو نہ روکتے اور اس کے خلاف نہ کرتے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ

بے شک اڑانے والے بھائی ہیں شیطانوں کے

وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر ☆

فضول خرچی:

یعنی مال خدا کی بڑی نعمت ہے جس سے عبادت میں دلجمعی ہو، بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملے۔ اس کو بے جا اڑانا ناشکری

ہے جو شیطان کی تحریک واغوا سے وقوع میں آتی ہے اور آدمی ناشکری کر کے شیطان کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح شیطان نے خدا کی بخشی ہوئی قوتوں کو عصیان واضلال میں خرچ کیا۔ اس نے بھی حق تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو نافرمانی میں اڑایا۔ (تفسیر عثانی)

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ حرام وناجائز کام میں تو ایک درہم خرچ کرنا بھی تبذیر ہے اور جائز ومباح خواہشات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا جس سے آئندہ محتاج فقیر ہو جانے کا خطرہ ہو جائے یہ بھی تبذیر میں داخل ہے ہاں اگر کوئی شخص اصل راس المال کو محفوظ رکھتے ہوئے اس کے منافع کو اپنی جائز خواہشات میں وسعت کے ساتھ خرچ کرتا ہے تو وہ تبذیر میں داخل نہیں۔ (معارف القرآن)

مجاہد نے فرمایا، اگر کوئی شخص اپنا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تبذیر (مال کو بکھیر نا برباد کرنا) نہیں کہا جائے گا اور اگر ایک سیر غلہ بھی گناہ کے راستے میں خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے تبذیر کی تشریح فرمائی مال کو خرچ کرنا حق (کے راستے) کے علاوہ (باطل راستہ میں)۔

شعبہ کا بیان ہے میں ابو اسحاق کے ساتھ کوفہ کے راستہ میں جا رہا تھا، سرراہ ایک دیوار چونے اور پختہ اینٹوں سے بنی ہوئی ملی، ابو اسحاق نے کہا، حضرت عبداللہ (ابن مسعود) کے قول پر یہ تبذیر ہے حق کے راستے کے علاوہ (باطل کے راستے میں) مال کا خرچ کرنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور بغوی نے بروایت حضرت جابرؓ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتے کا سوال کرتی ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی کرتا اس کے سوا نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا آپ نے لڑکے کو کہا کہ پھر کسی وقت آؤ جبکہ ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کر سکیں۔ لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرما دیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے۔ نماز کا وقت آیا حضرت بلالؓ نے اذان دی مگر آپ حسب عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ کرتے کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ
اور اگر کبھی تغافل کرے تو ان کی طرف سے انتظار میں

رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا
اپنے رب کی مہربانی کے جس کی تجھ کو توقع ہے
فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾
تو کہہ دے ان کو بات نرمی کی ☆

ضرورت مندوں سے نرمی کا برتاؤ کرو:

یعنی جو کوئی ہمیشہ سخاوت کرتا ہے اور ایک وقت اس کے پاس نہیں، تو اللہ کے ہاں امید والے کا محروم جانا خوش نہیں آتا اس محتاج کی قسمت سے اللہ سخیوں کو بھیج دیتا ہے۔ سو اس واسطے اگر ایک وقت تو نہ دے سکے تو نرم اور بیٹھے طریقہ سے معذرت کر دے (مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ جب خدا ہم کو دے گا انشاء اللہ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ سختی اور بداخلاقی سے جواب دینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں اگلی خیراتیں بھی برباد نہ ہو جائیں۔ (تفسیر عثانی)

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى
اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ
عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ
اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا
فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾
پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا ☆

اعتدال اختیار کرو:

یعنی سب الزام دیں کہ کنجوس مکھی چوس ہے، یا یہ کہ اتنا کیوں دیا کہ آپ محتاج رہ گیا۔ غرض ہر معاملہ میں توسط واعتدال مرعی رکھنا چاہیے۔ نہ ہاتھ اس قدر کھینچے کہ گردن سے لگ جائے اور نہ طاقت سے بڑھ کر خرچ کرنے میں ایسی کشادہ دستی دکھلائے کہ پھر بھیک مانگنی پڑے اور ہاتھ کھلے کا کھلا رہ جائے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں فتعطی فوق طاقتک و تخرج اکثر من دخلک یعنی طاقت سے بڑھ کر یا آمدنی سے زائد خرچ کرنا بھی وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ کے تحت میں داخل ہے۔ حدیث میں ہے "ما عال من اقتصد (جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا)۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ
تیرا رب کھول دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور تنگ بھی وہی کرتا ہے

امیری، غریبی اللہ کے قبضہ میں ہے:

یعنی تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہیں ہو جاتا۔ نہ تمہاری

سخاوت سے وہ غنی اور تم فقیر بن سکتے ہو۔ فقیر و غنی بنانا اور روزی کا کم و بیش کرنا محض خدا کے قبضہ میں ہے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کہ افسوس آج ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ فقیر جو امید لے کر آیا تھا کیا کہے گا۔ فقر و غنی کے مختلف احوال بھیجنا اسی مالک علی الاطلاق کے قبضہ میں ہے۔ تمہارا کام میانہ روی سے امتثال حکم کرنا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی محتاج کو دیکھ کر بالکل بیتاب نہ ہو جا۔ اس کی حاجت روائی تیرے ذمہ نہیں۔ اللہ کے ذمہ پر ہے۔ لیکن یہ باتیں پیغمبر علیہ السلام کو فرمائی ہیں جو بے حد سخی واقع ہوئے تھے۔ باقی جس کے جی سے مال نہ نکل سکے اس کو پابند کیا ہے دینے کا۔ حکیم بھی گرمی والے کو سرد دوا دیتا ہے اور سردی والے کو گرم"۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا
وہی ہے اپنے بندوں کو جاننے والا دیکھنے والا ☆

اللہ بندوں کی مصلحت کے مطابق معاملہ کرتا ہے:

یعنی ہر ایک بندے کے ظاہری و باطنی احوال و مصالح سے خبردار ہے۔ اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ حدیث قدسی میں فرمایا کہ میرے بعض بندے وہ ہیں جنکی درستی حال فقیر رہنے میں ہے۔ اگر میں اس کو غنی کر دیتا تو اس کا دین تباہ ہو جاتا۔ اس کے برعکس بعض وہ بندے ہیں جن کو غنی بنایا، اگر فقیر بنا دیا جاتا تو دین پر قائم نہ رہ سکتے۔ اسکے علاوہ بعض اشقیاء کے حق میں غناء ظاہری محض امہال و استدراج کے طور پر یا فقر و تنگدستی عقوبت اور سزا کے طریقہ سے ہے۔ (عیاذاً باللہ من ہذا وہذا) ہم پہلے کئی جگہ اس کی تقریر کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں ہے کہ آپ نے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے فرمایا، ادھر ادھر خدا کی ہر راہ میں خرچ کرتی رہ جمع نہ رکھا کر ورنہ اللہ بھی روک لے گا۔ بند باندھ کر روک نہ لیا کر ورنہ پھر خدا بھی سر بند کر لے گا۔ ایک اور روایت میں ہے شمار کر کے نہ رکھا کر ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گنتی کر کے روک لے گا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ تو راہ خدا میں خرچ کیا کر اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں ایک دعا کرتا ہے کہ خدایا سخی کو بدلہ دے اور دوسرا دعا کرتا ہے کہ بخیل کا مال تلف کر۔ مسلم شریف میں ہے صدقے خیرات سے کسی کا مال نہیں گھٹتا اور ہر سخاوت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ذی عزت کر دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کی وجہ سے دوسروں سے عاجزانہ برتاؤ کرے اللہ اسے بلند درجے کر دیتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرو قرابت والوں کا حق ادا کرو:

بنو تمیم کے ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میں مالدار آدمی ہوں اور اہل و عیال کنبے قبیلے والا ہوں، تو مجھے بتلایئے کہ میں کیا روش اختیار کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر اس سے تو پاک صاف ہو جائے گا۔ اپنے رشتہ داروں سے سلوک کر سائل کا حق پہچانتا رہ اور پڑوسی اور مسکین کا بھی۔ اس نے کہا حضور! اور تھوڑے الفاظ میں پوری بات سمجھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کر اور بے جا خرچ نہ کر۔ اس نے کہا حسبی اللہ۔ اچھا حضور! جب میں آپ کے قاصد کو زکوٰۃ ادا کر دوں تو اللہ و رسول کے نزدیک میں بری ہو گیا؟ آپ نے فرمایا ہاں جب تو نے میرے قاصد کو دیدیا تو تو بری ہو گیا اور تیرے لئے اجر ثابت ہو گیا۔

حدیث قدسی میں ہے میرے بعض بندے وہ ہیں کہ فقیری ہی کے قابل ہیں اگر میں انہیں امیر بنا دوں تو ان کا دین تباہ ہو جائے اور میرے بعض بندے ایسے ہیں جو امیری کے لائق ہیں اگر میں انہیں فقیر بنا دوں تو ان کا دین بگڑ جائے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ بعض لوگوں کے حق میں امیری خدا کی طرف سے ڈھیل کے طور پر ہوتی ہے اور بعضوں کے لئے فقیری بطور عذاب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں سے بچائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ
اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ
ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو ☆

بعض کافر اولاد کو مار ڈالتے تھے کہ ان کا خرچ کہاں سے لائیں گے۔ سورہ انعام میں اسی مضمون کی آیت گذر چکی، تفصیل وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا
بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے ☆

کیونکہ یہ بے رحمی کی حرکت نسل انسانی کے قطع کرنے کا موجب ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کو حق تعالیٰ کی رزاقی پر اعتماد نہیں۔

ضبط تولید: قرآن کریم کے اس ارشاد سے اس معاملے پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں آج کی دنیا گرفتار ہے کہ کثرت آبادی کے خوف سے ضبط تولید اور منصوبہ بندی کو رواج دے رہی ہے۔ اس کی بنیاد بھی اسی جاہلانہ فلسفہ پر ہے کہ رزق کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ معاملہ قتل اولاد کے برابر گناہ نہ سہی مگر اس کے مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى
اور پاس نہ جاؤ زنا کے ☆

زناء کی ممانعت:

یعنی زنا کرنا تو بڑی سخت چیز ہے۔ اس کے پاس بھی مت جاؤ۔ گویا "لا تقربوا" میں مبادی زنا سے بچنے کی ہدایت کر دی گئی۔ مثلاً اجنبی عورت کی طرف بدون عذر شرعی نظر کرنا یا بوس و کنار وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

تین بڑے گناہ:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے، فرمایا (سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ) اللہ کے مثل دوسروں کو قرار دے باوجود یکہ اللہ ہی نے تجھے پیدا کیا ہے، میں نے عرض کیا یہ بے شک بڑا گناہ ہے اس کے بعد کون سا گناہ ہے فرمایا اپنی اولاد کو خود قتل کرنا اس اندیشے سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائی گی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کونسا (گناہ) ہے فرمایا، اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔ متفق علیہ

تین گناہ جو ایمان کو زائل کرتے ہیں:

صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا، اور چور جب چوری کرتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں چوری نہیں کرتا، اور شراب پینے والا جب شراب پیتا ہے تو ایمان دار ہونے کی حالت میں شراب نہیں پیتا (یعنی ان افعال میں مشغول ہونے کی حالت میں اس کے اندر ایمان نہیں رہتا)۔

بوڑھا زانی:

حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور (دوزخ کے اندر) زانیوں کی شرمگاہیں اپنی سڑی ہوئی بو سے دوزخیوں کو (بھی) اذیت پہنچائیں گی۔ رواہ البزار۔

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا پر قائم رہنے والا بت پرست کی طرح ہے۔ رواہ الخرائطی۔

زناء کے وقت ایمان نکل جاتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی زنا کرتا ہے تو (زنا کرتے وقت) ایمان اس کے اندر سے نکل کر سائبان کی طرح اس کے اوپر معلق ہو جاتا ہے پھر جب وہ باز آ جاتا ہے تو ایمان اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والبیہقی والحاکم۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا ۝
وہ ہے بے حیائی اور بری راہ ہے ☆

زناء کے نقصانات:

کیونکہ زنا سے انساب میں گڑبڑ ہوتی ہے اور بہت طرح کی لڑائیاں اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں اور سب کے لئے بری راہ نکلتی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے، کوئی دوسرا اسکی عورت پر کرے گا"۔

زناء کے خواہشمند کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ:

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے زنا کی اجازت دے دیجئے۔ حاضرین نے اسے ڈانٹ بتلائی کہ (پیغمبر خدا کے سامنے ایسی گستاخی؟) خبردار چپ رہو۔ حضور نے اس کو فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ وہ قریب آ کر بیٹھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو یہ حرکت اپنی ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ میں سے کسی کی نسبت پسند کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! خدا مجھ کو آپ پر قربان کرے ہرگز نہیں۔ فرمایا دوسرے لوگ بھی اپنی ماؤں، بیٹیوں، بہنوں، پھوپھیوں اور خالاؤں کیلئے یہ فعل گوارا نہیں کرتے۔ پھر آپ نے دعا فرمائی کہ الٰہی اس کے گناہ کو معاف فرما اور اس کے دل کو پاک اور شرمگاہ کو محفوظ کر دے"۔ ابوامامہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد اس شخص کی یہ حالت ہوگئی کہ کسی عورت وغیرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وبارک وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

زناء کی حرمت کے متعلق ہے جس کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ وہ بے حیائی ہے اور انسان میں حیا نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے کسی بھی برے کام کا امتیاز نہیں رہتا اسی معنی کے لئے حدیث میں ارشاد ہے اذا فاتک الحیاء فافعل ماشئت یعنی جب تیری حیا ہی جاتی رہی تو کسی برائی سے رکاوٹ کا کوئی پردہ نہ رہا تو جو چاہو گے کرو گے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کو ایمان کا ایک اہم شعبہ قرار دیا ہے والحیاء شعبۃ من الایمان (بخاری) دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد نہیں رہتی اور اس کے نتائج بد بعض اوقات پورے قبیلوں اور قوموں کو برباد کر دیتے ہیں۔ فتنے چوری، ڈاکہ قتل کی جتنی کثرت آج دنیا میں بڑھ گئی ہے اس کے حالات کی تحقیق کی جائے تو آدھے سے زیادہ واقعات کا سبب کوئی عورت و مرد نکلتے ہیں جو اس جرم کے مرتکب ہوئے۔ اس جرم کا تعلق اگر چہ بلا واسطہ حقوق العباد سے نہیں مگر اس جگہ حقوق العباد سے متعلقہ احکام کے ضمن میں اس کا ذکر کرنا شاید اسی بناء پر ہو کہ یہ جرم بہت سے ایسے جرائم ساتھ لاتا ہے جس سے حقوق العباد متاثر ہوتے ہیں اور قتل و غارت گری کے ہنگامے برپا ہوتے ہیں۔ اسی لئے اسلام نے اس جرم کو تمام جرائم سے اشد قرار دیا ہے اس کی سزا بھی سارے

جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت رکھی ہے کیونکہ یہ ایک جرم دوسرے سینکڑوں جرائم کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں ہے کہ ایک نوجوان نے زنا کاری کی اجازت آپ سے چاہی ۔لوگ اس پر جھک پڑے کہ چپ رہ گیا کہہ رہا ہے کیا کر رہا ہے۔آپ نے اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا بیٹھ جا۔ جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کیا تو اس کام کو اپنی ماں کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے کہا نہیں خدا کی قسم نہیں یا رسول اللہ مجھے آپ پر اللہ فدا کرے ہرگز نہیں۔آپ نے فرمایا پھر سوچ لے کہ کوئی اور کیسے پسند کرے گا؟ آپ نے فرمایا اچھا تو اسے اپنی بیٹی کے لئے پسند کرتا ہے؟ اس نے اسی طرح تاکید سے انکار کیا۔آپ نے فرمایا ٹھیک اسی طرح کوئی بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لئے پسند نہیں کرتا۔اچھا اپنی بہن کے لئے اس تو پسند کرے گا؟ اس نے اسی طرح انکار کیا۔آپ نے فرمایا اسی طرح دوسرے بھی اپنی بہنوں کے لئے اس مکروہ سمجھتے ہیں۔ بتا کیا تو چاہے گا کہ کوئی تیری پھوپھی سے ایسا کرے؟ اس نے اسی سختی سے انکار کیا۔آپ نے فرمایا اسی طرح کوئی اور بھی اسے اپنی پھوپھی کے لئے نہ چاہے گا۔اچھا اپنی خالہ کے لئے؟ اس نے کہا ہرگز نہیں۔فرمایا اسی طرح اور سب لوگ بھی۔ پھر آپ نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی اس کے گناہ بخش، اس کے دل کو پاک کر، اسے عصمت والا بنا۔پھر تو یہ حالت تھی کہ یہ نوجوان کسی طرف نظر بھی نہ اٹھاتا تھا۔

وہ گناہ جو واجب القتل بناتے ہیں:

بخاری و مسلم میں ہے جو مسلمان خدا کے واحد ہونے کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو، اس کا قتل تین باتوں میں سے ایک کے سوا حلال نہیں، یا تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا شادی شدہ ہو اور پھر زنا کیا ہو یا دین کو چھوڑ کر جماعت کو چھوڑ دیا ہو۔سنن میں ہے ساری دنیا کا فنا ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مومن کے قتل سے زیادہ آسان ہے!

شرک کے بعد بڑا گناہ:

ابن ابی الدنیا میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شرک کے بعد کوئی گناہ زنا کاری سے بڑھ کر نہیں، کہ آدمی اپنا نطفہ کسی ایسے رحم میں ڈالے جو اس کے لئے حلال نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کر دیا ہے اللہ نے مگر حق پر ☆

مسلمان کا خون بہانا حرام ہے مگر تین صورتوں میں:

صحیحین میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین صورتوں میں، جان کے بدلے جان، یا زانی محصن یا جو شخص دین کو چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو۔ ہاں مگر حق پر۔

نفس سے مراد ہے مسلمان یا ذمی کافر۔ الا بالحق سے مراد ہے قصاص یا زنا یا بغاوت یا صحابہ کو گالیاں دینا وغیرہ (یعنی قصاص یا زنا یا بغاوت وغیرہ میں قتل کر دینا ناحق قتل نہیں ہے۔مرتد کا قتل نفس محرم کے قتل میں داخل نہیں ہے (یعنی مرتد کو قتل کر دینا مباح الاصل ہے) اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا الخ (باغیوں کے قتل کے متعلق فرمایا) قاتلو االتی تبغی۔ (قصاص کے متعلق فرمایا) اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ

حضرت عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔اس کا خون جائز نہیں مگر تین وجود میں سے کسی ایک وجہ سے یا تو وہ شادی شدہ زانی ہو یا کسی کے قتل میں اس کو قتل کیا جائے یا دین کو چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو گیا ہو۔ (رواہ الشیخان وابوداؤد والترمذی والنسائی)

سب سے پہلے فیصلے:

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے خونوں کے فیصلے کیے جائیں گے۔ متفق علیہ۔

ایک مؤمن کا قتل:

حضرت براء بن عازب راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ کی نظر میں مؤمن کے ناحق قتل کے مقابلہ میں (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا حقیر ہے۔ رواہ ابن ماجۃ بسند حسن، بیہقی نے اتنا زائد نقل کیا ہے اگر (تمام) آسمانوں اور زمینوں والے ایک مؤمن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ یقیناً (سب کو) دوزخ میں داخل کر دے گا۔

نسائی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ نے فرمایا اللہ کے نزدیک (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا مؤمن کے قتل سے حقیر ہے۔

مؤمن کے قتل میں معاونت کی سزا:

ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اگر کسی نے مؤمن کے قتل میں آدھی بات کہہ کر بھی اعانت کی تو اللہ کے سامنے جنت وہ جائے گا، اس کے دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا، اللہ کی رحمت سے ناامید۔ اصبہانی نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ ابن عینیہ نے آدھی بات کی تشریح میں کہا کہ اُقتل کا پورا لفظ نہ کہا ہو، بلکہ صرف اُق کہا ہو۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بھی حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے۔

دو گناہوں کی مغفرت نہ ہوگی:

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ہر گناہ کی امید ہوسکتی ہے کہ اللہ معاف فرمادے سوائے اس شخص کے جو کافر مرا ہو یا کسی کو قصداً اس نے قتل کیا ہو۔ رواہ النسائی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے حضرت ابودرداء کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اور ابن حبان وحاکم نے اس کی تصحیح کی ہے۔

شیطانوں کے کام:

حضرت ابوموسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح ہوتی ہے تو ابلیس اپنے لشکر کو پھیلا دیتا ہے اور کہتا ہے آج جو کسی مسلمان کو بے راہ کردے گا میں اس کو تاج پہنادوں گا پھر (شام کو یا کسی وقت) ایک واپس آکر کہتا ہے آج میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ابلیس کہتا ہے ہوسکتا ہے وہ (دوسرا) نکاح کر لے۔ دوسرا آکر کہتا ہے میں اس (مسلمان) کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ اس نے اپنے باپ اور ماں کی نافرمانی کی ابلیس کہتا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ پھر فرماں بردار ہوجائے۔ تیسرا آتا ہے اور کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا، یہاں تک کہ وہ مشرک ہوگیا، ابلیس کہتا ہے تو تو ہی ہے (یعنی یہ تیرا کام بہت اچھا ہے) چوتھا آکر کہتا ہے میں اس کے ساتھ لگا رہا یہاں تک کہ اس نے (مومن کو) قتل کردیا، ابلیس کہتا ہے تو نے تو (ایسا کام کیا) پھر اس کو تاج پہنا دیتا ہے۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ۔ (تفسیر مظہری)

آٹھواں حکم:

یہ آٹھواں حکم قتل ناحق کی حرمت کے بیان میں ہے جس کا جرم عظیم ہونا دنیا کی ساری ہی جماعتوں اور مذہبوں اور فرقوں میں مسلم ہے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ساری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک اس سے اہون (ہلکی) ہے کہ کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے (اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ کے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے باشندے کسی مومن کے قتل ناحق میں شریک ہوجائیں تو ان سب کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کردیں گے۔ (ابن ماجہ بسند حسن والبیہقی۔ از مظہری)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں قاتل کی امداد ایک کلمہ سے بھی تو میدان حشر میں جب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا آئس من رحمة اللّٰه (یعنی یہ شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس کردیا گیا ہے) (مظہری از ابن ماجہ واصبہانی)

اور بیہقی نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس و حضرت معاویہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک گناہ گار کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کردے مگر وہ آدمی جو حالت کفر میں مرگیا یا جس نے جان بوجھ کر قصداً کسی مسلمان کو ناحق قتل کیا۔

قصاص لینے کا حق کس کو ہے:

آیت مذکورہ میں بتلایا گیا ہے کہ یہ حق مقتول کے ولی کا ہے۔ اگر نسبی ولی کوئی موجود نہیں تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ بھی ایک حیثیت سے سب مسلمانوں کا ولی ہے۔ اسی لئے خلاصہ تفسیر میں ولی حقیقی یا حکمی لکھا گیا ہے۔

ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے:

مجرم کی سزا میں بھی انصاف کی رعایت ہے فلا یسرف فی القتل اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں بدلہ میں بھی انصاف کی رعایت لازمی ہے جب تک ولی مقتول انصاف کے ساتھ اپنے مقتول کا انتقام شرعی قصاص کے ساتھ لینا چاہے تو قانون شریعت اس کے حق میں ہے یہ منصور حق ہے اللہ تعالیٰ اس کا مددگار ہے اور اگر اس نے جوش انتقام میں شرعی قصاص سے تجاوز کیا تو اب یہ مظلوم کے بجائے ظالم ہوگیا اور ظالم اس کا مظلوم بن گیا اب معاملہ برعکس ہوجائے گا اللہ تعالیٰ اور اس کا قانون اب اس کی مدد کرنے کے بجائے دوسرے فریق کی مدد کرے گا کہ اس کو ظلم سے بچائے گا۔

جاہلیت عرب میں یہ بات عام تھی کہ ایک شخص قتل ہوا تو اس کے بدلہ میں قاتل کے خاندان یا ساتھیوں میں جو بھی ہاتھ لگے اس کو قتل کردیتے تھے۔ بعض جگہ یہ صورت ہوتی کہ جس کو قتل کیا گیا وہ قوم کا کوئی بڑا آدمی ہے تو اس کے بدلہ میں صرف ایک قاتل کو قصاصاً قتل کرنا کافی نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ ایک خون کے بدلہ دو تین یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں کی جان لی جاتی تھی بعض لوگ جوش انتقام میں قاتل کے صرف قتل کرنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اس کی ناک کان وغیرہ کاٹ کر مثلہ کردیتے تھے یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں اس لئے آیت فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ میں ان کو روکا گیا ہے۔

یاد رکھنے کے قابل ایک حکایت:

بعض ائمہ مجتہدین کے سامنے کسی شخص نے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا حجاج بن یوسف اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا ظالم اور انتہائی بدنام شخص ہے جس نے ہزاروں صحابہ وتابعین کو ناحق قتل کیا ہے اس لئے عام طور پر اس کو برا کہنے کی برائی لوگوں کے ذہن میں نہیں رہتی جس بزرگ کے سامنے یہ الزام حجاج بن یوسف پر لگایا گیا انہوں نے کہا الزام لگانے والے سے پوچھا کہ

تمہارے الزام کی کوئی سند یا شہادت موجود ہے انہوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف ظالم سے ہزاروں مقتولین بے گناہ کا انتقام لے گا تو یاد رکھو کہ جو شخص حجاج پر کوئی ظلم کرتا ہے اس کو بھی انتقام سے نہیں چھوڑا جائے گا حجاج کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی لیں گے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کوئی جنبہ داری نہیں ہے کہ برے اور گناہ گار بندوں پر دوسروں کو آزاد چھوڑ دیں اور وہ جو چاہیں الزام واتہام لگا دیا کریں۔ (معارف القرآن از مفتی اعظم)

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا

اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے

لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ

اس کے وارث کو زور سو حد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں ☆

مقتول کے ورثاء کا اختیار:

یعنی اولیائے مقتول کو اختیار ہے کہ حکومت سے کہہ کر خون کا بدلہ لیں۔ لیکن بدلہ لیتے وقت حد سے نہ گذریں۔ مثلاً قاتل کی جگہ غیر قاتل کو سزا دلوانے لگیں یا قاتل کے ساتھ دوسرے بے گناہوں کو بھی شامل کر لیں۔ یا قاتل کے ناک، کان، وغیرہ کاٹنے اور مثلہ کرنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

ولی یعنی وارث جو مقتول کے امور کا اس کے مرنے کے بعد ذمہ دار ہوتا ہے۔ سلطان قوت اور قصاص لینے کا اختیار۔ لا یسرف فی القتل کا مطلب دو طرح سے بیان کیا ہے۔(۱) قاتل زیادتی نہ کرنے، یعنی جس کو قتل کرنے کا اس کو حق نہیں ہے اس کو قتل نہ کرے، عقل مند وہ کام نہیں کرتا جس کا نتیجہ دنیا اور آخرت کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہونے والا ہو۔(۲) حضرت ابن عباس اور اکثر اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ مقتول کا ولی قصاص میں زیادتی نہ کرے یعنی قاتل کے علاوہ دوسرے کو قتل نہ کرے، جاہلیت کے دور میں صرف قاتل کے قتل پر بس نہ کرتے تھے بلکہ قاتل کے علاوہ اس سے اونچے درجہ والے کو بھی قتل کرتے تھے۔

سعید بن جبیر نے کہا قاتل اگر ایک ہو تو اسی کو قتل کیا جا سکتا ہے ایک قتل کے عوض (بے قصور اور شریک قتل نہ ہونے والی) جماعت کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ عہد جاہلیت کا طریقہ تھا کہ مقتول اگر کوئی بڑا آدمی ہوتا تو قصاص میں تنہا اس کے قاتل کو ہی نہیں قتل کرتے تھے بلکہ قاتل کے ساتھ اس کے قرابتداروں کی ایک جماعت کو بھی قتل کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا لا یسرف فی القتل کا یہ مطلب ہے کہ قاتل (سے قصاص تو لے لیا جائے اس) کو مثلہ نہ کیا جائے (یعنی اس کے ناک کان اور آلات رجولیت نہ کاٹے جائیں جیسا کہ جاہلیت کا دستور تھا)(تفسیر مظہری)

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا

اس کو مدد ملتی ہے☆

یعنی خدا نے اس کی مدد کی کہ بدلہ لینے کا حق دیا اور حکام کو امر فرمایا کہ حق دلوانے میں کمی نہ کریں۔ بلکہ ہر کسی کو لازم ہے کہ خون کا بدلہ دلانے میں مدد کرے۔ نہ یہ کہ الٹا قاتل کی حمایت کرنے لگے۔ اور وارث کو بھی چاہیے کہ ایک کے بدلے دو نہ مارے یا قاتل ہاتھ نہ لگا تو اس کے بیٹے بھائی کو نہ مار ڈالے جیسے جاہلیت میں رواج تھا۔ (تفسیر عثمانی)

کان منصورا یعنی جو شخص ظلماً قتل کیا گیا ہو، اللہ کی طرف سے اس کی مدد و نصرت دنیا میں بھی کی جاتی ہے کہ قاتل کو قصاص میں (حسب قانون شریعت) قتل کرنا ضروری ہے اور آخرت میں بھی مقتول منصور ہوگا۔ اللہ اس کے گناہ ساقط کر دے گا اور اس کے قاتل کے لیے دوزخ لازم کر دے گا۔ (مجاہد)

قتادہ نے کہا کان کی ضمیر مقتول کے ولی کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی مقتول کے وارث کو قاتل کے خلاف نصرت دی جاتی ہے، قاتل سے قصاص لینے کا اس کو حق دیا گیا ہے، حکام پر لازم ہے کہ اس کی مدد کریں۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک قاتل کی طرف ضمیر راجع ہے جس کو مقتول کا ولی قصاص میں قتل کرتا ہے اگر قصاص میں اسراف سے کام لے گا تو بار گناہ اس پر پڑے گا اور (قانون شریعت میں) قاتل کی حمایت کی جائے (کیونکہ اولیاء مقتول کو صرف قصاص لینے کا حق ہے، قاتل پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے)(تفسیر مظہری)

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ

اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے مگر جس طرح

هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ

کہ بہتر ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنی جوانی کو ☆

یتیم کا مال:

یعنی یتیم کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں اگر اسکی حفاظت ونگہداشت اور خیر خواہی مقصود ہو تو مضائقہ نہیں۔ جس وقت جوان ہو جائے اور اپنے نفع نقصان کو سمجھنے لگے، مال اس کے حوالہ کر دو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

اور پورا کرو عہد کو بیشک عہد کی پوچھ ہو گی ☆

ایفائے عہد:

اس میں سب عہد داخل ہیں خواہ اللہ سے کئے جائیں یا بندوں سے بشرطیکہ غیر مشروع نہ ہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کسی کو قول وقرار صلح کا دیکر بدعہدی کرنا، اس کا وبال ضرور پڑتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی عہد کرنے والے سے عہد کا ایفاء مطلوب ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر

عہد کے متعلق عہد کو توڑنے والے سے باز پرس کی جائے گی اور وعدہ شکنی پر اس کو سزا دی جائے گی۔ یا عہد پوچھا جائے گا، یعنی عہد توڑنے والے کو (قیامت کے دن) سرزنش کرنے کے لیے عہد یاد دلایا جائے گا، جیسے زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا، بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ العہد سے پہلے مضاف محذوف ہو یعنی صاحب عہد سے عہد پوچھا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا

اور پورا بھر دو ماپ جب ماپ کر دینے لگو اور تولو

بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ

سیدھی ترازو سے ☆

ناپ تول میں کمی نہ کرو:

یعنی جھونک نہ مارو۔ ماپ تول میں کمی کرنے سے معاملات کا انتظام مختل ہو جاتا ہے۔ قوم شعیب کی ہلاکت کا قصہ پہلے کئی جگہ آچکا ہے ان کا بڑا عملی گناہ یہی بیان کیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص کسی حرام پر قدرت پا کر محض خدا کے خوف سے رک جائے تو خدا تعالیٰ اسی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کو نعم البدل عطا فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: حضرات فقہاء نے فرمایا کہ آیت میں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس سے کم دینا حرام ہے اس لئے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

مسئلہ: اَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ تفسیر بحر محیط میں ابوحیانؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں ناپ تول پورا کرنے کی ذمہ داری بائع (بیچنے والے) پر ڈالی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ناپنے تولنے اور اس کو پورا کرنے کا ذمہ دار بائع ہے۔ (معارف القرآن)

ذٰلِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا

یہ بہتر ہے اور اچھا ہے اس کا انجام ☆

پورا تولنے میں برکت ہے:

یعنی دغابازی اول چلتی ہے پھر لوگ خبردار ہو کر اس سے معاملہ نہیں کرتے۔ اور پورا حق دینے والا سب کو بھلا لگتا ہے۔ اللہ اسکی تجارت خوب چلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ

اور نہ پیچھے پڑ جس بات کی خبر نہیں تجھ کو بے شک کان اور آنکھ

وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا

اور دل ان سب کی اس سے پوچھ ہو گی ☆

بے تحقیق بات نہ کرو:

یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر۔ آدمی کو چاہئے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لیکر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عملدرآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم و رواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، ان دیکھی یا ان سنی چیزوں کو دیکھی یا سنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟ (تفسیر عثمانی)

اخبار احاد:

(حضرتِ مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ان احادیث آحاد سے جن کے اندر روایت کی تمام شرائط موجود ہوں اور صحیح قیاس سے اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت سے جو حکم ثابت ہو جائے اس پر عمل کرنا قطعی نصوص اور اجماع کی رو سے واجب ہے۔

متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ مختلف افراد صحابہ کو تبلیغ احکام کے لیے بھیجتے تھے، پس اخبار آحاد یا قیاس اگرچہ ظنی ہوتے ہیں لیکن ان سے مستفاد احکام یقینی العمل ہوتے ہیں کیونکہ ان سے حاصل شدہ علم پر عمل کرنا نصوص قطعیہ سے واجب ہے۔

کان، آنکھ اور دل کے متعلق پوچھا جائے گا:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا کیونکہ کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) باز پرس ہوگی۔ یعنی مذکورہ تینوں اعضاء میں سے ہر ایک سے اتباع مذکور کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اعضاء مذکورہ سے دریافت کیا جائے گا کہ جس شخص کے یہ اعضاء تھے اس نے کیا کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص سننے دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے اعضاء سے اس کی تصدیق طلب کی جائے گی آنکھ سے پوچھا جائے گا، کیا اس نے دیکھا تھا (یا دیکھنے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) کان سے

سوال کیا جائے گا کیا اس نے سنا تھا (یا سننے کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا) اور دل سے دریافت کیا جائے گا کیا اس نے جانا تھا (یا جاننے کا غلط دعویٰ کیا تھا)

کان، آنکھ، زبان وغیرہ کے شر سے پناہ:

حضرت شکل بن حمید راوی ہیں کہ رسول اللہ نے میری درخواست پر مجھ سے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، کہہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں، اپنے کان کے شر سے اور اپنی آنکھ کے شر سے اور اپنی زبان کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے اور اپنی منی کے شر سے۔ میں نے یہ دعا یاد کر لی۔ رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی والحاکم والبغوی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے راوی سعید نے کہا منی کے شر سے پناہ مانگنے کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنا پانی ایسے مقام پر نہ ڈالوں جو حلال نہیں ہے۔

تین اعضاء کی تخصیص کی وجہ:

مذکورہ تین اعضاء کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لیے کیا کہ یہ ہی آلات علم ہیں، اکثر محسوسات کا علم آنکھ سے ہوتا ہے یا کان سے اور غیر محسوس چیزوں کا ادراک تو صرف دل سے ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یہاں کان، آنکھ اور دل کی تخصیص شاید اس بناء پر کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ حواس اور دل کا شعور و ادراک اسی لئے بخشا ہے کہ جو خیال یا عقیدہ دل میں آئے ان حواس اور ادراک کے ذریعہ اس کو جانچ سکے کہ یہ صحیح تو اس پر عمل کرے اور غلط ہے تو باز رہے جو شخص ان سے کام لئے بغیر بے تحقیق باتوں کی پیروی میں لگ گیا اس نے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری کی۔

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ
اور مت چل زمین پر اتراتا ہوا تو پھاڑ نہ ڈالے گا
تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾
زمین کو اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر ☆

تکبر سے بچو:

یعنی متکبروں کی چال چلنا انسان کو زیبا نہیں۔ نہ تو زور سے پاؤں مار کر وہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے نہ گردن ابھارنے اور سینہ تاننے سے اونچا ہو کر پہاڑوں کی برابر ہو سکتا ہے۔ پھر اسے ضعف و عجز اور اس بساط پر اپنے کو اس قدر لمبا کھینچنے سے کیا فائدہ؟ (تفسیر عثمانی)

متکبروں کا انجام:

حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص چادر جوڑے میں تبختر کرتا ہوا چلا جا رہا تھا جو وہیں زمین میں دھنسا دیا گیا جو آج تک دھنستا ہوا چلا جا رہا ہے۔ قرآن میں قارون کا قصہ موجود ہے کہ وہ مع اپنے محلات کے زمین دوز کر دیا گیا۔ ہاں تواضع نرمی فروتنی اور عاجزی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ اور عالی قدر کرتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جھکنے والوں کو خدا بلند کرتا ہے۔ وہ اپنے تئیں حقیر سمجھتا ہے اور لوگ اس جلیل القدر سمجھتے ہیں اور تکبر کرنے والا اپنے تئیں بڑا آدمی سمجھتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں وہ ذلیل وخوار ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اسے کتوں اور سوروں سے بھی زیادہ حقیر جانتے ہیں، امام ابوبکر ابن ابی الدنیاؒ اپنی کتاب الخمول والتواضع میں لائے ہیں کہ ابن الاہیم دربار منصور میں جا رہا تھا ریشمی جبہ پہنے ہوا تھا اور پنڈلیوں کے اوپر سے اسے دہرا سلوایا تھا کہ نیچے سے قبا بھی دکھائی دے اور اکڑتا اینڈتا جا رہا تھا۔ حضرت حسنؓ نے اسے اس حالت میں دیکھ کر فرمایا، افوہ ناک چڑھا بل کھایا رخساروں پھولا اپنے ڈنڑ بازو دیکھتا اپنے تئیں تولتا نعمتوں کے ذکر شکر کو بھولا رب کے احکام کو چھوڑا حق اللہ کو توڑا دیوانوں کی چال چلتا عضو عضو میں کسی کی دی ہوئی نعمت رکھتا شیطان کی لعنت کا مارا وہ دیکھو جا رہا ہے۔ ابن اہیم نے سن لیا اور اسی وقت لوٹ آیا اور عذر معذرت کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے معذرت کیا کرتا ہے اللہ سے توبہ کر اور اسے ترک کر کیا تو نے خدائے تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا الخ عابد بختریؒ نے آل علی میں سے ایک شخص کو اکڑتا ہوا چلتا دیکھ کر فرمایا، اے شخص جس نے تجھے یہ اکرام دیا ہے اس کی روش ایسی نہ تھی۔ اس نے اسی وقت توبہ کر لی۔ ابن عمرؓ نے ایک ایسے شخص کو دیکھ کر فرمایا کہ شیطان کے یہی بھائی ہوتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عیاض بن حماد مجاشعی کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ باہم تواضع اختیار کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے نہ کسی پر زیادتی کرے، رواہ مسلم۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کے دل میں ذرہ (چھوٹی سرخ چیونٹی یا ریت کا ذرہ) برابر تکبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرمایا ہے، بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا ازار (تہبند) ہے (یعنی عظمت اور بڑائی مارا لباس ہے) جو شخص ان دونوں میں کسی ایک میں بھی مجھ سے کشاکش کرے گا (یعنی مجھ سے اتار کر خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں داخل کروں گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا آدمی برابر خودسری (غرور) کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو جبارین (انتہائی ظالم اور مغرور گروہ) میں لکھدیا جاتا ہے پھر اس پر وہی عذاب آجاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ رواہ الترمذی۔

متکبر ذلیل ہوں گے:

عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن

تکبر کرنے والوں کو چیونٹیوں کی طرح (حقیر و ذلیل بنا کر) آدمیوں کی صورتوں میں اٹھایا جائے گا کہ ہر طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ ان کو بولس نام کے جہنم میں داخل کیا جائے گا، سب سے بڑی آگ ان پر مسلط ہوگی اور طینۃ الخبال یعنی دوزخیوں کا نچوڑ ان کو پلایا جائے گا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت اسماءؓ بنت عمیس کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ کو یہ فرماتے سنا وہ بندہ برا ہے جو اتراتا اور تکبر کرتا ہے اور اللہ برتر و بزرگ کو بھول جاتا ہے، رواہ الترمذی۔ والبیہقی فی شعب الایمان۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا تھا لوگو! میں نے خود رسول اللہ سے یہ فرمان سنا تھا کہ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے پس وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر مظہری)

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا

یہ جتنی باتیں ہیں ان سب میں بری چیز ہے تیرے رب کی بیزاری ☆

یعنی جن باتوں کو اوپر منع کیا ان کے کرنے میں رب کی بیزاری ہے اور جن کا حکم کیا انکے نہ کرنے میں بیزاری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ

یہ ہیں ان باتوں میں سے جو وحی بھیجی تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے ☆

علم و حکمت کی باتیں:

یعنی اوپر جو پر مغز اور بیش بہا نصیحتیں کی گئیں، یہ وہ علم و حکمت اور تہذیب اخلاق کی باتیں ہیں جنہیں عقل سلیم قبول کرتی ہے اور جو وحی کے ضمن میں نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلاواسطہ اور امت امیہ کی طرف بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھیجی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

۱- اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ
۲- خالص اللہ کی عبادت کرو
۳- غیر اللہ کی عبادت نہ کرو
۴- والدین کے ساتھ احسان کرو
۵- والدین کے سامنے اف نہ کرو
۶- ان کو نہ جھڑکو اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو
۷- ان سے ادب سے بات کرو جس سے ان کی تعظیم و تکریم نکلتی ہو۔
۸- ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ
۹- ان کے لئے دعائے رحمت مغفرت کرو
۱۰- قرابتداروں کے حقوق ادا کرو
۱۱- مسکین کا حق ادا کرو
۱۲- اسراف اور فضول خرچی سے بچو
۱۳- اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب میں قول میسور یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے۔
۱۴- اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بن جاؤ
۱۵- ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جوش میں آ کر سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ
۱۶- تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کر
۱۷- زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔
۱۸- کسی بے گناہ کو نہ قتل کرو۔
۱۹- قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو۔
۲۰- عہد کو پورا کرو۔
۲۱- ناپ تول کو پورا کرو
۲۲- اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں
۲۳- زمین پر اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے نہ چلو (معارف القرآن کاندھلوی)

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور نہ ٹھہرا اللہ کے سوائے کسی اور کی بندگی

فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا

پھر پڑے تو دوزخ میں الزام کھا کر دھکیلا جا کر ☆

تمام اعمال کا آغاز و انجام:

مذکورہ بالا نصائح کا بیان توحید سے شروع کیا گیا تھا "لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا" خاتمہ پر بھی توحید یاد دلا دی گئی۔ تا قاری سمجھ سکے کہ تمام حسنات کا آغاز و انجام خالص توحید کو ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

توحید ہر حکمت کا سرچشمہ اور مدار ہے علم توحید بالذات اور اصلی مقصد ہے، باقی علوم سے مقصود عمل ہے، خود فی نفسہ وہ مقصود نہیں، شرک کا نتیجہ دنیا میں بھی برا ہے اور آخرت میں بھی۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ (پوری) توریت پندرہ آیات میں ہے پھر آپ نے آیات وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ الخ تلاوت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ

کیا تم کو چن کر دے دیئے تمہارے رب نے بیٹے اور اپنے لئے کر لیا

مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ
فرشتوں کو بیٹیاں تم کہتے ہو
لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾
بھاری بات ☆

مشرکوں کی بہت بری بات:

یعنی ایک تو خدا کیلئے اولاد تجویز کرنا اور اولاد بھی بیٹیاں جنہیں تم نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ بڑی بھاری گستاخی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بہت بری بات کہتے ہو، اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کر رہے ہو باوجود یہ کہ سلسلہ تناسلی ان اجسام کی خصوصیت ہے جو زوال پذیر اور فانی ہیں، پھر اولاد میں سے بھی اس اولاد کا والد اللہ کو قرار دیتے ہو جو صنف کے لحاظ سے کمزور ہے (اور اپنے لیے قوی صنف کو پسند کرتے ہو) اور اس پر طرفہ یہ کہ ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو ملائکہ تو ساری مخلوق میں لطیف ترین نوع ہیں ان کو بیٹیاں کہنا (یعنی ضعیف ترین صنف انسان قرار دینا) انتہائی حماقت ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابو العلا کے اشعار:

ابو العلاء معری کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے وہ شعر یہ ہیں:

وترکت فیهم نعمة العدم التی!! سبقت وصدرت عن نعیم العاجل
(روح المعانی)

ولو انهم ولدوا النالوا اشدة !! ترمی هم فی موبقات الاجل
(معارف القرآن کاندھلوی)

ایک فلسفی ابو العلا گذرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

هذا جناه ابی علی، وما جنیت علی احد

یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے۔ اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا۔

یعنی میں نے کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردہ عدم میں رہنے دیا تا کہ میری وجہ سے پردہ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو پردہ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگر چہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہوا تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے تو محفوظ رہا۔

اسکندر کی بات:

اسی طرح اسکندر سے پوچھا گیا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا، اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لئے لذت جماع کی خواہش تھی، اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لا نکالا۔

ماں باپ کی ناشکری نہ کرو:

خلاصہ کلام یہ کہ یہ عالم، عالم اسباب ہے جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور مشیت سے ایک شئی کو ایک شئی کا سبب بنایا نسل انسانی اور حیوانی کے بقاء کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ یہ نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذائذ وطیبات اور مرغوبات اور مطعومات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہٗ کی نعمتیں ہیں حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی آمیزش کی وجہ سے ان کے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نعمت کی لذت دوبالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آ جاتی ہیں تو وہ شخص اس بات کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اس کو نو مہینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اس کو از راہ شفقت و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اٹھائے پھرے اور راتوں کو اس کے لئے جاگے اور اس کی راحت کیلئے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں، شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

سالہا برتو بگذرد کہ گزر نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر تاہمان چشم داری از پسرت
قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارو دمے بے قدم

(معارف القرآن کاندھلوی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
اور پھیر پھیر کر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں
لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾
تاکہ وہ سوچیں اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا ☆

مشرکوں کی بدبختی:

یعنی قرآن کریم مختلف عنوانوں اور رنگ برنگ کے دلائل وشواہد سے ان مشرکین کو فہمائش کرتا ہے لیکن بجائے نصیحت حاصل کرنے کے یہ بدبخت اور زیادہ بدکتے اور وحشت کھا کر بھاگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ

کہہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور حاکم جیسا یہ بتلاتے ہیں ☆

شرک کی نفی کی دلیل:

یعنی اصنام وغیرہ جنہیں خدائی کا شریک اور الوہیت کا حصہ دار بتلایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر ان کے قول کے مطابق اللہ کے ساتھ دوسرے خدا ہوتے تو بادشاہوں کے دستور کے موافق وہ عرش والے خدا سے لڑ پڑتے اور اس پر غالب آنے کی کوشش کرتے اگر دو خدا ہوں گے تو ان کا باہم ٹکراؤ ممکن ہوگا اور امکان تصادم سے ایک کا مغلوب اور دوسرے کا غالب آنا یا دونوں کا مغلوب نہ ہونا ضروری ہے اس طرح ایک غالب ہوگا یا دونوں عاجز ہوں گے اور عاجز ہونا شانِ الوہیت کے خلاف ہے اسی طرح مغلوب بھی خدا نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر مظہری)

اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا (۴۲)

تو نکالتے صاحب عرش کی طرف راہ ☆

یعنی پرایا محکوم رہنا کیوں پسند کرتے سب مل کر خدا تعالیٰ کی تخت سلطنت کو الٹ ڈالتے، اگر کہا جائے کہ صاحب عرش کے مقابلہ میں ان کی کچھ چلتی نہیں تو ایک عاجز مخلوق کی عبادت کرنا پہلے درجہ کی حماقت ہے یا گروہ معبود خود رب العرش کو خوش رکھتا اور اس کا قرب حاصل کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ان کے پوجنے والوں کیلئے اور بھی زیادہ ضروری ہوا کہ خدائے اکبر کو خوش رکھنے کی فکر کریں لیکن خدائے بزرگ تمام انبیاء کی زبانی اور فطرت انسانی کی معرفت شرک سے اپنی کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا، پھر تعجب ہے کہ یہ احمق کس راستہ پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا (۴۳)

وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کی باتوں سے بے نہایت

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ

اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین

وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَىْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ

اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ

اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا ☆

ہر مخلوق اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے:

یعنی ہر ایک مخلوق زبان سے یا حال سے اس کی پاکی اور خوبیاں بیان کرتی ہے لیکن تم اسے سمجھتے نہیں خواہ فکر و تامل نہ کرنے کی وجہ سے یا اس قوت کے فقدان کی وجہ سے جس کے ذریعہ بعض مخلوقات کی تسبیح قالی سنی اور سمجھی جاسکتی ہے اور اگر کوئی شخص باوجود سمجھنے کے قبول نہ کرے یا اس کے مقتضی پر عمل نہ کرے تو یہ سمجھنا نہ سمجھنے ہی کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ہم آیات (معجزات) کو برکت جانتے تھے اور تم لوگ ان کو خوف انگیزی کا سبب خیال کرتے ہو، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب ایک سفر میں تھے پانی کی کمی پڑ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ بچا کھچا ہوا پانی ہو وہ میرے پاس لے آؤ صحابہ نے ایک برتن لا کر حاضر کر دیا جس میں قدرے پانی تھا آپ نے دست مبارک اس میں ڈال دیا اور فرمایا برکت والے پاک (پانی) کی طرف آؤ اور برکت اللہ کی طرف سے ہے۔ میں نے خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا تھا اور کھانا کھایا جاتا تھا تو کھانے کے اندر سے ہم سبحان اللہ کی آواز سنا کرتے تھے (یعنی کھانا سبحان اللہ کہتا تھا) رواہ البخاری

مجاہد کا قول ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے یعنی سبحان اللہ و بحمدہ کہتی ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا ہر چیز خواہ جاندار ہو یا جماد (بے جان) حمد کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے یہاں تک کہ دروازے کی چرچراہٹ اور چھت کے ٹوٹ کر گرنے کی آواز بھی (تسبیح و تحمید کا اظہار کرتی ہے) بعض علماء نے کہا (شئی سے مراد ہے، ہر زندہ چیز یعنی) زندہ چیزیں سبحان اللہ پڑھتی ہیں (مقصد یہ ہے کہ جن وانس، ملائکہ اور تمام جانور تسبیح خواں ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں) قتادہ نے کہا تمام حیوانات اور نباتات تسبیح کا اقرار کرتے ہیں (یعنی ہر نمو پذیر چیز سبحان اللہ پڑھتی ہے، جمادات مراد نہیں ہیں)

عکرمہ نے کہا درخت تسبیح پڑھتا ہے اور (اسی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا) ستون تسبیح نہیں پڑھتا۔

میرے نزدیک یہ تخصیص غلط ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خطبہ کے وقت ستون سے ٹیک لگانی چھوڑ دی (اور منبر پر خطبہ دینے لگے) تو آپ کی جدائی کی وجہ سے اس ستون کا بچوں کی طرح رونا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

آیت میں آیا ہے کہ (اللہ نے حضرت داؤد کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کو تسبیح پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا) يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ

طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا پہاڑ دوسرے پہاڑ سے پکار کر دریافت کرتے ہیں کیا تیرے اوپر سے کوئی آدمی اللہ کا ذکر کرتا گذرا ہے، جب وہ پہاڑ ہاں کہہ دیتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ خوش ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ ہر چیز بزبان حال تو تسبیح میں مشغول رہتی ہی ہے ہر چیز ممکن ہے حادث ہے اور ہر ممکن و حادث ایک ایسے صانع کا محتاج ہے

جو واجب الوجود ہو، قدیم بالذات ہو ہر نقص عیب، فنا اور زوال سے پاک ہو، صفات کمالیہ اور متصف ہو، لہذا تسبیح سے صرف تسبیح حالی مراد لینا غلطی ہے، ہر چیز تسبیح حالی اور تسبیح مقالی میں مشغول ہے۔

تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے:

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ لیکن (اے لوگو! یعنی اے اکثر انسانو!) تم ان کی تسبیح خوانی کو نہیں سمجھتے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ان کی تسبیح مقالی کو نہیں سمجھتے (تسبیح حالی کو توت مام عقلمند انسان سمجھتے ہیں کون دانشور مصنوع کو بغیر صانع کے اور مخلوق کو بغیر خالق کے اور اثر کو بغیر موثر کے کہہ سکتا ہے۔)

ہاں مشرک چونکہ کور بصیرت اور دماغی نابینا ہوتے ہیں (وہ تسبیح حالی کو بھی نہیں سمجھتے)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا جانوروں کے منہ پر نہ مارا کرو ہر چیز اللہ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے۔

تسبیح چھوڑنا موت ہے:

میمون بن مہران کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں ایک کوا پیش کیا گیا جس کے بازو وسمٹے ہوئے تھے آپ نے اس کے بازوؤں کو پھیلایا اور فرمایا کسی شکار کو بھی نہیں شکار کیا جاتا اور کسی درخت کو بھی نہیں کاٹا جاتا مگر اسی وقت جب کہ وہ تسبیح خوانی کھو چکا ہو زہری کی روایت سے اسی طرح منقول ہے۔ (ازالۃ الخفاء)

کنکریوں کی تسبیح:

حدیث میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ مذکور ہے کہ آپ کی مٹھی میں کنکروں کا تسبیح کرنا صحابہ کرام نے کانوں سے سنا اس کا معجزہ ہونا تو ظاہر ہے مگر خصائص کبریٰ میں شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے فرمایا کہ کنکروں کا تسبیح پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہیں وہ تو جہاں کہیں بھی ہیں تسبیح پڑھتی ہیں بلکہ معجزہ آپ کا یہ ہے کہ آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد ان کی وہ تسبیح کانوں سے سنی جانے لگی۔ (تفسیر مظہری)

موذن کیلئے گواہی:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی جن اور انسان اور درخت اور پتھر اور ڈھیلا ایسا نہیں جو موذن کی آواز سنتا ہے اور قیامت کے روز اس کے ایمان اور نیک ہونے کی شہادت نہ دے (موطا امام مالک وسنن ابن ماجہ بروایت ابی سعید خدریؓ)

کھانے کی تسبیح:

امام بخاریؒ نے بروایت حضرت عبد اللہؓ بن مسعود نقل کیا ہے کہ ہم کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے جبکہ وہ کھایا جا رہا ہو اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔

سلام کرنے والا پتھر:

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر بن سمرہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت ونبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اس کو پہچانتا ہوں بعض حضرات نے کہا کہ اس سے مراد حجر اسود ہے واللہ اعلم۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ روایات حدیث اس طرح کے معاملات میں بہت ہیں اور اسطوانہ خانہ کی حکایت تو عام، مسلمانوں کی زبان زد ہے جس کے رونے کی آواز صحابہ کرام نے سنی جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے وقت اس کو چھوڑ کر ممبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔

ان روایات کے بعد اس میں کیا بعد رہ جاتا ہے کہ زمین وآسمان کی ہر چیز میں شعور وادراک ہے اور ہر چیز حقیقی طور پر اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور ابراہیم نے فرمایا کہ یہ تسبیح عام ہے ذی روح چیزوں میں بھی اور غیر ذی روح چیزوں میں بھی یہاں تک کہ دروازے کے کواڑوں کی آواز میں بھی تسبیح ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلند آسمانوں میں تسبیح:

طبرانی میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام ابراہیم اور زمزم کے درمیان سے جبرئیلؑ ومیکائیلؑ مسجد اقصیٰ تک شب معراج میں لے گئے جبرئیلؑ آپ کے دائیں تھے اور میکائیلؑ بائیں، آپ کو ساتوں آسمانوں تک اڑا لے گئے وہاں سے آپ لوٹے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے بلند آسمانوں میں بہت سی تسبیحوں کے ساتھ یہ تسبیح سنی کہ سَبَّحَتِ السَّمٰوٰتُ الْعُلٰى. مِنْ ذِی الْمُهَابَةِ مُشْفِقَاتِ الذَّوِى الْعُلُوِّ بِمَا عَلَا. سُبْحٰنَ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰى. سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰے. مخلوق میں سے ہر ہر چیز اس کی پاکیزگی اور تعریف بیان کرتی ہے لیکن اے لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں، حیوانات، نباتات، جمادات سب آں کے تسبیح خواں ہیں۔

سواریوں کا ذکر:

یہ حدیث صحیح میں اور مسندوں میں مشہور ہے کچھ لوگوں کو حضور نے اپنی اونٹنیوں اور جانوروں پر سوار کھڑے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ سواری سلامتی کے ساتھ لو اور پھر اچھائی سے چھوڑ دیا کرو راستوں اور بازاروں میں لوگوں سے باتیں کرنے کی کرسیاں اپنی سواریوں کو نہ بنا لیا کرو سنو! بہت سی سواریاں اپنے سواروں سے بھی زیادہ ذکر اللہ کرنے والی اور ان سے بھی بہتر افضل ہوتی ہیں (مسند احمد)

مینڈک کا ذکر:

سنن نسائی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مینڈک کے مار ڈالنے کو

منع فرمایا اور فرمایا اس کا بولنا تسبیح خدا ہے۔

مختلف اذکار:

اور حدیث میں ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا کلمہ اخلاص کہنے کے بعد ہی کسی کی نیکی قابل قبول ہوتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کلمہ شکر ہے اس کا نہ کہنے والا خدا کا شکرا ہے اللہ اکبر زمین وآسمان کی فضا بھر دیتا ہے سبحان اللہ کا کلمہ مخلوق کی تسبیح ہے اللہ نے کسی مخلوق کو تسبیح اور نماز کے اقرار سے باقی نہیں چھوڑا جب کوئی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہے تو اللہ فرماتا ہے میرا بندہ مطیع ہوا اور مجھے سونپا۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک اعرابی طیالسی جبہ پہنے ہوئے جس میں ریشمی کف اور ریشمی گھنڈیاں تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس شخص کا ارادہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چرواہوں کے لڑکوں کو اونچا کرے اور سرداروں کے لڑکوں کو ذلیل کرے، آپ کا غصہ آ گیا اور اس کا دامن گھسیٹتے ہوئے فرمایا کہ تجھے میں جانوروں کا لباس پہنے ہوئے تو دیکھتا نہیں ہوں؟ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے آئے اور بیٹھ کر فرمانے لگے کہ (حضرت) نوحؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ میں تمہیں بطور وصیت کے دو حکم دیتا ہوں اور دو ممانعت ایک تو میں تمہیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کرتا ہوں، دوسرے تکبر سے روکتا ہوں، اور پہلا حکم تو تمہیں یہ کرتا ہوں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے رہو آسمان اور زمین اور ان میں کی تمام چیزیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور دوسرے میں صرف یہی کلمہ ہو تو بھی یہی کلمہ وزنی رہے گا۔ سنو! اگر تمام آسمان وزمین ایک حلقہ بنا دیئے جائیں اور ان پر اس کو رکھ دیا جائے تو وہ انہیں پاش پاش کر دے دوسرا حکم میرا سبحان اللہ وبحمدہ پڑھنے کا ہے کہ یہ ہر چیز کی نماز ہے اور اسی کی وجہ سے ہر ایک کو رزق دیا جاتا ہے ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا، آؤ میں تمہیں بتلاؤں کہ (حضرت) نوحؑ نے اپنے لڑکے کو کیا حکم دیا فرمایا کہ پیارے بچے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ سبحان اللہ کہا کرو یہ کل مخلوق کی تسبیح ہے اور اسی سے مخلوق کو روزی دی جاتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہر چیز اس کی تسبیح وتحمید بیان کرتی ہے اسکی اسناد بوجہ اودی راوی کے ضعیف ہیں، عکرمہؒ فرماتے ہیں ستون درخت دروازوں کی چولیں ان کو بھڑتے کھلتے آواز پانی کی گھڑگھڑاہٹ یہ سب تسبیح خدا ہے خدا فرماتا ہے کہ ہر چیز حمد وثنا کے بیان میں مشغول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نباتات وجمادات کی تسبیح:

تسبیح نباتات وجمادات کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اس کی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور بزبان قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنائی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اس کی تسبیح بیان کرتی ہے جو اس کی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے۔

ذکرش ہر چہ بینی در خروش است ۔۔۔ ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خواں است ۔۔۔ کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانست

اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے

چوں ندارد جان تو قلندیلہا ۔۔۔ بہر بینش کردہ تاویلہا

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور امرزگار ہے گستاخانہ کلمات فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر علم خدا ۔۔۔ دیر گیرد سخت گیرد مرترا

(معارف القرآن کاندھلوی)

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾
بے شک وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ﴿۴۴﴾

یعنی تمام مخلوقات جس کی پاکی بیان کریں تم اس کیلئے شرکاء اولاد اور بیٹیاں تجویز کر دیہ ایسی گستاخی تھی کہ تم کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا لیکن وہ اپنے حکم سے شتاب نہیں پکڑتا اور توبہ کرلو تو بخش دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ
اور جب تو پڑھتا ہے قرآن کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے اور ان لوگوں کے جو
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾
نہیں مانتے آخرت کو ایک پردہ چھپا ہوا ﴿۴۵﴾

نبی اور منکر کے درمیان پردہ:

جو شخص آخرت کو نہ مانے اور اپنے بھلے برے انجام کی کچھ فکر نہ رکھے وہ نصیحت کی طرف کیوں دھیان کرنے لگا جب اسے نجات ہی کی فکر نہیں تو نجات دلانے والے پیغمبر کے احوال واقوال میں غور کرنے اور بارگاہ رسالت تک پہنچنے کی کیا ضرورت ہوگی، بس یہ ہی عدم ایمان بالآخرت اور انجام کی طرف سے بے فکری اور معنوی پردہ ہے جو اس شخص کے اور نبی (من حیث ہو نبی) کے درمیان لٹکا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابولہب کی بیوی کے سامنے پردہ:

بعض نے کہا حجاب سے مراد ہے ایسا پردہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

(رسولی شخصیت) کو ظاہری آنکھوں سے چھپا دینے والا تھا، بغوی نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ نازل ہوئی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کیلئے) آئی آپ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ (بیٹھے ہوئے) تھے لیکن عورت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہیں آئے۔ حضرت ابوبکر سے کہنے لگی تمہارا ساتھی کہاں ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ تو شعر نہیں پڑھتے، نہ شعر کہتے ہیں (پھر ہجو کس طرح کی) عورت یہ کہتی ہوئی لوٹ گئی، میں تو اس پتھر سے اس کا سر پھاڑنے آئی تھی (اگر مل جاتا تو سر پھاڑ دیتی) حضرت ابوبکر نے (عورت کے جانے کے بعد) عرض کیا یا رسول اللہ وہ آپ کو نہیں دیکھ پائی، فرمایا ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ کئے رہا۔

میں کہتا ہوں سعید بن جبیر کی روایت کے بموجب آیت کا تعلق ایک مخصوص واقعہ سے قرار پائے گا ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا تھا کہ آپ قرآن پڑھتے ہوں اور کافر آپ کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ

اور ہم رکھتے ہیں ان کے دلوں پر پردہ کہ اس کو نہ سمجھیں

علوم قرآن سے محرومی:

پہلے پیغمبر کی صداقت تک نہ پہنچ سکنے کا ذکر کیا تھا۔ یہاں فہم قرآن تک رسائی حاصل نہ کر سکنے کا بیان ہے۔ یعنی اس قرآن میں ایسی قوی تاثیر ہے اور کافروں پر اثر نہیں ہوتا، یہ سبب ہے کہ اوٹ میں ہیں۔ آفتاب سے سارا جہان روشن ہے لیکن اگر کوئی شخص تہ خانہ میں تمام دروازے اور تابدان بند کر کے بیٹھ جائے بلکہ آنکھیں بھی بند کر لے تو اس کے اعتبار سے آفتاب کی روشنی کہیں بھی نہیں۔

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

اور ان کے کانوں میں بوجھ ☆

یعنی جب بہ نیت انتفاع و استفادہ سننا نہیں چاہتے تو گویا سنتے ہی نہیں (تنبیہ) خدا تعالیٰ نے جو حجاب اور پردے وغیرہ ڈالے یہ وہ ہی ہیں جن کا وجود انہوں نے خود اپنے لئے بڑی خوشی اور فخر سے ثابت کیا تھا۔

"وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَیْنِنَا وَبَیْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ" (حم السجدہ رکوع ۱)

آخرت پر ایمان نہ رکھنا اور انجام سے بے فکر رہنا، خدائے واحد کے ذکر سے چڑنا، پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنا، وہ چیزیں ہیں جو حجاب، کنان اور وقر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ اور چونکہ خالق ہر چیز کا خدا تعالیٰ ہے اس لئے انکے خلق کی نسبت بھی اس کی طرف کی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ

اور جب ذکر کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا

وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

اکیلا کر کر بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ☆

خدا کے ذکر سے چڑتے ہیں:

یعنی خدائے واحد کے ذکر سے چڑتے، بدکتے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں، ہاں ان کے معبودوں کا تذکرہ آئے تو بہت خوش ہوتے ہیں

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ۔ (زمر رکوع ۵)

(تفسیر عثمانی)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ

ہم خوب جانتے ہیں جس واسطے وہ سنتے ہیں ☆

یعنی سننے سے استفادہ مقصود نہیں ہوتا محض استخفاف واستہزاء مقصود ہوتا ہے جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ

جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف اور جب وہ

نَجْوٰٓی اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ

مشورت کرتے ہیں جب کہ کہتے ہیں یہ بےانصاف جس کے کہے

تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

پر تم چلتے ہو وہ نہیں ہے مگر ایک مرد جادو کا مارا ☆

مشرکوں کا تبصرہ:

یعنی قرآن اور آپ کی باتیں سن کر گئے، پھر آپس میں مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کہنا چاہیے۔ آخر کہنے لگے کہ یہ شخص جادو کا مارا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یعنی جادو کے اثر سے مجنون ہوگیا، دماغ ٹھکانے نہیں رہا (العیاذ باللہ العظیم) بعض نے "مسحور" کو یہاں "ساحر" کے معنی میں لیا ہے گویا اس کی باتوں میں جادو کا اثر ہے۔ (تنبیہ) لفظ "مسحور" سے جو مطلب وہ لیتے تھے اس کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی پر کسی قسم کے سحر کا کسی درجہ میں عارضی طور پر بھی اثر نہ ہوسکے یہ آیت مکی ہے۔ مدینہ میں آپ پر یہود کے جادو کرانے کا واقعہ صحاح میں مذکور ہے۔ جس کا اثر چند روز تک صرف اتنا رہا کہ بعض دنیوی کاموں میں کبھی کبھی ذہول ہو جاتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ولید بن مغیرہ وغیرہ:

یا یہ مطلب ہے کہ جب وہ باہم کانا پھوسی اور سرگوشیاں کرتے ہیں تو ہم خوب جانتے ہیں (کہ وہ کیا باتیں کہہ رہے ہیں) الظّٰلِمُوْنَ سے مراد ہیں ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سحر زدہ قرار دینا آپ پر ظلم تھا اور ولید بن مغیرہ وغیرہ اس ظلم کے مرتکب تھے مسحور سحر زدہ کہ جادو کی وجہ سے اس کی عقل ٹھکانے سے نہ رہی ہو۔ مجاہد نے مسحور کا ترجمہ کیا ہے فریب خوردہ بعض علماء نے کہا یہ لفظ مَا سَحَرَكَ سے ماخوذ ہے مَا سَحَرَكَ کا معنی ہے تجھے کس چیز نے پھیر دیا، اس وقت مسحود کا ترجمہ ہوگا حق سے برگشتہ۔ ابوعبید نے مسحور کا ترجمہ کیا سحر والا اور سحر کا معنی ہے پھیپھڑہ مراد یہ ہے کہ یہ شخص تو تم جیسا پھیپھڑوں والا آدمی ہے کھاتا ہے پیتا ہے سانس لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے بخار اور درد ہو سکتا ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ بھی خاص اسباب طبیعہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا آخری آیت میں جو کفار نے آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی کہ اس کا حاصل وہ ہے جس کی طرف خلاصہ تفسیر میں اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ان کی مراد درحقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اس کی تردید قرآن نے فرمائی اس لئے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں۔

دشمنوں کی نظر سے اوجھل رہنے کا ایک عمل:

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین کی آنکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے اس کے اثر سے کفار آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں ایک آیت سورۂ کہف میں ہے یعنی اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا دوسری آیت سورۂ نحل میں ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ اور تیسری آیت سورۂ جاثیہ میں ہے اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً۔

ایک شامی کا واقعہ:

حضرت کعب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا اس کو کسی ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک وہاں مقیم رہا پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اس شخص کو وہ روایت یاد آ گئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر یہ چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

رے کے ایک آدمی کا واقعہ:

امام ثعلبی کہتے ہیں کہ حضرت کعب سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں نے رئے کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار کر لیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا، یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ آیتیں پڑھ لیں اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑوں سے چھو جاتے تھے۔

سورۂ یٰسین کی آیات:

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ان تینوں کے ساتھ وہ آیات سورۂ یٰسین کی بھی ملالی جائیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت پڑھا تھا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا آپ نے یہ آیات پڑھیں اور ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے چلے گئے بلکہ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ان میں سے کسی کو خبر نہیں ہوئی وہ آیات سورۂ یٰسین کی یہ ہیں یٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۔

امام قرطبی کا واقعہ:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منثور میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا دشمن نے دو گھوڑے سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا کوئی چیز پردہ کرنے والی نہ تھی مگر میں سورۂ یٰسین کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا یہ دونوں سوار میری برابر سے گذرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھ سے اندھا کر دیا تھا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا
دیکھ لے کیسے جماتے ہیں تجھ پر مثلیں اور بہکتے پھرتے ہیں
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾
سو راہ نہیں پا سکتے ☆

مخالف ناکام رہیں گے:

یعنی کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر، کبھی کاہن، کبھی مسحور یا مجنون، غرض بہکی بہکی باتیں کرتے رہتے ہیں کسی ایک بات پر جماؤ نہیں جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا حقیقت یہ ہے کہ باوجود جدوجہد کے طعن و تشنیع کا کوئی ایسا راستہ انہیں نہیں مل سکتا جس پر چل کر وہ اپنے مقصد اغواء و اضلال میں کامیاب ہوسکیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجہل، اخنس اور ابوسفیان کا تبصرہ:

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام، اخنس بن شریق رات کے وقت اپنے اپنے گھروں سے کلام اللہ شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سننے کیلئے نکلے آپ اپنے گھر میں رات کو نماز پڑھ رہے تھے یہ لوگ آ کر چپ چپاتے چھپتے لگتے ادھر اُدھر بیٹھ گئے ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی رات کو سنتے رہے فجر ہوتے وقت یہاں سے چلے اتفاقاً راستے میں سب کی ملاقات ہوگئی، ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے اب سے یہ حرکت نہ کرنا ورنہ اور لوگ تو بالکل اسی کے ہو جائیں گے لیکن رات کو پھر یہ تینوں آ گئے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قرآن سننے میں رات گزاری، صبح واپس چلے، راستے میں مل گئے پھر سے کل کی باتیں دہرائیں اور آج پختہ ارادہ کیا کہ اب سے ایسا کام ہرگز کوئی نہ کرے گا تیسری رات پھر یہی ہوا اب کے انہوں نے کہا آؤ عہد کرلیں کہ اب نہیں آئیں گے چنانچہ قول وقرار کر کے جدا ہوئے صبح کو اخنس اپنی لاٹھی سنبھالے ابوسفیان کے گھر پہنچا اور کہنے لگا ابوحنظلہ مجھے بتلاؤ تمہاری اپنی رائے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ جو آیتیں قرآن کی میں نے سنی ہیں ان میں سے بہت سی آیتوں کا تو مطلب معنی میں بیان کیا لیکن بہت سی آیتوں کی مراد مجھے معلوم نہیں ہوئی اخنس نے کہا واللہ میرا بھی یہی حال ہے یہاں سے ہو کر اخنس ابوجہل کے پاس پہنچا اس سے بھی یہی سوال کیا اس نے کہا سنئے شرافت و سرداری کے بارے میں ہمارا بنو عبد مناف سے مدت کا جھگڑا چلا آتا ہے انہوں نے کھلایا ہم نے بھی کھلانا شروع کردیا انہوں نے سواریاں دیں، ہم نے بھی انہیں سواریوں کے جانور دیئے انہوں نے لوگوں کے ساتھ سلوک کئے اور انہیں انعامات دیئے ہم نے بھی ان سے پیچھے رہنا پسند نہ کیا اب جب کہ ان تمام باتوں میں وہ اور ہم برابر رہے اس دوڑ میں جب وہ بازی لے جا نہ سکے تو جھٹ سے انہوں نے کہا کہ ہم میں نبوت ہے ہم میں ایک شخص ہے جس کے پاس آسمانی وحی آتی ہے اب بتاؤ اس کو ہم کیسے مان لیں؟ واللہ نہ اس پر ہم ایمان لائیں گے نہ کبھی اُسے سچا کہیں گے اس وقت اخنس اسے چھوڑ کر چل دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو جائیں ہڈیاں اور چورا چورا

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

پھر اٹھیں گے نئے بن کر ☆

مشرکین کی قابل تعجب دلیل:

یعنی آپ پر مسحور ومجنون یا شاعر وکاہن وغیرہ کی مثالیں چسپاں کرنا تو تعجب انگیز تھا ہی، اس سے زیادہ قابل تعجب وہ دلیل ہے جو (معاذ اللہ) مسحور و مجنون ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ تھا کہ موت کے بعد ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ آدمی کا بدن گل سڑ کر سفید ہڈیاں رہ جاتی ہیں تھوڑے دنوں بعد وہ بھی ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جاتی ہیں۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ تجویز کرسکتا ہے کہ یہ ہڈیوں کا چورہ اور خاک کے ریزے دوبارہ جی اٹھیں گے؟ اور انسانی حیات ان منتشر ذرات میں عود کر آئے گی؟ اگر پیغمبر ایسی ناممکن بات کی خبر دیتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ (العیاذ باللہ) ان کی دماغی صحت بحال نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿۵۰﴾

تو کہہ تم ہو جاؤ پتھر یا لوہا

اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ

یا کوئی خلقت جس کو مشکل سمجھو اپنے جی میں ☆

ہر حال میں دوبارہ زندہ ہونا ہے:

یعنی یہ ریزے اور چورا تو بہر حال انسانی لاش کا ہے جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے۔ اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہو جانا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تم کو اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں، اگر ممکن ہو تو پتھر یا لوہا بن جاؤ۔ جو آثار حیات کے قبول کرنے سے بالکل محروم نظر آتے ہیں۔ بلکہ کوئی ایسی سخت چیز بن کر تجربہ کرلو جس کا زندہ ہونا لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ مشکل معلوم ہوتی کہ مجسم موت بن کر دیکھ لو کہ پھر بھی اس قادر مطلق کو تمہارا زندہ کردینا کس قدر آسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا

پھر اب کہیں گے کون لوٹا کر لائے گا ہم کو

قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

کہہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی بار ☆

جس نے پہلے پیدا کیا وہی دوبارہ زندہ کرے گا:

جس نے پہلی بار تم کو مٹی یا نطفہ سے پیدا کیا اور جماد لایعقل پر روح انسانی فائض کردی۔ کیا اب اس میں قدرت نہیں رہی کہ خاک کے ذرات اور مردہ لاش کے اجزاء کو جمع کر کے دوبارہ زندگی عنایت کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

(یہ بات سن کر) وہ کہیں گے کہ (مرنے کے بعد) دوبارہ ہم کو زندہ کریگا کون (یعنی مان لیا کہ ہر جسم قبول حیات کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جسم میں ہر عرض کے توارد کی قابلیت ہے لیکن ہر جسم پر ہر عرض آتا ہے تو نہیں ہے جب تک کوئی مؤثر نہ ہو محض صلاحیت و استعداد تو اس کے لئے کافی نہیں ہے کسی زبردست مؤثر اور فاعل کی ضرورت ہے اور ایسا کرنے والا ہمیں تو کوئی نظر نہیں آتا) آپ کہہ دیجئے کہ جس نے تم کو اول بار پیدا کیا (اس کی قدرت تم کو معلوم ہو چکی ہے) وہی دوبارہ بھی تخلیق کر دے گا (پہلے تو تم مٹی تھے زندگی کو قبول کرنے سے بہت دور اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے میں فقط پہلی حالت کا لوٹا کر لانا ہے اور ظاہر ہے کہ عدم محض سے وجود میں لانا معدوم کر کے موجود کر دینے سے زیادہ دشوار ہے) (تفسیر مظہری)

فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ

پھر اب مٹکائیں گے تیری طرف اپنے سر

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ

اور کہیں گے کب ہوگا یہ ☆

مشرکین کا استہزاء:

یعنی استہزاء و تمسخر سے سر ہلا ہلا کر کہتے ہیں کہ ہاں صاحب! بوسیدہ ہڈیوں کے ریزوں میں کب جان پڑے گی، اور کب مردے قبروں سے حساب کے لئے اٹھائے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۵

تو کہہ شاید نزدیک ہی ہوگا ☆

عنقریب قیامت آ رہی ہے:

یعنی قیامت کا ٹھیک وقت حق تعالیٰ نے کسی کو نہیں بتلایا ہاں اس کے مستقبل قریب میں آنے کی تم امید ظاہر کر سکتے ہو۔ گویا دنیا کی بقیہ عمر اس سے کم ہے جتنی گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ

جس دن تم کو پکارے گا پھر چلے آؤ گے اس کی تعریف کرتے ہوئے ☆

جب پکارا جائے گا:

یعنی جس وقت خدا کی طرف سے آواز دی جائیگی ایک ڈانٹ میں سب مردے زمین سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی۔ ہر ایک انسان اس وقت مطیع و منقاد ہو کر خدا کی حمد و ثنا کرتا ہوا حاضر ہوگا۔ گو کافر کو اس وقت کی اضطراری حمد و ثنا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ مؤمنین کی زبان پر یہ الفاظ ہوں گے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ"۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ یہ اس روز ہوگا جس روز اللہ تم کو پکارے گا اور تم (بلا اختیار) اس کی حمد کرتے ہوئے حکم کی تعمیل کرو گے۔ یعنی اسرافیل کی زبانی جب اللہ تم کو قبروں سے میدان قیامت کی طرف حساب فہمی کے لیے طلب فرمائے گا تو تم (تعمیل حکم اور عمل سے) دعوت کو قبول کرو گے یا (دعوت اور استجابت سے مراد ہے قبروں سے اٹھایا جانا اور اٹھنا اس صورت میں) یہ مطلب ہے کہ اللہ تم کو قبروں سے اٹھائے گا اور تم اٹھو گے، یعنی فوراً حساب فہمی کیلئے اٹھ کر میدان قیامت میں آ جاؤ گے۔

قبروں سے اٹھتے وقت حمد کرنا:

بحمدہ کا یہ مطلب ہے کہ قبروں سے اٹھتے وقت تم اللہ کی حمد کرو گے اس وقت اقرار کرو گے کہ اللہ ہی تمہارا خالق ہے اور دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے والا ہے یا بحمدہ کا یہ مطلب ہے کہ جس طرح حمد کرنے والے اطاعت کرتے ہیں تم بھی قبروں سے اٹھنے کے وقت ایسی ہی اطاعت کرو گے بعض علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت میں خطاب مومنوں کو ہے قبروں سے اٹھتے وقت مومن اللہ کی ثنا کریں گے، کافر حمد نہیں کریں گے وہ تو قبروں سے اٹھتے وقت (ہائے وائے کریں گے اور کہیں گے يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ہائے ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھا دیا، یہ وہی ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا ہائے افسوس، ہم نے اللہ کے معاملہ میں کوتاہی کی۔

ختلی نے الدیباج میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے جبرئیل نے اطلاع دی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ مومنوں کیلئے مرنے کے وقت اور قبروں میں اور قبروں سے اٹھنے کے وقت اُنس ہوگا (یعنی یہ کلمہ وحشت دور کرنے اور سکون بخشنے کا ذریعہ ہوگا) اے محمد اگر آپ دیکھیں گے تو تعجب ہوگا کہ یہ (مؤمن) تو قبروں سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے اور لا الٰہ الا اللہ و الحمد للہ کہتے ہوں گے جس کی وجہ سے ان کے چہرے گورے ہوں گے اور یہ (کافر) پکاریں گے ہائے افسوس میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی اس وقت ان کے چہرے سیاہ ہوں گے۔

موت و قبر کی وحشت سے تحفظ:

طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان

کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ (کا اقرار کرنے) والوں کو نہ مرتے وقت وحشت ہوگی، نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے نکلتے وقت گویا میرے سامنے ہے وہ منظر کہ چیخ (یعنی صور کی آواز) ہوتے ہی (مومن) سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ کہہ رہے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہ حدیث اس طرح نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قیامت کے دن کی پکار:

یَوۡمَ یَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ لفظ یَدۡعُوۡكُمۡ دعاء سے مشتق ہے جس کے معنے آواز دے کر بلانے کے ہیں اور معنے یہ ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ تم سب کو محشر کی طرف بلائے گا اور یہ بلانا بواسطہ فرشتہ اسرافیل کے ہوگا کہ جب وہ دوسرا صور پھونکیں گے تو سب مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زندہ ہونے کے بعد سب کو میدان حشر میں جمع کرنے کیلئے آواز دی جائے۔ (قرطبی)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے روز تم کو تمہارے اپنے اور باپ کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اپنے نام اچھے رکھا کرو (بیہودہ ناموں سے پرہیز کرو) (قرطبی)

محشر میں کفار بھی اللہ کی حمد وثناء کرتے اٹھیں گے:

فَتَسۡتَجِیۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ استجابت کے معنے کسی کے بلانے پر حکم کی تعمیل کرنے اور حاضر ہو جانے کے ہیں معنے یہ ہیں کہ میدان حشر میں جب تم کو بلایا جاوے گا تو تم سب اس آواز کی اطاعت کرو گے اور جمع ہو جاؤ گے بحمدہ یہ تستجیبون کی ضمیر فاعل کا حال ہے بمعنے حامدین مراد یہ ہے کہ اس میدان میں آنے کے وقت تم سب کے سب اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے حاضر ہوگے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ حشر میں اٹھنے کی ابتداء بھی حمد سے ہوگی سب کے سب حمد کرتے ہوئے اٹھیں گے۔ اور سب معاملات کا خاتمہ بھی حمد پر ہوگا جیسا کہ ارشاد ہے وَقُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَقِیۡلَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ یعنی سب اہل محشر کا فیصلہ حق کے مطابق کر دیا گیا ہے اور یہ کہا گیا کہ حمد وشکر ہے اللہ رب العالمین کا) (معارف مفتی اعظم)

> وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۵۲﴾
>
> اور اٹکل کرو گے کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر تھوڑی ☆

تب تم کو معلوم ہوگا:

یعنی اب شتابی کرتے ہو، اس وقت اندازہ کرو گے کہ دنیا میں کچھ زیادہ دیر نہیں رہے تھے۔ پچاس سو برس ان ہزاروں برسوں کے سامنے کیا معلوم ہوں (موضح القرآن) بعض نے کہا کہ شدت ہول وخوف سے دنیا کی زندگی تھوڑی معلوم ہوگی۔ یا نفخہ اول اور نفخہ ثانی کے درمیان چونکہ عذاب نہ رہے گا۔ اس درمیانی مدت کو قلیل خیال کر کے کہیں گے۔ "مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا" (لیس رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

> وَقُلۡ لِّعِبَادِیۡ یَقُوۡلُوا الَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ
>
> اور کہہ دے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو
>
> اِنَّ الشَّیۡطٰنَ یَنۡزَغُ بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ الشَّیۡطٰنَ
>
> شیطان جھڑپ کرواتا ہے ان میں شیطان ہے
>
> كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِیۡنًا ﴿۵۳﴾
>
> انسان کا دشمن صریح ☆

مذاکرے کے آداب:

مشرکین کی جہالت اور طعن وتمسخر کو سن کر ممکن تھا کوئی مسلمان نصیحت وفہمائش کرتے وقت تنگ دلی برتنے لگے اور سختی پر اتر آئے اس لئے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ مذاکرہ میں کوئی سخت دل آزار اور اشتعال انگیز پہلو اختیار نہ کریں۔ کیونکہ اس سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔ شیطان دوسرے کو ابھار کر لڑائی کرا دیتا ہے پھر مخاطب کے دل میں ایسی ضد وعداوت قائم ہو جاتی ہے کہ سمجھتا ہو تب بھی نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی شیطان آدمیوں میں شر اٹھاتا ہے، بگاڑ پیدا کرتا ہے وہ انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے کافروں کو تو بہکا کر جہنم میں لے جاتا ہے اور مسلمانوں میں باہم فساد اور شر اٹھاتا رہتا ہے اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ کوئی بات ایسی نہ کہیں جس سے شیطان کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔ (تفسیر مظہری)

قتل وقتال کے ذریعہ کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جا سکتا ہے اس لئے اس کی اجازت ہے، گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عمر بن خطابؓ کے ایک واقعہ میں نازل ہوئی جس کی صورت یہ تھی کہ کسی شخص نے حضرت فاروق اعظمؓ کو گالی دی اس کے جواب میں انہوں نے بھی اس کو سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس کے نتیجہ میں خطرہ پیدا ہو گیا کہ دو قبیلوں میں جنگ چھڑ جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور قرطبی کی تحقیق یہ ہے کہ اس آیت میں مسلمانوں کو آپس میں خطاب کرنے کے متعلق ہے کہ باہم اختلاف کے وقت سخت کلامی نہ کیا کریں کہ اس کے ذریعہ شیطان ان کے آپس میں جنگ وفساد پیدا کر دیتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جتنے افراد بھی کفر ومعصیت کی حمایت کیلئے لڑنے کو چلتے ہیں وہ سوار اور پیادے سب شیطان ہی کا سوار اور پیادہ

لشکر ہے رہا یہ معاملہ کہ شیطان کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ اولاد آدم کو بہکا کر گمراہ کرنے پر قادر ہو جائے گا جس کی بناء پر اس نے یہ دعویٰ کیا تو ممکن ہے کہ انسان کے اجزاء ترکیبی کو دیکھ کر اس نے یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے اندر نفسانی خواہشات کا غلبہ ہوگا اس لئے بہکائے میں آجانا دشوار نہیں اور اس میں بھی کچھ بعد نہیں کہ یہ دعویٰ بھی محض جھوٹ ہی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن جریج نے کہا یہ آیت الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کی تشریح ہے (یعنی کلمہ احسن ربکم اعلم بکم الخ ہے) درمیانی کلام بطور جملہ معترضہ کے ہے مطلب یہ ہے کہ کافروں سے تم یہ بات کہو کہ تمہارا رب تمہارے احوال سے بخوبی واقف ہے الخ تم ان سے گالی گلوچ نہ کرو اور جاہلانہ جواب نہ دو اور صراحۃً ان کو دوزخی نہ کہو اس سے شر بڑھے گا پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ جو اس وقت کافر ہیں ان کا خاتمہ کس حالت پر ہوگا (ممکن ہے وہ ایمان لے آئیں اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو) خاتمہ کا علم تو صرف اللہ کو ہے کلبی نے کہا یہ خطاب اللہ کی طرف سے مومنوں کو ہے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ چاہے گا تو مکہ والوں کے پنجہ سے تم کو بچالے گا اور چاہے گا تو ان کے ہاتھوں سے تم کو دکھ پہنچوائے گا، اور ان کو تم پر قابو دے دے گا۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۚ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ

تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کو اگر چاہے تم پر رحم کرے

اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۚ

اور اگر چاہے تم کو عذاب دے ☆

یعنی رحم کرے ایمان کی توفیق دے کر، یا عذاب دے حالت کفر پر مار کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۵۴

اور تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر ذمہ لینے والا ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "مذاکرہ میں حق والا جھنجھلانے لگتا ہے کہ دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا، سو فرمادیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے راہ سجھائے۔" (تفسیر عثمانی)

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ

اور تیرا رب خوب جانتا ہے ان کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں

وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى

اور ہم نے افضل کیا ہے بعضے پیغمبروں کو

بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝۵۵

بعضوں سے اور دی ہم نے داؤد کو زبور ☆

اللہ اپنے علم کے مطابق معاملہ کرتے ہیں:

یعنی ہم اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں۔ جس کو مناسب جانا آدمیوں میں سے پیغمبر بنایا۔ پھر جس پیغمبر کو چاہا دوسرے پیغمبروں پر کلی یا جزئی فضیلت عنایت کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی بعضے نبی تھے کہ (امت کی حد سے زیادہ شرارتوں پر آخر کار) جھنجھلا گئے۔ آپ کا حوصلہ ان سے زیادہ رکھا ہے (اور سب پر فضیلت دی ہے، لہٰذا آپ کی خوش اخلاقی اپنے مرتبہ عالی کے موافق ہونی چاہیے) اور خصوصیت سے داؤد علیہ السلام کا ذکر کیا۔ کیونکہ دونوں چیزیں رکھتے تھے۔ جہاد بھی اور زبور بھی، سمجھانے کو (وفی الحدیث كَانَ لَايَفِرُّ اِذَالَاقٰى) وہ ہی دونوں باتیں یہاں بھی ہیں۔ قرآن اور جہاد۔ بعض نے کہا کہ یہاں "زبور" کا ذکر کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کلیہ اور امت محمدیہ کے فضل وشرف کی طرف اشارہ فرمادیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء اور اس امت کے اشرف الامم ہونے پر زبور شریف کے مضامین مشتمل تھے۔ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ" (الانبیاء رکوع ۷) یعنی محمد اصلی اللہ علیہ وسلم وامتہ المرحومہ۔ (تفسیر عثمانی)

امام بغویؒ نے اپنی تفسیر میں اس جگہ لکھا ہے کہ زبور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی اس میں ایک سو پچاس سورتیں ہیں اور تمام سورتیں صرف دعاء اور حمد وثناء پر مشتمل ہیں ان میں حلال وحرام اور فرائض وحدود کا بیان نہیں ہے۔

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست ۔ دگر خون بفتوی بریزی رواست

(تفسیر معارف القرآن مفتی اعظم)

برتری کا مدار:

مذکورہ بالا آیات میں اللہ نے اس کی تردید کردی اور فرمادیا کہ بعض انبیاء کو بعض پر ہم نے برتری عطا کی تھی یعنی اخلاقی بلندی نفسانی بزرگی، جسمانی آلودگیوں سے پاکی، وہبی علوم عموی ہدایت اور مراتب قرب کے لحاظ سے ایک کو دوسرے سے اونچا کیا تھا، مال اولاد کی کثرت وجہ برتری نہ تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء سے برگزیدہ بنایا آپ پر نبوت کو ختم کر دیا آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا کیونکہ زبور میں صراحت فرمادی تھی کہ میری زمین کے وارث اصحاب اصلاح ہوں گے اور امت محمدیہ کو زمین کا وارث بنایا معلوم ہوا کہ یہ امت سب امتوں سے برتری رکھتی ہے رسول اللہ کو قرآن مجید عطا کیا جو حجم میں اگرچہ کم ہے مگر علم وافادیت واعجاز میں سب سے زائد

ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری درجہ قرب پر پہنچا اور اس قرب کو آیت دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی میں ظاہر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وہی جانتا ہے کہ کون نبوت اور ولایت کے قابل ہے کس کی تخلیق سعادت پر ہوئی اور کون پیدائشی شقی ہے۔

قریش کے بیہودہ خیالات کی تردید:

قریش اعتراض کرتے تھے کہ ابو طالب کا یتیم نبی کیسے ہوسکتا ہے اور بلال وصہیب جیسے محتاج لوگ اللہ کے ولی اور جنتی کس طرح ہو سکتے ہیں اور بڑے بڑے شرفاء مکہ دوزخی کیسے بن سکتے ہیں اس آیت میں ان بیہودہ خیالات کی تردید کر دی گئی (کہ اہلیت اور صلاحیت سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں، دولت اور ظاہری عزت معیار قابلیت نہیں، فطری جوہر قابل کس کو دیا گیا ہے اور کون اس سے محروم ہے اس سے اللہ ہی واقف ہے۔ (تفسیر مظہری)

مختلف پیغمبروں کی خصوصیات:

اس آیت کی تفسیر میں ذیل میں قتادہ نے کہا اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا موسیٰ سے کلام کیا، عیسیٰ کی پیدائش (بغیر باپ کے) صرف لفظ کُن سے کی (حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں جب عیسیٰؑ گہوارے کے اندر شیر خوارگی کی حالت میں تھے اس وقت ان سے کلام کیا اور ان سے فصیح زبان میں بات کروائی اور ان کو کتاب وحکمت عطا فرمائی اور توریت وانجیل کا علم مرحمت فرمایا اور روح القدس کو (ہر وقت ان کی امداد پر مامور فرمایا (قتادہ نے کہا) اور سلیمان کو ایسی حکومت عنایت کی جو آپ کے بعد کسی کو ملنا مناسب نہیں یعنی جن وانس کو ان کا تابع حکم بنا دیا اور شیطانوں کو سلیمان کے حکم سے زنجیروں میں مقید کرا دیا اور داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا
کہہ پکارو جن کو تم سمجھتے ہو سوائے اس کے سو وہ
یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ۝
اختیار نہیں رکھتے کہ کھول دیں تکلیف کو تم سے اور نہ بدل دیں ☆

باطل معبود بے اختیار ہیں:

یعنی خدا تو وہ ہے کہ جس کو چاہے عذاب دے جس پر چاہے مہربانی فرمائے، جس کو جس قدر چاہے دوسروں پر فضیلت عطا کرے اس کی قدرت کامل اور علم محیط ہو۔ اب ذرا مشرکین ان ہستیوں کو پکاریں جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا یا بنا رکھا ہے۔ کیا ان میں ایک بھی ایسا مستقل اختیار رکھتا ہے کہ ذرا سی تکلیف کو تم سے دور کر سکے یا ہلکی کر دے یا تم سے اٹھا کر کسی دوسرے پر ڈال دے۔ پھر ایسی ضعیف وعاجز مخلوق کو معبود ٹھہرا لینا کیسے روا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کرتے تھے جب وہ جن مسلمان ہو گئے، تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ
وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں وہ خود ڈھونڈتے ہیں
اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ
اپنے رب تک وسیلہ کہ کونسا بندہ بہت نزدیک ہے ☆

شانِ نزول:

بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جاہلیت میں جنات کی عبادت کرتے تھے۔ وہ جن مسلمان ہو گئے اور یہ پوجنے والے اپنی جہالت پر قائم رہے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان کے معبود خود اللہ کے قرب کے طالب ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ جن، ملائکہ، مسیح وعزیر وغیرہ کے پوجنے والے سب اس میں شامل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جن ہستیوں کو تم معبود ومستعان سمجھ کر پکارتے ہو، وہ خود اپنے رب کا بیش از بیش قرب تلاش کرتے ہیں۔ ان کی دوادوش صرف اس لئے ہے کہ خدا کی نزدیکی حاصل کرنے میں کون آگے نکلتا ہے۔ ان میں جو زیادہ مقرب ہیں وہ ہی زیادہ قرب الٰہی کے طالب رہتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی سب سے زیادہ مقرب بندہ کی دعا وغیرہ کو حصول قرب کا وسیلہ بنائیں۔ پس جب تمہارے تجویز کئے ہوئے معبودوں کا خدا کے سامنے یہ حال ہے تو اپنے تئیں خود فیصلہ کر لو کہ خدا تعالیٰ کو خوش رکھنا کہاں تک ضروری ہے۔ غیر اللہ کی پرستش سے نہ خدا خوش ہوتا ہے نہ وہ جنہیں تم خوش رکھنا چاہتے ہو۔

(تنبیہ) ''توسل'' اور ''تعبد'' میں فرق ظاہر ہے۔ پھر توسل بھی اسی حد تک مشروع ہے جہاں تک شریعت نے اجازت دی۔ (تفسیر عثمانی)

اَیُّهُمْ اَقْرَبُ ان کا جو ان میں سب سے زیادہ قرب (خداوندی) رکھتے ہوں۔ یعنی ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ خود بھی وسیلہ کے طلبگار ہیں قربت نہ رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے (زجاج) بعض اہل تفسیر نے اس طرح مطلب کیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو طلب کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کا مقرب ہوتا ہے اس کا وسیلہ پکڑتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرب الی اللہ ہونے کی بڑی شدت سے خواہش رکھتے ہیں یعنی کثرت طاعت کے سبب اللہ کے مقرب ترین بندے ہو جانا چاہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

یہ کفار جن بزرگانِ دین اور مقبولانِ خداوندی کو اپنا حاجب روا سمجھ کر

پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تا کہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی اس کے اقتداء اور اتباع کو اور اس کی دعاء کو حصول قرب خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی ص۹۴ جلد۱۵)

قرب الٰہی کا وسیلہ پیغمبر ہے:

حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی سے شفاعت ہوگی۔ (موضح القرآن)

اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے نجات نہیں۔

خلاف پیمبر کسے راہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اور قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے وسیلہ سے اہل محشر کو انتظار کی تکلیف سے رہائی ہوگی۔ (معارف کاندھلوی)

وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ

اور امید رکھتے ہیں اس کی مہربانی کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے

یعنی باوجود غایت قرب کے انکی امیدیں محض حق تعالیٰ کی مہربانی سے وابستہ ہیں اور اسی کے عذاب سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر قسم کا نفع پہنچانا، یا ضرر کو روکنا ایک خدا کے قبضہ میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ آپ کے رب کا عذاب حقیقت میں ہے ہی ڈرنے کی چیز یعنی ایسا خوفناک ہے کہ اس سے فرشتوں اور پیغمبروں کو بھی ڈرنا چاہیے۔

بیضاوی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے اور مسیح اور عزیر ان میں سے کوئی بھی تمہارا دکھ دور نہیں کر سکتا، یہ تو خود اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کیلئے وسیلہ کے خواستگار ہیں۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا، عیسیٰ ان کی والدہ، عزیر، ملائکہ، چاند، سورج اور ستارے سب اپنے رب کی جانب وسیلہ کے طلبگار ہیں، اس کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں (پھر ان کو کارساز معبود کس طرح بناتے ہو) بغوی نے لکھا ہے، ایک بار مشرک سخت کال میں مبتلا ہوئے، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مردار تک کھا گئے، مجبور ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کرنے کی درخواست کی اس پر آیت قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ

اور کوئی بستی نہیں جس کو ہم خراب نہ کردیں گے

يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۗ

قیامت سے پہلے یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت☆

اللہ کی پکڑ سے کوئی باہر نہیں:

اس آیت کا مطلب کئی طرح لیا جاسکتا ہے (الف) دنیا کی ہر ایک بستی کو عظیم الشان گناہوں کی پاداش میں قیامت سے پہلے پہلے عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ و خراب کردیا جائے گا، یا اگر گناہ انتہائی درجہ کے نہ ہونگے تو درجہ دوم کے جرائم کی سزا میں عام ہلاکت سے کم کوئی سخت آفت اس بستی پر نازل کی جائیگی۔ باقی ایسی بستی کہاں ہے جو ازل سے ابد تک نہ گناہ کرے نہ کسی آفت میں پھنسے (ب) قیامت سے پیشتر ضروری ہے کہ ہر ایک بستی طبعی موت بھیج کر ویران کی جائے یا کسی سخت آفت و بلا میں مبتلا ہو۔ طبعی موت پر جو تعذیب کے رنگ سے خالی ہو، لفظ "ہلاک" کا اطلاق قرآن و حدیث سے ثابت ہے " حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا " (المومن رکوع ۴) و فی الحدیث کلما ھلک نبیٌ جاء نبیٌ اٰخر (ج) کفار کی ہر ایک بستی یا قیامت سے پہلے اپنے سنگین جرائم کی پاداش میں نابود و تباہ کردی جائیگی یا کسی نہ کسی وقت (یعنی قیامت سے پہلے یا بعد) سخت عذاب کا مزہ چکھے گی۔ بہرحال کوئی معنی لئے جائیں، مقصود اس آیت سے تحذیر ہے۔ گویا پہلے جو فرمایا تھا " اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا " اس کے وقوع کی خبر دی گئی۔

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

یہ ہے کتاب میں لکھا گیا☆

حتمی فیصلہ: یعنی یہ فیصلہ بالکل حتمی اور اٹل اور ہے جو علم الٰہی میں طے ہو چکا اور لوح محفوظ میں لکھا گیا۔ کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ہر شہر کے لوگ ایک بزرگ کو پوجتے ہیں کہ ہم اسکی رعیت ہیں اور اسکی پناہ میں ہیں، سو وقت آنے پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ " (تفسیر عثمانی)

زناء اور سود کی ہلاکت:

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، جب کسی بستی میں زنا اور سود پھیل جاتا ہے (یا علی

الاعلان لوگ زنا کرتے اور سود کھاتے ہیں) تو اللہ اس بستی کو تباہ کرنے کا حکم دیدیتا ہے۔

كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا کتاب میں یہی لکھا ہوا ہے الکتاب سے مراد ہے لوح محفوظ۔ حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا سب سے اول جس کو پیدا کیا وہ قلم تھا پھر اس سے فرمایا لکھ قلم نے کہا کیا لکھوں فرمایا تقدیر کو لکھ حسب الحکم قلم نے ہر اس چیز کو لکھا جو ہو چکی ہے یا ابد تک ہونے والی ہے۔ رواہ الترمذی، ترمذی نے اس حدیث کی سند کو غریب کہا ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

طبرانی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن زبیر کے حوالہ سے ایک حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ اس طرح نقل کی ہے کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ کوہ صفا کو سونے کا کر دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تا کہ (میدانی زمین نکل آئے اور) ہم اس میں کھیتی کریں، اللہ نے اپنے پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ اگر آپ چاہیں تو ان کا سوال پورا کردوں، لیکن سوال پورا کرنے کے بعد اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو میں ان کو اسی طرح تباہ کردوں گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو تباہ کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا نہیں، تو ان کو ڈھیل دے (درخواست پوری نہ کر) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ذیل نازل فرمائیں) (تفسیر مظہری)

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ
اور ہم نے اس لیے موقوف کیں نشانیاں بھیجنی کہ
كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ
اگلوں نے ان کو جھٹلایا

حدیث میں ہے کہ اہلِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند نشانیاں طلب کیں مثلاً یہ کہ "کوہ صفا کو سونا بنا دیجئے یا پہاڑوں کو ہمارے گرد و پیش سے ہٹا کر زراعت کے قابل زمین ہموار کر دیجئے۔ وغیرہ ذالک۔ ایسا کرو تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ان نشانات کے بعد اگر نہ مانا تو ہلاکت آئے گی:

یعنی ایسے فرمائشی نشان دکھلانا خدا تعالیٰ کو کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن پہلے لوگوں کو ان کی فرمائش کے مطابق نشان دکھلائے گئے تب بھی نہ مانے۔ بلکہ سرکشی میں اور ترقی کر گئے۔ آخر سنۃ اللہ کے موافق اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل نیست و نابود کر دیے گئے۔ اب اگر تمہاری سب فرمائشیں پوری کر دی جائیں۔ اور خدا کے علم میں ہے بلکہ تمہارے احوال سے بھی ظاہر ہے کہ تم پھر بھی ماننے والے نہیں، تو سنۃ اللہ کے موافق اس کا نتیجہ وہی استیصال واہلاک کلی ہونا چاہئے جو اس امت کے حق میں خلاف مصلحت وحکمت ہے۔ خدا تعالیٰ کا ارادہ اس آخری امت کی نسبت یہ نہیں کہ گذشتہ اقوام وامم کی طرح عذاب مستاصل بھیج کر بالکلیہ تباہ کی جائے۔ پہلی امتوں کو فرمائشی نشان دکھلانا اس بناء پر جائز رکھا گیا کہ انکی بالکلیہ تباہی خدا کے نزدیک اس قدر لائق التفات نہ تھی اور آخر میں آنے والی امت کو کچھ نمونے دکھلانے تھے کہ فرمائشی نشان مانگنے والوں کا حشر ایسا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں ان ہی تاریخی نظائر کی طرف اجمالی اشارہ فرمادیا کہ اگر فرمائشی نشان دیکھنے کے بعد تکذیب کی (اور یقیناً کروگے) تو جو حشر پہلوں کا ہوا وہ ہی تمہارا ہوگا۔ لیکن حکمت الٰہیہ مقتضی نہیں کہ تم کو اس طرح تباہ کیا جائے۔ لہٰذا فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

زلزلہ کے ذریعہ تنبیہ:

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں کوفہ میں زلزلہ آیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم اس کی جانب جھکو۔ تمہیں فوراً اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدینہ شریف میں کئی بار جھٹکے محسوس ہوئے تو آپ نے فرمایا، واللہ تم نے ضرور کوئی نئی بات کی ہے، دیکھو، اگر اب ایسا ہوا تو میں تمہیں سخت سزائیں کروں گا۔

سورج وچاند گہن کی تنبیہ:

متفق علیہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، سورج چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، یہ کسی کی موت و حیات سے گہن میں نہیں آتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے اپنے بندوں کو خوف زدہ کر دیتا ہے، جب تم یہ دیکھو تو ذکر اللہ دعا اور استغفار کی طرف جھک پڑو۔ اے امت محمد! واللہ خدا سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں کہ اس کے لونڈی غلام زنا کاری کریں، اے امت محمد! واللہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔

وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً
اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی ان کے سمجھانے کو
فَظَلَمُوْا بِهَا
پھر ظلم کیا اس پر

قوم ثمود سے عبرت پکڑو:

قوم "ثمود" نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ پہاڑ کی فلاں چٹان میں سے اونٹنی نکال دیجئے۔ خدا نے نکال دی۔ مگر بجائے اس کے کہ ایسا فرمائشی معجزہ دیکھ کر آنکھیں کھلتیں اور قلبی بصیرت حاصل ہوتی الٹے ظلم

عداوت پر کمربستہ ہوگئے۔ چنانچہ اونٹنی کو مار ڈالا اور حضرت صالح کے قتل کے منصوبے باندھنے لگے۔ آخر جو انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے کہنے کی ضرورت نہیں یہ "اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ" کا ایک نمونہ پیش کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿۵۹﴾
اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو

نشانات بھیجنے کا مقصد:

یعنی ہدایت نشانیاں دیکھنے پر موقوف نہیں۔ غیر معمولی نشانات بھیجنے سے تو مقصود یہ ہے کہ قدرت قاہرہ کو دیکھ کر لوگ خدا سے ڈریں اور ڈر کر اس کی طرف جھکیں۔ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو اور فی الحال اس قوم کو تباہ کرنا بھی مصلحت نہیں تو محض فرمائشیں پورا کرنے سے کیا حاصل ہے۔ باقی عام تخویف و انذار کیلئے جن آیات و نشانات کا بھیجنا مصلحت ہے، وہ برابر بھیجے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ
اور جب کہہ دیا ہم نے تجھ سے کہ تیرے رب نے
اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ
گھیر لیا ہے لوگوں کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھبرانے کی ضرورت نہیں:

شاید آپ کو خیال ہوا ہو گا کہ فرمائشی نشان نہ دکھلانے پر کفار کو ہنسنے اور طعن کرنے کا موقع ملے گا کہ اگر سچے پیغمبر ہوتے تو ہماری طلب کے موافق نشان دکھلاتے۔ اس لئے آپ کو مطمئن کیا کہ سب لوگوں کو تیرے رب کے علم و قدرت نے گھیر رکھا ہے نہ کوئی ان کے علم سے باہر ہے، نہ قدرت کے نیچے سے نکل کر جا سکتا ہے سب اس کے قبضہ میں ہیں آپ انکے طعن و تشنیع کی طرف قطعاً التفات نہ کریں۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اپنا کام کئے جایئے اور انکے فیصلوں کو بالکلیہ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ ہم جانتے ہیں کہ فرمائشی نشان دیکھ کر بھی یہ لوگ آپ کی بات ماننے والے نہیں تھے۔ اور اس کے بعد ہماری سزا سے چھوٹ کر نکل بھاگنا بھی ممکن نہ تھا اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کون فی الحال تباہ کر ڈالنے کے لائق ہیں اور کن لوگوں کا باقی رکھنا مصلحت ہے۔ لہٰذا آپ اس جھنجھٹ میں نہ پڑیں، یہ سب ہمارے محاصرہ میں ہیں آخر مسلمان ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ
اور وہ دکھلاوا جو تجھ کو دکھلایا ہم نے

اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
سو جانچنے کو لوگوں کے

واقعہ معراج کے ذریعہ امتحان:

"دکھاوے" سے مراد شب معراج کا نظارہ ہے جس کے بیان سے لوگ جانچے گئے۔ کچھوں نے سن کر مانا اور کچھوں نے جھوٹ جانا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا رؤیا سے مراد ہے رویت، یعنی آنکھوں سے دیکھنا۔ سعید جبیر، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج اور اکثر علماء کا قول بھی یہی ہے۔ عرب کہتے ہیں، رایت بعینی رویۃ و رویا میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رویت اور رویا ہم معنی ہیں بعض علماء کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ معراج ہوئی تھی ایک بار آنکھوں سے دیکھنے کی اور ایک بار دل سے دیکھنے کی۔

ابو یعلی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے اور ابن المنذر نے حسن کی سند کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس رات کو معراج ہوئی تو اس کی صبح کو قریش کے چند آدمیوں کے سامنے معراج کا واقعہ بیان فرمایا، قریش آپ کی ہنسی اڑانے لگے، اور حضور سے سیر معراج کی کوئی نشانی دریافت کی (بیت المقدس کا نقشہ اور اپنے قافلہ کی خبر دریافت کی) آپ نے بیت المقدس کی حالت اور نقشہ بیان کر دیا اور قافلہ کی کیفیت بھی ظاہر کر دی۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے حکم بن عاص کی اولاد کو منبر پر بندروں کی طرح (اچھلتے) دیکھا اور اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ یعنی اس آیت میں جس خواب کا ذکر ہے اس کا تعلق حکم اور اس کی اولاد سے ہے (حکم اس کا بیٹا مروان اس کے بیٹے عبدالملک وغیرہ سارے لوگوں کے لیے فتنہ تھے اور خلافت پر قابض ہو گئے تھے۔ یہ بات رسول اللہ کو دکھائی دی گئی تھی) حضرت سہل بن سعد، یعلی بن مرۃ، حضرت حسین بن علی، حضرت عائشہ اور سعید بن مسیب کی روایت بھی اسی سے ملتی جلتی حدیث آئی ہے...

حضرت امام حسین راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو کچھ غمگین تھے سبب دریافت کرنے پر فرمایا میں نے دیکھا کہ میرے [illegible] گویا بنی امیہ باری باری سے آ رہے ہیں، عرض کیا گیا یا رسول اللہ [illegible] ہوں یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی۔ اس پر آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ نازل ہوئی۔ اس روایت [illegible] فتنہ سے مراد ہو گا بنی امیہ کے دور اقتدار میں بدعات اور فسق و فجور کا پھیل جانا [illegible]

حدیث شیخ ابن جریر نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی بیان کی ہے اس روایت کے بموجب حدیث کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی فلاں (یعنی بنی امیہ) کو خواب میں دیکھا کہ وہ آپ کے منبر پر بندروں کی طرف کودر ہے ہیں (کبھی ایک آتا ہے کبھی دوسرا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب سے دکھ ہوا اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم نے حضرت عمرو بن عاص اور حضرت یعلی بن مرہ کی روایت سے نیز ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں سعید بن مسیب سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (خواب میں) بنی امیہ کو منبر پر دیکھا جس سے آپ کو دکھ ہوا اللہ نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ ان کو تو یہ دیا گیا ہے (یعنی اللہ کا یہی فیصلہ ہے) اس سے آپ کو سکون ہو گیا۔

مذکورہ بالا تمام احادیث ضعیف ہیں۔

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط

اور ایسے ہی وہ درخت جس پر پھٹکار ہے قرآن میں ☆

زقوم کا درخت:

یعنی ''زقوم'' کا درخت جسے قرآن میں فرمایا کہ دوزخ والے کھائیں گے۔ ایمان والے یقین لائے اور منکروں نے کہا کہ آگ میں سبز درخت کیونکر ہوگا؟ یہ بھی جانچنا تھا ان دو مثالوں سے اندازہ کرلو کہ تصدیق خوارق کے باب میں ان کی طبائع کا کیا حال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی بدفہمی:

(۱) ابوجہل نے کہا ابن ابو کبشہ (محمد بن عبداللہ) تم کو ایسی آگ سے ڈراتے ہیں جو پتھروں کو بھی جلا دے گی لیکن خود ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہاں ایک درخت اگے گا (جس کو آگ نہیں جلائے گی) تم لوگ جانتے ہو کہ آگ درخت کو جلا ہی دیتی ہے، اس بے وقوف نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ جو سمندل کی پشت کی کھال کو آگ میں جلنے سے محفوظ رکھتا ہے اور جس نے شتر مرغ کے شکمی اعضاء کو یہ طاقت بخشی ہے کہ وہ لوہے کے تپتے دہکتے ٹکڑے نگل لیتا ہے اور اس کی آنتیں نہیں جلتیں نہ حلق میں سوزش ہوتی ہے کیا وہ دوزخ میں ایسا درخت نہیں پیدا کرسکتا جو آگ سے نہ جلے۔ مفسر مدارک نے لکھا ہے کہ سمندل ترکستان میں ایک چھوٹا سا جانور ہوتا ہے جس کی کھال کے رومال بنائے جاتے ہیں، جب رومال میلے ہوجاتے ہیں تو ان کو آگ میں ڈال دیا جاتا ہے، آگ سے ان کا میل جل کر صاف ہوجاتا ہے اور کھال پر آنچ بھی نہیں آتی، صاحب قاموس نے لکھا ہے سمندل ہندوستان میں ایک پرندہ ہوتا ہے جو آگ میں نہیں جلتا۔

(۲) ابن الزبعری نے کہا تھا محمد ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں اور ہم تو زقوم کا معنی مکھن اور چھوارے ہی جانتے ہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ہم کو معلوم نہیں، یہ سن کر ابوجہل نے لونڈی کو آواز دے کر کہا یا جاریة تعالی زقمینا، اے جاریہ ہمارے لیے زقوم لا باندی فوراً مکھن اور چھوارے لے آئی، ابوجہل بولا، لو گو زقوم کھاؤ، محمد تم کو اسی سے ڈراتے ہیں۔ زقوم کا ذکر اللہ نے سورت الصافات میں کیا ہے۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی نے البعث میں حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زقوم کا ذکر کیا اور قریش کو زقوم سے ڈرایا تو ابوجہل نے قریش سے کہا جس زقوم سے محمد تم کو ڈراتے ہیں وہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، ابوجہل نے کہا یثرب میں عمدہ قسم کی کھجوریں مکھن کے ساتھ کھائی جاتی ہیں اس (مجموعہ) کو زقوم کہا جاتا ہے ہم کو اگر وہ (زقوم) مل جائے تو ہم تو اس کو خوب کھائیں (لنتزقمنها تزقما) اس پر آیت وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ اور آیت اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ نازل ہوئی۔ حقیقت میں ملعون تو زقوم کھانے والا ہوگا۔ بطور مبالغہ آیت میں درخت کی ہی صفت ملعونة ذکر کی ہے کیونکہ یہ درخت جحیم کی جڑ میں ہوگا اور وہ ایسا مقام ہے جہاں پہنچنے والے رحمت خداوندی سے بہت ہی زیادہ دور ہوں گے۔ یوں کہا جائے ملعونة کا معنی ہے، بہت برا ضرر رساں، ناگوار۔ ہر ناگوار، ضرر رساں کھانے کو عرب ملعون کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کے اعتراض کا جواب:

عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں۔ رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہرا اور سرسبز درخت کیونکر اگ سکتا ہے یہ انکی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالی قادر مطلق ہے۔ آگ کا درخت کو نہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں۔ بلاد ترک میں ایک جانور ''سمندل'' ہوتا ہے اس کی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں۔ جب یہ رومال میلے ہوجاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیئے جائیں آگ ان کے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی۔ شتر مرغ آگ کے انگارے نگل جاتا ہے اور اس سے اس کو کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالی کا ارشاد ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا یعنی اللہ تعالی نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لئے سبز درخت سے آگ نکالی تاکہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس سبز درخت سے نکلتی ہے اس سے یہ سبز درخت نہیں جلتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ع

اور ہم ان کو ڈراتے ہیں تو ان کو زیادہ ہوتی ہے بڑی شرارت

مردہ دل گمراہی میں ترقی کرتے ہیں:

یعنی جن کے دل خدا کے خوف سے خالی ہوں، ڈرانے سے ڈریں نہیں بلکہ اس سے زیادہ شرارت میں ترقی کریں ان سے فرمائشی نشان دیکھنے پر قبول حق کی امید رکھنا بے موقع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تخلیق انسانیت:

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا، حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اللہ نے آدم کو پیدا کیا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک مٹھی زمین کی خاک لی، شیریں بھی اور نمکین بھی اس سے آدم کا پتلا بنایا، پس جس کو میٹھی خاک سے بنایا وہ تو خوش نصیب ہو گیا، خواہ اس کے ماں باپ کافر ہوں اور جس کی تخلیق نمکین خاک سے کی وہ بد بخت ہوا خواہ وہ انبیاء زادہ ہو۔ احمد ترمذی، ابوداؤد، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ اللہ نے ایک مٹھی خاک تمام زمین سے لی اس سے آدم کو بنایا۔ پس اولاد آدم زمین کے مطابق ہوئی سرخ سفید، سیاہ یا درمیانی رنگ۔ نرم، سخت، خراب، عمدہ (اخلاق والے) اسی وجہ سے ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے

اِلَّآ اِبۡلِيۡسَؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِيۡنًا ۝

مگر ابلیس بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جس کو تو نے بنایا مٹی کا

فرشتوں کا اور شیطان کا کام:

یہ قصہ کئی جگہ گذر چکا۔ یہاں اس پر متنبہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا بے چون وچرا ماننا فرشتوں کا اور اس میں شبہات نکالنا شیطان کا کام ہے۔ یہ کافر بھی اسی کی چال چل رہے ہیں۔ جو بات بات میں کج بحثیاں کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ان کا انجام بھی وہ ہی ہونے والا ہے جو ان کے امام ابلیس لعین کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَرَءَيۡتَكَ هٰذَا الَّذِىۡ كَرَّمۡتَ عَلَىَّ

کہنے لگا بھلا دیکھ تو یہ شخص جس کو تو نے مجھ سے بڑھادیا

لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَاَحۡتَنِكَنَّ

اگر تو مجھ کو ڈھیل دیوے قیامت کے دن تک تو میں اس کی

ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝

اولاد کو ڈھانٹی دے لوں مگر تھوڑے سے

شیطان کا دعویٰ:

یعنی تھوڑے سے چھوڑ کر باقی سب کو اپنا مسخر کر لوں جیسے گھوڑے کو لگام دے کر قابو کر لیا جاتا ہے، پھر جو میرے سامنے اتنا کمزور ہے اسے مجھ پر فضیلت دینا کس طرح جائز ہوگا؟ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے نسل آدم کو بہکانے پر قادر ہونے کا علم ابلیس کو شاید ملائکہ کے قول سے ہو گیا تھا، ملائکہ نے کہا، اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا یا حضرت آدم کی بناوٹ سے وہ سمجھ گیا ہوگا کہ اس کے اندر قوت غضب و شہوت اور وہم کی پیدائش کر دی گئی ہے (لامحالہ اس کو اغواء کرنا سہل ہے)۔

خاص لوگ:

قلیلا سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے (یعنی انبیاء اور خاص خاص اشخاص) انہی کے متعلق اللہ نے فرمایا تھا۔ اِنَّ عِبَادِىۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ ۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اذۡهَبۡ فَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ فَاِنَّ جَهَنَّمَ

فرمایا جا پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے سو دوزخ ہے

جَزَآؤُكُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ۝

تم سب کی سزا بدلہ پورا

شیطان کو اجازت:

یعنی جا! جتنا زور لگا سکتا ہے لگا لے، یہاں بھی تیرے اور تیرے ساتھیوں کے واسطے جیل خانہ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاسۡتَفۡزِزۡ مَنِ اسۡتَطَعۡتَ مِنۡهُمۡ بِصَوۡتِكَ

اور گھبرا لے ان میں جس کو تو گھبرا سکے اپنی آواز سے

یعنی وہ آواز جو خدا کے عصیان کی طرف بلاتی ہو، مراد اس سے وسوسہ ڈالنا ہے اور مزامیر (باجا گاجا) بھی اس میں داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور ان میں سے جس جس پر تیرا قابو چلے اپنی چیخ پکار سے اس کا قدم اکھاڑ دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھالانا۔ استفز از ابھار دینا پھسلا دینا۔ بے وقوف بنالینا، قاموس میں ہے استفزہ اس کو ابھار دے کر اکھاڑ دیا اور گھر سے نکال دیا۔ بصوتک، حضرت ابن عباس کے نزدیک صوت سے اس جگہ دعوت گناہ مراد ہے۔ جو بھی اللہ کی نافرمانی کی دعوت دے وہ ابلیس کی جماعت میں شامل ہے۔ ازہری نے اِسۡتَفۡزِزۡ بِصَوۡتِكَ سے یہ مراد لی ہے کہ ان کو اپنی طرف بلانا اور اکھاڑ کر اپنی جانب مائل کر لینا۔ مجاہد نے کہا صوت سے مراد ہے گانا بجانا۔ (تفسیر مظہری)

وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ

اور لے آ ان پر اپنے سوار اور پیادے

شیطان اپنی پوری طاقت استعمال کرے:

یعنی ساری طاقت صرف کر ڈال اور پوری قوت سے لشکر کشی کر! خدا کی معصیت میں لڑنے والے سب شیطان کے سوار اور پیادے ہیں۔ جن ہوں یا انس۔ (تفسیر عثمانی)

جلب کی دو ممنوع صورتیں:

صاحبِ نہایہ نے لکھا ہے کہ جلب دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) زکواۃ کا محصل جا کر کسی خاص مقام پر فروکش ہو جائے اور اپنے کارندوں کو جا بجا ہر طرف بھیج دے تا کہ زکواۃ دینے والے خود اپنا مال لا کر جمع کرائیں۔ اس کی شرعاً ممانعت کر دی گئی اور زکواۃ کے تحصیلداروں کو حکم دیا گیا کہ خود لوگوں کے گھروں اور قیامگاہوں پر جا کر زکواۃ کا مال وصول کریں۔

(۲) گھوڑوں کی دوڑ کے موقع پر کوئی شخص اپنے گھوڑے کے پیچھے کسی اور کو لگا دے تا کہ وہ آدمی گھوڑے کو چیخ چیخ کر زور سے تیز دوڑنے پر بھڑکاتا رہے (اور گھوڑا کہیں سست رفتار نہ ہونے پائے) اس کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔

بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ گناہوں کے راستہ پر چلنے والا ابلیس کا لشکری ہے سوار ہو کر چلے یا پیادہ۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا جنات اور انسانوں میں سے کچھ اشخاص ابلیس کے سوار بھی ہیں اور پیادے بھی جو بھی معصیت کے راستہ میں لڑے وہ ابلیس کا لشکری ہے۔ بیضاوی نے آیت کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ اپنی طرف سے اغواء کر کے لوگوں کو بھڑکانا، سوار ہوں یا پیادے۔

بغوی نے لکھا ہے آثار (اقوال صحابہ) میں آیا ہے کہ ابلیس کو جب نکال کر زمین پر بھیج دیا گیا تو ابلیس نے عرض کیا اے میرے رب آدم کی وجہ سے تو نے مجھے جنت سے نکال دیا، اب مجھے اس پر اور اس کی اولاد پر قابو عطا فرما دے (کہ میں جس طرح چاہوں ان کو بے راہ کر دوں) اللہ نے فرمایا تجھے قابو دے دیا گیا۔ ابلیس نے کہا، مجھے تیرے بغیر تو اس کی طاقت نہیں، اللہ نے فرمایا، اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ الخ۔ آدم نے عرض کیا اے میرے رب تو نے ابلیس کو مجھ پر اور میری نسل پر مسلط کر دیا۔ اور تیرے بغیر میں اس سے محفوظ رہنے کی طاقت نہیں رکھتا، اللہ نے فرمایا، تیری جو بھی اولاد ہوگی، میں اس کی حفاظت کے لیے محافظ مقرر کر دوں گا، آدم نے عرض کیا، میں اس کلام کی مزید تفصیل چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا، ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دیا جائے گا، آدم نے عرض کیا اور کیا۔ اللہ نے فرمایا جب تک روح جسم میں رہے گی توبہ (کی قبولیت) سامنے رہے گی۔ (یعنی توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا) آدم نے عرض کیا اور کچھ اللہ نے فرمایا

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

شیطان کا سامان:

بعض روایات میں آیا ہے کہ ابلیس نے عرض کیا اے رب تو نے انبیاء بھیجے اور (ان کے پڑھنے کو) کتابیں نازل کیں، میرے پڑھنے کے لیے کیا (مقرر کیا) ہے، اللہ نے فرمایا شعر، ابلیس نے عرض کیا میری تحریر (رسم خط) کیا ہوگی، فرمایا (اعضاء جسم کو) گودنا (گویا گودنا اور گدوانا شیطانی تحریر اور رسم خط ہے) ابلیس نے کہا میرے پیغامبر کون ہیں؟ فرمایا کاہن، عرض کیا میرے رہنے کا مقام کونسا ہے، فرمایا حمام (جہاں لوگ برہنہ غسل کرتے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں) عرض کیا میرے بیٹھنے کا مقام کہاں ہے، فرمایا بازاروں میں۔ عرض کیا میرا کھانا کیا ہے فرمایا وہ چیز جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ عرض کیا میرے پینے کی چیز کیا ہے، فرمایا ہر نشہ آور چیز، عرض کیا میرا جال کونسا ہے، فرمایا عورتیں، عرض کیا میرا سامان (تفریح) کیا ہے، فرمایا باجا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ

اور ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں

مال و اولاد میں شیطان کا دخل:

یعنی دل میں ارمان نہ رکھ، ان کو ہر طرح ابھار، کہ مال و اولاد میں تیرا حصہ لگائیں، یعنی یہ چیزیں ناجائز طریقہ سے حاصل کریں اور ناجائز کاموں میں صرف کریں۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے جو اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے یہ پڑھ لے اللھم جنبنا الشیطن و جنب الشیطن ما رزقتنا یعنی یا اللہ تو ہمیں شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو ہمیں عطا فرمائے، تو اگر اس میں کوئی بچہ اللہ کی طرف سے ٹھہر جائے گا تو اسے ہرگز ہرگز کبھی بھی شیطان کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

مجاہد اور ضحاک نے کہا اولاد زنا مراد ہے، حسن اور قتادہ نے کہا، اولاد کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنانا مراد ہے (جب کہ یہ مذاہب منسوخ ہو چکے) حضرت ابن عباس کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اولاد کے ناجائز نام رکھنا مراد ہے، جیسے عبدالحارث، عبدالشمس، عبدالعزیٰ، عبدالدار وغیرہ۔

حضرت امام جعفر بن امام زین العابدین نے فرمایا جب انسان بیوی سے قربت کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے ذکر پر بیٹھ جاتا ہے۔ اب اگر وہ شخص بغیر بسم اللہ کہے کام شروع کر دیتا ہے تو اس کے ساتھ شیطان بھی جماع میں مشغول ہو جاتا ہے اور انسان کی طرح عورت کے اندام نہانی میں شیطان بھی

انزال کرتا ہے (اس طرح اولاد کی پیدائش میں شیطان شریک ہو جاتا ہے)
بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ تم میں کچھ لوگ مغرب ہیں، دریافت کیا گیا مغرب کون لوگ ہیں۔ فرمایا، جن (کی پیدائش) میں شیطان شریک ہوتے ہیں۔

وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾
اور وعدے دے ان کو اور کچھ نہیں وعدہ دیتا ان کو شیطان مگر دغا بازی

شیطانی فریب:

یعنی شیطان جو سبز باغ دکھاتا ہے اس سے فریب کھانا احمق کا کام ہے اس کے سب وعدے دغا بازی اور فریب سے ہیں۔ چنانچہ وہ خود اقرار کرے گا ''وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ'' (ابراہیم رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)
وعدہ دلانے سے مراد ہے جھوٹی، غلط امیدیں دلانا مثلاً بتوں کی شفاعت، باپ دادا کی بزرگی پر بھروسہ۔ توبہ میں تاخیر۔ یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ دوزخ اور قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ
وہ جو میرے بندے ہیں ان پر نہیں تیری حکومت
وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾
اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے والا

یعنی جو خدا پر اعتماد و توکل کریں وہ ان کا کام بناتا ہے اور شیطان کے جال سے نکالتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)
پھر فرماتا ہے۔ جا تو انھیں دھوکے کے جھوٹے وعدے دیا کر۔ چنانچہ قیامت کے دن یہ خود کہے گا کہ اللہ کے وعدے تو سب سچے تھے اور میرے وعدے سب غلط تھے۔ پھر فرماتا ہے کہ میرے مومن بندے میری حفاظت میں ہیں میں انھیں شیطان رجیم سے بچاتا رہوں گا۔ خدا کی وکالت اس کی حفاظت اس کی نصرت اس کی تائید بندوں کو کافی ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن اپنے شیطان پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے وہ شخص جو کسی جانور کو لگام چڑھائے ہوئے ہو۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ
تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا میں

یہ خدا کی کارسازی کا ایک نمونہ پیش کیا ہے، جس میں ایک مشرک کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اسکے سوا کوئی کارساز نہیں۔
ع کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

عکرمہ کا مسلمان ہونا:

فتح مکہ کے وقت جب کہ ابو جہل کا لڑکا عکرمہ حبشہ جانے کے ارادے سے بھاگا اور کشتی میں بیٹھ کر چلا۔ اتفاقاً کشتی طوفان میں پھنس گئی باد مخالف کے جھونکے اسے پتے کی طرح ہلانے لگے، اس وقت کشتی میں جتنے کفار تھے سب ایک دوسرے سے کہنے لگے، اس وقت سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی کچھ کام نہیں آنے کا اسی کو پکارو۔ عکرمہ کے دل میں اسی وقت خیال آیا کہ جب تری میں صرف وہی کام کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ خشکی میں بھی وہی کام آسکتا ہے۔ خدایا میں نذر مانتا ہوں کہ تو نے مجھے اس آفت سے بچالیا تو میں سیدھا جا کر محمد کے ہاتھ میں ہاتھ دیدوں گا اور یقیناً وہ مجھ پر مہربانی اور رحم و کرم فرمائیں گے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چنانچہ سمندر سے پار ہوتے ہی وہ سیدھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ پھر تو اسلام کے پہلوان ثابت ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ۭ
تا کہ تلاش کرو اس کا فضل

یعنی روزی۔ روزی کو اکثر قرآن میں ''فضل'' فرمایا ہے۔ ''فضل'' کے معنی زیادہ کے ہیں۔ سو مسلمان کی بندگی ہے آخرت کے واسطے اور دنیا لبھاؤ میں ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي
وہی ہے تم پر مہربان اور جب آتی ہے تم پر آفت
الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ
دریا میں بھول جاتے ہو جن کو پکارا کرتے تھے اللہ کے سوا پھر جب بچا لایا تم کو
اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾
خشکی میں پھر جاتے ہو اور ہے انسان بڑا ناشکر

انسان کی احسان فراموشی:

یعنی مصیبت سے نکلتے ہی محسن حقیقی کو بھول جاتا ہے۔ چند منٹ پہلے دریا کی موجوں میں خدا یاد آرہا تھا۔ کنارہ پر قدم رکھا اور بےفکر ہو کر سب فراموش کر بیٹھا۔ اس سے بڑھ کر ناشکر گذاری کیا ہو گی۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ
سو کیا تم بے ڈر ہو گئے اس سے کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا

يُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوۡا لَكُمۡ

بھیج دے تم پر آندھی پتھر برسانے والی پھر نہ پاؤ اپنا کوئی

وَكِيۡلًا ۝ اَمۡ اَمِنۡتُمۡ اَنۡ يُّعِيۡدَكُمۡ فِيۡهِ

نگہبان یا بے ڈر ہوگئے ہو اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں☆

یعنی کوئی ضرورت کھڑی کردے جس کیلئے ناچار دریائی سفر کرنا پڑے۔ دھنسا دے۔ مثلاً زلزلہ آ جائے اور زمین شق ہو کر قارون کی طرح اس میں دھنس جاؤ۔ خلاصہ یہ کہ ہلاک کرنا کچھ دریا کی موجوں پر موقوف نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَارَةً اُخۡرٰى فَيُرۡسِلَ عَلَيۡكُمۡ قَاصِفًا

دوسری بار پھر بھیجے تم پر ایک سخت جھونکا

مِّنَ الرِّيۡحِ فَيُغۡرِقَكُمۡ بِمَا كَفَرۡتُمۡ ثُمَّ لَا

ہوا کا پھر ڈبا دے تم کو بدلے میں اس ناشکری کے پھر نہ

تَجِدُوۡا لَكُمۡ عَلَيۡنَا بِهٖ تَبِيۡعًا ۝

پاؤ اپنی طرف سے ہم پر اس کا کوئی باز پرس کرنے والا

یعنی خدا سے کون باز پرس کرسکتا ہے یا کس کی مجال ہے کہ پیچھا کر کے اس سے مجرمین کا خونبہا وصول کرے؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ

اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل

وَالۡبَحۡرِ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ

اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھادیا ان کو

عَلٰى كَثِيۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِيۡلًا ۝

بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر

انسانیت کا اعزاز:

یعنی آدمی کو حسن صورت، نطق، تدبیر اور عقل وحواس عنایت فرمائے جن سے دنیوی واخروی مضار ومنافع کو سمجھتا اور اچھے برے میں تفریق کرتا ہے۔ ہر طرف ترقی کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں۔ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر اپنے کام میں لگاتا ہے۔ خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر یا دوسری طرح طرح کی گاڑیوں میں سفر کرتا اور سمندروں کو کشتیوں اور جہازوں کے ذریعہ بے تکلف طے کرتا چلا جاتا ہے۔ قسم قسم کے عمدہ کھانے، کپڑے، مکانات اور دنیوی و آسائش اور رہائش کے سامانوں سے متمتع ہوتا ہے۔ ان ہی آدمیوں کے سب سے پہلے باپ آدم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے مسجود ملائکہ اور انکے آخری پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو کل مخلوقات کا سردار بنایا۔ غرض نوع انسانی کو حق تعالیٰ نے کئی حیثیت سے عزت اور بڑائی دیکر اپنی بہت بڑی مخلوق پر فضیلت دی۔ اوپر کے رکوع میں آدم کی نسبت شیطان کا هٰذَا الَّذِيۡ كَرَّمۡتَ عَلَيَّ کہنا اور ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا۔ پھر بنی آدم کو کشتی کے ذریعہ دریائی سفر طے کرانا مذکور تھا۔ اس آیت کا مضمون مضامین مذکورہ بالا سے صاف طور پر مربوط ہے۔

(تنبیہ) مفسرین نے اس آیت کے تحت میں یہ بحث چھیڑ دی ہے کہ ملائکہ اور بشر میں کون افضل ہے کون مفضول۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ آیت سے اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حنفیہ کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ''رسل بشر'' ''رسل ملائکہ'' سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (باستثنائے رسل بشر کے) باقی تمام فرشتوں اور آدمیوں سے افضل ہیں۔ اور عام فرشتوں کو عام آدمیوں پر فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مؤمن انسان معزز ہے:

آیت مذکورہ بالا میں صرف مومن اس وجہ سے مراد ہیں کہ کافروں کو اللہ نے دوسری مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی کافر تو اللہ کے نزدیک بدترین اور ذلیل ترین مخلوق ہیں، اللہ ان کو شر البریہ (بدترین خلق) قرار دیا ہے۔

ظاہر آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے انسان کو کل مخلوق پر برتری نہیں عطا فرمائی بلکہ کثیر مخلوق سے افضل بنایا ہے۔

اس مضمون کی تائید حضرت جابر کی روایت کردہ مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جب اللہ نے آدم کو اور انکی ذریت کو پیدا کردیا تو فرشتوں نے عرض کیا اے رب تو نے ان کو پیدا کردیا (اس طرح اور ان طاقتوں کے ساتھ کہ) وہ کھائیں گے پئیں گے عورتوں سے صنفی قربت کریں گے اور سواریوں پر سوار ہوں گے، پس ان کے لیے تو دنیا (کے عیش) کردے اور ہمارے لیے آخرت خاص کردے۔ اللہ نے فرمایا جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کے اندر اپنی روح کا کچھ حصہ پھونکا، اس کو میں اس مخلوق کی طرح نہیں کروں گا جس کو (پیدا کرنے کے لیے) میں نے کن کہا اور وہ ہوگئی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

انسانی برتری کے بے شمار پہلو:

نطق وگویائی اور افہام وتفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں اشارات کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں کو بتلادینا۔ تحریر اور خط کے ذریعہ دل کی بات دوسروں تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی دوسروں

تک پہنچانا یہ سب انسان ہی کی امتیازات ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ہاتھ کی انگلیوں سے کھانا بھی انسان کی صفت مخصوصہ ہے اسکے سوا تمام جانور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اپنے کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ اور مفید بنانے کا کام بھی انسان ہی کرتا ہے باقی سب جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں کوئی کچا گوشت کھاتا ہے کوئی گھاس کوئی پھل وغیرہ بہرحال سب مفردات کھاتے ہیں انسان ہی اپنی غذا کے لئے ان سب چیزوں کے مرکبات تیار کرتا ہے اور سب سے بڑی فضیلت عقل وشعور کی ہے جس سے وہ اپنے خالق اور مالک کو پہچانے اور اسکی مرضی اور نامرضی کو معلوم کر کے مرضیات کا اتباع کرے نامرضیات سے پرہیز کرے اور عقل وشعور کے اعتبار سے مخلوقات کی تقسیم اسطرح ہے کہ عام جانوروں میں شہوات اور خواہشات ہیں عقل وشعور نہیں، فرشتوں میں عقل وشعور ہے شہوات وخواہشات نہیں۔ انسان میں یہ دونوں چیزیں جمع ہیں۔ عقل وشعور بھی ہے شہوات وخواہشات بھی ہیں اسی وجہ سے جب وہ شہوات وخواہشات کو عقل وشعور کے ذریعہ مغلوب کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدہ چیزوں سے اپنے آپکو بچالیتا ہے تو اس کا مقام بہت سے فرشتوں سے بھی اونچا ہو جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے بنی آدم کو مختلف حیثیات سے ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جو دوسری مخلوقات میں نہیں۔ مثلاً حسن صورت، اعتدال جسم، اعتدال مزاج، اعتدال قد وقامت جو انسان کو عطا ہوا ہے کسی دوسرے حیوان میں نہیں اس کے علاوہ عقل وشعور میں اس کو خاص امتیاز بخشا گیا ہے جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات علویہ اور سفلیہ سے اپنے کام نکالتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی قدرت بخشی ہیں کہ مخلوقات الہیہ سے ایسے مرکبات اور مصنوعات تیار کرے جو اس کے رہنے سہنے اور نقل وحرکت اور طعام ولباس میں اس کے مختلف کام آئیں۔ (معارف القرآن اعظم)

جنوں اور فرشتوں سے انسان کا تقابل:

دوسری بات کہ اولاد آدم کو اکثر مخلوقات پر فضیلت دینے کا کیا مطلب ہے اس میں تو کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں کہ دنیا کی تمام مخلوقات علویہ اور سفلیہ اور تمام جانوروں پر اولاد آدم کو فضیلت حاصل ہے اسی طرح جنات جو عقل وشعور میں انسان ہی کی طرح ہیں ان پر بھی انسان کا افضل ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اب صرف معاملہ فرشتوں کا رہ جاتا ہے کہ انسان اور فرشتہ میں کون افضل ہے اس میں تحقیقی بات یہ ہے کہ انسان میں عام مومنین صالحین جیسے اولیاء اللہ وہ عام فرشتوں سے افضل ہیں مگر خواص ملائکہ جیسے جبرئیل میکائیل وغیرہ ان عام صالحین سے افضل ہیں اور خواص مومنین جیسے انبیاء علیہم السلام وہ خواص ملائکہ سے بھی افضل ہیں باقی رہے کفار وفجار انسان وہ ظاہر ہے کہ فرشتوں سے تو کیا افضل ہوتے وہ تو جانوروں سے بھی اصل مقصد فلاح ونجاح میں افضل نہیں ان کے متعلق تو قرآن کا فیصلہ یہ ہے، أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ یعنی یہ تو چوپایہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

تحقیقی فیصلہ:

عام مومنین یعنی صالح مومن جو اللہ کے ولی ہیں عام ملائکہ سے افضل ہیں اور جو مومن گنہگار ہیں اولیاء نہیں ہیں تو گناہوں سے پاک صاف ہو جانے کے بعد عام فرشتوں سے افضل بنا دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ گناہوں سے صفائی (توبہ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور بغیر توبہ کے) مغفرت کے ذریعے سے بھی اور بقدر گناہ سزا پا جانے کے بعد بھی ہوتی ہے بہرحال صفائی کے بعد ان کو بھی اولیاء کے ساتھ شامل کر دیا جائے گا اور جنت میں ان کا داخلہ ہو جائے گا، اس طرح ان کو بھی عام فرشتوں سے برتری حاصل ہو جائے گی، رہے خاص مومن یعنی انبیاء تو وہ تمام خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔

اہل سنت کے عقائد کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاص خاص انسان ہر فرشتے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ خاص ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔ ملائکہ پر مومنوں کی برتری کا سبب یہ ہے کہ بہائم میں شہوت (یعنی جذبہ) ہے عقل (یعنی حواس سے بالاتر فہم کی طاقت) نہیں ہے اور ملائکہ میں عقل ہے شہوت نہیں ہے ان کی سرشت ہی طاعت پر ہوئی ہے (کوئی داعی معصیت ان کے اندر موجود ہی نہیں ہے) اور انسان کے اندر عقل بھی ہے اور شہوت بھی اب جو عقل سے راہ راست اختیار کرتا اور فرماں بردار بن جاتا ہے اور شہوت کا عقل سے مقابلہ کرتا ہے وہ حقیقت میں راہ خدا کا مجاہد ہے (داعی معصیت اس کے اندر موجود ہے اور عقل محافظ بھی ہے وہ عقل سے کام لیتا ہے اور دعوت معصیت کو رد کر دیتا ہے یہ مجاہدہ ہے) اور مجاہدین کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

(تفسیر مظہری)

انسانی برتری کے دو پہلو:

(۱) انسان کو جو عزت اور کرامت عطا فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی اور دوسری کرامت روحانی کرامت جسمانی تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مومن کافر سب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا خمیر تیار کیا اور خود دست قدرت اس کو بنایا۔

(۲) اور احسن تقویم میں اس کو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوب صورت اس کو بنایا

(۳) اور معتدل القامت اس کو بنایا۔

(۴) پکڑنے ... جانے کے لئے انگلیاں بنائیں۔

(۵) اور چلنے کو پیر بنائے
(۶) اور مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت بخشی
(۷) اور عقل اور تمیز دی
(۸) اور بولنے کے لئے زبان عطا کی
(۹) اور قلم سے اس کو لکھنا سکھایا
(۱۰) اور اسباب معیشت میں اس کی راہنمائی کی۔

(معارف القرآن کاندھلوی)

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ
جس دن ہم بلائیں گے ہر فرقہ کو ان کے سرداروں کے ساتھ سو جس کو
أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ
ملا اس کا اعمالنامہ اس کے داہنے ہاتھ میں سو وہ لوگ پڑھیں گے اپنا لکھا

انسان کے اعزاز کو کہاں تک برقرار رکھا:

یہاں یہ بتلانا ہے کہ دنیا میں فطری حیثیت سے انسان کو جو عزت وفضیلت بخشی تھی اس نے کہاں تک قائم رکھی اور کتنے ہیں جنہوں نے انسانی عزوشرف کو خاک میں ملا دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر فرقہ اس چیز کی معیت میں حاضر ہوگا جس کی پیروی اور اتباع کرتا تھا۔ مثلاً مومنین کے نبی، کتاب، دینی پیشوا، یا کفار کے مذہبی سردار، بڑے شیطان اور جھوٹے معبود جنہیں فرمایا ہے "وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ" (القصص رکوع ۴) اور حدیث میں ہے "لتتبع کل امة ما کانت تعبد" الخ اس وقت تمام آدمیوں کے اعمالنامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے۔ کسی کا اعمالنامہ سامنے سادا ہنے ہاتھ میں اور کسی کا پیچھے سے بائیں ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ گویا یہ ایک حسی علامت ان کے مقبول یا مردود ہونے کی سمجھی جائے گی۔ "اصحاب یمین" (داہنے ہاتھ میں اعمالنامہ پکڑنے والے) وہ ہونگے جنہوں نے دنیا میں حق کو قبول کر کے اپنی فطری شرافت اور انسانی کرامت کو باقی رکھا۔ جس طرح دنیا میں انہوں نے دیکھ بھال کر اور سوچ سمجھ کام کئے، آخرت میں ان کی وہ احتیاط کام آئی۔ اس دن وہ خوشی سے پھولے نہ سمائیں گے، بڑے مسرور انبساط سے اپنا اعمالنامہ پڑھیں گے، اور دوسروں کو کہیں گے هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ (الحاقہ رکوع ۱) کہ آ ؤ میری کتاب پڑھ لو۔ باقی دوسرے لوگ یعنی "اصحاب شمال" ان کا کچھ حال اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے (بعض نے لفظ "امام" سے خود اعمالنامہ مراد لیا ہے کیونکہ وہاں لوگ اس کے پیچھے چلیں گے) (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾
اور ظلم نہ ہوگا ان پر ایک تاگے کا

ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا:

یعنی کھجور کی گٹھلی کے درمیان جو ایک باریک دھاگا سا ہوتا ہے، اتنا ظلم بھی وہاں نہ ہوگا۔ ہر ایک کی محنت کا پورا بلکہ پورے سے بھی زیادہ پھل ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

امام کے ساتھ طلبی ہوگی:

ابن مردویہ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، ہر امت کو ان کے امام اور ان کے رب کی کتاب کے ساتھ طلب کیا جائے گا۔
اللہ نے فرمایا ہے وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ یعنی فی کتاب مبین۔ بعض کے نزدیک امام سے مراد وہ طاقتیں ہیں جو انسان کو غلط یا صحیح عقائد واعمال پر آمادہ کرتی ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا امام ام کی جمع ہے۔

ماؤں کے نام سے پکارا جائے گا:

جیسے خفاف خف کی یعنی ماؤں کے ناموں کے ساتھ لوگوں کو پکارا جائے گا، اس میں حضرت عیسیٰؑ کا اکرام واعزاز اور حضرت امام حسن وحضرت امام حسین کی عظمت کا اظہار مقصود ہوگا اور یہ مصلحت بھی ہوگی کہ اولاد زنا رسوا نہ ہونے پائے۔ بامامهم کا مطلب یہ ہے کہ جس نبی یا کتاب یا قائد خیر وشر کی پیروی کی ہوگی، اس کے ساتھ پیروی کرنے والے ہوں گے یا اپنے اپنے اعمالنامے اور صحیفے ہاتھوں میں اٹھائے ہونگے یا یہ مطلب ہے کہ امام کے نام کے ساتھ ان کو پکارا جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے گا، اے فلاں شخص کی امت اے فلاں شخص کی پیروی کرنے والو، اے فلاں مذہب والو، اے فلاں کتاب والو، اے فلاں فلاں اعمال والو، اے مریم کے بیٹے، اے فاطمہ کے بیٹے وغیرہ۔

جن لوگوں کے بائیں ہاتھ میں یا پشت کے پیچھے سے اعمالنامے دیئے جائیں گے (ان کی حالت کچھ اور ہوگی) وہ جب اپنے اعمالنامے پڑھیں گے تو شرمندگی اور حیرت ان پر چھا جائے گی، اتنی کہ زبانوں کو گنگ کر دے گی اور وہ (صحیح جواب دینے کے بجائے) کہیں گے کاش یہ کتاب مجھ کو نہ دی گئی ہوتی، کافروں کا تذکرہ اس آیت میں نہیں، نہ ان کے اعمالنامے دینے کا بیان ہے کیونکہ اگلی آیت خود کافروں کی حالت کا اظہار کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ قال یدعیٰ احدھم معطی کتابہ بیمینہ
(الحدیث بطولہ)

آیت يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ کی تفسیر میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی متعین ہوگیا کہ امام بمعنے کتاب ہے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے اسی لئے خلاصہ تفسیر از بیان القرآن میں اس کا ترجمہ نامہ اعمال سے کردیا گیا ہے۔

اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور مجاہد وغیرہ مفسرین سے یہاں لفظ امام کے معنی مقتدا اور پیشوا کے بھی منقول ہیں کہ ہر شخص کو اس کے مقتدا و پیشوا کا نام لے کر پکارا جائے خواہ وہ مقتدا و پیشوا انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائب مشائخ و علماء ہوں یا گمراہی اور معصیت کی طرف دعوت دینے والے پیشوا۔ (قرطبی)

نامہ اعمال کیسے ملے گا:

اور قرآن کریم میں نامہ اعمال داہنے یا بائیں ہاتھ میں دیئے جانے کی کیفیت مذکور نہیں لیکن بعض احادیث میں تطائر الکتب کا لفظ آیا ہے ورواہ احمد عن عائشہؓ مرفوعاً اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ سب نامہ اعمال عرش کے نیچے جمع ہوں گے پھر ایک ہوا چلے گی جو سب کو اڑا کر لوگوں کے ہاتھ میں پہنچادے گی کسی کے داہنے ہاتھ میں کسی کے بائیں ہاتھ میں (اخرجہ العقیلی عن انس مرفوعاً (بیان القرآن از روح المعانی) (معارف القرآن)

بزار میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا چہرہ چمکنے لگے گا سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا یہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا۔ اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ خدایا ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہوجاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہوجائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہنے لگیں گے اس سے خدا کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ بخدا، خدایا اسے ہمارے پاس نہ لا۔ وہیں وہ آجائے گا۔ یہ کہیں گے اللہ اسے رسوا کرے یہ جواب دے گا خدا تمہیں غارت کرے تم میں ہر شخص کے لئے یہی خدائی مار ہے۔ اس دنیا میں جس نے خدا کی آیتوں سے اس کی کتاب سے اس کی راہ ہدایت سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں سچ مچ اندھا ہوگا اور دنیا سے بھی زیادہ راہ بھولے ہوئے ہوگا۔ عیاذاً باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِى

اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو وہ

الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

پچھلے جہان میں بھی اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہوا راہ سے

دنیا کے اندھے آخرت میں بھی اندھے ہوں گے:

یعنی یہاں ہدایت کی راہ سے اندھا رہا، ویسا ہی آخرت میں بہشت کی راہ سے اندھا ہے اور بہت دور پڑا ہے۔ (موضح القرآن) یہ ''اصحاب یمین'' کے بالمقابل ''اصحاب شمال'' کا ذکر ہوا۔ بعض نے ''اضل سبیلا'' کا مطلب یہ لیا ہے کہ دنیا میں تو تلافی مافات کا امکان تھا، آخرت میں اس سے بھی دور جا پڑا۔ کیونکہ اب تدارک وتلافی کا امکان ہی نہیں رہا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ

اور وہ لوگ تو چاہتے ہیں کہ تجھ کو بچلادیں اس چیز سے کہ جو وحی بھیجی ہم نے

اِلَيْكَ لِتَفْتَرِىَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

تیری طرف تا کہ جھوٹ بنالائے تو ہم پر وحی کے سوا اور تب تو بنالیتے تجھ کو دوست

بعض کافروں کی ناجائز جرأت:

یعنی بعض اندھے ایسے شریر ہیں کہ خود تو راہ پر کیا آتے بڑے بڑے سوانکھوں کو بچلانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ کفار مکہ کی اس بے حیائی اور جسارت کو دیکھئے کہ آپ پر ڈورے ڈالتے ہیں کہ خدا نے جو احکام دیئے اور وحی بھیجی اس کا ایک حصہ ان کی خاطر سے آپ (معاذ اللہ) چھوڑ دیں یا بدل ڈالیں۔ کبھی حکومت، دولت اور حسین عورتوں کا لالچ دیتے ہیں۔ کبھی کہتے ہیں کہ ہم آپ کے تابع ہوجائیں گے، قرآن میں سے صرف وہ حصہ نکال دیجئے جو شرک و بت پرستی کے رد میں ہے۔ اگر آپ (العیاذ باللہ) بفرض محال ایسا کر گذرتے تو بیشک وہ آپ کو گاڑھا دوست بنالیتے۔ لیکن آپ کا جواب یہ تھا کہ خدا کی قسم اگر تم چاند اتار کر میری ایک مٹھی میں اور سورج اتار کر دوسری مٹھی میں رکھ دو تب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو چھوڑنے والا نہیں جس کے لئے خدا نے اسے کھڑا کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنا کام پورا کرے یا اس راستہ سے گذر جائے۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

(تفسیر عثمانی)

شانِ نزول کی روایات:

مؤلف لباب النقول فی اسباب النزول نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ کے نزول کے سبب کے متعلق روایت مندرجہ بالا صحیح ترین روایت ہے۔ جس کا سلسلہ سند کھرا ہے اور اس کی تائیدی شہادتیں دوسری روایات سے بھی ملتی ہیں۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجر اسود کو چومتے تھے، مشرکوں نے کہا ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہ دیں گے تا وقتیکہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں، رسول اللہ نے خیال کیا اگر میں ایسا کرلوں تو میرا کیا حرج ہوجائے گا، جب کہ اللہ واقف ہے کہ میں دل سے

اس کے خلاف ہوں بغوی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ حجر اسود کو بوسہ کی یہ اجازت دیدیں گے اس کے بعد میں نفرت تو کرتا ہی رہوں گا۔ ابن ابی حاتم نے زہری کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ سے کہا اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے تو یہ نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے، اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے (دل میں) رسول اللہ کچھ ان کی طرف مائل ہو گئے تھے کہ آیت مذکورہ نازل ہو گئی۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی نماز میں) سورۃ النجم تلاوت کی اور اس میں یہ آیت پڑھی اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى اس میں شیطان نے آگے آپ پر القاء کر دیا تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی اس پر آیت مذکورۃ الصدر نازل ہوئی، حضور والا برابر غمگین رہنے لگے (کہ یہ کیا الفاظ میری زبان سے بلا اختیار نکل گئے) آخر آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى الخ نازل ہوئی (اسکے بعد آپکو تسکین خاطر ہوئی)

بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کر کے یہ قصہ اس طرح لکھا ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت تین شرطوں پر کرنے کو تیار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا وہ کیا شرطیں ہیں وفد والوں نے کہا، پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم نماز کے اندر جھکیں گے نہیں۔ دوسری یہ ہے کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے نہیں توڑیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ ہم لات (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے ایک سال تک تمتع اندوز ہوتے رہیں گے۔ البتہ اس کی پوجا نہیں کریں گے، رسول اللہ نے جواب میں فرمایا جس دین (کی عبادت) کے اندر رکوع و سجود نہ ہو اس میں کوئی خیر نہیں۔ رہی یہ بات کہ تم اپنے ہاتھ سے اپنے بتوں کو نہیں توڑو گے تو اس کا اختیار تم کو ہے۔ باقی طاغیہ یعنی لات وعزیٰ (پر چڑھائے جانے والے نذرانوں) سے تمتع اندوز ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہنے لگے، یا رسول اللہ ہماری خواہش ہے کہ عرب یہ کہیں کہ کچھ خصوصی چیز آپ نے ہم کو عطا فرما دی ہے جو دوسروں کو عطا نہیں فرمائی، اب اگر آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ لوگ کہیں گے آپ نے ثقیف والوں کو وہ خاص اجازت دیدی جو دوسروں کو نہیں دی تو آپ جواب میں فرما دیں کہ اللہ نے یہی حکم دیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سن کر خاموش ہو گئے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کو رضامندی سمجھ لیا اور خیال کر لیا کہ آپ ایسا کر دیں گے اس پر آیت وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ ہم نے تجھ کو سنبھالے رکھا تو تو لگ جاتا جھکنے

اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿٧٤﴾

ان کی طرف تھوڑا سا

پیغمبروں کی عصمت:

"ترکن" رکون سے ہے جو ادنیٰ جھکاؤ اور خفیف میلانِ قلب کو کہتے ہیں اس کے ساتھ "شَيْـًٔا قَلِيْلًا" بڑھا گیا تو ادنیٰ سے ادنیٰ ترین مراد ہوگا۔ پھر "لقد کدت" فرما کر اسکے وقوع کو اور بھی گھٹا دیا۔ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ پیغمبر معصوم ہیں جن کی عصمت کی سنبھال حق تعالیٰ اپنے فضل خصوصی سے کرتا ہے تو ان چالاک شریروں کی فریب بازیوں سے بہت ہی تھوڑا سا ادھر جھکنے کے قریب ہو جاتے۔ مگر انبیاء کی عصمت کا تکفل ان کا پروردگار کر چکا ہے۔ اس لئے اتنا خفیف جھکاؤ بھی نہ پایا گیا۔ اس سے ظاہر ہوگا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں تقویٰ کی فطری قوت کس قدر مضبوط اور ناقابل تزلزل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ اور اگر ہم آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے اور جمائے نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کے مقصد کو ماننے کی طرف کسی قدر مائل ہو جاتے کیونکہ ان کا فریب سخت اور مکر شدید تھا اور آپ کو ان کے مسلمان ہو جانے کی بہت زیادہ خواہش تھی لیکن ہماری طرف سے آپ کا بچاؤ کر دیا گیا اور آپ ان لوگوں کے مقصد کی طرف مائل ہونے کے قرب سے بھی بچ گئے، مائل ہو جانا تو بجائے خود رہا شَيْـًٔا قَلِيْلًا کا لفظ بتا رہا ہے کہ بجائے خود صلاح و استقامت کی استعداد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر اتنی کامل تھی کہ اگر اللہ کی طرف سے عصمت واجبہ نہ بھی ہوتی اور اللہ آپ کو ہر شر سے بچانے کا فیصلہ نہ بھی کر دیتا، تب بھی آپ کی فطرت سلیم اگر گناہ کی طرف مائل ہوتی تو بہت ہی کم میلان ہوتا اور یہ ضروری نہیں کہ گناہ کی طرف ادنیٰ جھکاؤ ہونے کے بعد گناہ کا صدور ہو ہی جاتا اور اب تو احتمال ہی نہیں رہا کہ گناہ کی طرف مائل ہونے کے قریب بھی آپ پہنچ سکتے۔ (تفسیر مظہری)

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

تب تو ضرور چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

پھر نہ پاتا تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان:

اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و شرف کا نہایت لطیف پیرایہ

میں اظہار مقصود ہے۔ مقربین کے لئے جیسے انعامات بہت بڑے ہیں ''نزدیکاں رابیش بود حیرانی'' کے قاعدہ سے ان کی چھوٹی سے چھوٹی غلطی یا کوتاہی پر عتاب بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے جیسے ازواج مطہرات کو فرمایا ''یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفْ لَھَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ'' (الاحزاب رکوع ۴) تو بتلادیا کہ آپ کا مرتبہ معمولی نہیں۔ اگر بفرض محال ادنیٰ سے ادنیٰ غلطی ہوتو دنیا میں اور برزخ و آخرت میں دوگنا مزہ چکھنا پڑے۔ مومن کو چاہئے کہ ان آیات کو تلاوت کرتے وقت دوزانو بیٹھ کر انتہائی خوف وخشیت کے ساتھ حق تعالیٰ کی شان جلال وجبروت میں غور کرے اور وہ ہی کہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللھم لاتکلنی الی نفسی طرفۃ عین (خداوندا! چشم زدن کیلئے بھی مجھ کو میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے یعنی ہمیشہ اپنی ہی حفاظت وکفالت میں رکھیے۔)

وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ

اور وہ تو چاہتے تھے کہ گھبرا دیں تجھ کو اس زمین سے

لِیُخْرِجُوْکَ مِنْھَا وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۷۶﴾

تاکہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور اس وقت نہ ٹھہریں گے وہ بھی تیرے پیچھے مگر تھوڑا

مشرک سرداروں کا پروگرام اور اصول خداوندی:

یعنی چاہتے ہیں کہ تجھے تنگ کر کے اور گھبرا کر مکہ سے نکال دیں۔ لیکن یاد رکھیں کہ ایسا کیا تو وہ خود زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ ان کے ظلم وستم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا سبب بنے آپ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ سال بعد مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار گھروں سے نکل کر میدان ''بدر'' میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔ اور اس کے پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہوگیا۔ کفار کی حکومت وشوکت تباہ ہوگئی اور بالآخر بہت قلیل مدت گذرنے پر مکہ بلکہ پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر علیہ السلام کا ایک مخالف بھی باقی نہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد اور قتادہ کے قول پر آیت مکی ہے اور الارض سے مراد مکہ ہے، مشرکوں نے رسول اللہ کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کر لیا تھا، مگر اللہ نے اپنی (قدرت سے) ان کو روک دیا آخر کار خود ہی ہجرت کا حکم نازل فرمادیا اور آپ نے مدینہ کو ہجرت کر لی۔ بغوی نے کہا یہ قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس سے پہلے مکے والوں ہی کا حال بیان فرمایا ہے اور سورت بھی مکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا

دستور چلا آتا ہے ان رسولوں کا جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے اپنے پیغمبر

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ﴿۷۷﴾

اور نہ پائے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت

یعنی ہمارا یہی دستور ہے کہ جب کسی بستی میں پیغمبر خدا کو نہ رہنے دیا تو بستی والے خود نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ

قائم رکھ نماز کو

تعلق مع اللہ:

یعنی ان کی منصوبہ بازیوں کی کچھ فکر نہ کیجئے۔ آپ اپنے مالک کی طرف متوجہ رہیں اور نمازوں کو ٹھیک ٹھیک قائم رکھیں۔ تعلق مع اللہ وہ چیز ہے جو انسان کو تمام مشکلات ونوائب پر غالب کردیتی ہے ''وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ'' (البقرہ رکوع ۵)

لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ

سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک

ظہر میں تعجیل اور عشاء میں تاخیر:

اس میں چار نمازیں آ گئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء۔ جمع بین الصلوتین کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ اور اگر جمع کا اشارہ نکالا جائے تو دونہیں چار نمازوں کے جمع کرنے کی مشروعیت اس سے نکلے گی۔ ہاں بشرط ذوق صحیح یہ استنباط کیا جاسکتا ہے کہ ظہر میں تعجیل اور عشا میں تاخیر مستحب ہونی چاہئے الا لعارض۔ (تفسیر عثمانی)

رات ودن کے فرشتوں کی رپورٹ:

صحیحین میں ہے کہ رات کے اور دن کے فرشتے تم میں برابر پے درپے آتے رہتے ہیں۔ صبح کی اور عصر کی نماز کے وقت ان کا اجتماع ہوجاتا ہے، تم میں جن فرشتوں نے رات گزاری وہ جب چڑھ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہے باوجودیکہ وہ ان سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم ان کے پاس پہنچے تو انہیں نماز میں پایا اور واپس آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

جبرئیل نے ظہر پڑھائی:

حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت سے اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے المعرفۃ میں نقل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیل دلوک آفتاب کے وقت جب سورج ڈھل گیا تھا، میرے پاس آئے اور مجھے ظہر کی نماز پڑھائی۔ الحدیث۔ (تفسیر مظہری)

وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ

اور قرآن پڑھنا فجر کا

فجر میں لمبی قرأت:

یعنی نماز فجر میں۔ شاید "قرآن الفجر" سے تعبیر کرنے میں یہ اشارہ ہو کہ تطویل قرات فجر میں مطلوب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے روبرو

نماز میں فرشتوں کی حاضری:

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا بیشک فجر کی نماز فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے، فجر کے قرآن کے وقت رات کے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں (شہود حاضر ہونا) حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے، میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، جماعت کی نماز تنہا نماز پر پچیس گنا فضیلت رکھتی ہے اور نماز فجر میں رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں، اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہ نے فرمایا اگر تم (اس کا ثبوت قرآن سے) چاہتے ہو تو پڑھو قران وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ (تفسیر مظہری)

نماز پنجگانہ کا حکم:

جمہور ائمہ تفسیر نے اس آیت کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے۔ کیونکہ دلوک کا لفظ اگرچہ اصل میں میلان کے معنی میں آتا ہے اور میلان آفتاب زوال کے وقت شروع ہوتا ہے اور غروب کو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جمہور صحابہ وتابعین نے اس جگہ لفظ دلوک کے معنی زوال آفتاب ہی کے لئے ہیں۔ (کما فصلہ القرطبی والمظہری وابن کثیر)

اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ لفظ غسق کے معنی رات کی تاریکی مکمل ہو جانے کے ہیں امام مالک نے حضرت ابن عباسؓ سے غسق کے یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔

اس طرح لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ان میں سے دو نمازوں کا ابتدائی وقت بھی بتلا دیا گیا کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کا وقت غَسَقِ الَّيْلِ سے یعنی جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہو جائے۔ اسی لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ نے وقت عشاء کی ابتدا اس وقت سے قرار دی ہے جبکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض بھی غروب ہو جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

حدیث میں ہے کہ فجر وعصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان دو وقتوں میں لیل ونہار کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرات اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت وسکینہ کا موجب ہے، اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے ہاں شہادت دیں گے کہ جب گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی۔ اسکے علاوہ صبح کے وقت یوں بھی آدمی کا دل حاضر اور مجتمع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ

اور کچھ رات جاگتا رہ قرآن کے ساتھ یہ زیادتی ہے تیرے لیے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصی حکم:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی" نیند سے جاگ کر (تہجد میں) قرآن پڑھا کر۔ یہ حکم سب سے زیادہ تجھ پر کیا ہے کہ تجھ کو مرتبہ (سب سے) بڑا دینا ہے۔ (تفسیر عثانی)

تہجد کا معنی اور طریقہ:

بغوی نے لکھا ہے تہجد جب بیدار ہو جانے کو کہتے ہیں تو یہ سونے کے بعد ہی ہوگا۔ رات بھر جاگتے رہنے اور نمازیں پڑھنے کو تہجد نہیں کہا جائے گا۔ میں کہتا ہوں جب تہجد سے مراد ہے نماز کے لیے نیند کو ترک کرنا تو اس کی تینوں صورتیں ہو سکتی ہیں بالکل رات کو نہ سونا اور نماز پڑھتے رہنا۔ شروع رات میں بیدار رہ کر نماز پڑھنا، سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نماز پڑھنا۔ مؤخر الذکر صورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ حضرت ابوذر کا بیان ہے، ہم رسول اللہ کے ساتھ روزے رکھتے رہے اور آپ نے رات کو کبھی اٹھ کر ہم کو نماز نہیں پڑھائی جب (آخری عشرہ کی) سات راتیں باقی رہ گئیں (یعنی چوبیسویں رات آئی) تو آپ ہم کو لے کر (نماز کو) کھڑے ہوئے یہاں تک کہ (نماز میں) ایک تہائی رات گذر گئی۔

دوسری رات یعنی (تیس کی طرف سے شمار کرنے میں) چھٹی رات ہوئی تو آپ نہیں اٹھے (تیس کی طرف سے الٹی گنتی کرنے میں) پانچویں رات آئی تو پھر آپ ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ آدھی رات گذر گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش حضور ہم کو ساری رات یہ نفل نماز پڑھاتے فرمایا آدمی جب امام کے ساتھ نماز پڑھ کر واپس ہو جاتا ہے تو پوری رات کا قیام اس کے حساب میں لکھ دیا جاتا ہے جب چوتھی رات (یعنی تیسویں کی طرف سے گنتی کرنے کے بعد جو چوتھی رات پڑتی ہے) ہوئی تو آپ نے ہم کو نماز نہیں پڑھائی یہاں تک کہ مہینہ میں تین راتیں رہ گئیں تو تیسری رات کو آپ نے سب گھر والوں کو اور بیویوں کو اور دوسرے لوگوں کو جمع کیا اور ہم کو لے کر نماز کو کھڑے ہوگئے (اور اتنی طویل نماز پڑھائی) کہ ہم کو فلاح کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہوگیا راوی نے حضرت ابوذر سے دریافت کیا فلاح سے کیا مراد۔ فرمایا سحری۔ اس کے بعد (باقی دونوں راتوں کو) آپ نے نماز نہیں پڑھائی۔ رواہ اصحاب السنن۔ ترمذی کی روایت میں ایک لفظ کا تغیر ہے۔

مسئلہ

امت کیلئے نمازِ تہجد کا حکم:

امت کے لیے تہجد سنت ہے۔ کیا سنتِ موکدہ ہے یا مستحب، میرے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ تہجد سنتِ موکدہ ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کو پابندی سے ادا کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا گیا اور بیان کیا گیا کہ وہ صبح تک برابر سوتا رہا (تہجد کیلئے) نماز کو نہیں اٹھا، فرمایا، اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ متفق علیہ۔ اگر تہجد سنت موکدہ نہ ہوتا تو اس کو ترک کرنے والا عتاب اور ملامت کا مستحق نہ قرار پاتا۔ تارک مستحب مستحق ملامت نہیں ہوتا۔

رسول اللہ کے تہجد کی کیفیت:

حضرت زید بن خالد جہنی کا بیان ہے میں رات کو رسول اللہ کی نماز کو غور سے دیکھنا چاہتا تھا اس لیے میں حضور کے دروازے کی دہلیز پر تکیہ لگائے دیکھتا رہا، آپ اٹھے اور دو خفیف رکعتیں پڑھیں، پھر دو طویل رکعتیں پڑھیں دو طویل رکعتیں، دو طویل رکعتیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو اس سے پہلے والی رکعتوں سے کم تھیں پھر دو رکعتیں جو ان سے بھی چھوٹی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان سے بھی کم تھیں اس کے بعد وتر پڑھے۔ کل تیرہ رکعتیں ہوئیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ رات کو تیرہ رکعات پڑھتے وتر اور فجر کی دو رکعتیں اس میں شامل تھیں۔ رواہ مسلم۔

مسروق کا بیان ہے، میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ کی نمازِ شب کے متعلق دریافت کیا، فرمایا فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ (کبھی) سات رکعتیں (کبھی) نو رکعتیں (کبھی) گیارہ رکعتیں ہوتی تھیں۔ رواہ البخاری۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے رات کو اٹھتے تو دو خفیف رکعتوں سے آغاز کرتے تھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ رات کو تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو دو خفیف رکعتوں سے نماز کا آغاز کرے حضرت ابن عباس کا بیان ہے (ایک رات) میں رسول اللہ کے گھر سویا، آپ نے بیدار ہو کر مسواک کی، پھر آیات اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ختم سورت تک تلاوت کیں پھر (وضو کر کے) نماز کو کھڑے ہو گئے اور دو رکعتیں پڑھیں، جن میں قیام رکوع اور سجود بہت طویل کیا، پھر نماز ختم کر کے سو گئے (اتنی گہری نیند سے) کہ سانس چلنے کی آواز آنے لگی، پھر اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ ایسا تین مرتبہ کیا کل چھ رکعتیں ہو گئیں۔ ہر مرتبہ میں (اٹھ کر) مسواک بھی کرتے تھے اور وضو بھی اور آیاتِ مذکورہ کی تلاوت بھی کرتے تھے، آخر میں تین وتر پڑھے۔ رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ کا جسم مبارک بھاری پڑ گیا تو زیادہ تر (رات کی نماز) بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے تھے ہم رمضان میں نمازِ شب سے ایسے وقت فارغ ہوتے تھے کہ خادم صبح ہو جانے کے اندیشے سے جلد جلد کھانا تیار کرتا تھا۔ رواہ مالک۔ رسول اللہ صبح کے قریب تک سفر جاری رکھتے تھے (یعنی سواری پر صبح کے قریب تک نفلیں پڑھتے رہتے تھے)

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ سفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر ہی رات کی نماز پڑھتے تھے، اونٹنی کا رخ جدھر کو ہوتا (پروا نہیں کرتے) اور رکوع سجود کے لیے اشارہ کرتے تھے۔ وتر بھی اونٹنی پر ہی پڑھتے تھے ہاں فرائض کیلئے اونٹنی روک کر نیچے اترتے تھے۔ صحیحین

آخر شب کا ثواب زیادہ ہے:

حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں کی شروع رات کی نماز نفس کو خوب مرتاض بنانے والی ہوتی ہے، کیونکہ سونے کے بعد آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کب بیدار ہو گا۔ البتہ آخر رات میں تہجد پڑھنے کا ثواب شروع رات میں پڑھنے سے زیادہ ہے۔

نزولِ رحمت:

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جب رات کا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب ہر رات آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ الحدیث

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے بیان کیا میں حضرت عمرؓ کے ساتھ ایک رات رمضان کے مہینہ میں مسجد کی طرف گیا، کچھ لوگ الگ الگ متفرق نمازیں پڑھ رہے تھے اور بعض لوگ ایک چھوٹے سے گروہ کو ساتھ لے کر جماعت کر رہے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر میں ان سب کو ایک قاری کی امامت پر جمع کر دوں تو بہت ہی اچھا ہوگا، چنانچہ آپ نے حضرت ابی بن کعب کو سب کا امام بنا دیا، پھر ایک اور رات جو آپ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا تو دیکھا کہ لوگ اپنے قاری کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نئی بات اچھی ہے۔ لوگ رات کے ابتدائی حصہ میں نماز پڑھ کر سو جایا کرتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جس نماز سے تم سو جایا کرتے ہو (یعنی آخر شب بیدار ہو کر نماز نہیں پڑھتے) وہ اس نماز سے بہتر ہے جو تم پڑھتے ہو (یعنی شروع رات کی نماز سے آخر رات کی نماز افضل ہے) رواہ البخاری

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ سفر میں رسول اللہ علاوہ فرائض کے باقی نمازیں اونٹنی پر سوار ہونے کی حالت میں پڑھتے رہتے تھے، یہاں تک کہ وتر بھی سواری پر ہی پڑھتے تھے، اونٹنی کا رخ جس طرف کو ہوتا (کچھ پروا نہ کرتے، اس سے بھی معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز کے لیے بھی اونٹنی سے نہیں

اترتے تھے اور تہجد آپ کے لیے بھی نفل تھا فرض نہ تھا) (تفسیر مظہری)

اور تحقیق صحیح اس معاملہ کی یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جب سورہ مزمل نازل ہوئی تو اس وقت پانچ نمازیں تو فرض ہوئی نہ تھیں صرف تہجد کی نماز سب پر فرض تھی اسی فرض کا ذکر سورہ مزمل میں ہے پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کردی گئیں تو تہجد کی فرضیت عام امت سے تو باتفاق منسوخ ہوگئی۔ اور اس میں اختلاف رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کی فرضیت منسوخ ہوئی۔

نماز تہجد نفل ہے یا سنت موکدہ:

سنت موکدہ کے لئے جو عام ضابطہ فقہاء کا ہے کہ جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً مداومت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنتِ موکدہ ہے بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہوجائے کہ یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص تھا عام امت کے لئے نہیں تھا۔ اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کیلئے سنت موکدہ قرار پائے نہ کہ صرف نفل کیونکہ اس نماز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے عام امت کے لئے بھی سنت موکدہ ہونا چاہئے۔ تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے۔

نماز تہجد اور مقام شفاعت:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اول نماز تہجد کا حکم دیا گیا پھر مقام محمود یعنی شفاعت کبریٰ کا وعدہ کیا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز تہجد کو مقام شفاعت حاصل ہونے میں خاص دخل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام شب:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (رات کو) نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور صبح تک ایک آیت یعنی آیت اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ پڑھتے رہے۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ رسول اللہ عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ دیر لیٹ گئے پھر بیدار ہوئے اور آسمان کے کناروں کی طرف دیکھ کر پڑھا رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ تک پھر بستر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مسواک نکالی اس کے بعد ایک لوٹے سے پیالہ میں پانی الٹا اور دانتوں پر مسواک کی، پھر نماز کو کھڑے ہوگئے، اور میری نظر میں اتنی دیر نماز پڑھی جتنی دیر سوئے تھے۔ نماز کے بعد پھر لیٹ گئے اور میرے خیال میں جتنی دیر نماز پڑھی تھی۔ اتنی ہی دیر سوتے رہے پھر بیدار ہوکر وہی کیا جو پہلی بار کیا تھا اور وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز سے پہلے تین بار کیا۔ رواہ النسائی۔

حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا، رسول اللہ اتنی ہی دیر سوتے جتنی دیر نماز پڑھتے پھر جتنی دیر سوتے اتنی ہی دیر نماز پڑھتے پھر نماز کے بقدر سوجاتے، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی۔ حضرت ام سلمہ نے رسول اللہ کی قراءت کی تشریح فرماتے ہوئے ایک ایک حرف الگ الگ پڑھ کر سنایا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

نماز تہجد کی تعریف:

اور امام ابن کثیر نے حضرت حسن بصریؒ سے نماز تہجد کی جو تعریف نقل کی ہے وہ بھی اسی عموم پر شاہد ہے اسکے الفاظ یہ ہیں۔

قال الحسن البصری	حسن بصری فرماتے ہیں کہ نماز
هو ما كان بعد العشاء	تہجد ہرائی نماز پر صادق ہے جو
ويحمل على ما كان	عشاء کے بعد پڑھی جائے البتہ
بعد النوم. (ابن کثیر)	تعامل کی وجہ سے اسکو کچھ نیند کے بعد پر محمول کیا جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تہجد کے اصل مفہوم میں بعد النوم ہونا شرط نہیں اور الفاظ قرآن میں بھی یہ شرط موجود نہیں لیکن عموماً تعامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا یہی رہا ہے کہ نماز آخر رات میں بیدار ہوکر پڑھتے تھے اس لئے اس کی افضل صورت یہی ہوگی۔

نماز تہجد فرض ہے یا نفل:

نَافِلَةً لَّكَ لفظ نفل اور نافلہ کے لغوی معنی زائد کے ہیں اسی لئے اس نماز اور صدقہ خیرات وغیرہ کو نفل کہتے ہیں جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہوجسکے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کسی قسم کی برائی۔ اس آیت میں نماز تہجد کے ساتھ نَافِلَةً لَّكَ کے الفاظ سے ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز تہجد خصوصیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نفل ہے حالانکہ اس کے نفل ہونے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری امت سب ہی شریک ہیں اسی لئے بعض حضرات مفسرین نے اس جگہ نافلہ کو فریضہ کی صفت قرار دیکر معنی یہ قرار دیئے ہیں کہ عام امت پر تو صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد بھی ایک زائد فرض ہے تو یہاں لفظ نافلہ بمعنی فرض زائد کے ہے نفل کے عام معنی میں نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

> عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾
>
> قریب ہے کہ کھڑا کر دے تجھ کو تیرا رب مقام محمود میں

مقام محمود:

''مقام محمود'' شفاعت عظمیٰ کا مقام ہے۔ جب کوئی پیغمبر نہ بول سکے گا تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے عرض کر کے خلقت کو تکلیف سے

چھڑائیں گے۔اس وقت ہر شخص کی زبان پر آپ کی حمد (تعریف) ہوگی اور حق تعالیٰ بھی آپ کی تعریف کرے گا۔گویا شان محمدیت کا پورا پورا ظہور اس وقت ہوگا۔(تنبیہ) ''مقام محمود'' کی یہ تفسیر صحیح حدیثوں میں آئی ہے اور بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں شفاعت کبریٰ کا نہایت مفصل بیان موجود ہے۔ شارحین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دس قسم کی شفاعتیں ثابت کی ہیں۔ فتح الباری میں ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت عظمیٰ کے متعلق احادیث

(۱) حضرت انسؓ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا قیامت کے دن مسلمانوں کو روک دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ان کو فکر ہوگی اور وہ کہیں گے، کاش ہم کسی سے اپنے رب کے دربار میں سفارش کرا سکتے اور اللہ اس مقام سے ہم کو بچا دیتا، چنانچہ لوگ حضرت آدم کے پاس جا کر کہیں گے، آپ سب لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی جنت میں آپ کو جگہ دی اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور تمام چیزوں کے نام آپ کو سکھا دیئے آپ اپنے رب سے ہماری سفارش کر دیجئے کہ وہ اس جگہ سے ہم کو رہائی عطا فرما دے، آدم فرمائیں گے، میں تمہارے لیے اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو درخت ممنوعہ کا پھل کھانے کا اپنا قصور یاد ہوگا، فرمائیں گے تم لوگ نوح کے پاس جاؤ (طوفان کے بعد) وہ پہلے پیغمبر تھے جن کو اللہ نے زمین والوں کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا تھا لوگ حضرت نوح کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوح فرمائیں گے۔ میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنا وہ قصور یاد ہوگا کہ نادانی میں (اپنے بیٹے کے لیے) نجات کی (درخواست کی، پھر آپ فرمائیں گے تم لوگ ابراہیم خلیل الرحمٰن کے پاس جاؤ، لوگ حضرت ابراہیم کے پاس جائیں گے، آپ فرمائیں گے میں اس مقام پر نہیں ہوں آپ کو اپنے وہ تین جھوٹ یاد ہوں گے جو آپ کی زبان سے نکلے تھے (شاہ مصر کے سامنے حضرت سارہ کو اپنی بہن قرار دینا اور قوم کے ساتھ میلے میں شرکت نہ کرنے کے لیے اپنے کو بیمار کہنا اور بتوں کو خود توڑنے کے بعد قوم کے سامنے یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھو اس نے ایسا کیا ہے) آپ کہیں گے تم لوگ موسیٰ کے پاس جاؤ، ان کو اللہ نے توریت عنایت فرمائی تھی، ان سے کلام کیا تھا، ان کو اپنا مقرب بنا کر خطاب کیا تھا۔ لوگ موسیٰ کے پاس جائیں گے۔ حضرت موسیٰ فرمائیں گے میں اس مرتبے پر نہیں ہوں، آپ کو اپنی وہ غلطی یاد ہوگی کہ ایک آدمی کو (غلطی سے) قتل کر دیا تھا۔ فرمائیں گے تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، وہ عبداللہ تھے۔ رسول اللہ تھے، روح اللہ تھے، کلمۃ اللہ تھے، لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے، آپ جواب دیں گے، میں اس مقام پر نہیں ہوں، تم لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ نے ان کی اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرما دی تھیں۔ لوگ میرے پاس آئیں گے میں اپنے رب سے اس کے مکان میں داخل ہونے کی اجازت کا طلبگار ہوں گا اور اجازت ملنے پر اس کے پاس داخل ہوں گا اور جوں ہی میری نگاہ اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھا اور (جو کچھ کہنا ہے) بیان کر، تیری بات سنی جائے گی۔ مانگ (جو کچھ مانگنا چاہے) تیرا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سجدے سے سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی وہ حمد و ثناء کروں گا جو مجھے وہ سکھا دے گا، پھر شفاعت کروں گا۔ اللہ میرے لیے ایک حد مقرر کر دے گا۔ (یعنی محدود تعداد کی رہائی کا حکم دیدے گا) میں جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دوں گا، پھر لوٹ کر آؤں گا اور دوبارہ بارگاہ الٰہی میں داخلے کی اجازت کا خواستگار ہوں گا اور اجازت مل جائے گی تو اندر داخل ہوں گا اور جونہی میری نظر اس پر پڑے گی فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اور جتنی دیر اللہ چاہے گا سجدے میں پڑا رہوں گا، پھر اللہ فرمائے گا، محمد سر اٹھاؤ (اپنا مقصد) بیان کرو، تمہاری بات سنی جائے گی، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، مانگو، تمہارا سوال پورا کیا جائے گا۔ میں سر اٹھاؤں گا اور حسب تعلیم الٰہی اپنے رب کی حمد و ثنا کروں گا، پھر شفاعت کروں گا، اللہ میرے لیے (دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا (تیسری مرتبہ بارگاہ خداوندی میں داخل ہونا سجدہ میں گر پڑنا اللہ کی طرف سے خطاب ہونا سجدے سے سر اٹھا کر حمد و ثنا کرنا، قیدیوں کی محدود تعداد کو رہا کرنے کا حکم ملنا اور جا کر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچا دینا بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے جو اوپر ذکر کیے گئے ہیں، اس کے آخر میں رسول اللہ نے فرمایا) یہاں تک کہ دوزخ کے اندر سوائے ان لوگوں کے جن کو (ہمیشہ دوزخ میں رکھے جانے کی قرآن نے صراحت کر دی ہے اور) قرآن نے (ہمیشہ کے لیے ان کو) دوزخ میں روک دیا ہے اور کوئی باقی نہیں رہے گا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا حضور نے فرمایا یہ ہی وہ مقام محمود ہوگا جس کا وعدہ اللہ نے تمہارے نبی کے لیے کرلیا ہے۔

(۲) صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بھی یہ حدیث شفاعت ذکر کی گئی ہے اس روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح آئے ہیں۔ میں اپنے رب کے پاس داخل ہونے کی اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور اللہ میرے دل میں کچھ کلمات حمد القاء کر دے گا، جن سے میں اپنے رب کی حمد کروں گا، اس وقت وہ الفاظ میں میرے سامنے نہیں (یعنی جو کلمات حمد میں قیامت کے دن مقام شفاعت میں پہنچ کر استعمال کروں گا وہ اس وقت میرے

ذہن میں نہیں) میں انہی الفاظ سے اپنے رب کی حمد کروں گا پھر سجدہ میں گر پڑوں گا اللہ فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ اور (جو کچھ گذارش کرنی چاہتے ہو) بیان کرو تمہاری بات سنی جائے گی، مانگو تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ میں عرض کروں گا یارب امتی امتی۔ حکم ہوگا جاؤ اور جس کے دل میں جو برابر ایمان ہے اس کو نکال لاؤ۔ میں جا کر حکم کی تعمیل کروں گا۔ پھر واپس آ کر وہ کلماتِ ثنائیہ (حسب سابق) عرض کروں گا، پھر سجدے میں گر پڑوں گا حکم ہوگا جا کر اس کو نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو۔ میں جا کر ایسا ہی کروں گا۔ پھر حضور نے تیسری اور چوتھی مرتبہ جانے اور شفاعت کرنے کا ذکر فرمایا، اور فرمایا، میں عرض کروں گا اے میرے رب مجھے ان لوگوں کے نکال لینے کی اجازت دیدے جو لا اله الا الله کے قائل تھے، اللہ فرمائے گا قسم ہے اپنی عزت وجلال کبریا اور عظمت کی جو لا اله الا الله کا قائل تھا میں اس کو ضرور ضرور (دوزخ سے) نکال دوں گا۔

دو قسم کی شفاعتیں:

میں کہتا ہوں حدیث مذکورۃ الصدر میں کچھ اختصار ہے اول اس شفاعت کا ذکر ہے جو میدان قیامت اور موقف کی شدتوں سے رہائی دلانے کے لیے ہوگی اور آخر میں دوزخ سے رہائی کے لیے شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے دو (قسم کی) شفاعتوں کا ذکر دوسری احادیث میں بھی آیا ہے۔

میرے نزدیک حدیث مذکور میں جو فی دارہ آیا ہے اس سے مراد جنت ہے اللہ کا دیدار صرف جنت میں ہی ہوگا (یعنی میدان حشر مراد نہیں ہے) اللہ کا مکان یا بارگاہ جنت سے باہر نہیں ہوسکتی۔ اللہ کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑنا یقیناً جنت کے اندر ہی ہوگا۔

بخاری نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ لوگ تیزی کے ساتھ ادھر سے ادھر جائیں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے لگ جائے گی اور اس سے شفاعت کی خواستگار ہوگی، آخر میں شفاعت کا اختیار رسول اللہ کو ہوگا یہ وہی ہوگا کہ اللہ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کردے گا۔

عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا

(۳) ترمذی نے باسناد حسن اور ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (میرا یہ قول) فخر نہیں ہے۔ اور (قیامت کے دن) حمد کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور (یہ قول بھی) فخر نہیں ہے اس روز ہر نبی آدم ہوں یا دوسرے میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ زمین پھٹ کر سب سے پہلے میں ہی برآمد ہوں گا اور (یہ بات بھی میری طرف سے) فخر نہیں ہے (اس روز) لوگوں پر تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں ہوں گی، لوگ آدم کے پاس جائیں گے (اور شفاعت کے خواستگار ہوں گے) اور کہیں گے آپ ہمارے باپ ہیں ہماری سفارش کر دیجئے، حضرت آدم جواب دیں گے میں نے ایک بڑا جرم کیا تھا جس کی وجہ سے مجھے زمین پر اتار دیا گیا تم نوح کے پاس جاؤ نوح کے پاس جب لوگ جائیں گے تو وہ جواب دیں گے میں نے سب زمین کے باشندوں کے ہلاک کرنے کی بددعا کی تھی اور وہ میری بددعا سے ہلاک بھی کر دیئے گئے تم ابراہیم کے پاس جاؤ، لوگ ابراہیم کے پاس جائیں گے، حضرت ابراہیم فرمائیں گے، میں نے تین باتیں جھوٹی کہی تھیں، رسول اللہ نے اس جگہ فرمایا، انہوں نے کوئی بات جھوٹی نہیں کہی بلکہ جو بات بھی (بشکل کذب) کہی اس کا مقصد دین الٰہی کی طرف سے مدافعت تھی تم موسیٰ کے پاس جاؤ، موسیٰ کہیں گے میں نے ایک شخص کو (نادانی سے) قتل کر دیا تھا تم لوگ عیسیٰ کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰ کہیں گے میری تو اللہ کے سوا پوجا ہونے لگی تھی (لوگوں نے مجھے میرے بعد معبود بنالیا تھا) تم لوگ محمد کے پاس جاؤ لوگ میرے پاس آئیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا اور جنت کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر کھٹ کھٹاؤں گا دریافت کیا جائے گا کون ہے میں کہوں گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دروازہ کھول دیا جائے گا اور (فرشتے) کہیں گے مرحبا میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر اللہ میرے دل میں اپنی حمد وثنا اور مجد القاء فرمادے گا اور حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ۔ مانگو تمہارا سوال پورا کیا جائے گا، شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی، اظہار مدعا کرو تمہاری بات سنی جائے گی، یہی مقام مقام محمود ہوگا۔

تین گھبراہٹیں:

قرطبی نے کہا تین ہیبتیں اور گھبراہٹیں میرے خیال میں اس وقت ہوں گی جب دوزخ کو لگاموں میں پکڑ کر کھینچ کر لیا جائے گا اور لوگ اس کو دیکھ کر خوف زدہ ہوجائیں گے۔

(۴) ابن خزیمہ اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سلمان کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن سورج کو دس سال کی (مجموعی) گرمی دیدی جائے گی اور کھوپڑیوں کے قریب لے آیا جائے گا۔

مذکورہ حدیث میں آیا ہے لوگ رسول اللہ سے آ کر ملیں گے اور شفاعت کی خواہش کریں گے، حضور فرمائیں گے ہاں میں تمہارا ساتھ دوں گا، چنانچہ آپ چل کر جنت کے دروازے کی زنجیر پکڑ کر کھٹ کھٹائیں گے دریافت کیا جائے گا کون ہے آپ جواب دیں گے محمد۔ دروازہ کھولدیا جائے گا، آپ اللہ کے سامنے جا کر کھڑے ہوجائیں گے اور سجدہ کریں گے، ندا آئے گا اپنا سر اٹھاؤ مانگو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا۔ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔ یہی وہ مقام محمود ہوگا (جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے)۔

تین شفاعتیں:

میرے نزدیک اس شفاعت سے جو رسول اللہ نے امت کے لیے بچائے رکھی ہے تیسری شفاعت مراد ہے جو گناہگاروں کو دوزخ سے نکالنے

کے سلسلے میں ہوگی، رسول اللہ کو تین شفاعتوں کا حق ہوگا۔

(۵) ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات میں ابویعلی نے سند میں بیہقی نے البعث میں ابوموسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں صور کی پیدائش کا، پھونکے جانے کا نفخہ، خوف و بیہوشی کا قبروں سے اٹھنے کا اور آخر میں اہل جنت کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخلے کا بیان ہے اور ان لوگوں کا بھی ذکر ہے جن کی گردنوں پر لکھا ہوگا یہ وہ دوزخی ہیں جن کو رحمان نے خود دوزخ سے آزاد کیا ہے۔ ہم ذیل میں اس حدیث کا مختصراً نقل کرتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ لوگوں ایک جگہ روک کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ان کا (مدت تک) کچھ فیصلہ نہ ہوگا، لوگ چیخ پڑیں گے اور سفارش کے طلب گار ہوں گے۔ پہلے آدم کے پاس جائیں گے۔ حضرت آدم فرمائیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں، غرض یہ لوگ ایک کے بعد دوسرے نبی کے پاس اور دوسرے کے بعد تیسرے نبی کے پاس اس طرح متعدد انبیاء کے پاس جائیں گے اور ہر ایک شفاعت کرنے سے انکار کر دے گا، یہاں تک کہ میرے پاس آئیں گے، میں ان کے ساتھ چلدوں گا اور عرش کے سامنے پہنچ کر سجدہ میں گر پڑوں گا، باوجودیکہ اللہ بخوبی عالم ہے، لیکن دریافت فرمائے گا، تیری کیا ضرورت ہے؟ میں عرض کروں گا اے میرے رب، تو نے مجھ سے (حق) شفاعت عطا فرمانے کا وعدہ کیا تھا اب اپنی مخلوق کے سلسلے میں میرے سفارش قبول فرما اور ان کا فیصلہ کر دے (انتظار میں روکے نہ رکھ) اللہ فرمائے گا، میں نے تیری سفارش قبول کی، میں آکر تمہارا فیصلہ کیے دیتا ہوں۔ اس طویل حدیث میں چوپایوں اور وحشی جانوروں کے فیصلہ کا بھی ذکر ہے۔ پھر انسانوں کے باہمی حقوق اور قتل و خون کا فیصلہ ہوگا (یہ بھی حدیث میں مذکور ہے) پھر حکم ہوگا، ہر شخص یا ہر امت اپنے اپنے معبودوں سے جا ملے، سب لوگ اپنے اپنے معبودوں کے ساتھ ہو جائیں گے صرف مومن رہ جائیں گے جن میں منافق بھی شامل ہوں گے۔ یکدم اللہ اپنی پنڈلی کھول دے گا تو مومن فوراً سجدے میں گر پڑیں گے اور منافق گدی کے بل پیچھے گرے گا (اس کی کمر نہیں جھکے گی) گائے کی پشت کے مہروں کی طرح اس کی پشت ہو جائے گی۔ پھر پل صراط قائم کیا جائے گا اور لوگ اس پر سے گذریں گے۔ کچھ لوگ تو بالکل بے داغ بچ جائیں گے، بعض لوگوں کے کچھ خراشیں لگ جائیں گی مگر بچ وہ بھی جائیں گے (اور پل کے پار ہو جائیں گے) اور کچھ آدمیوں کے چہرے (آنکڑوں سے) زخمی ہو جائیں گے اور وہ آگ میں گر پڑیں گے جب اہل جنت جنت تک پہنچ جائیں گے تو اندر داخل ہونے کے لیے پھر کسی شفیع کے طلبگار ہوں گے کہ کوئی سفارش کر کے ان کو جنت میں داخلے کی اجازت دلوا دے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے باپ آدم کے پاس پہنچیں گے۔ حضرت آدم اپنے گناہ کو یاد کر کے کہیں گے مجھے اس کا اختیار نہیں ہے، تم نوح کے پاس جاؤ۔ لوگ نوح کے پاس جائیں گے، حضرت نوح بھی حضرت آدم کی طرح جواب دیدیں گے، پھر لوگ ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کے پاس جائیں گے اور ہر ایک ایسا ہی جواب دیدیگا بالآخر میں میرے پاس آئیں گے، مجھے اللہ سے تین شفاعتوں کا حق ملا ہوا ہے اس نے مجھ سے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، میں جنت کی طرف جا کر دروازے کی زنجیر پکڑ کر دروازہ کھولنے کی درخواست کروں گا۔ دروازہ کھول دیا جائے گا اور جونہی میں نظر اٹھا کر اپنے رب کی طرف دیکھوں گا۔ فوراً سجدے میں گر پڑوں گا، اللہ مجھے اپنی حمد و ثنا اور بزرگی بیان کرنے کی ایسی مخصوص اجازت عطا فرمائے گا جو کسی کو نہیں دی ہوگی، پھر فرمائے گا، محمد اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو تمہاری سفارش قبول کی جائے گی مانگو، تم کو دیا جائے گا، میں عرض کروں گا، اے میرے رب تو نے مجھ سے شفاعت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اہل جنت کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما، ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دیدے۔ اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا۔ اسی حدیث میں ہے کہ جب دوزخ والے دوزخ میں گر جائیں گے، اور کثیر مخلوق اس میں چلی جائے گی جن کو ان کے اعمال نے وہاں باندھ رکھا ہوگا تو ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہوں گے کہ صرف قدموں تک ان کے آگ ہوگی، اس سے اوپر نہ ہوگی۔ کچھ لوگوں کے نصف پنڈلیوں تک آگ ہوگی، کسی کے زانو تک آگ ہوگی، کسی کی کمر تک ہوگی اور بعض ایسے بھی ہوں گے کہ سوائے چہروں کے باقی تمام بدن کو آگ نے پکڑ لیا ہوگا، صرف ان کے چہرے اللہ نے آگ کے لیے حرام کر دیئے ہوں گے، میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت کے کچھ لوگ آگ میں ہیں، اللہ فرمائے گا جن کو تم پہچانتے ہو ان کو دوزخ سے نکال لو۔ حسب الحکم وہ لوگ نکال لیے جائیں گے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا، اس کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا اور کوئی پیغمبر اور شہید ایسا نہ ہوگا جو شفاعت نہ کرے، اللہ حکم دے گا جن دلوں میں تم دینار برابر ایمان پاؤ ان کو نکال لو۔ پھر (نوبت بنوبت) فرماتا جائے گا، جس کے دل میں دو تہائی دینار، نصف دینار، چہارم دینار، ایک قیراط، رائی کے ایک دانہ کے برابر ایمان ہو اس کو بھی نکال لو۔ یہاں تک کہ دوزخ کے اندر جب کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا، جس نے اللہ کے لیے کوئی بھلائی کبھی کی ہو اور ہر شفاعت کا حق رکھنے والا شفاعت کر چکے گا تو اللہ فرمائے گا، اب میں رہ گیا اور میں ارحم الراحمین ہوں، یہ فرمانے کے بعد

اللہ اپنا ہاتھ جہنم میں ڈال دے گا اور بے شمار مخلوق کو جہنم سے نکال لے گا۔ ان کے جسم (سوختہ ہوکر) کوئلے کی طرح ہوگئے ہوں گے۔ (الحدیث)

ابن عربی اور قرطبی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور حافظ ابن حجر نے بھی اس کی تصویب کی ہے لیکن بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے سیوطی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن سلام بصری نے اپنی تفسیر میں کلبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں جا چکیں گے۔

میں کہتا ہوں تین مرتبہ لوگ شفاعت کے طلبگار ہوں گے ایک بار موقف سے رہائی کے لیے، دوسری بار جنت میں داخل ہونے کے لیے اور تیسری بار دوزخ کے اندر باقی ماندہ مومنوں کی خلاصی کے لیے۔ رسول اللہ نے جو فرمایا ہے کہ میرے رب کے سامنے مجھے تین شفاعتوں کا حق ہوگا، جن کا اس نے مجھ سے وعدہ کرلیا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تین بار آپ شفاعت کریں گے اور مقام محمود مقام شفاعت کا ہی نام ہے، خواہ کوئی سی شفاعت ہو (گویا شفاعتیں متعدد ہوں گی، مقام شفاعت ایک ہی ہوگا اور اسی کو مقام محمود کہا گیا ہے۔)

مسئلہ: معتزلہ کا فرقہ اور خوارج شفاعت کے منکر ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر مرتکب کبیرہ بغیر توبہ کے مرجائے گا تو ہمیشہ کے لیے دوزخی ہوجائے گا، اس کی کوئی شفاعت نہ ہوگی نہ کبھی اس کو دوزخ سے رہائی ملے گی۔ لیکن ثبوت شفاعت کے لیے اتنی کثرت سے صحیح احادیث آئی ہیں کہ حد تواتر کے قریب پہنچ گئی ہیں، بلکہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔

(۶) بزار نے الاوسط میں اور ابونعیم نے اچھی سند کے ساتھ حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا، یہاں تک کہ میرا رب پکار کر فرمائے گا محمد کیا تو خوش ہوگیا، میں عرض کروں گا جی ہاں میرے رب، میں راضی ہوگیا۔

(۷) ایک حدیث ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے مجھے دو باتوں میں سے ایک کو انتخاب کر لینے کا اختیار عطا فرمایا، ایک یہ کہ وہ میری آدھی امت کو بلا حساب کے جنت میں داخل فرمادے گا دوسری یہ کہ وہ مجھے حق شفاعت عطا فرمادے گا۔ میں نے حق شفاعت کو لینا پسند کرلیا، اب میری شفاعت ہر مسلمان کے لیے ہوگی۔ دوسری روایت میں آیا ہے، میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہوگی جو شرک پر نہ مرا ہو (مرتے وقت مشرک نہ ہو) یہ حدیث عوف بن مالک اشجعی کی روایت سے ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان، بیہقی اور طبرانی نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور امام احمد، بزار اور طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔ اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اس روایت کے آخر میں ہے کیا تم متقیوں کے لیے میری شفاعت خیال کرتے ہو۔ (نہیں) شفاعت تو گناہگاروں، خطاکاروں اور معصیت کے ساتھ آلودہ لوگوں کے لیے ہوگی۔

(۸) ایک حدیث میں فرمایا، میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہوگی جو کبیرہ گناہوں والے ہوں گے، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم والبیہقی عن انسؓ بن مالک والطبرانی وابونعیم عن عبد بن بشیر بمعناہ۔ والطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر نحوہ والطبرانی فی الکبیر عن ام سلمہؓ بمعناہ والترمذی والحاکم عن جابرؓ بمعناہ وعن کعب بن عجرۃ وعن طاؤس۔

بیہقی نے کہا یہ حدیث مرسل حسن ہے۔ شفاعتی لاہل الکبائر کی عبارت تابعین میں بہت زیادہ شائع تھی۔ ان الفاظ سے اصل روایت کی تائیدی شہادت ہوجاتی ہے۔

(۸) ابن ابی حاتم نے السنۃ میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں برابر اپنے رب سے شفاعت کرتا رہوں گا اور وہ میری سفارش قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ آخر میں عرض کروں گا، اے میرے رب جو لوگ لا الہ الا اللہ کے قائل تھے ان کے متعلق میری شفاعت قبول فرمالے اللہ فرمائے گا۔ محمد یہ اختیار نہ تمہارا نہ کسی اور کا یہ صرف میرا اختیار ہے قسم ہے اپنی عزت وجلال اور رحمت کی۔ میں کسی ایسے شخص کو جو لا الہ الا اللہ کہتا تھا دوزخ میں نہیں چھوڑوں گا۔

(۹) ایک حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اپنی امت کے برے لوگوں کے لیے بہترین آدمی ہوں، میری امت کے جو برے لوگ ہیں ان کو میری شفاعت سے اللہ جنت میں داخل فرمادے گا اور جو اچھے لوگ ہیں ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے جنت میں لے جائے گا۔

(۱۰) طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں قیامت کے دن (سب) لوگوں کا سردار ہوں گا۔ اور میرا یہ قول بغیر فخر کے ہے قیامت کے دن ہر شخص میرے جھنڈے کے نیچے کشائش کا امیدوار ہوگا۔ میرے ساتھ لواء الحمد ہوگا، لوگوں کو ساتھ لے کر میں جنت کے دروازہ تک جاؤں گا اور دروازہ کھلوانے کی درخواست کروں گا، دریافت کیا جائے گا کون ہے، میں عرض کروں گا محمد ہے، حکم ہوگا، خوش آمدید محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو اداء شکر کے لیے سجدہ میں گر پڑوں گا، حکم ہوگا، اپنا سر اٹھاؤ، اظہار مدعا کرو تم کو تمہارا سوال دیا جائے گا، شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی، مجرم اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے (دوزخ سے) نکال لیے جائیں گے۔

(۱۱) طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جہنم کی طرف جا کر اس کا دروازہ بجاؤں گا دروازہ کھول دیا جائے گا، میں اندر چلا جاؤں گا، اور اللہ کی ایسی ثنا کروں گا کہ نہ مجھ سے پہلے کسی نے ثنا کی ہوگی نہ میرے بعد کوئی کرے گا پھر اس کے اندر سے ہر اس شخص کو نکال لاؤں گا جو خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کا قائل تھا کچھ قریشی میری طرف اپنا رشتہ قرابت بتاتے ہوئے بڑھیں گے لیکن میں ان کو دوزخ میں ہی چھوڑ دوں گا۔ بخاری نے حضرت عمران بن حصین کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ کہ کچھ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی وجہ سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے وہ (جنت والوں میں) جہنمی کہلائیں گے۔

صحیحین میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت آئی ہے کہ شفاعت کی وجہ سے اللہ کچھ لوگوں کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۱۲) طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قبلہ والوں میں سے اتنے لوگ اپنی گناہ گاری اور معصیت کوشی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ انکی گنتی سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا، مجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی تو میں سجدہ میں پڑ کر اللہ کی ویسی ہی ثنا کروں گا جیسی کھڑا ہو کر کروں گا حکم ہوگا اپنا سر اٹھاؤ اور مانگو (جو کچھ مانگنا چاہو) تمہارا سوال پورا کیا جائے گا اور شفاعت کرو، تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔

(۱۳) احمد اور طبرانی نے ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرمائے گا۔ محمد میں نے جو بھی نبی یا رسول بھیجا اس نے مجھ سے کچھ نہ کچھ مانگا اور میں نے وہ مانگ اس کی پوری کی، محمد تم بھی مانگو تم کو تمہاری مانگ دی جائے گی، میں عرض کروں گا میری مانگ اپنی امت کے لیے قیامت کے دن شفاعت کرنے کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کیسی۔ فرمایا، میں عرض کروں گا، اے میرے رب مجھے وہ شفاعت عطا فرما، جو میں نے تیرے پاس محفوظ رکھی تھی، اللہ فرمائے گا ہاں، پھر میری باقی امت کو بھی جنت میں داخل فرمادے گا۔

(۱۴) شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت انس و حضرت جابرؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے اور بزار و بیہقی نے حضرت عبدالرحمن بن عقیل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا، ہر نبی کی ایک مقبول دعا ہوتی ہے چنانچہ ہر نبی نے اپنی دعا میں عجلت کی (اور وہ قبول کر لی گئی) مگر میں نے اپنی دعا امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھ چھوڑی۔

سیوطی نے کہا یہ حدیث (معنی کے لحاظ سے) متواتر ہے۔

منکرین شفاعت:

صحیحین میں حضرت عمر فاروقؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا اس امت میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو (کتخدا زانی وزانیہ کو) سنگسار کرنے کے حکم کی اور خروج دجال کی تکذیب کریں گے اور مغرب کی جانب سے آفتاب کے طلوع ہونے کی خبر کو بھی نہیں مانیں گے اور عذاب قبر کے بھی منکر ہوں گے اور شفاعت کا بھی انکار کریں گے اور اس بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ کچھ دوزخیوں کو دوزخ کے اندر سوختہ ہو جانے کے بعد نکالا جائے گا۔ اور پھر ان کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

سعید بن منصور اور بیہقی اور ہناد نے حضرت انس کا قول نقل کیا کہ جو شفاعت کا قائل نہ ہوگا اس کو (شفاعت) نصیب نہ ہوگی اور جو (رسول اللہ) کے حوض کو نہ مانے گا اس کو حوض سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔

شفاعت سے محروم گروہ:

ابو نعیم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت حاصل نہ ہوگی۔

(۱) مرجئہ (وہ فرقہ جو کہتا ہے کہ اعمال ہیچ ہیں اگر ایمان دل میں ہے تو کوئی بدعملی آخرت میں ضرر رساں نہ ہوگی، کوئی مومن خواہ کتنا ہی بدکردار ہو دوزخ میں نہیں جائے گا)۔

(۲) قدریہ (وہ فرقہ جو قائل ہے کہ ہم اپنے اعمال کے خود خالق ہیں اور تقدیر اعمال کوئی چیز نہیں ہم جس طرح چاہیں کر سکتے ہیں خیر ہو یا شر)

حدیث کی اہمیت:

بیہقی نے شبیب بن ابی فضالہ مکی کی روایت سے بیان کیا کہ لوگوں نے حضرت عمران بن حصین کے سامنے شفاعت کا تذکرہ کیا ایک شخص بولا ابو نجید (حضرت عمران کی کنیت) آپ لوگ کچھ ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کا ذکر قرآن میں ہم کو قطعاً نہیں ملتا حضرت عمران کو غصہ آ گیا اور فرمایا تو نے قرآن پڑھا ہے اس شخص نے کہا جی ہاں فرمایا کیا قرآن میں تو نے نماز عشاء کی چار رکعتیں مغرب کی تین رکعتیں، فجر کی دو رکعتیں، ظہر کی چار رکعتیں، اور عصر کی چار رکعتیں کہیں پائی ہیں اس شخص نے کہا نہیں فرمایا پھر کس سے تم نے یہ باتیں سیکھیں کیا ہم سے نہیں لیں۔ ہم نے یہ تفصیل رسول اللہ سے ہی تو حاصل کی کیا تم نے ہر چالیس درہم میں زکوٰۃ کا ایک درہم اور اتنی بکریوں میں سے ایک بکری اور اتنے اونٹوں میں ایک اونٹ قرآن میں کہیں لکھا پایا، اس شخص نے کہا نہیں، فرمایا تم نے قرآن میں وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ تو

دیکھ لیا لیکن کیا یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ سات مرتبہ طواف کرو اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھو یہ باتیں تم نے کس سے لیں کیا ہم سے نہیں لیں اور ہم نے رسول اللہ سے حاصل کیں، لوگوں نے کہا بے شک ایسا ہی ہے، فرمایا کیا قرآن میں تم نے کہیں پایا کہ شہر سے باہر نکل کر دیہات سے غلہ لانیوالوں کا غلہ راستے میں ہی نہ خرید لیا کرو۔ جلب کی اجازت نہیں اور نہ تورکا نکاح صحیح ہے (کوئی شخص اپنی بہن بیٹی کا نکاح اس شرط پر کسی سے کردے کہ وہ اپنی بہن بیٹی کا نکاح معاوضہ میں اس کے ساتھ کردے، اور مہر کسی عورت کا کچھ نہ ہو اس کو شغار یا تورکا نکاح کہتے ہیں شریعت میں اس کی اجازت نہیں) لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اللہ نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا (رسول اللہ جو کچھ تم کو دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے باز رہو) ہم نے رسول اللہ سے بہت سے ایسے مسائل واحکام حاصل کیے جن کا تم کو علم بھی نہیں۔

بغوی نے بیان کیا کہ یزید بن صہیب فقیر نے کہا خوارج کی رائے نے مجھے فتنہ میں ڈال دیا تھا (یعنی بعض مسائل میں میں ان کا ہم خیال ہو گیا تھا) ایک بار حج کے ارادے سے ایک جماعت کے ساتھ ہم چلے اور مدینہ کی طرف سے گذر ہوا تو وہاں جابر بن عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کر رہے تھے اور جہنمیوں کا انہوں نے ذکر کیا تھا، میں نے حضرت جابرؓ سے کہا، اے رسول اللہ کے صحابی آپ یہ کیا بیان کر رہے ہیں اللہ نے تو فرمایا ہے اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ، كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا (بیشک تو جس کو آگ میں داخل کر دیگا اس کو رسوا کر دیگا۔ اور دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو دوزخ کے اندر ہی لوٹا دیا جائیگا)۔

حضرت جابر نے فرمایا جوان! تم قرآن پڑھتے ہو میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ محمود کا ذکر پڑھا ہے جس میں آپ کو اللہ کھڑا کرے گا، میں نے کہا جی ہاں فرمایا، بس یہی مقام محمود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہوگا، جس کی وجہ سے اللہ جس دوزخی کو نکالنا ہوگا، نکال دے گا پھر حضرت جابر نے پل صراط کی حالت بیان کی اور پل صراط پر سے لوگوں کے گزرنے کی تشریح کی اور فرمایا کچھ لوگ دوزخ کے اندر سے نکال لیے جائیں گے۔

انبیاء کے علاوہ بھی انبیاء، اولیاء، علماء سفارش کریں گے:

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمانؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار کی روایت میں اس سے آگے اتنا زائد ہے پھر مؤذن۔ دیلمی نے حضرت ابن عمر کی موقوف روایت نقل کی ہے کہ عالم سے کہا جائے گا اپنے شاگردوں کی شفاعت کر خواہ ان کی تعداد آسمان کے تاروں کو پہنچ جائے۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودردا ءکی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت مقدام بن معدیکرب کی روایت سے اور بیہقی نے بروایت حسن بصری اور حاکم و بیہقی و ہناد نے حضرت حارث بن قیس کی روایت سے اور احمد نے حضرت ابو بردہ کی روایت سے اور ہناد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور احمد و طبرانی نے بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کی ہے ان سب حضرات نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے ایک آدمی کی شفاعت سے قبائل ربیعہ ومضر سے بھی زیادہ تعداد جنت میں داخل ہو جائے گی۔

بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ کے علاوہ دوسرے (انبیاء، اولیاء، علماء) بھی شفاعت کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ماجہ اور بیہقی میں بروایت عثمانؓ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اول انبیاء علیہم السلام گناہگاروں کی شفاعت کریں گے۔ پھر علماء پھر شہداء اور دیلمی نے بروایت ابن عمرؓ نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عالم سے کہا جائے گا کہ آپ اپنے شاگردوں کی شفاعت کر سکتے ہیں اگر چہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کی برابر ہو۔

اور ابوداؤد اور ابن حبانؒ نے بروایت ابی الدرداءؓ مرفوعاً نقل کیا ہے کہ شہید کی شفاعت اس کے خاندان کے ستر آدمیوں کے متعلق قبول کی جائے گی۔

شفاعت کی انتہاء:

بخاری میں ہے حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں لوگ قیامت کے دن گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی کہ اے فلاں ہماری شفاعت کیجئے یہاں تک کہ شفاعت کی انتہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوگی پس یہی وہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔

تمام انبیاء کا خطیب:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت کے دن میں نبیوں کا امام ان کا خطیب اور ان کا سفارشی ہوؤں گا۔ میں یہ کچھ بطور فخر کے نہیں کہتا۔

(۱۵) مسند احمد میں ہے کہ مومن قیامت کے دن جمع ہوں گے۔ پھر ان کے دل میں خیال ڈالا جائے گا کہ ہم کسی سے کہیں وہ ہماری سفارش کر کے ہمیں اس جگہ سے آرام دے۔ پس سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے آدم! آپ تمام انسانوں کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا آپ کے لئے اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام چیزوں کے نام بتلائے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری سفارش

لے جایئے تاکہ ہمیں اس جگہ سے راحت ملے حضرت آدم جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ آپ کو اپنا گناہ یاد آ جائے گا اور خدائے تعالیٰ سے شرمانے لگیں گے۔ فرمائیں گے تم حضرت نوح کے پاس جاؤ وہ خدا کے پہلے رسول ہیں جنھیں زمین والوں کی طرف اللہ پاک نے بھیجا۔ یہ آئیں گے یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے کہ میں اس کے لائق نہیں ہوں۔ آپ کو بھی اپنی خطا یاد آئے گی کہ خدا سے وہ سوال کیا تھا جس کا آپ کو علم نہ تھا۔ پس اپنے پروردگار سے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم ابراہیم خلیل الرحمن (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ وہ آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ فرمائیں گے میں اس قابل نہیں تم (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔ ان سے خدا نے کلام کیا ہے اور انہیں تورات دی ہے۔ لوگ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس آئیں گے لیکن وہ کہیں گے مجھ میں اتنی قابلیت کہاں؟ پھر اس قتل کا ذکر کریں گے جو بغیر کسی مقتول کے معاوضے کے آپ نے کر دیا تھا۔ پس اس وجہ سے خدا سے شرمانے لگیں گے اور کہیں گے تم عیسیٰ کے پاس جاؤ جو خدا کے بندے اس کا کلمہ اور اس کی روح ہیں۔ وہ یہاں آئیں گے، لیکن آپ فرمائیں گے میں اس جگہ کے قابل نہیں ہوں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے اول آخر تمام گناہ بخش دیئے گئے ہیں پس وہ سب میرے پاس آئیں گے میں کھڑا ہوؤں گا اپنے رب سے اجازت چاہوں گا جب اسے دیکھوں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا جب تک خدا کو منظور ہوگا میں سجدے میں ہی رہوں گا۔ پھر فرمایا جائے گا، اے محمد! سر اٹھایئے کہیے سنا جائے گا۔ شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی مانگئے دیا جائے گا۔ پس میں سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ تعریفیں کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر میں سفارش پیش کروں گا۔ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر دوبارہ جناب باری میں حاضر ہو کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا، جب تک وہ چاہے مجھے سجدے میں ہی رہنے دے گا۔ پھر کہا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، سوال کرو، دیا جائے گا، شفاعت کرو، قبول کی جائے گی۔ پس سر اٹھا کر اپنے رب کی وہ حمد بیان کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر تیسری مرتبہ لوٹوں گا، اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک وہ چاہے اسی حالت میں پڑا رہوں گا پھر فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھا بات کر سنی جائے گی، سوال کر عطا فرمایا جائے گا، سفارش کر قبول کی جائے گی، چنانچہ میں سر اٹھا کر وہ حمد بیان کر کے جو مجھے وہی سکھائے گا سفارش کروں گا۔ پس میرے لئے حد بندی کی جائے گی میں انہیں بھی جنت میں پہنچا آؤں گا۔ پھر چوتھی بار واپس آؤں گا اور کہوں گا باری تعالیٰ اب تو صرف وہی باقی رہ گئے ہیں جنھیں قرآن نے روک لیا ہے۔ فرماتے ہیں جہنم میں سے ہر وہ شخص نکل آئے گا جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور اس کے دل میں گیہوں کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو پھر وہ لوگ بھی دوزخ سے نکالے جائیں گے جنھوں نے لا الہ الا اللہ کہا ہو اور ان کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے، آپ فرماتے ہیں میری امت پل صراط سے گزر رہی ہوگی میں وہیں کھڑا دیکھ رہا ہوں گا۔ جو میرے پاس (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) آئیں گے اور فرمائیں گے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کی جماعت آپ سے کچھ مانگتی ہے وہ سب آپ کے لئے جمع ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تمام امتوں کو جہاں بھی چاہے الگ الگ کر دے اس وقت وہ سخت غم میں ہیں تمام مخلوق پسینوں میں گویا لگام چڑھا دی گئی ہے۔ مومن پر تو وہ مثل زکام کے ہے لیکن کافر پر تو موت کا ڈھانپ لینا ہے۔ آپ فرمائیں گے کہ ٹھہرو وہیں آتا ہوں۔ پس آپ جائیں گے عرش تلے کھڑے رہیں گے اور وہ عزت و آبرو ملے گی کہ کسی برگزیدہ فرشتے اور کسی بھیجے ہوئے نبی و رسول کو نہ ملی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی کرے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ سر اٹھایئے، مانگئے ملے گا، سفارش کیجئے قبول ہوگی۔ پس مجھے اپنی امت کی شفاعت ملے گی کہ ہر ننانوے میں سے ایک نکال لاؤں۔ میں بار بار اپنے رب عزوجل کی طرف آتا جاتا رہوں گا اور ہر بار سفارش کروں گا۔ یہاں تک کہ جناب باری مجھ سے ارشاد فرمائے گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جاؤ مخلوق خدا میں سے جس نے بھی ایک دن بھی خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہو اور اسی پر مرا ہو اسے بھی جنت میں پہنچا آؤ۔

(۱۶)　ابوداؤد طیالسی میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ عزوجل شفاعت کی اجازت دے گا۔ پس روح القدس حضرت جبرئیل علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر حضرت عیسیٰ یا حضرت موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے۔ پھر تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے۔ آپ سے زیادہ کسی کی شفاعت نہ ہوگی۔ یہی مقام محمود ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔ میں اپنی امت سمیت ایک ٹیلے پر کھڑا ہوؤں گا مجھے اللہ تعالیٰ سبز رنگ حلہ پہنائے گا۔ پھر مجھے اجازت دی جائے گی اور جو کچھ کہنا چاہوں گا کہوں گا۔ یہی مقام محمود ہے۔

(۱۷)　مسند احمد میں ہے قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدہ کرنے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی۔ میں اپنے آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھ کر اپنی امت کو اور امتوں میں سے پہچان لوں گا۔ کسی نے پوچھا، حضور! اور ساری امتیں جو حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تک کی ہوں گی ان سب میں سے آپ خاص اپنی امت کو کیسے پہچان لیں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وضو کے اثر سے ان کے ہاتھ

پاؤں اور منہ چمک رہے ہوں گے ان کے سوا اور کوئی ایسا نہ ہوگا اور میں انہیں یوں پہچان لوں گا کہ ان کے نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے اور نشان یہ ہے کہ ان کی اولادیں ان کے آگے آگے چل پھر رہی ہوں گی۔

(۱۸) عبدالرزاق میں ہے کہ قیامت کے دن کھال کی طرح اللہ تعالیٰ زمین کو کھینچ لے گا، یہاں تک کہ ہر شخص کے لئے صرف اپنے دونوں قدم ٹکانے کی جگہ ہی رہے گی۔ سب سے پہلے مجھے طلب کیا جائے گا (حضرت) جبرئیل (علیہ السلام) اللہ رحمٰن تبارک وتعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے۔ اللہ کی قسم اس سے پہلے اسے اس نے نہیں دیکھا۔ میں کہوں گا کہ باری تعالیٰ اس فرشتے نے مجھ سے کہا تھا کہ اسے تو میری طرف بھیج رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ عزوجل فرمائے گا اس نے سچ کہا اب میں یہ کہہ کر شفاعت کروں گا کہ خدایا تیرے بندوں نے زمین کے مختلف حصوں میں تیری عبادت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں یہی مقام محمود ہے، یہ حدیث مرسل ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکے میں آئے بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے انہیں کچوکے دے رہے تھے اور یہی آیت پڑھتے تھے اور فرماتے جاتے تھے ''حق آ چکا باطل نہ دوبارا آ سکتا ہے نہ لوٹ سکتا ہے''۔ ابویعلیٰ میں ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکے میں آئے بیت اللہ کے اردگرد تین سو ساٹھ بت تھے جن کی پوجا پاٹ کی جاتی تھی۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ ان سب کو اوندھے منہ گرادو۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

امام محمد بن اسحاقؒ نے ذکر کیا ہے کہ مکہ میں یہ آیت اتری کہ تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔ جب آپ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو مدینے کے علمائے یہود آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم نے سنا ہے آپ یوں کہتے ہیں کہ تمہیں تو بہت ہی کم علم عطا فرمایا گیا ہے اس سے مراد آپ کی قوم ہے یا ہم؟ آپ نے فرمایا، تم بھی اور وہ بھی۔ انہوں نے کہا سنو! تم خود قرآن میں پڑھتے ہو کہ ہم کو تورات ملی ہے اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اس میں ہر چیز کا بیان ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، علم خدا کے مقابلے میں یہ بھی بہت کم ہے، ہاں بے شک تمہیں اللہ نے اتنا علم دے رکھا ہے کہ تم اس پر عمل کرو تو تمہیں بہت کچھ نفع ملے۔ اور یہ آیت اُتری: وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ (تفسیر ابن کثیر)

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

اور کہہ اے رب داخل کر مجھ کو سچا داخل کرنا اور

اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

نکال مجھ کو سچا نکالنا

ہجرت کی کامیابی کی دُعاء:

یعنی جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے۔ اور جہاں سے نکالنا یعنی علیحدہ کرنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو کہ دشمن ذلیل وخوار اور دوست شاداں وفرحاں ہوں اور بہر صورت سچائی کی فتح اور جھوٹ کا سر نیچا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں جب مدخل صدق سے مراد جنت ہو تو مخرج صدق سے دنیا سے جانا اگر مراد لیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ بیضاوی نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ مجھے قبر میں خوشگوار طریقے سے داخل فرما اور قیامت کے دن قبر سے عزت کے ساتھ اٹھا۔ (تفسیر مظہری)

شانِ نزول:

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے پھر آپ کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اس میں لفظ مدخل اور مخرج داخل ہونے اور خارج ہونے کی جگہ میں اسم ظرف ہے اور ان کے ساتھ صفت صدق بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ یہ نکلنا اور داخل ہونا سب اللہ کی مرضی کے مطابق خیر وخوبی کے ساتھ ہو کیونکہ لفظ صدق عربی زبان میں ہر ایسے فعل کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جو ظاہراً اور باطناً درست اور بہتر ہو قرآن کریم میں قدم صدق اور لسانِ صدق اور مقعد صدق کے الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

امارت وسلطنت کی اہمیت:

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آیت کریمہ رب

اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز واکرام مدینہ طیبہ پہنچایا۔ نیز قتادہؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کی حکومت اور امارت اعزاز الٰہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتی تو بعض لوگ بعض کو تباہ وبرباد کر دیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا۔ حسن بصریؒ سلطانا نصیرا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کافروں سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ کفار وفجار کی ستم رانیوں سے گھبرائیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلغلہ ہے بالآخر دین حق غالب وسر بلند ہو کر رہے گا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

اور عطا کر دے مجھ کو اپنے پاس سے حکومت کی مدد

غلبہ کی دعاء:

یعنی غلبہ اور تسلط عنایت فرما جس کے ساتھ تیری مدد و نصرت ہو۔ تا کہ حق کا بول بالا رہے اور معاندین ذلیل و پست ہوں۔ دنیا میں کوئی قانون ہو سماوی یا ارضی اس کے نفاذ کے لئے ایک درجہ میں ضروری ہے کہ حکومت کی مدد ہو۔ جو لوگ دلائل و براہین سننے اور آفتاب کی طرح حق واضح ہو چکنے کے بعد بھی ضد و عناد پر قائم رہیں انکے ضرر و فساد کو حکومت کی مدد ہی روک سکتی ہے۔ اسی لئے سورہ حدید میں فرمایا "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ" الی آخرها (حدید رکوع ۳)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾

اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بیشک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا

غلبہ کی پیشن گوئی:

یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ میں کی گئی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبہ حق کا نہ تھا۔ یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا اور باطل کو کچلتا ہوا آ پہنچا۔ بس سمجھ لو کہ اب دین حق غالب ہوا اور کفر بھاگا۔ نہ صرف مکہ سے بلکہ سارے عرب سے۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اس وقت کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ آپ ایک چھڑی سے سب پر ضرب لگاتے اور فرماتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا، جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ " ہر ایک اوندھے منہ گر جاتا تھا۔ اس طرح قرآن کی ایک پیشگوئی پوری ہوئی اور دوسری کا اعلان کیا گیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے آئندہ کبھی واپس نہ آئے گا۔ والحمد للہ علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فتح مکہ کے دن اس آیت کی تلاوت:

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن (کعبہ میں) داخل ہوئے اس زمانہ میں کعبہ کے گرداگرد ۳۶۰ استھان تھے، اس وقت دست مبارک میں لکڑی تھی، آپ اس لکڑی کی نوک سے ہر بت کو کچوکا دیتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی۔ طبرانی نے الصغیر میں اور ابن مردویہ نے اور الدلائل میں بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ یہ آیت ہجرت کے بعد فتح مکہ کے بارے میں نازل ہوئی حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بتوں کے مجسمے کھڑے ہوئے تھے بعض علماء نے اس خاص تعداد کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مشرکین مکہ سال بھر کے دنوں میں ہر دن کا بت الگ رکھتے تھے۔ اس دن میں اس کی پرستش کرتے تھے۔ (قرطبی) آپ جب وہاں پہنچے تو یہ آیت آپ کی زبان مبارک پر تھی۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اور اپنی لکڑی ایک ایک بت کے سینے میں مارتے جاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

بتوں کا توڑنا:

بعض روایت میں ہے کہ اس چھڑی کے نیچے رانگ یا لوہے کی شام لگی ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی بت کے سینہ میں اس کو مارتے تو وہ الٹا گر جاتا تھا یہاں تک کہ یہ سب بت گر گئے اور پھر آپ نے ان کے توڑنے کا حکم دیدیا (قرطبی بحوالہ قاضی عیاض وقشیری)

شرک و کفر اور باطل کی رسوم ونشانات کا مٹانا واجب ہے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ مشرکین کے بت اور دوسرے مشرکانہ نشانات کو مٹانا واجب ہے اور تمام وہ آلات باطلہ جنکا مصرف صرف معصیت ہو ان کا مٹانا بھی اسی حکم میں ہے۔ ابن منذر نے فرمایا کہ تصویریں اور مجسمے جو لکڑی پیتل وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں وہ بھی بتوں ہی کے حکم میں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پردے کو پھاڑ ڈالا جس پر تصویریں نقش و رنگ سے بنائی گئی تھیں۔ اس سے عام تصاویر کا حکم معلوم ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ دفع ہوں اور رحمت ایمان والوں کے

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

واسطے اور گنہگاروں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

باطنی و روحانی بیماریوں کا علاج:

یعنی جس طرح حق کے آنے سے باطل بھاگ جاتا ہے قرآن کی آیات سے جو بتدریج اترتی رہتی ہیں روحانی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ دلوں سے عقائد باطلہ، اخلاق ذمیمہ اور شکوک و شبہات کے روگ مٹ کر صحت باطنی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس کی مبارک تاثیر سے بدنی صحت بھی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ "روح المعانی" اور "زاد المعاد" وغیرہ میں اس کا فلسفہ اور تجربہ بیان

کیا گیا ہے۔ بہر حال جو لوگ ایمان لائیں یعنی نسخہ شفاء کو استعمال کریں گے، تمام قلبی و روحانی امراض سے نجات پاکر خدا تعالیٰ کی رحمتِ خصوصی اور ظاہری و باطنی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ ہاں جو مریض اپنی جان کا دشمن طبیب اور علاج سے دشمنی ہی کی ٹھان لے تو ظاہر ہے کہ جس قدر علاج و دوا سے نفرت کر کے دور بھاگے گا اسی قدر نقصان اٹھائے گا۔ کیونکہ مرض امتداد زمانہ سے مہلک ہوتا جائے گا جو آخر جان لے کر چھوڑے گا۔ تو یہ آفت قرآن کی طرف سے نہیں خود مریض ظالم کی طرف سے آئی۔ کما قال تعالیٰ "وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ" (توبہ رکوع ۱۶) (تفسیر عثانی)

یعنی کفر و جہالت کی بیماری کے لیے شفا اور دلوں کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی ہے۔ روحوں کی کثافت کو زائل کرنے کے لیے جلاء ہے۔ قلبی اور نفسانی میل کو صاف کرنے والی ہے اور اندرونی اخلاق رذیلہ کو دفع کرنے والی ہے۔ اس صورت میں من القران میں من بیانیہ ہوگا۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ قرآن کریم کا قلوب کے لئے شفاء ہونا، شرک و کفر اور اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے اور تمام امت اس پر متفق ہے۔

ظاہری بیماریوں کا علاج:

اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراض باطنہ کی شفاء ہے امراض ظاہرہ کی بھی شفا ہے کہ آیات قرآن پڑھ کر مریض پر دم کرنا اور تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا امراض ظاہرہ کے لئے بھی شفاء ہوتا ہے روایات حدیث اس پر شاہد ہیں تمام کتب حدیث میں ابوسعید خدریؓ کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر میں تھی کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا تھا۔ لوگوں نے حضرات صحابہ سے پوچھا کہ آپ کچھ اس کا علاج کر سکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا مرض اچھا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے صحابہ کرام کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔

اسی طرح دوسری متعدد روایات سے حدیث سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معوذات پڑھ کر دم کرنا ثابت ہے اور صحابہ و تابعین سے معوذات اور دوسری آیات قرآن کے ذریعہ مریضوں کا علاج کرنا، لکھ کر گلے میں ڈالنا ثابت ہے۔ جس کو اس آیت کے تحت میں قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ
اور جب ہم آرام بھیجیں انسان پر تو ٹال جائے اور
نَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾
بچائے اپنا پہلو اور جب پہنچے اس کو برائی تو رہ جائے مایوس ہو کر

انسان کا عجیب حال:

یعنی انسان کا عجیب حال ہے خدا تعالیٰ اپنے فضل سے نعمتیں دیتا ہے تو احسان نہیں مانتا۔ جتنا عیش آرام ملے اسی قدر منعم حقیقی کی طرف سے اسکی غفلت و اعراض بڑھتا ہے اور فرائض بندگی سے پہلو بچا کر کھسکنا چاہتا ہے۔ پھر جب سخت اور برا وقت آیا تو ایک دم آس توڑ کر اور ناامید ہو کر بیٹھ رہتا ہے۔ گویا دونوں حالتوں میں خدا سے بے تعلق رہا۔ کبھی غفلت کی بنا پر، کبھی مایوسی کی (نعوذ باللہ من کالا الحالین) یہ مضمون غالباً اس لئے بیان فرمایا کہ قرآن جو سب سے بڑی نعمت الٰہی ہے۔ بہت لوگ اس کی قدر نہیں پہچانتے بلکہ اس کے ماننے سے اعراض و پہلو تہی کرتے ہیں۔ پھر جب اس کفران نعمت اور اعراض و انکار کا برا نتیجہ سامنے آئے گا اس وقت قطعاً مایوسی ہوگی کسی طرف امید کی جھلک نظر نہ پڑے گی۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ
تو کہہ ہر ایک کام کرتا ہے اپنے ڈھنگ پر سو تیرا رب خوب جانتا ہے
بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾
کس نے خوب پالیا راستہ

ہر ایک اپنی طبیعت پر چلتا ہے:

یعنی ہر ایک کافر و مومن اور معرض و مقبل اپنے اپنے طریقے، نیت، طبعیت اور مذہب پر چلتا اور اسی میں مگن رہتا ہے لیکن یاد رہے خدا کے علم محیط سے کسی شخص کا کوئی عمل باہر نہیں ہو سکتا وہ ہر ایک کے طریق عمل اور حرکات و سکنات کو برابر دیکھ رہا ہے اور بخوبی جانتا ہے کہ کون کتنا سیدھا چلتا ہے اور کس میں کس قدر کجروی و کجراہی ہے۔ ہر ایک کے ساتھ اسی کے موافق برتاؤ کریگا۔ (تفسیر عثانی)

قتادہ کا قول ہے اس قرآن کے ساتھ جو کوئی بیٹھتا ہے وہ کچھ اس سے لیکر اٹھتا ہے، یا کچھ نقصان کر کے، اللہ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور کفار کے لیے موجب خسارہ۔

یہی مفہوم ہے رسول اللہ کے اس قول کا کہ ہر شخص کو اسی بات کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اس کو پیدا کیا گیا ہے۔ متفق علیہ عن علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً۔

حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور باہم گفتگو کر رہے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا، لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی شخص اپنی سرشت سے بدل گیا ہے تو نہ ماننا کیونکہ وہ (عارضی طور پر اگر چہ اپنی سرشت کو چھوڑے ہوئے نظر آئے گا۔ لیکن بالآخر) اسی جبلت کی طرف لوٹ آئے گا جس پر اس کی تخلیق ہوگی۔ رواہ احمد۔

بیضاوی نے کہا ہر شخص اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کی حالت کے مناسب

ہوتا ہے گمراہی کا ہو یا ہدایت کا یا اس راستہ پر چلتا ہے جو اس کے جوہر روح اور ان احوال کے مناسب ہوتا ہے جو اس کے مزاج جسمانی کا تقاضا ہیں۔ (تفسیر مظہری)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بخاری نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ مدینہ کھیتوں میں ایک بار جا رہے تھے، میں بھی ساتھ تھا، آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گذرے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر یہودی باہم کہنے لگے، ان سے روح کے متعلق دریافت کرو، ایک شخص بولا کچھ مت پوچھو، کہیں ایسا جواب نہ دیدیں جو تم کو ناگوار ہو، دوسرے نے کہا ہم ضرور پوچھیں گے، چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر روح کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، آپ کچھ (دیر) خاموش رہے۔ میں سمجھ گیا کہ وحی ہونے والی ہے، میں بھی کھڑا ہو گیا، کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہوگئی تو آپ نے مندرجہ ذیل آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو

یہودیوں کے بے ہودہ سوالات:

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے؟ اس کی ماہیت و حقیقت کیا ہے؟ یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو کیا تھا اور سیر کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ میں قریش نے یہود کے مشورہ سے یہ سوال کیا۔ اسی لئے آیت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے نزول مکرر ہوا ہو واللہ اعلم۔ یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے ادھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں ازراہ تعنت و عناد جھگڑتے رہتے ہیں۔ ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخہ شاف سے فائدہ اٹھاتے "وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا" (الشوریٰ رکوع ۵) "يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ" (نحل رکوع ۱) مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں۔ "روح" کیا ہے؟ جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ سے تعلق رکھتی ہیں۔ بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے "روح" جو بہر حال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے اس کی اصل ماہیت و کنہ تک پہنچنے کی پھر کیا امید کی جاسکتی ہے۔ مشرکین مکہ کی جہالات اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی، وہ روح کی حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد و اہلیت رکھتی ہوگی؟

تو کارزمیں رانکو ساختی   کہ با آسماں نیاز پرداختی

(تفسیر عثمانی)

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ
کہہ دے روح ہے میرے رب کے حکم سے اور تم کو
الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾
علم دیا ہے تھوڑا سا

سوال کا اجمالی جواب:

موضح القرآن میں ہے کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا، سو اللہ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا۔ آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باتیں نہیں کیں۔ اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی، وہ جی اٹھا، جب نکل گئی مر گیا" اھ

قرآنی الفاظ کا اعجاز:

(تنبیہ) حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب و غریب اعجاز رکھتا ہے۔ روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کجرو معاندین کے لئے کافی ہے لیکن اسی سطح کے نیچے ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہ طلب و تحقیق میں چراغ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔ روح کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا، اور نہ شاید ہو سکے، روح کی اصلی کنہ و حقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ و حقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

روح کے متعلق قرآنی نظریات:

تاہم میرے نزدیک آیات قرآنیہ سے روح کے متعلق ان چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔ (۱) انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جسے روح کہتے ہیں وہ عالم امر کی چیز ہے اور خدا کے حکم و ارادہ سے فائض ہوتی ہے۔ "قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ"۔ "خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" (آل عمران رکوع ۶) "ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" (المومنون رکوع ۱) "اِنَّمَا قَوْلُنَا

لِشَیْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (نحل رکوع ۵) روح کی صفات علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصول کمال کے اعتبار سے بے حد تفاوت وفرق مراتب ہے۔حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام تک پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہوسکے، جیسے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پہنچی۔ یشیر الیہ اضافة الامر الی الرب والرب الیٰ یا المتکلم المراد بہ ھھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم و قولہ تعالی فیما بعد "قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ" (۳) مگر اسکے یہ کمالات ذاتی نہیں۔وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے ہیں اور محدود ہیں، یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا" "فان العلم قد اتاہ من مفیض آخر وھو قلیل فی جنب علم اللہ تعالیٰ کما قال تعالیٰ "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ" (کہف رکوع ۱۲) "وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ" (لقمان رکوع ۳) و یدل علیٰ تحدید القدرة قولہ تعالیٰ فیمابعد ردؔ لقولھم "لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا الخ" "قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا" "روح انسانی خواہ علم وقدرت وغیرہ صفات میں کتنی ہی ترقی کرجائے حتیٰ کہ اپنے تمام ہم جنسوں سے گوئے سبقت لے جائے، پھر بھی اس کی صفات محدود رہتی ہیں صفات باری کی طرح لامحدود نہیں ہوجاتیں اور یہ ہی بڑی دلیل اسکی ہے کہ آریوں کے عقیدے کے موافق روح خدا سے علیحدہ کوئی قدیم وغیر مخلوق ہستی نہیں ہوسکتی۔ورنہ تحدید کہاں سے آئی۔(۴) کتنی ہی بڑی کامل روح ہو، حق تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس وقت چاہے اس سے کمالات سلب کرلے۔گو اس کے فضل ورحمت سے کبھی ایسا کرنیکی نوبت نہ آئے۔یدل علیہ قولہ تعالیٰ "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" "یہ چند اصول جو ہم نے بیان کئے اہل فہم کو نسق آیات میں ادنیٰ تامل کرنے سے معلوم ہوسکتے ہیں۔

عالم امر وغیرہ کی تشریح:

صرف ایک "عالم امر" کا لفظ ہے جس کی مناسب تشریح ضروری ہے اور جس کے سمجھنے سے امید ہے روح کی معرفت حاصل کرنے میں بہت مدد ملے گی۔لفظ "امر" قرآن کریم میں بیسیوں جگہ آیا اور اس کے معنی کی تعین میں علماء نے کافی کلام کیا ہے لیکن میری غرض اس وقت سورۂ "اعراف" کی آیت "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ" کی طرف توجہ دلانا ہے جہاں "امر" کو "خلق" کے مقابل رکھا ہے جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے یہاں دو مد بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں ایک "خلق" دوسرا "امر" دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کو ہم سیاق آیات سے بسہولت سمجھ سکتے ہیں۔پہلے فرمایا اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ "(اعراف رکوع ۷) یہ تو "خلق" ہوا۔ درمیان میں "اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ" کا ذکر کرکے جو شان حکمرانی کو ظاہر کرتا ہے فرمایا "يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ" (اعراف رکوع ۷) یعنی ان مخلوقات کو ایک معین ومحکم نظام پر چلاتے رہنا جسے تدبیر وتصریف کہتے ہیں۔ یہ "امر" ہوا۔ "اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ" (طلاق رکوع ۲)

نظام کائنات اور اس میں امر الٰہی کی تشریح:

گویا دنیا کی مثال ایک بڑے کارخانہ کی سمجھو جس میں مختلف قسم کی مشینیں لگی ہوں۔کوئی کپڑا بن رہی ہے کوئی آٹا پیس رہی ہے کوئی کتاب چھاپتی ہے کوئی شہر میں روشنی پہنچارہی ہے۔کسی سے پنکھے چل رہے ہیں وغیرہ ذالک۔ ہر ایک مشین میں بہت سے کل پرزے ہیں جو مشین کی غرض وغایت کا لحاظ کرکے ایک معین اندازے سے ڈھالے جاتے اور لگائے جاتے ہیں۔پھر سب پرزے جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جاتا ہے۔جب تمام مشینیں فٹ ہوکر کھڑی ہوجاتی ہیں، تب الیکٹرک (بجلی) کے خزانہ سے ہر مشین کی طرف جدا جدا راستہ سے کرنٹ چھوڑ دیا جاتا ہے۔آن واحد میں ساکن وخاموش مشینیں اپنی اپنی ساخت کے موافق گھومنے اور کام کرنے لگ جاتی ہیں۔بجلی ہر مشین اور ہر پرزہ کو اسکی مخصوص ساخت اور غرض کے مطابق گھماتی ہے۔حتیٰ کہ جو قلیل وکثیر کہربائیہ روشنی کے لیمپوں اور قمقموں میں پہنچتی ہے، وہاں پہنچ کر ان ہی قمقموں کی ہیأت اور رنگ اختیار کرلیتی ہے۔اس مثال میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا، اس کے کل پرزوں کا ٹھیک اندازہ پر رکھنا، پھر فٹ کرنا، ایک سلسلہ کے کام ہیں۔جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز (بجلی یا اسٹیم) اسکے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح سمجھو حق تعالیٰ نے اول آسمان وزمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو "خلق" کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جسے "تقدیر" کہا گیا ہے۔ "قدرہ تقدیرا" سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے "تصویر" کہتے ہیں۔ "خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ" (اعراف رکوع ۲) یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے لگا دیا جائے۔ آخر مشین کو چالو کرنے کیلئے "امر الٰہی" کی بجلی چھوڑ دی گئی۔شاید اس کا تعلق اسم "باری" سے ہے۔ "الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ" (الحشر رکوع ۳) وفی الحدیث "فلق الحبة و برا النسمة" وفی سورة الحدید "مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا" "ای النفوس کما ھو مروی عن ابن عباس وقتادة والحسن۔غرض ادھر سے حکم ہوا "چل" فوراً چلنے لگی۔ اسی "امر الٰہی" کو فرمایا "اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ"

(یٰسین رکوع ۵) دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر ''کن'' کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ''خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' (آل عمران رکوع ۶) بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ''کن فیکون'' کا مضمون جتنے واضع میں آیا عموماً خلق وابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے۔ جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ ''کن'' کا خطاب ''خلق'' کے بعد تدبیر وتصریف وغیرہ کے لئے ہوتا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہاں ''امر'' کے معنی ''حکم'' کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ ''کن'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور ''کن'' جس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے۔ جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ وکلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہ ہی مسلک رکھنا چاہئے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ ''روح'' کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں امر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ، يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ ''۔ اور پہلے گذر چکا کہ ''امر'' عبارت ہے کلمہ ''کن'' سے۔ یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقہ پر کی جائے جس پر غرض ایجاد وتکوین مرتب ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ''روح'' کا مبدا حق تعالیٰ کی صفت کلام ہے جو صفت علم کے ماتحت ہے۔ شاید اسی لئے ''نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ '' میں اسے اپنی طرف منسوب کیا ''کلام'' اور ''امر'' کی نسبت متکلم اور آمر سے ''صادر'' و ''مصدور'' کی ہوتی ہے۔ ''مخلوق'' و ''خالق'' کی نہیں ہوتی۔ اسی لئے ''اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ '' میں ''امر'' کو ''خلق'' کے مقابل رکھا، ہاں یہ امر ''کن'' باری تعالیٰ شانہ سے صادر ہو کر ممکن ہے جو ہر مجرد کے لباس میں یا ایک ''ملک اکبر'' اور ''روح اعظم'' کی صورت میں ظہور پکڑے۔ جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم ''کہربائیہ روحیہ'' کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔ گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں۔ اور الارواح جنود مجندۃ الخ کے بے شمار تاروں کا یہیں کنکشن ہوتا ہے۔ اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی بے شمار مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے ان ہی کے مناسب رنگ وہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ رہی یہ بات کہ ''کن'' کا حکم جو قسم کلام سے ہے، جوہر مجرد یا جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ تمام عقلاً اس پر متفق ہیں کہ ہم خواب میں جو اشکال وصور دیکھتے ہیں، بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، بھیڑیے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں وہ جواہر واجسام کیونکر بن گئے اور کس طرح ان میں اجسام کے لواز وخواص پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض دفعہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی انکے آثار جدا نہیں ہوتے۔ فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوۃ مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہ ہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کرے جو عالم بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے۔ پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔ ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفت قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے۔ ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔ وہ ارواح وملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور ''امر الٰہی'' بحالہ قدیم رہے۔ امکان وحدوث کے آثار واحکام ارواح وغیرہ تک محدود رہیں اور ''امر الٰہی'' ان سے پاک وبرتر ہو۔ جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک سکنڈ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔ پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) ''اَمْرِ رَبِّيْ '' کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے سب احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو الظاہر۔ واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل وتقریب الی الفہم ہے۔ ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

اے بروں از وہم و قال وقیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من

روح مجرد ہے یا نورانی:

رہا یہ مسئلہ کہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکمائے قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہل حدیث وغیرہ کی رائے ہے۔ اس میں میرے نزدیک قول فیصل ہی ہے جو بقیۃ السلف علامہ سید انور شاہ صاحب اطال اللہ بقاءہ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی یہاں تین چیزیں ہیں (۱) وہ جواہر جن میں جو مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ (۲) جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیا اجسام مثالیہ کہتے ہیں (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ''ارواح'' یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔ جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک ''بدن مثالی'' سے موسوم ہے

جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے۔ اور بدن مادی کی طرح آنکھ ناک کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر حالت موت طاری ہونے نہیں پاتی ۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے " اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا " کی تفسیر میں نقل کیا، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔ یا جیسے آج ہی میں نے اخبار میں ایک تار پڑھا کہ " حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوابازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب انگیز نتائج رونما ہوئے ہیں۔ اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا۔ لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا۔ اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا۔ (دعویٰ کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا مکمل ہے جیسا کسی ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا " ۔ آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک روح جسم سے علیحدہ تھی، اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا۔ بہر حال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں کوئی استحالہ نہیں بلکہ اگر اس روح مجرد کی بھی کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر " امر ربی " کی وحدت پر منتہی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔ شیخ فریدالدین عطار رحمہ اللہ نے " منطق الطیر " میں کیا خوب فرمایا۔

ہم ز جملہ بیش و ہم پیش از ہمہ — جملہ از خود دیدہ و خویش از ہمہ

جاں نہاں در جسم و اودر جاں نہاں — اے نہاں اندر نہاں اے جانِ جاں

خلاصہ کلام:

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو " کن " کی مخاطب ہوئی، روح حیات پائی جائے۔ بیشک میں یہ ہی سمجھتا ہوں کہ ہر مخلوق کی ہر ایک نوع کو اسکی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کے لئے وہ چیز پیدا کی گئی، ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا " کن " (اس کام میں لگ جا) بس یہ ہی اس کی روح حیات ہے جب تک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی۔ اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی اسی قدر موت سے نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔ ھذا ما عندی و عند الناس ما عندھم واللہ سبحانہ و تعالیٰ ھو الملھم للصواب ۔ (تفسیر عثمانی)

قرآنی جواب سائلین کے مطابق ہے:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ اور یہ لوگ آپ سے بطور امتحان روح کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے، یعنی روح اس کائنات میں سے ہے جس کی ایجاد بغیر مادہ کے صرف لفظ کن سے ہوئی ہے۔ اعضائے جسم کی پیدائش کی طرح اس کی پیدائش کسی مادی اصل سے نہیں ہے۔ سوال کرنے والوں کی سمجھ کے انداز ے کے مطابق جواب دیدیا گیا۔ جس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ دوسری مادی مخلوق کی طرح روح کی ہستی نہیں ہے، بلکہ سب سے الگ ہے لیکن یہودیوں نے روح کی حقیقت دریافت کی تھی اور حقیقت روح اس جواب سے واضح نہیں ہوئی۔ اس لیے آگے فرمایا:

انسانی علم بہت محدود ہے:

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ، اور (غیر مادی اشیاء کا) تم کو علم نہیں دیا گیا ہے مگر تھوڑا سا۔ یعنی اتنا جتنا تم اپنے حسوا کے ذریعہ حاصل کر سکو۔ نظری حقائق کا علم بدیہیات سے حاصل ہوتا ہے اور بدیہیات کا علم احساس جزئیات سے (اس طریقے کے علاوہ نظری علوم حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ نہیں) اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس نے حس کو کھو دیا اس نے علم کو کھو دیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر غیر محسوس چیزوں کے اجزاء اور ذاتیات تک حس کی رسائی نہیں ہے ان کا علم محض امتیازی اوصاف اور خواص کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور الفاظ کی وضع یا تو محسوس چیزوں کے لیے کی جاتی ہے یا ان نامحسوس چیزوں کے لئے جن کے حصول علمی کا ذریعہ محسوس اشیاء ہوتی ہیں۔

فرعون نے جب حضرت موسیٰ سے کہا ما رب العلمین ۔ رب العالمین کون ۔ اس کی کیا حقیقت ہے تو جواب میں حضرت موسیٰ نے رب العالمین کے بعض خصوصی اوصاف کا ذکر کیا (حقیقت نامعلوم تھی۔ اس کو بتانے کے لیے الفاظ ہی نہ تھے اس لیے حقیقت کا کامل بیان نہ کر سکے)

انبیاء و اولیاء کیلئے روح کی حقیقت کا جاننا ناممکن نہیں:

لیکن اس آیت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ حقیقت روح کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض مخصوص روشن بصیرت رکھنے والے اولیاء کے لیے بھی ناممکن تھا کیونکہ انبیاء اور مخصوص اولیاء کا علم کسبی نہیں ہوتا، ان کو علم کے لیے وساطت حواس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ان کا علم محض الہامی اور انکشافی ہوتا ہے۔ غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ نورانی اور لمعاتی ہوتا ہے۔ وہ دلوں کے کانوں سے وہ آوازیں سنتے ہیں جو چہرے کے کانوں سے سنائی نہیں دیتیں اور چشم بصیرت سے وہ چیزیں دیکھتے ہیں جو چشم بصر سے نہیں دیکھی جاسکتیں۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے برابر میرا تقرب حاصل

کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے اور جب مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے (یعنی اس کا سننا میرا سننا اور اس کا دیکھنا میرا دیکھنا ہو جاتا ہے، وہ کسی چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے تو گویا میں پکڑتا ہوں اور وہ اپنے قدموں سے چلتا ہے تو گویا میں چلتا ہوں۔ مترجم)

روحِ سفلی اور روحِ علوی:

اصحاب بصیرت کو حقیقت روح کا علم ہوتا ہے ارباب انکشاف نے صراحت کی ہے کہ روح سفلی ایک ہے جس کو نفس کہا جاتا ہے اور علوی ارواح پانچ ہیں قلب۔ روح۔ سر۔ خفی۔ اخفی۔ ان سب میں ذاتی فرق بھی ہے اور صفاتی بھی ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات اور ہر ایک اوصاف دوسری کے اوصاف سے ممتاز ہیں کسی کا کسی سے اشتباہ نہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو ان میں باہم اشتباہ ہو جاتا ہے بلکہ یہ تمام علوی ارواح اتنی لطیف ہیں کہ مراتب وجوب کے ساتھ ان کا اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کی وجہ سے بعض لوگ کہہ اٹھے تھے، میں نے تیس برس روح کی عبادت کی تیس برس کے بعد اللہ نے روح کی حقیقت کا اور روح کے ممکن و حادث ہونے کا اس پر انکشاف کر دیا اور وہ بول اٹھا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کیلئے مشرکین و یہودیوں کا منصوبہ

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں، کبھی ہم نے کسی جھوٹ کا ان پر شبہ بھی نہیں کیا، لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینہ کے یہودیوں کے پاس بھیج کر دریافت کراؤ، وہ اہل کتاب میں دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ چند آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینہ میں بھیجا گیا، لوگوں نے جا کر یہودیوں سے دریافت کیا یہودیوں نے جواب دیا محمد سے جا کر تین باتیں پوچھو، اگر وہ تینوں کا جواب دیدیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی نہیں ہیں اور اگر دو باتوں کا جواب دیدیں اور تیسری کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو وہ نبی ہیں۔

(۱) ان سے دریافت کرو وہ نوجوان کون تھے جنہوں نے (بھاگ کر کہیں) پناہ پکڑی تھی ان کا کیا واقعہ تھا؟

(۲) وہ کون شخص تھا جو مشرق اور مغرب تک پہنچ گیا تھا اس کا کیا واقعہ تھا؟

(۳) روح کیا ہے؟ اس کے متعلق بھی جا کر دریافت کرو۔

قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تینوں سوال کیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں کل کو تمہارے سوالوں کے جواب دیدوں گا، آپ نے انشاء اللہ نہیں فرمایا، اس لیے وحی آنے میں تاخیر ہوگئی، مجاہد کے قول میں بارہ دن۔ بعض اقوال میں پندرہ دن اور عکرمہ کے نزدیک چالیس دن تک تاخیر وحی کی صراحت آئی ہے۔ اہل مکہ کہنے لگے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا، لیکن اتنی مدت ہوگئی کچھ بھی نہیں بتایا، ادھر نزول وحی میں تاخیر ہوئی ادھر اہل مکہ ایسی باتیں کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا رنج ہوا (اور سخت رنج ہوا) اسی اثناء میں اچانک ایک روز جبرئیل یہ وحی لیکر آئے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ پھر اول سوال کے متعلق نازل ہوا۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا دوسرے سوال کے جواب میں نازل ہوا وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ اور روح کے متعلق ارشاد ہوا قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ۔ ترمذی نے یہ قصہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

حضرت جبریلؑ:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی بھی نسبت کی ہے کہ جس روح کے متعلق سوال کیا گیا تھا۔ اس سے مراد حضرت جبرئیل تھے (یعنی جبرئیل کے متعلق یہودیوں نے دریافت کیا تھا) حسن اور قتادہ کا بھی یہی قول منقول ہے۔

میں کہتا ہوں ضحاک کا قول عبد بن حمید اور ابوالشیخ نے اور ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول بغوی نے نقل کیا ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار زبانیں ہیں اور تمام زبانوں سے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے، مجاہد نے کہا روح ایک اور مخلوق ہے جو ہیں تو آدمی کی شکل کے۔ ان کے ہاتھ پاؤں بھی ہیں اور وہ کھانا بھی کھاتے ہیں لیکن وہ آدمی نہیں ہیں اور فرشتے بھی نہیں ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا عرش کے سوا اللہ نے روح سے بڑی اور کوئی مخلوق پیدا نہیں کی اگر وہ چاہے تو ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں اور ان کی ساری موجودات کا ایک لقمہ بنا کر نگل سکتا ہے، اس کی جسمانی ساخت تو فرشتوں جیسی ہے اور چہرے کا ڈول آدمیوں کے چہروں کی طرح ہے، قیامت کے دن وہ عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوگا اور تمام مخلوق سے زیادہ اللہ کے قریب ستر حجابوں کے پاس موجود ہوگا اور اہل توحید کی شفاعت کرے گا۔ اگر اس کے اور ملائکہ کے درمیانی نور کا حجاب حائل نہ ہو تو آسمانوں والے اس کے نور سے سوختہ ہو جائیں۔

حضرت عیسیٰؑ:

بعض کے نزدیک حضرت عیسیٰ مراد ہیں اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ عیسیٰ ویسے نہیں جیسا یہود ان کو جانتے ہیں اور ان کی والدہ پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور نہ ابن اللہ ہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے بلکہ ان کی پیدائش محض اللہ کے حکم سے کلمہ کن سے بغیر باپ کے ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

روح کا اجمالی تعارف:

سوال کرنے والوں نے روح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا روح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرمادیجئے کہ ''روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے''۔ یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے تطورات اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں بلکہ وہ بلاواسطہ حق تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔ اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو عام مادیات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جس سے وہ تمام شبہات رفع ہو گئے جو روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لئے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لئے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دے کر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لئے بھی آسان نہیں۔

ہر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سائل کی دینی مصلحت کی رعایت لازم ہے

امام جصاصؒ نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو یہود نے پوچھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں اتنا جاننا کافی ہے اور بس۔ کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی اور وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مرگیا۔ (انتہی)

یہ کہ جسم انسانی منزلہ قمقمہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو قمقموں کے اندرونی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور قمقمہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق قمقموں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام تار روشن رہیں گے۔ اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو معاً روشنی معدوم ہو جائے گی۔ اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے رہے گا تو تمام قویٰ اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے۔

روح کی شکلیں:

اور ہر روح کی خاص صورت اور خاص شکل ہے جو اس جسم کثیف کے ہم شکل ہے اور ہم صورت ہیں۔ روح کی شکل بعینہٖ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک اور کان اور ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ اور ناک اور ہاتھ اور پیر ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لئے منزلہ لباس کے ہے جسمانی ہاتھ روحانی ہاتوں کے لئے منزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں منزلہ پاجامہ کے ہیں اور سر منزلہ ٹوپی کے ہے اور چہرہ منزلہ نقاب کے ہے وقس علی ھذا۔

اچھے اور برے اخلاق کا سرچشمہ:

استاد ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں۔ نار سے پیدا ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبرؒ نے تمہید شرح موطا میں اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے:

ان اللہ خلق آدم جعل فیہ نفسا و روحا فمن الروح عفافہ و فھمہ وحلمہ وسخائہ ووفائہ ومن النفس شھوتہ و طیشہ...... و سفھہ و غضبہ و نحو ھذا. کذافی الروض الانف شرح سیرۃ ابن ھشام

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا اس قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے نکلتے ہیں اور شہوت اور تیزی اور شقاہت اور غیظ و غضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاق رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ (روض الانف)

فطرت کی دو متضاد چیزیں:

اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہیں کہ آدم کی فطرت میں دو متضاد چیزیں پیوست کر دی گئیں۔ ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین کے ہے بلکہ بقول بعض اولیاء نفس شیطان کا جڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث ہے۔ اعدی عدوک نفسک التی بین جنبک. اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان واقع ہے۔ اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو یہ کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ شیطان تو آعوذ باللہ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس اعوذ باللہ

پڑھنے سے بھی نہیں بھاگتا نیز شیطان جب انسان کو گمراہ کرتا ہے تو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے۔ شیطان اپنے کام میں نفس کا محتاج ہے اور نفس گمراہ کرنے میں شیطان کا محتاج نہیں اس لئے آپ نے نفس کو بڑا دشمن قرار دیا۔

حضرت شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں

نفس و شیطان زد کریما راہ من رحمت باشش شفاعت خواہ من

شیخ فریدالدینؒ نے نفس کو شیطان سے پہلے ذکر کیا کہ اغوا میں نفس شیطان کا محتاج نہیں۔ شیطان کو گمراہ کرنے والا اس کا نفس ہے کسی شیطان نے شیطان کو گمراہ نہیں کیا بہرحال نفس انسان کا دشمن ہے اور روح انسان کی دشمن نہیں اس لئے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز احادیث میں جہاد کی بکثرت ترغیب مذکور ہے اور ایک حدیث میں جہاد نفس کو جہادِ اکبر فرمایا کیونکہ نفس قریبی دشمن ہے اور دارالحرب کے کافر دور کے دشمن ہیں اور حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْکُمْ غِلْظَۃً یعنی اے مسلمانو! قریبی کافروں سے جہاد و قتال کرو اس لئے اس (قریبی دشمن نفس) سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہوا۔ بہرحال قرآن اور حدیث میں نفس سے جہاد کا حکم آیا ہے روح سے جہاد کا حکم نہیں آیا اور قرآن اور حدیث نے تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہوائے نفس کو قرار دیا ہے کہ نفس انسان کو لذات اور شہوات کی طرف دعوت دیتا ہے حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پرواہ نہیں کرتا۔

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیدان درنمی آید سواراں راچہ شد

روح و نفس کا تعلق:

عارفین کا قول ہے کہ روح انسانی نر اور مرد ہے اور منزلہ شوہر کے ہے اور نفس حیوانی مادہ اور مونث ہے اور منزلہ زوجہ کے ہے اور دونوں میں اللہ نے باہمی محبت ڈال دی دونوں کا باہم نکاح ہو گیا پھر دونوں کے باہمی تعلق سے اولاد پیدا ہونے لگی اور وہ اولاد (اعمال ہیں) جو روح اور نفس کے امتزاج سے متولد ہیں۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْہِ حدیث میں ہے کہ اگر مرد کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو اولاد نر پیدا ہوتی ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو لڑکی پیدا ہوئی۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر نفس اور روح کے مخالطت اور مباشرت میں غلبہ روح کا ہوا تو اعمال صالحہ کا تولد ہوگا اور اگر غلبہ نفس کا ہوا تو اعمال سیئہ کا تولد ہوگا اور تمام ائمہ لغت اور ائمہ نحو کے نزدیک لفظ مونث سماعی ہے نفس کے لئے جو فعل یا ضمیر لائی جائے گی وہ فعل مونث کا ہوگا اور ضمیر بھی مونث کی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں اس کی مخالفت میں خیر و برکت ہے۔ لہٰذا مرد مومن کو چاہیے کہ نفس کے مشوروں پر نہ چلے روح کے مشوروں پر چلے۔

جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو چیز بھی ہے وہ کسی دوسری طرح سرایت کیے ہوئے ہے۔ جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہو جائے تو اس کا نام موت ہے امام الحرمین اور امام رازی کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسان ایک جسم لطیف اور دوامی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور مقدار سے بری ہے اور روح حیوانی ایک بخار لطیف کا نام ہے جو اس روح انسانی کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف۔ صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری جسم ظاہری میں کثیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہر اور حسی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہو جاتا ہے۔

روح حیوانی اور روح انسانی:

امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی۔ روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے جو اخلاط اربعہ۔ خون اور بلغم اور صفرا اور سودا سے پیدا ہوتا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں۔ آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبعیت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرما اور سردی اور خشکی اور تری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخار لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیف شے ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور اس کا اس عالم میں ایک مسافر خانہ ہے اور یہ روح حیوانی اس کے لئے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی۔ عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لئے آئی ہے تاکہ یہاں آ کر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کے لئے توشہ لے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اور اس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام روح ہے جو اللہ کے حکم سے فائض ہوتی ہے جس سے ہم زندہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔

دنیا کے عقلاء کا نظریہ:

دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ روح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام

ہے کہ جس کے زور سے ذی روح بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو تمام کلیں بند ہو جاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے اس کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دھری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب و کتاب کے قائل نہیں اس لئے کہ مرنے کے بعد کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب و عذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ

اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی

اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾

بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ دار

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ

مگر مہربانی سے تیرے رب کی اس کی بخشش

عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾

تجھ پر بڑی ہے

نعمت قرآن:

یعنی قرآن کا جو علم تم کو دیا ہے خدا چاہے تو ذرا سی دیر میں چھین لے پھر کوئی واپس نہ لا سکے۔ لیکن اس کی مہربانی آپ پر بہت بڑی ہے اسی لئے یہ نعمت عظمیٰ عنایت فرمائی اور چھیننے کی کوئی وجہ نہیں۔ صرف قدرت عظیمہ کا اظہار مقصود ہے اور یہ کہ کیسی ہی کامل روح ہو اس کے سب کمالات موہوب و مستعار ہیں ذاتی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

علم کیسے جاتا رہے گا:

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ لوگوں کے سینوں سے کھینچ کر نکال لے بلکہ علماء کو قبض کر لے گا اور جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے جو بغیر جانے فتوی دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت زیاد بن لبید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے بعض چیزوں کا تذکرہ کیا اور فرمایا ایسا اس وقت ہوگا جب علم جاتا رہے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ علم کیسے جاتا رہے گا ہم قرآن پڑھیں گے اور اپنی اولاد کو پڑھائیں گے اور ہماری اولاد اپنے بچوں کو پڑھائے گی اور یہ سلسلہ یوں ہی قیامت تک چلتا رہے گا۔ فرمایا زیاد تجھ پر تیری ماں روئے، میں تو تجھے مدینہ کے دانشمند آدمیوں میں سے سمجھتا تھا، کیا یہودی اور عیسائی توریت وانجیل نہیں پڑھتے لیکن توریت وانجیل کے احکام پر عمل نہیں کرتے (یہی حالت مسلمانوں کی ہو جائے گی) ترمذی نے یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ فرائض (علم میراث) سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ، قرآن سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کیونکہ میں (ہمیشہ نہیں رہوں گا) وفات پا جانے والا آدمی ہوں اور علم بھی قبض کر لیا جائے گا اور فتنے پیدا ہو جائیں گے فریضہ (ترکہ میت کی تقسیم) کے متعلق دو آدمیوں میں اختلاف ہوگا تو کوئی تیسرا آدمی ان دونوں کا فیصلہ کرنے والا نہ ملے گا (یعنی کوئی عالم نہیں رہے گا کہ فیصلہ کر سکے) رواہ الدارمی والدارقطنی۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسی حدیث کو سن کر قرآن کی تحریروں سے زائل ہو جانے اور سینوں سے فراموش ہو جانے کا ذکر فرمایا۔

صحیحین کی حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قبض علم کی صورت یہ ہوگی کہ علماء نہیں رہیں گے یہ مطلب نہیں کہ سینوں کے اندر سے قرآن نکال لیا جائے گا، حضرت زیاد کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ قبض علم کا معنی صرف یہ ہے کہ علم پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ توفیق عمل ختم ہو جائے گی۔ ان تینوں احادیث وروایات کے باہم تعارض کو دور کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ اول علم کے مطابق عمل کی توفیق جاتی رہے گی۔ پھر علماء کی قلت ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ زمانہ قلت علماء کا ہی ہے پہلے علماء بہت تھے (پھر عمل میں کمزوری آئی) پھر تعلیم و تعلم میں کمی ہوئی اور علماء کم ہو گئے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

سعید یا عکرمہ کی وساطت سے ابن جریر اور ابن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ سلام بن مشکم یہودیوں کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا ارکان جماعت کے نام راوی نے بیان کیے تھے اور عرض کیا ہم آپ کا اتباع کس طرح کر سکتے ہیں آپ نے تو ہمارا قبلہ بھی چھوڑ دیا اور جو کچھ آپ لائے ہیں (یعنی قرآن) اس میں توریت کی طرح ہم کو کوئی ربط نظر نہیں آتا تاہم پر کوئی ایسی کتاب اتارو جس کو ہم پڑھیں اور (اس کی حقانیت وصداقت کو) پہچان لیں، ورنہ جیسا آپ نے بیان کیا ہے ایسا تو ہم بھی پیش کر سکتے ہیں، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى

کہہ اگر جمع ہوں آدمی اور جن اس پر

اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ

کہ لائیں ایسا قرآن ہرگز نہ لائیں گے

بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾

ایسا قرآن اور چاہے مدد کیا کریں ایک دوسرے کی

اعجازِ قرآن:

اعجاز قرآن کے متعلق متعدد مواضع میں کلام کیا جا چکا ہے اور اس موضوع پر ہمارا مستقل رسالہ ''اعجاز القرآن'' چھپا ہوا ہے اسے ملاحظہ کر لیا جائے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اگر (سب) انسان اور جنات متفق ہو کر ایسا قرآن لانے کے لیے جمع ہو جائیں تو اس جیسا قرآن نہیں لاسکیں گے خواہ (باہم مل کر) ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں (اور سب مل کر کوشش کریں) یعنی اگرچہ یہ لوگ بڑے بڑے بلیغ زبان دان شاعر، اور خالص عرب ہیں لیکن بلاغت، حسن ترتیب اور محاسن معنوی کے لحاظ سے قرآن جیسی عبارت نہیں پیش کر سکتے۔ بغوی نے لکھا ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کافروں نے کہا تھا لو نشآء لقلنا مثل هذا اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا کلام کہہ لیں۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے اس قول کو غلط قرار دیا۔ یہ اللہ کی طرف سے ایک معجزہ تھا کہ ویسا ہی ہوا جیسا اس آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا باوجود انتہائی کوشش کے کوئی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ بھی مقابلہ میں قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے۔

میں کہتا ہوں قرآن کی مانند کلام پیش کرنے کی دعوت کا یہ معنی ہے کہ خود بنا کر لاؤ جس میں وحی خداوندی کو کوئی دخل نہ ہو۔ اور فرشتے خود ایسا کلام لانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس کے خالق وہ خود ہوں اور وہ غیر مخلوق کلام کی طرح ہو کلام اللہ کے مقابلہ میں کلام بنانے کی کوشش تو کفر ہے اور ملائکہ سے کفر و انکار کا ظہور ممکن نہیں، وہ معصوم ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ

اور ہم نے پھیر پھیر کر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں

كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

ہر مثل سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے

یعنی انکی خیر خواہی کے لئے عجیب و غریب مضامین بار بار مختلف پیرایوں میں قسم قسم کے عنوانوں سے بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اکثر احمقوں کو اسکی قدر نہیں بجائے احسان ماننے کے ناشکری پر تلے ہوئے ہیں۔

فَاَبٰۤى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا پھر بھی اکثر لوگ بے انکار کیے نہ رہے۔ یعنی اکثر لوگوں نے سوائے کفر و انکار کے (قرآن کی ہدایت میں سے) کسی بات کو قبول کرنا پسند نہیں کیا۔

قریش سرداروں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت

بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا مندرجہ ذیل بیان نقل کیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب اور قبیلہ عبدالدار کا ایک اور آدمی (بقول بغوی نضر بن حارث) اور ابو البختری، اسود بن المطلب، زمعہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ امیہ بن خلف، عاص بن وائل، نبیہ بن حجاج، منبہ بن حجاج اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ سب کے سب غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ کسی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج کر ان کو بلواؤ اور ان سے بات چیت کرو اور جھگڑا طے کر لو تا کہ اتمام حجت ہو جائے اور (پھر تم جو کچھ کرو) تم کو معذور سمجھا جائے، چنانچہ ایک شخص کو بھیج کر یہ پیام کہلوایا کہ تمہاری قوم کے سردار تم سے گفتگو کرنے جمع ہوئے ہیں آ کر بات چیت کر لو۔ رسول اللہ کو خیال ہوا کہ لوگوں کی رائے میں کوئی نئی تبدیلی پیدا ہوگئی ہے آپ تو دل سے چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کو ہدایت ہو جائے پیام ملتے ہی فوراً چلے آئے جب آ کر بیٹھ گئے تو حاضرین نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آدمی بھیج کر تم کو اس غرض سے بلوایا ہے کہ تمہارے متعلق ہم حجت تمام کر دیں کوئی عربی شخص آج تک اپنی قوم پر وہ مشکلات تمہیں لایا جو تم اپنی قوم پر لائے ہو تم نے اسلاف کو گالیاں دیں، ان کے مذہب کو برا کہا اہل عقل کو سبک سر قرار دیا ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا، جماعت میں پھوٹ ڈال دی کوئی ایسی قبیح بات باقی نہیں جو تم نے اپنے اور ہمارے درمیان پیدا نہ کر دی ہو اگر اس چیز (قرآن اور اسلام) کو پیش کرنے سے تمہارا مقصد حصول زر ہے تو ہم آپس میں چندہ کر کے تم کو اتنا مال دینے کو تیار ہیں کہ تم سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اور اگر تم عزت کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنالیں گے اور حکومت چاہتے ہو تو اپنا حاکم بھی تم کو قرار دے سکتے ہیں اور اگر کوئی جن تم پر مسلط ہو گیا ہے جو یہ کلام تم کو بتاتا ہے اور تم اس کو لوٹا نہیں سکتے تو ہم تمہارے علاج کے لیے اپنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں (کسی کاہن یا عامل کو روپیہ دے کر اس کا اتار کرا دیں گے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنی باتیں تم نے کہیں ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہے۔ میں یہ قرآن پیش کر کے نہ زر کا طلبگار ہوں نہ عزت و سیادت کا نہ حکومت و اقتدار کا مجھے تو اللہ نے تمہارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور مجھے ایک کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے علم دیا ہے کہ (ماننے

والوں کو جنت کی) خوش خبری دیدوں اور (نہ ماننے والوں کو دوزخ سے) ڈراؤں اب میں اللہ کا پیام پہنچا چکا اور تم کو نصیحت کر چکا اگر مان لوگے تو یہ دنیا اور آخرت میں تمہاری خوش نصیبی ہوگی۔ رد کر دو گے تو میں اللہ کے حکم پر صبر کروں گا اور منتظر رہوں گا کہ اللہ میرا اور تمہارا کیا فیصلہ کرتا ہے۔

سرداروں کا مطالبہ:

کہنے لگے محمد جو کچھ ہم نے پیش کیا اگر تم کو وہ قبول نہیں تو (اپنی پیغمبری کا ثبوت پیش کرو) تم واقف ہو کہ ہماری یہ بستی بہت تنگ ہے (ہر طرف پہاڑ گھیرے ہوئے ہیں ہم اس کو کسی طرف بڑھا نہیں سکتے) اور ہمارے پاس مال بھی سب (یعنی اہل یمن و شام) سے کم ہے اور ہماری زندگی بھی بہت زیادہ دکھی ہے پس تم اپنے رب سے درخواست کر کے ان پہاڑوں کو جنہوں نے ہماری بستی کو تنگ کر رکھا ہے یہاں سے ہٹوا دو کہ ہمارا یہ شہر پھیل جائے اور شام و عراق کی طرح ہمارے ملک میں بھی ہمارے لیے دریا بہا دو اور یہ بھی اپنے رب سے کرا دو کہ ہمارے آباء واجداد زندہ ہو جائیں جن میں قصی بن کلاب (قریش کا مورث اعلیٰ) بھی ضرور ہو وہ بڑا سچا آدمی تھا، پھر ہم ان سب سے دریافت کریں کہ جو کچھ تم کہہ رہے وہ سچ ہے یا جھوٹ اگر وہ تمہاری تصدیق کر دیں گے تو ہم بھی تم کو سچا مان لیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے جو پیام مجھے دیکر بھیجا گیا تھا وہ میں نے تم کو پہنچا دیا اگر مان لوگے تو دنیا و آخرت میں یہ تمہاری خوش نصیبی ہوگی قبول نہ کرو گے تو میں اللہ کے حکم کے انتظار میں صبر کروں گا۔

فرشتہ بھیجنے کا مطالبہ:

کہنے لگے اچھا اگر تم یہ نہیں کرتے تو اپنے رب سے کہہ کر اتنا ہی کرا دو کہ وہ تمہاری تصدیق کرنے کے لیے ایک فرشتے کو بھیجدے اور تم کو کچھ باغ اور سونے چاندی کے خزانے دیدے کہ جس تکلیف (اور افلاس) میں ہم تم کو دیکھ رہے اس سے تم بے غم ہو جاؤ، تم بازاروں میں کھڑے ہماری طرح روزی کی جستجو میں لگے رہتے ہو پھر اس کی فکر تم کو نہ رہے، حضور نے فرمایا اللہ نے مجھے اس لیے نہیں بھیجا، مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، کہنے لگے اچھا تو ہمارے اوپر آسمان کو ہی گروا دو کیونکہ تمہارا دعوٰی ہے کہ تمہارا رب اگر چاہے تو ایسا کر سکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اختیار اللہ کو ہے اگر وہ تمہارے ساتھ ایسا کرنا چاہے گا تو کر دے گا، ایک شخص بولا، ہم تو تمہاری بات اس وقت تک نہیں مانیں گے، جب تک اللہ اور فرشتوں کو تم ہمارے سامنے لا کر شہادت نہ دلوا دو۔

عبداللہ بن ابی امیہ کی باتیں:

یہ بات سن کر رسول اللہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ آپ کی پھپھی عاتکہ بن عبدالمطلب کا لڑکا عبداللہ بن ابی امیہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور (راستہ میں) کہنے لگا، محمد! تمہاری قوم نے چند باتیں تمہارے سامنے رکھیں اور تم نے کسی بات کو قبول نہیں کیا پھر انہوں نے چند باتیں طلب کیں جن سے معلوم ہو جاتا کہ اللہ کے ہاں تمہارا مرتبہ خصوصی ہے تم نے ان کو بھی نہ مانا پھر انہوں نے تم سے کہا کہ جس عذاب سے تم ڈرا رہے ہو وہ جلد لے آؤ تم نے ایسا بھی نہیں کیا اب بخدا میں تمہاری اس بات کا صرف اس وقت ہی یقین کر سکوں گا کہ تم میری نظر کے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر میرے سامنے وہاں سے ایک کھلی ہوئی کتاب لے کر آ جاؤ اور تمہارے ساتھ چار فرشتے بھی آئیں جو تمہاری تصدیق کریں اور میرا تو خیال ہے کہ اگر تم ایسا کر بھی گذرو گے تب بھی میں تمہاری تصدیق نہیں کر سکوں گا۔ کافروں کی اتنی نفرت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو کر اپنے گھر لوٹ آئے اور آیات ذیل بَشَرًا رَّسُوۡلًا تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ

اور بولے ہم نہ مانیں گے تیرا کہا جب تک تو نہ جاری کر دے ہمارے واسطے

الۡاَرۡضِ يَنۡۢبُوۡعًا ۙ﴿۹۰﴾

زمین سے ایک چشمہ ☆

بیہودہ فرمائشیں: یعنی مکہ کی سرزمین سے، قرآن کے اعجاز سے عاجز ہو کر ایسی دور از کار فرمائشیں کرنے لگتے تھے۔ غرض استفادہ وانتفاع مقصود نہ تھا محض تعنت وعناد سے کام تھا۔ (تفسیر عثمانی)

اَوۡ تَكُوۡنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّعِنَبٍ

یا ہو جائے تیرے واسطے ایک باغ کھجور اور انگور کا

فَتُفَجِّرَ الۡاَنۡهٰرَ خِلٰلَهَا تَفۡجِيۡرًا ۙ﴿۹۱﴾ اَوۡ تُسۡقِطَ

پھر بہائے تو اس کے بیچ نہریں چلا کر یا گرا دے

السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا

آسمان ہم پر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے

یہ اسکی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَيۡهِمۡ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (السبا رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةِ قَبِيۡلًا ۙ﴿۹۲﴾

یا لے آ اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے

یعنی معاذ اللہ خدا خود ہمارے سامنے آکر کہہ دے اور فرشتے کھلم کھلا شہادت دیں کہ تم سچے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے قبیل کا ترجمہ کفیل کیا ہے یعنی اللہ اور ملائکہ کو اپنے دعوے (کی صداقت) کا ذمہ دار اور کفیل بنا کر پیش کرو جو شہادت دیں کہ تمہاری بات صحیح ہے اگر اس بات کو ماننے سے ماننے والوں کو کچھ نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار اللہ اور ملائکہ ہوں گے۔ قتادہ نے قبیلا کا ترجمہ کیا مقابلاً آمنے سامنے یعنی ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ۔ فراء نے کہا عرب بولتے ہیں لقیت فلاناً قبیلا وقبلا میں نے فلاں شخص سے رودررو ملاقات کی۔ اس ترجمہ پر قبیلا الملائکۃ سے حال ہوگا۔ مجاہد نے کہا قبیل قبیلۃ کی جمع ہے قبیلا سے مراد ہے قسم یعنی قسم قسم کے ملائکہ کو پیش کرو۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ

یا ہو جائے تیرے لیے ایک گھر سنہرا☆

یعنی سونے کا نہ تو کم از کم سونے کا ملمع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ تَرْقٰى فِى السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ

یا چڑھ جائے تو آسمان میں اور ہم نہ مانیں گے تیرے چڑھ جانے

حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ

جب تک نہ اتار لائے ہم پر ایک کتاب جس کو ہم پڑھ لیں

یعنی جیسے آپ معراج کا ذکر کرتے ہیں ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیے پھر وہاں سے ایک کتاب لکھی ہوئی لے کر آیئے جسے ہم خود پڑھ سکیں اور سمجھ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّىْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾

تو کہہ سبحان اللہ میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہوں بھیجا ہوا

پیغمبران بے ضرورت فرمائشوں سے پاک ہے:

جیسے پہلے پیغمبر آئے اور وہ آدمی تھے۔ کسی پیغمبر کو خدائی کے اختیارات حاصل نہیں نہ اس کی یہ شان ہے کہ اپنے رب سے ایسی بے ضرورت فرمائشیں کرے۔ ان کا کام یہ ہے کہ جو ادھر سے ملے پہنچا دیں اور اپنے ہر ایک کام کو خدائے واحد کے سپرد کر دیں۔ سو میں اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ فرمائشی نشان دکھلانے یا نہ دکھلانے اس کی حکمت بالغہ پر محول ہیں اور پہلے اسی صورت میں فرمائشی نشانات نہ دکھلانے کی بعض حکمتیں گذر چکی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرمائشوں کا اجمالی جواب:

یعنی تمہارا سوال پورا کرنا انسانی اور بشری طاقت سے خارج ہے، ہاں اگر اللہ چاہے تو تمہاری خواہشات پوری کر دے لیکن فرمائشی معجزات کا اظہار اللہ کا دستور نہیں، اپنے رسول کے ہاتھ پر اللہ اتنی آیات و معجزات کا اظہار کر چکا ہے کہ تمہاری ان فرمائشات کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں، قرآن مجید اس نے اتار دیا، رسول کی انگلی کے اشارے سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا، رسول کی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے اور طرح طرح کے معجزوں کا ظہور ہو چکا۔ اس آیت میں کافروں کے سوالات کا ایک مجمل جواب دیا گیا ہے۔ تفصیلی جواب دوسری آیات میں آیا ہے فرمایا ہے وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِىْ قِرْطَاسٍ الخ۔ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى یعنی کچھ بھی ہو جائے (قرآن کے ذریعہ سے پہاڑ چلنے لگیں یا زمین کی طنابیں کھینچ دی جائیں، یا مردے زندہ ہو کر بولنے لگیں) وہ ایمان نہیں لائیں گے ہر کام کا اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دولتمندی کو پسند نہیں فرمایا:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، بطحا مکہ کی بابت مجھ سے فرمایا گیا کہ اگر تم چاہو تو میں اسے سونے کا بنا دوں؟ میں نے گزارش کی کہ نہیں خدایا میری تو یہ چاہت ہے کہ ایک روز پیٹ بھرا رہوں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ بھوک میں تیری طرف جھکوں تضرع اور زاری کروں اور بکثرت تیری یاد کروں۔ بھرے پیٹ ہو جاؤں تو تیری حمد کروں تیرا شکر بجا لاؤں۔ ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى

اور لوگوں کو روکا نہیں ایمان لانے سے جب پہنچی ان کو ہدایت

اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

مگر اسی بات نے کہ کہنے لگے کیا اللہ نے بھیجا آدمی کو پیغام دے کر

یعنی نور ہدایت پہنچنے کے بعد آنکھیں نہ کھلیں یہی کہتے رہے کہ آدمی ہو کر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ اگر خدا کو پیغمبر بھیجنا تھا تو آسمان سے کوئی فرشتہ اتارتا۔ (تفسیر عثمانی)

بے سروپا معاندانہ سوالات کا پیغمبرانہ جواب:

آیات مذکورہ میں جو سوالات اور فرمائشیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ایمان لانے کی شرط قرار دیکر کی گئیں وہ سب ایسی ہیں کہ ہر انسان ان کو سنکر ایک قسم کا تمسخر اور ایمان نہ لانے کا بیہودہ بہانے کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا ایسے سوالات کے جواب میں انسان کو فطرۃً غصہ آتا ہے اور جواب بھی اسی انداز کا دیتا ہے۔ مگر ان آیات میں ان کے بے ہودہ سوالات کا جو جواب حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلقین فرمایا وہ قابل نظر اور

مصلحین امت کے لئے ہمیشہ یادرکھنے اور لائحہ عمل بنانے کی چیز ہے کہ ان سب کے جواب میں نہ ان کی بے وقوفی کا اظہار کیا گیا نہ ان کی معاندانہ شرارت کا نہ ان پر کوئی فقرہ کسا گیا بلکہ نہایت سادہ الفاظ میں اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ جو شخص خدا کا رسول ہو کر آئے وہ سارے خدائی اختیارات کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہونا چاہئے یہ تخیل غلط ہے رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے اللہ تعالیٰ ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے معجزات بھی بھیجتے ہیں مگر وہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار سے ہوتا ہے رسول کو خدائی کے اختیارات نہیں ملتے۔

رسول صرف انسان نہیں بلکہ اس میں ایک شان ملکیت کی بھی ہوتی ہے اس کی وجہ سے جنات کو بھی مناسبت ان سے ہوسکتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ

کہہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے

مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿٩٥﴾

بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر ☆

فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانے کی وجہ:

یعنی اگر یہ زمین آدمیوں کے بجائے فرشتوں کی بستی ہوتی تو بے شک موزوں ہوتا کہ ہم فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے۔ آدمیوں کی طرف اگر فرشتہ اس کی اصلی صورت میں بھیجا جائے تو آنکھیں اور دل تحمل بھی نہ کرسکیں، فائدہ اٹھانا تو الگ رہا۔ اور آدمی کی صورت میں آئے تو اشتباہ میں پڑے رہیں۔ اس کی تقریر سورہ انعام کے پہلے رکوع میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ

کہہ اللہ کافی ہے حق ثابت کرنے والا میرے اور تمہارے بیچ میں وہ ہے

بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿٩٦﴾

اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی تصدیق حاصل ہے:

وہ جو کہتے تھے ''اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا'' یعنی خدا سامنے اگر تصدیق کر دے تب مانیں۔ تو فرمایا کہ خدا اب بھی اپنے فعل سے میری تصدیق کر رہا ہے۔ آخر وہ مجھ کو دیکھتا ہے کہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اور میرے ظاہری و باطنی احوال سے پورا خبردار ہے۔ اس پر بھی میرے ہاتھ اور زبان پر برابر وہ علمی و عملی نشانات ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ جو خارق عادت اور اس کے عام قانون قدرت سے کہیں بلند و برتر ہیں۔ میرے مقاصد کو یوماً فیوماً کامیاب اور وسیع الاثر بناتا ہے۔ اور تکذیب کرنے والوں کو قدم قدم پر متنبہ کرتا ہے کہ اس رفتار سے تم فلاح نہیں پا سکتے کیا یہ خدا کی طرف سے کھلی ہوئی فعلی شہادت نہیں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں؟ کیا ایک مفتری کے ساتھ ایسا معاملہ خدا کا ہوسکتا تھا؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

اور جس کو راہ دکھلائے اللہ وہی ہے راہ پانے والا اور جس کو بھٹکائے

فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ

پھر تو نہ پائے ان کے واسطے کوئی رفیق اللہ کے سوائے ☆

ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے:

یعنی خدا کی توفیق و دستگیری ہی سے آدمی راہ حق پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ جس کی بدبختی اور تعنت کی وجہ سے خدا دستگیری نہ فرمائے اسے کون ہے جو ٹھیک راستہ پر لگا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ

اور اٹھائیں گے ہم ان کو دن قیامت کے چلیں گے منہ کے بل

عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ

اندھے اور گونگے اور بہرے

کافر منہ کے بل چلیں گے:

یہ قیامت کے بعض مواطن میں ہوگا کہ کافر منہ کے بل اندھے گونگے کر کے چلائے جائیں گے۔ حدیث میں ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ منہ کے بل کس طرح چلیں گے فرمایا جس نے آدمی کو پاؤں سے چلایا وہ قادر ہے کہ سر سے چلا دے۔ باقی فرشتوں کا جہنمیوں کو منہ کے بل گھسیٹنا، وہ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہوگا۔ ''يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ'' (القمر رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

تین طرح کا حشر:

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کا حشر تین طریقے پر ہوگا، کچھ لوگ سوار ہوں گے، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل (گھسٹتے ہوئے) ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ منہ کے بل کیسے چلیں گے، فرمایا، جس نے ٹانگوں کے بل چلایا ہے وہ منہ کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا

ہے۔ اور حضرت معاویہ بن جندب کی روایت سے اس طرح بھی بیان کیا ہے کہ حضرت معاویہ بن جندب نے کہا میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا کہ تمہارا حشر کیا جائے گا، سوار ہونے کی حالت میں اور پیدل ہونے کی حالت میں اور تم کو گھسیٹا جائے گا منہ کے بل۔ (یعنی قیامت کے دن کچھ لوگ سوار کر کے لے جائے جائیں گے اور کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل گھسیٹ کر)

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی، ایک جماعت کپڑے پہنے کھائے پیئے اور سواریوں پر سوار ہوگی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور دوڑے گی اور ایک جماعت کو ملائکہ منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اندھے، گونگے، بہرے ہونے کا مطلب:

اندھے گونگے بہرے ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کوئی ایسی صورت ان کے سامنے نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور کوئی ایسا عذر بیان نہ کر سکیں گے جو قابل قبول ہو اور کوئی خوش کن مسرت آفریں بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ کیونکہ آیات قدرت اور نشانہائے عبرت کو دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمہ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی طرف اس تفسیر کی نسبت کی ہے۔ (حضرت ابن عباسؓ کی اس تشریح کا حاصل یہ ہے کہ اندھا گونگا بہرا ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکیں گے، نہ بول سکیں گے نہ سن سکیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا میں وہ آیات و ہدایات کو چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے تھے اور کلمہ حق کو گوش قبول سے نہیں سنتے تھے اور کلام حق زبانوں پر نہیں لاتے تھے، اسی طرح قیامت کے دن وہ کوئی جاذب قلب شکل نہیں دیکھیں گے کوئی صداء مسرت آفریں نہیں سنیں گے اور کوئی قابل قبول عذر زبانوں سے نہ پیش کر سکیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

ٹھکانا انکا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے اور بھڑکا دینگے ان پر

عذاب میں کمی نہ ہوگی:

یعنی عذاب معین اندازہ سے کم نہیں ہونے دیں گے۔ اگر بدن جل کر تکلیف میں کمی ہونے لگے گی تو پھر نئے چمڑے چڑھا دیے جائیں گے۔" كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا " (نساء رکوع ۸)

یعنی جب ان کی کھالیں اور گوشت جل چکیں گے اور آگ کی بھڑک میں کچھ سکون پیدا ہو جائے گا تو دوبارہ ان کو کھالیں اور گوشت پہنا دیا جائے گا اور اس ایندھن سے پھر آگ بھڑکائی جائے گی اور یوں ہی برابر ہوتا رہے گا۔ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھائے جانے کے وہ منکر تھے اس لیے اللہ بھی ان کو یہ سزا دے گا کہ بار بار مریں گے اور بار بار جئیں گے، اور یہ سلسلہ قائم رہے گا، اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا: ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا

یہ ان کی سزا ہے اس واسطے کہ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے اور بولے

ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

کیا جب ہم ہوگئے ہڈیاں اور چورا چورا کیا ہم کو اٹھائیں گے

خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

نئے بنا کر☆

یعنی دنیا میں دلیل سے تو نہ مانا تھا، اب آنکھ سے بار بار دیکھ لو کس طرح جل جل کر از سر نو تیار کیے جا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کیا نہیں دیکھ چکے کہ جس اللہ نے بنائے آسمان اور زمین

قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

وہ بنا سکتا ہے ایسوں کو☆

یعنی جس نے اتنے بڑے بڑے اجسام پیدا کئے اسے تم جیسی چھوٹی سی چیز کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے" لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ " (مومن رکوع ۶) بے شک وہ تم کو اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ

اور مقرر کیا انکے واسطے ایک وقت بے شبہ☆

سب کے اٹھنے کا وقت مقرر ہے:

یعنی شاید یہ کہو کہ آخر اتنے آدمی مر چکے ہیں وہ اب تک کیوں نہیں اٹھائے گئے۔ تو فرما دیا کہ سب کے واسطے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے وہ ضرور آ کر رہے گا۔ تاخیر دیکھ کر انکار کرنا حماقت ہے۔" وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ " (ہود رکوع ۹)

فَاَبٰٓی اَکۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوۡرًا ﴿۹۹﴾

سو نہیں رہا جاتا بے انصافوں سے بن ناشکری کیے ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی:

یعنی ایسے واضح مضامین و دلائل سن کر بھی ناانصافوں کے کفر و ضلال اور ناشکری میں ترقی ہی ہوتی ہے، ذرا نہیں پسیجتے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡ لَّوۡ اَنۡتُمۡ تَمۡلِکُوۡنَ خَزَآئِنَ رَحۡمَةِ رَبِّیۡۤ

کہہ اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانے

اِذًا لَّاَمۡسَکۡتُمۡ خَشۡیَةَ الۡاِنۡفَاقِ ؕ وَ کَانَ الۡاِنۡسَانُ قَتُوۡرًا ﴿۱۰۰﴾

تو ضرور بند کر رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور ہے انسان دل کا تنگ ☆

ربط آیات:

گذشتہ رکوع میں فرمایا تھا اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ کَانَ عَلَیۡکَ کَبِیۡرًا قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ " (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپ پر بہت بڑا فضل کیا ہے۔ کہ قرآن جیسی بے مثال دولت عطا فرمائی) درمیان میں مخالفین کے تعنت و عناد، دوراز کار مطالبات اعراض و تکذیب اور ان کے نتائج کا ذکر کر کے یہاں پھر اسی پہلے مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے۔

نبوت اللہ کا فیض ہے:

یعنی ایک بندہ کو ایسی عظیم الشان رحمت اور عدیم النظیر دولت سے سرفراز فرمانا، اسی جواد حقیقی اور وہاب مطلق کی شان ہو سکتی ہے جس کے پاس رحمت کے غیر متناہی خزانے ہوں۔ اور کسی مستحق کو زیادہ سے زیادہ دینے میں نہ اس کو اپنے تہی دست رہ جانے کا خوف ہو، نہ اس کا اندیشہ کہ دوسرا ہم سے لے کر کہیں مدمقابل نہ بن جائے یا آگے چل کر ہمیں دبا نہ لے۔ خداوند قدوس تھڑدلے انسان کی طرح (العیاذ باللہ) تنگ دل واقع نہیں ہوا، جسے اگر فرض کرو خزائن رحمت کا مالک مختار بنا دیا جائے تب بھی اپنی طبیعت سے بخل و تنگ دلی نہ چھوڑے اور کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبرائے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر آج خرچ کرتا ہوں کل میری ہمسری نہ کرنے لگے۔ بہرحال اگر رحمت الٰہیہ کے خزانے تمہارے قبضہ میں ہوتے تو تم کسے دینے والے تھے اور کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر دولتمندوں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت "بنی ہاشم" کے ایک در یتیم کو مل جائے۔ یہ حق تعالیٰ کا فیض ہے کہ جس میں جیسی استعداد و قابلیت دیکھی اس کے مناسب کمالات و انعامات کے خزانے انڈیل دیئے۔ تمہارے تعنت و تعصب سے خدا کا فضل رکنے والا نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں جو خزائن آپ کے اتباع کو ملنے والے ہیں مل کر رہیں گے اور پیغمبر علیہ السلام اور انکے پیرو دریا دلی سے اس دولت کو بنی نوع انسان پر خرچ کریں گے تمہاری طرح تنگ دلی نہیں دکھائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سیدی حضرت حکیم الامۃ تھانوی نے بیان القرآن میں اس جگہ رحمت رب سے مراد نبوت و رسالت اور خزائن رحمت سے مراد کمالات نبوت لئے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

رحمت رب سے مراد رزق ہے یا ہر نعمت مراد ہے اور خَشۡیَةَ الۡاِنۡفَاقِ سے مراد ہے ناداری کا خوف۔ یا ختم ہو جانے کا اندیشہ نفق الشیء، وہ چیز ختم ہو گئی، عربی محاورہ ہے۔ قتور کا معنی ہے بخیل، کنجوس۔ انسان حاجت مند ہے اور جس چیز کی اس کو حاجت ہوتی ہے اس کو خرچ کرنے میں کنجوسی کرتا ہے اور خرچ کرتا ہے تو معاوضہ کے لالچ میں، مگر اللہ غنی ہے کسی چیز کا محتاج نہیں، جتنا بھی وہ عطا فرما دے اس سے ہزاروں گنا زیادہ پیدا کر سکتا ہے، اس لیے اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر مظہری)

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو نشانیاں صاف پھر پوچھ

بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ

بنی اسرائیل سے جب آیا وہ ان کے پاس ☆

موسیٰؑ کے نو معجزات:

یعنی جیسے آپ کو فضل و رحمت سے قرآن عظیم دیا اور بہت کچھ مہربانیاں آپ پر فرمائیں، ہم پہلے موسیٰ علیہ السلام کو صداقت کے نو کھلے ہوئے نشانات (معجزات) ان کے مناسب حال عنایت فرما چکے ہیں جب کہ وہ "بنی اسرائیل" کے پاس فرعون کے مظالم سے نجات دلانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ اگر چاہو تو "بنی اسرائیل" کے باخبر اور منصف مزاج علماء سے پوچھ دیکھو کہ یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے۔ (تنبیہ) وہ نو معجزات یہ تھے۔ ید، عصا، سنین، نقص ثمرات، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، دم۔ سورہ اعراف آیت "فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ" الخ کے فوائد میں ہم اس کی تفصیل کر چکے ہیں ملاحظہ کر لی جائے۔ مسند احمد اور ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے آپ سے "تسع آیات" کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ یہ احکام ہیں، شرک نہ کرو، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق خون مت کرو، جادو نہ کرو، سود مت کھاؤ، بے گناہ کو مت پکڑ او کہ حاکم اسے

قتل کر دے، عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگاؤ، جہاد میں سے مت بھاگو۔ نو حکم تو یہ ہوئے جن کے سب لوگ مخاطب ہو سکتے ہیں۔ دسواں حکم (اے یہود) تمہارے لئے مخصوص تھا کہ سبت (شنبہ) کے دن حد سے نہ گذرو۔ یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں نکارت ہے جو غالباً اس کے راوی عبداللہ بن سلمہ کی طرف سے آئی ہے قرآن کا نظم و سیاق ہرگز اس کو نہیں چاہتا کہ ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ'' سے مراد یہ نو احکام لئے جائیں۔ آگے فرعون اور موسیٰ کا مکالمہ جو ''فقال لہ'' سے نقل فرمایا، مقتضی ہے کہ ''آیات'' سے وہ نشانات مراد ہوں جو بطور دلائل و حجج کے فرعونیوں کو دکھلائے گئے تھے، چنانچہ لفظ بصائر بھی انہی پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور پہلے سے اہل مکہ کے تعنت اور آیات طلب کرنے کا جو ذکر آ رہا ہے اس کے مناسب بھی یہی ہے کہ یہاں فرعونیوں کا تعنت آیات کونیہ کے متعلق دکھلایا جائے۔ بہر حال ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ یہود نے شاید ''تسع آیات'' کی نسبت نہیں بلکہ ان دس آیات کی نسبت کیا ہوگا جو تورات کے شروع میں بطور وصایا لکھے جاتے تھے۔ چنانچہ حدیث میں دس ہی چیزیں مذکور ہیں۔ راوی حدیث کو التباس و اشتباہ ہو گیا، اس نے ''کلمات عشر'' کی جگہ ''تسع آیات'' کو ذکر کر دیا۔ اور ممکن ہے سوال ''آیات تسعہ'' سے کیا گیا ہو۔ لیکن آپ نے جواب علی اسلوب الحکیم دیا۔ گویا تنبیہ کر دی کہ نو معجزات کا معلوم کرنا تمہارے حق میں چنداں مفید اور اہم نہیں بلکہ ان دس احکام کا یاد رکھنا زیادہ مہم ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یہودیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال:

حضرت صفوان بن عسال کا بیان ہے ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ اس نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر اس نے یہ لفظ سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نو واضح آیات دریافت کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نو کھلی ہوئی آیات یعنی احکام یہ ہیں)۔ (۱) کسی چیز کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دو۔ (۲) چوری نہ کرو۔ (۳) زنا نہ کرو (۴) ناحق ناجائز خون نہ کرو۔ (۵) کسی بے قصور کو (قتل یا بغاوت وغیرہ کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس قتل کرانے کے لیے نہ لے جاؤ۔ (۶) جادو نہ کرو۔ (۷) سود نہ کھاؤ۔ (۸) کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ (۹) جہاد میں مقابلہ کے وقت بھاگنے کے لیے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو! تمہارے لیے خاص طور پر یہ حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی حرمت میں (حدود شرعیہ سے) تجاوز نہ کرو (کہ ظاہری حیلہ بہانہ کر کے سنیچر کے دن اپنے معاشی کاروبار جاری رکھو اور کوئی شرعی حیلہ اس کے لیے تلاش کر لو) یہ سن کر دونوں یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ چوم لیے، اور بول اٹھے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لیے کون سی چیز مانع ہے۔ کہنے لگے، حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ انہی کی نسل سے اللہ ہر پیغمبر مبعوث فرمائے اب اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو ہم کو ڈر ہے کہ یہودی ہم کو قتل کر دیں گے۔ رواہ ابوداؤد والنسائی و ابن ماجہ والترمذی والحاکم۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ حاکم نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور صراحت کی ہے کہ اس کو معلول قرار دینے کی ہم کو کوئی وجہ معلوم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ نو معجزات اس طرح شمار فرمائے ہیں (۱) عصائے موسیٰ جو اژدہا بن جاتی تھی۔ (۲) ید بیضا جس کو گریبان میں ڈالکر نکالنے سے چمکنے لگتا تھا (۳) زبان میں لکنت تھی وہ دور کر دی گئی۔ (۴) بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے کے لئے دریا کو پھاڑ کر اسکے دو حصے الگ کر دیئے اور راستہ دیدیا۔ (۵) ٹڈی دل کا عذاب غیر معمولی صورت میں بھیج دیا گیا۔ (۶) طوفان بھیجدیا گیا۔ (۷) بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا (۸) مینڈکوں کا ایک عذاب مسلط کر دیا گیا۔ (۹) خون کا عذاب بھیجا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون جل جاتا تھا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ
تو کہا اس کو فرعون نے
لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا
میری اٹکل میں تو موسیٰ تجھ پر جادو ہوا

فرعون کا انکار: یعنی کسی نے تجھ پر جادو کر دیا ہے جس سے معاذ اللہ عقل خراب ہو گئی۔ اسی لئے بہکی بہکی باتیں کرتا ہے دوسری جگہ ہے'' اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ''(شعراء رکوع ۲) گویا مسحور سے مراد مجنون ہے اور بعض نے مسحور کو بمعنی ساحر لیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ
بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں اتاریں
اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ
مگر آسمان اور زمین کے مالک نے سجھانے کو
وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا
اور میری اٹکل میں فرعون تو غارت ہوا چاہتا ہے

فرعون حقیقت جان چکا تھا:

یعنی گو زبان سے انکار کرتا ہے مگر تیرا دل خوب جانتا ہے کہ یہ عظیم الشان نشان تیری آنکھیں کھولنے کیلئے اسی خدائے قادر و توانا نے دکھلائے ہیں جو آسمان و زمین کا سچا مالک ہے۔ اب جو شخص جان بوجھ کر محض ظلم و تکبر کی راہ سے حق کا انکار کرے اس کی نسبت بجز اس کے کیا خیال کیا جا سکتا ہے کہ تباہی کی گھڑی اسکے سر پر آ پہنچی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ "ایمان" جاننے کا نام نہیں، ماننے کا نام ہے۔ " وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا " (النمل رکوع۱) (تفسیر عثمانی)

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

پھر چاہا کہ بنی اسرائیل کو چین نہ دے اس زمین میں

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾

پھر ڈبا دیا ہم نے اس کو اور اس کے ساتھ والوں کو سب کو ☆

فرعون کی ہلاکت: جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ کا اثر بڑھتا جاتا ہے۔ سمجھا کہ بنی اسرائیل کہیں زور نہ پکڑ جائیں اس لئے ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا کہ یہ مصر میں امن چین سے رہنے نہ پائیں۔ آخر ہم نے اسی کو نہ رہنے دیا اور بحر قلزم میں سب ظالموں کا بیڑہ غرق کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ

آباد رہو تم زمین میں پھر جب آئے گا وعدہ

الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

آخرت کا لے آئیں گے ہم تم کو سمیٹ کر ☆

بنی اسرائیل آزاد ہو گئے: یعنی خدا نے ظالم کی جڑ کاٹ دی اور تم کو غلامی سے نجات دی۔ اب مصر و شام میں جہاں چاہو آزادی سے رہو۔ جب قیامت آئے گی پھر ایک مرتبہ تم سب کو اور تمہارے تباہ شدہ دشمنوں کو اکٹھا کر کے شقی و سعید اور ہالک و ناجی کا دائمی فیصلہ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ

اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے قرآن اور سچ کے ساتھ اترا ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا علمی معجزہ:

موسیٰ علیہ السلام کے معجزات وغیرہ کا ذکر فرما کر روئے سخن پھر قرآن کریم کی طرف پھیر دیا گیا۔ یعنی معجزات موسوی بجائے خود تھے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات باہرہ عطا ہوئے ان میں سب سے بڑا علمی معجزہ یہ قرآن کریم ہے جو ہم نے عین حکمت کے موافق، اپنے علم عظیم اور اعلیٰ درجہ کی سچائی پر مشتمل کر کے اتارا ہے اور ٹھیک اسی سچائی کے ساتھ وہ آپ تک پہنچ گیا۔ درمیان میں ادنیٰ ترین تغیر و تبدل بھی نہیں ہوا " فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ " (ہود رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن کو ملائکہ کی نگرانی میں آسمان سے اتارا ہے اور ملائکہ کی حفاظت میں ہی وہ رسول پر نازل ہوا ہے۔ شیاطین کی دسترس سے قرآن محفوظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے سو خوشی اور ڈر سنانے کو ☆

یعنی ماننے والوں کو خوشخبری اور نہ ماننے والوں کو عذاب الٰہی کی دھمکی سنا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ

اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے قرآن کو جدا جدا کر کے کہ پڑھے تو اس کو لوگوں پر

عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

ٹھہر ٹھہر کر اور اس کو ہم نے اتارتے اتارتے اتارا

نزول قرآن کا مقصد: انزال قرآن سے مقصود اصلی مطلب سمجھ کر اس پر عمل کرنا ہے جسے تدبر و تذکر کہتے ہیں۔ لیکن اس کے نفس الفاظ و حروف بھی نور و برکت سے خالی نہیں۔ " كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ " (ص رکوع۳) اسی لئے سورتیں اور آیتیں جدا جدا رکھیں تا وظیفہ کے طور پر تلاوت کرنا بھی سہل ہو اور سننے والوں کے لئے حفظ و فہم میں بھی آسانی رہے۔ اور آہستہ آہستہ اس لئے اتارا کہ جیسے حالات پیش آئیں ان کے مناسب ہدایات حاصل کرتے رہیں۔ تا وہ جماعت جسے آگے چل کر تمام دنیا کا معلم بننا تھا ہر آیت و حکم کے موقع محل کو بخوبی ذہن نشین کر کے یاد رکھ سکے اور آنے والی نسلوں کے لئے کسی آیت کے بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش نہ چھوڑے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ

کہہ تم اس کو مانو یا نہ مانو جن کو علم ملا ہے

مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾

اس کے پہلے سے جب ان کے پاس اس کو پڑھئے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدہ میں

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

اور کہتے ہیں پاک ہے ہمارا رب بیشک ہمارے رب کا وعدہ ہو کر رہے گا ☆

اہل علم نے قرآن کی سچائی کی تصدیق کر دی ہے:

یعنی مانو یا نہ مانو، قرآن کی حقانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وہ منصف مزاج اہلِ علم کر رہے ہیں جنہیں کتب سابقہ کی بشارت سے آگاہی ہے، وہ اس کلام کو سن کر ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا عجیب وغریب کلام ہے بے شک خدا کا وعدہ پورا ہونا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کی زبانی تورات کتاب استثناء میں کیا گیا تھا کہ ''(اے بنی اسرائیل) میں تمہارے بھائیوں (بنی اسمٰعیل) میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا جس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا''، بلاشبہ وہ یہی کلام ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک میں ڈالا گیا۔ جب اہل علم کو قرآن کی تصدیق سے چارہ نہیں رہا، تب انکار کرنا جاہل کا کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دینِ حق کی جستجو میں لگے ہوئے تھے جوں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی وہ ایمان لے آئے، جیسے حضرت زید بن عمرو بن نفیل، حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذر غفاری وغیرہ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت میں منکروں کو تہدید کرنی مقصود نہ ہو بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین وتسلی دی گئی ہو کہ یہ جاہل ایمان نہیں لائے تو آپ پریشان نہ ہوں اہلِ علم تو ایمان لے آئے آپ ان منکروں کی روگردانی کو پروانہ کیجئے۔ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گرنے سے مراد ہے منہ کے بل سجدہ میں گرنا۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ یعنی حکم الٰہی کی تعظیم کے لیے اور اس شکر یہ میں کہ اللہ نے جو سابق کتابوں میں وعدہ فرمایا کہ انقطاعِ رسل کی مدت میں ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجیں گے اور ان پر قرآن نازل کریں گے وہ وعدہ اللہ نے پورا کیا۔

قرآن سننے کے وقت رونا:

قرآن سننے کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ دودھ تھن میں لوٹ جائے۔ (اور تھنوں کے اندر دودھ کو لوٹایا جانا تو محال ہے، پس خوف خدا سے رونے والے کا دوزخ میں داخل ہونا بھی محال ہے) اور اللہ کی راہ میں پڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں مسلمان کے نتھنوں میں جمع نہیں ہوگا (یعنی جس مسلمان کے بدن پر راہ خدا میں غبار پڑا، وہ جہنم کا دھواں بھی نہ سونگھے گا) رواہ البغوی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے، بیہقی کی روایت میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں، دو (قسم کی) آنکھوں کو دوزخ کی آگ کا پالینا حرام کر دیا گیا ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، دوسری وہ آنکھ جو رات بھر (بیدار رہ کر) اسلام اور اہل اسلام کی کافروں سے حفاظت کرتی رہی۔ حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے، میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تین طرح کی آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی ہے (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات خداوندی سے بند رکھی گئی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ وہ مکھی کے سر کے برابر ہوں اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ رواہ ابن ماجۃ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا:

جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے مکّی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہوا ہے۔ اس کا عصا قرآن ہے سب کفروں کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا۔ تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام فرشتہ نہ تھے۔ بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سروسامان بشر تھے۔ مگر در پردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بشری اور ظاہری فقیری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونیوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس نبی آخر الزماں کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ
اور گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے
وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾
اور زیادہ ہوتی ہے ان کو عاجزی ☆

یعنی قرآن کو سن کر رقت طاری ہو جاتی ہے سجدہ کرتے ہیں تو اور عاجزی بڑھتی ہے۔ اذقان (ٹھوڑیوں) کے لفظ میں شاید اس طرف اشارہ ہو کہ سجود میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں گویا ٹھوڑیاں بھی زمین سے ملا دیتے ہیں، یا محض سجود علی الوجہ سے کنایہ ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا تفسیری مظہری میں ہے کہ تلاوت قرآن

کے وقت رونا مستحب ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم میں نہ جاوے گا وہ شخص جو اللہ کے خوف سے رویا جب تک کہ دوہا ہوا دودھ دوبارہ تھنوں میں واپس نہ لوٹ جائے (یعنی جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ تھنوں سے نکالا ہوا دودھ پھر تھنوں میں واپس ڈالدیا جائے اسی طرح یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اللہ کے خوف سے رونے والا جہنم چلا جائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آنکھوں پر جہنم کی آگ حرام کردی ایک وہ جو اللہ کے خوف سے روئے دوسرے جو اسلامی سرحد کی حفاظت کے لئے رات کو بیدار رہے۔ (بیہقی و حاکم وصحیح) اور حضرت نضر بن سعد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں کوئی اللہ کے خوف سے رونے والا ہو تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اس کی وجہ سے آگ سے نجات عطا فرمادینگے۔ (رواہ عن الحکیم الترمذی)

آج سب سے بڑی مصیبت جو مسلمانوں پر پڑی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں خدا کے خوف سے رونے والے بہت کم رہ گئے صاحب روح المعانی اس موقع پر خدا کے خوف سے رونے کے فضائل کی احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ و ینبغی ان یکون ذلک حال العلماء یعنی علماء دین کا یہی حال ہونا چاہیے کیونکہ ابن جریر ابن منذر وغیرہ نے عبدالاعلیٰ تیمیؒ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے: "جس شخص کو صرف ایسا علم ملا ہو جو اس کو رلاتا نہیں تو سمجھ لو کہ اس کو علم نافع نہیں ملا۔" (معارف مفتی اعظم)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا

کہہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمان کہہ کر جو کہہ کر پکارو گے

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ

سو اسی کے ہیں سب نام خاصے ☆

اللہ کے ناموں کے متعلق مشرکین کی غلط فہمی کا ازالہ:

سجود وخشوع وغیرہ کی مناسبت سے یہاں دعاء (خدا کو پکارنے) کا اور دعاء کی مناسبت سے اگلی آیت میں صلوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ناموں میں سے مشرکین عرب کے یہاں اسم "اللہ" کا استعمال زیادہ تھا۔ "رحمٰن" سے چنداں مانوس نہ تھے۔ البتہ یہود کے یہاں اسم "رحمٰن" بکثرت مستعمل ہوتا تھا۔ عبرانی میں بھی یہ نام اسی طرح تھا جیسے عربی میں۔ دوسری طرف مسیلمہ کذاب نے اپنا لقب "رحمان الیمامۃ" رکھ چھوڑا تھا۔ غرض مشرکین حق تعالیٰ پر اسم "رحمان" اطلاق کرنے سے بدکتے اور وحشت کھاتے تھے۔ چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے "رحمان" سنتے تو کہتے کہ محمد ہم کو تو دو خداؤں کے پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے سوا دوسرے خدا (رحمان) کو پکارتے ہیں۔ یہود کو یہ شکایت تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں "رحمان" کا ذکر ایسی کثرت سے کیوں نہیں ہوتا جس طرح ہمارے یہاں ہوتا ہے۔ دونوں کا جواب سا آیت میں دیا گیا کہ "اللہ" اور "رحمٰن" ایک ہی ذات منبع الکمالات کے دو نام ہیں۔ صفات اسماء کے تعدد سے ذات کا تعدد لازم نہیں ہوتا۔ جو یہ چیز توحید کے منافی سمجھی جائے۔ رہی یہ بات کہ کسی ایک نام کا ذکر کثرت سے کیوں نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ اللہ کے جس قدر اسمائے حسنیٰ ہیں ان میں سے کوئی نام لیکر پکارو مقصود ایک ہی ہے۔ عنوانات وتعبیرات کے تنوع سے معنون نہیں بدلتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر سخن وقتے وہر نکتہ مکانے دارد

عبارا تنا شتیٰ و حسنک واحدٌ
وکلّ الیٰ ذاک الجمال یشیر

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ

اور پکار کر مت پڑھ اپنی نماز اور نہ چپکے پڑھ

بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور ڈھونڈ لے اس کے بیچ میں راہ ☆

قرآت درمیانی آواز سے کرو:

یعنی جہری نماز میں (اور اسی طرح دعاء وغیرہ میں) بہت زیادہ چلانا بھی نہیں اور بالکل دبی آواز بھی نہیں بیچ کی چال پسند ہے (موضح القرآن) احادیث میں ہے کہ مکہ میں جب قرات زور سے کی جاتی تو مشرکین سن کر قرآن اور اسکے بھیجنے والے اور لانے والے کی شان میں بدزبانی کرتے تھے۔ اس لئے آپ نے بہت آہستہ پڑھنا شروع کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی نہ اس قدر زور سے پڑھو کہ مشرکین اپنی مجالس میں سنیں (تبلیغ کا وقت مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں تو سنانا ہی مقصود ہے) اور نہ اتنا آہستہ کہ خود تمہارے ساتھی بھی سن کر مستفید نہ ہوسکیں۔ افراط وتفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ اس سے قلب متاثر ہوتا ہے اور تشویش نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بطریق بخاری ابوبشیر کی وساطت سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں مکہ میں چھپے ہوئے تھے، اس دور میں جب صحابہ کو نماز پڑھاتے تھے تو قراءت اونچی آواز سے کرتے تھے، جب مشرک قرآن کو سنتے تو قرآن کو اور قرآن اتارنے والے کو اور جس پر اتارا گیا تھا اس کو سب کو برا کہتے تھے اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ یعنی قراءت اونچی آواز سے نہ کرو کہ مشرک سن کر قرآن کو گالیاں دینے لگیں وَلَا تُخَافِتْ بِهَا اور نہ اتنی پست آواز سے پڑھو کہ ساتھی بھی نہ سن پائیں وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اور

درمیانی راہ اختیار کرو کہ صحابہ سن لیں اور مشرکوں تک قراءت کی آواز نہ پہنچے۔ بغوی نے لکھا ہے کچھ علماء کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول دعا کے متعلق ہوا تھا (یعنی صلوٰۃ سے مراد اس آیت میں دعا ہے) ام المومنین حضرت عائشہ، نخعی، مجاہد اور مکحول کا یہی قول ہے۔ بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آیت وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے متعلق فرمایا یہ دعا کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ ابن جریر نے بطریق ابن عباسؓ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ لیکن اول روایت کو قوی الاسناد ہونے کی وجہ سے ترجیح دی ہے، نووی کے نزدیک اول روایت راجح ہے شیخ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں مطابقت پیدا کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نماز کے اندر دعاء کے متعلق (غالباً) اس آیت کا نزول ہوا۔

حضرت ام ہانی کا بیان ہے میں اپنے بالاخانہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی آواز سنا کرتی تھی (یعنی مسجد سے بالکل متصل حضرت ام ہانی کے مکان کی بالائی منزل تک قراءت کی آواز پہنچتی تھی) رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت:

حضرت عبداللہ بن قیس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی بابت دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا چپکے چپکے قراءت کرتے تھے یا جہر کے ساتھ فرمایا، ہر طرح پڑھتے تھے کبھی چپکے چپکے پڑھتے تھے، کبھی جہر کے ساتھ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح حسن غریب ہے۔ بغوی نے بطریق ترمذی حضرت عبداللہ بن رباح انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا تم پست آواز سے قراءت کر رہے تھے میں تمہاری طرف سے گذر رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، میں جس سے خطاب کر رہا تھا اس کو (ہی) سنا رہا تھا، فرمایا ذرا آواز اونچی رکھا کرو۔ اور حضرت عمرؓ سے فرمایا، میں تمہاری طرف سے گذرا تھا تو تم (قرآن پڑھنے میں) آواز بلند کر رہے تھے (یعنی بہت اونچی آواز سے پڑھ رہے تھے) حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں (اپنی قراءت سے) سوتے کو جگا رہا تھا اور شیطان کو بھگا رہا تھا۔ فرمایا ذرا آواز کو نیچی رکھا کرو۔

ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوقتادہ کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے۔ قراءت جہری اور سری کے کچھ مسائل ہم نے سورہ اعراف کی آیت وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ..... وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ میں بیان کیے ہیں اور جہر و اخفاء کا ذکر اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً کی تفسیر میں کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ قراءت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی آواز کو اٹھاتے تھے اور کبھی پست کرتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر ہوتے تھے تو آپ کی قراءت اتنی آواز سے ہوتی تھی کہ حجرہ کے اندر والے سن لیتے تھے۔ رواہ ابوداؤد

حضرت ام سلمہؓ نے رسول اللہ کی قراءت کی کیفیت (خود) پڑھ کر بتائی اور ایک ایک لفظ کھول کھول کر (پڑھ کر) بتایا، رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا
اور کہہ سب تعریفیں اللہ کو جو نہیں رکھتا اولاد
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ
اور نہ کوئی اس کا ساجھی سلطنت میں اور نہ کوئی اس کا مددگار
لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا
ذلت کے وقت پر اور اس کی بڑائی کر بڑا جان کر

توحید خالص:

نماز کے بعد توحید خالص کا ذکر فرما کر سورت کو ختم کیا۔ یعنی ساری خوبیاں اور تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی ہر صفت و کمال میں یگانہ ہے اور ہر قسم کے عیب و قصور اور نقص و فتور سے بکلی منزہ ہے۔ اس کی ذات میں کسی طرح کی کمزوری نہیں جس کی تلافی کے لئے دوسرے کی حاجت پڑے۔ دوسرے کمزور آدمی ذلت و مصیبت کے وقت بڑے آدمیوں سے مدد لیتے ہیں۔ اس آیت میں تینوں کی نفی کردی۔ گویا ''لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا'' میں پہلے احتمال کی ''لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ'' میں دوسرے کی اور ''لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ'' میں تیسرے کی نفی کرنے کے بعد ''كَبِّرْهُ تَكْبِيرًا'' میں اس کی عظمت و کبریاء کی طرف متوجہ فرمادیا یعنی انسان کو چاہیے کہ حق تعالیٰ کی بڑائی کا زبان و دل سے اقرار کرے اور ہر طرح کمزوریوں سے رفیع و برتر سمجھے۔ اور لطف یہ ہے کہ ''لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا'' میں نصاریٰ کا ''لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ'' میں مشرکین کا اور ''وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ'' میں ان یہود کا رد ہو گیا جن کے یہاں خدا تعالیٰ کشتی میں یعقوب علیہ السلام کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکا (العیاذ باللہ) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں ''کوئی مددگار نہیں ذلت کے وقت یعنی اس پر کبھی ذلت ہی نہیں کہ مددگار چاہے۔ بادشاہوں کے ہاں امیر زبر پڑ جاتے ہیں اس لئے کہ برے وقت ان کی رفاقت کیے ہوتے ہیں۔ وہاں یہ قصہ ہی نہیں''

تم سورۃ الاسراء بعون اللّٰہ و حسن توفیقہ فللّٰہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الاسراء و علی آلہ و صحبہ (تفسیر عثمانی)

آیتِ عزت:

امام احمد نے مسند میں نیز طبرانی نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت معاذ جہنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا آخر سورہ تک، آیت عزت ہے۔

اپنے قصور کا اعتراف کرو:

آیت میں اس امر پر تنبیہ کہ بندہ اللہ کی تنزیہ اور تمجید کتنی بھی کرتا ہو اور کتنی ہی اللہ کی حمد وثنا کرے اور کتنی ہی عبادت کرے پھر بھی اس کو اقرار کرنا چاہیے کہ حق ادا کرنے سے قاصر رہا۔

حمد کرنے کی فضیلت:

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن جن کو جنت کی طرف سب سے پہلے بلایا جائے گا وہ وہی لوگ ہوں گے جو دکھ سکھ ہر حالت میں اللہ کی بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔ رواہ الطبرانی والبیہقی والحاکم۔

حمد اور شکر:

حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حمد شکر کی چوٹی (یعنی مدار) ہے جو بندہ اللہ کی حمد نہیں کرتا وہ شکر نہیں کرتا۔ رواہ البیہقی وعبدالرزاق فی الجامع۔

سب سے افضل دُعاء اور ذکر:

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بڑھیا دعا الحمدللہ ہے اور سب سے اعلیٰ ذکر لا الہ الا اللہ۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔

سب سے پیارے جملے:

حضرت سمرہ بن جندب کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو سب سے زیادہ پیارے چار جملے ہیں، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمدللہ جس سے شروع کرو، کوئی حرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم واحمد بسند صحیح۔ بغوی نے مذکورہ بالا چاروں احادیث ذکر کی ہیں۔ حضرت عمران بن حصین کی روایت طبرانی نے ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سب بندوں میں بڑھیا درجہ والے وہ لوگ ہوں گے جو بہت زیادہ حمد کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ بندہ کا سبحان اللہ وبحمدہ کہنا اللہ کو بہت ہی محبوب ہے۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی

الحمد لله رب العلمين و صلى الله تعالى على خير خلقه محمد و اله و اصحابه اجمعين. (تفسیر مظہری)

سب سے پہلے بچہ کو یہ آیت سکھلاؤ:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ زبان کھولنے کے قابل ہو جاتا تو اس کو آپ یہ آیت سکھا دیتے تھے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔ (مظہری)

بیماری اور تنگدستی کا علاج:

اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا آپ نے پوچھا تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا، اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال کردیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی وہ کلمات یہ تھے توکلت علی الحی الذی لا یموت الحمد لله الذی لم یتخذ ولدا الآیة اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس نے عرض کیا کہ جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے تھے میں پابندی سے ان کو پڑھتا ہوں (ابویعلی وابن سنی از مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا واقعہ:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا یا آپ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ راہ چلتے ایک شخص کو آپ نے دیکھا نہایت ردی حالت میں ہے۔ اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا حضورؐ بیماریوں اور نقصانات نے میری یہ درگت کر رکھی ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں کچھ وظیفہ بتادوں کہ یہ دکھ بیماری سب کچھ جاتی رہے؟ اس نے کہا ہاں ہاں یا رسول اللہ! ضرور بتلایئے، احد اور بدر میں آپ کے ساتھ نہ ہونے کا افسوس میرا جاتا رہے گا۔ اس پر آپ ہنس پڑے اور فرمایا تو بدری اور احدی صحابہ کے مرتبے کو کہاں سے پاسکتا ہے تو ان کے مقابلے میں محض خالی ہاتھ اور بے سرمایہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا یا رسول اللہ! انھیں جانے دیجئے آپ مجھے بتلا دیجئے۔ آپ نے فرمایا ابو ہریرہ یوں کہو توکلت علی الحق الذی لا یموت الحمد لله الذی لم یتخذ ولداً الخ میں نے یہ وظیفہ پڑھنا شروع کردیا چند دن گزرے تھے کہ میری حالت بہت ہی سنور گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور پوچھا ابو ہریرہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا ان کلمات کی وجہ سے خدا کی طرف سے برکت ہے۔ جو آپ نے مجھے سکھائے تھے۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

صابیوں اور مجوسیوں کا غلط اعتقاد:

صابی اور مجوسی کہتے تھے کہ اگر اولیاء اللہ نہ ہوں تو خدا سارے انتظام آپ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

تمت سورۃ بنی اسرائیل والحمدللہ

سُورَةُ الكهف

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کی عمر دراز ہوگی اور اس کی حالت درست ہوگی اور جس قوم سے پناہ حاصل کرے گا ان سے فائدہ اٹھائے گا۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ
سب تعریف اللہ کو جس نے اتاری اپنے بندہ پر کتاب
وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا
اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی ☆

نزول کتاب کی نعمت کا شکریہ:

یعنی اعلیٰ سے اعلیٰ تعریف اور شکر کا مستحق وہی خدا ہوسکتا ہے جس نے اپنے مخصوص ومقرب ترین بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے اعلیٰ واکمل کتاب اتاری اور اس طرح زمین والوں کو سب سے بڑی نعمت سے مشرف وممتاز فرمایا۔ بیشک اس کتاب میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں عبارت انتہائی سلیس وفصیح، اسلوب بیان نہایت موثر وشگفتہ تعلیم متوسط ومعتدل جو ہر زمانہ اور ہر طبیعت کے مناسب اور عقل سلیم کے بالکل مطابق ہے۔ کسی قسم کی افراط اور تفریط کا اس میں شائبہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے یہ بندوں کو تکمیل انسانیت کا راستہ بتاتا ہے، معاش ومعاد کو درست کرنے والی تعلیم دیتا ہے اور اللہ ہی نے بندوں کو یہ نعمت عطا فرمائی ہے اس لئے اس نے انعام قرآن کا ذکر کر کے خود اپنی ثناء کی اور اس نے بندوں کو حمد خداوندی کرنے کی (در پردہ) تعلیم بھی دیدی۔

قرآن مخلوق نہیں ہے:

حضرت ابن عباسؓ نے آیت عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ کی تفسیر میں غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ کا ترجمہ غیر مخلوق کیا ہے اس تفسیر کی روشنی میں بعض علماء نے لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا کا ترجمہ اور مرادی معنی یہ بیان کیا کہ اللہ نے قرآن کو مخلوق نہیں کیا، یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ کہف کی خصوصیات اور فضائل

فتنۂ دجال سے حفاظت:

مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، مسند احمد میں حضرت ابوالدرداءؓ سے ایک روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کرلیں وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا، اور کتب مذکورہ میں حضرت ابوالدرداءؓ ہی سے ایک دوسری روایت میں یہی مضمون سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کرنے کے متعلق منقول ہے۔

نور کا حصول:

اور مسند احمد میں بروایت حضرت سہل بن معاذؓ یہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کی پہلی اور آخری آیتیں پڑھ لے اس کے لئے اس کے قدم سے سر تک ایک نور ہوجاتا ہے اور جو پوری سورت پڑھ لے تو اس کے لئے زمین سے آسمان تک نور ہوجاتا ہے۔

ہفتہ بھر کے گناہ معاف:

اور بعض روایات میں ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرلے، اس کے قدم سے لے کر آسمان کی بلندی تک نور ہوجائے گا، جو قیامت کے دن روشنی دے گا، اور پچھلے جمعہ سے اس جمعہ تک کے اس کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ (امام ابن کثیر نے اس روایت کو موقوف قرار دیا ہے)

ہر فتنہ سے حفاظت:

اور حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب مختارہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھ لے وہ آٹھ روز تک ہر فتنہ سے معصوم رہے گا، اور اگر دجال نکل آئے تو یہ اس کے فتنہ سے بھی معصوم رہے گا۔ (یہ سب روایات تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں)۔

ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئی:

روح المعانی میں دیلمی سے بروایت حضرت انسؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ کہف پوری کی پوری ایک وقت میں نازل ہوئی، اور ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ آئے جس سے اس کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فتنہ سے بھاگ جانا دین کا شعبہ ہے:

حق جل شانہٗ نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ یہ چند باہمت جوان

تھے کہ جو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچنے کے لئے اپنے دین کو لے کر بھاگے، اور ایک غار میں جا کر چھپے، جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کتاب الایمان میں ایک باب یہ منعقد فرمایا ہے۔ باب من الدین الفرار من الفتن۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچانے کے لئے بھاگ کر کسی پہاڑ اور غار میں جا چھپنا یہ بھی ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اور دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت بھی اسی فرار من الفتن کا ایک فرد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت اور اصحاب کہف:

اور جس طرح گزشتہ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کے وقت یہ دعاء بتلائی گئی۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا خروج صدق ہوا اور مدینہ میں داخل ہونا دخول صدق ہوا اسی طرح اصحاب کہف کا اپنے شہر سے نکلنا جہاں کفر اور شرک کا فتنہ برپا تھا یہ خروج صدق ہوا پھر شہر سے نکل کر کہف (غار) میں عزلت گزیں اور گوشہ نشیں ہو جانا یہ دخول صدق ہوا اور اس خلوت وعزلت کی برکت سے خداوند ذوالجلال کی رحمت وکرامت کے مورد بنے کما قال تعالیٰ حکایۃ عنہم وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔

گناہ کی جگہ کو چھوڑنا:

خدا تعالیٰ کی محبت میں اس جگہ کو چھوڑ دینا کہ جہاں خدا کی معصیت جاری ہو اور کسی غار اور پہاڑ میں جا کر چھپ جانا کہ خدا کا دشمن (کافر) نظر ہی نہ آئے یہ خود ایک عظیم عبادت ہے

با محبان باش دائم ہم نشین تا توانی روئے اعدا را مبین

خلوت وگوشہ نشینی:

صحیح بخاری میں ہے وکان یخلو بغار حرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت وعزلت فرماتے تھے۔ اشارہ اس طرف ہے کہ خلوت اور عزلت ایسی عظیم چیز ہے کہ مبادی نبوت میں سے ہے جیسا کہ اخلاص نیت اور رویائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہے۔

سورۂ اسراء اور سورۂ کہف میں ربط:

سورۂ اسراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج اور سیر سموت اور علو اور رفعت کا بیان تھا اب سورۃ الکہف میں غار اور پہاڑ کی خلوت کا بیان ہے جو شان ولایت ہے اور پھر اس کرامت کا بیان ہے جو اس عزلت گزینی اور گوشہ نشینی پر اصحاب کہف کو عطا ہوئی اور پھر اس سورت کو ذوالقرنین کے قصہ پر ختم فرمایا جو سلطنت اور ولایت اور فقیری اور امیری دونوں کا جامع تھا اور اس شعر کا مصداق تھا۔

بود شاہے درزماں پیش زیں ملک دنیا بودش ہم ملک دیں

خلافت الٰہیہ:

جب نبوت اور بادشاہت ایک کمبل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت الٰہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفہ الٰہی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام یہ دونوں خلیفہ الٰہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری کسی ایک کمبل اور گدڑی میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے بادشاہت اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

جہاں از رنگ وبو سازد اسیرت ولے نزدیک ارباب بصیرت
نہ رنگ دلکشش را اعتبار یست نہ بوئے دلفریبش را مداریست

(معارف کاندھلوی)

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ
ٹھیک اتاری تا کہ ڈر سنا دے ایک سخت آفت کا اللہ کی طرف سے ☆

یعنی تکذیب کرنے والوں پر جو سخت آفت دنیا یا آخرت میں خداوند قہار کی طرف سے آنے والی ہے اس سے یہ کتاب آگاہ کرتی ہے۔

تنبیہ: قیما کو بعض بمعنی "مستقیم" لے کر محض مضمون سابق کی تاکید قرار دی ہے۔ یعنی کتنا ہی غور کرو ایک بال برابر کجی نہیں پاؤ گے مگر فراء نے اس لفظ کے معنی کئے ہیں "قیماً علیٰ سائر الکتب السماویہ" یعنی تمام کتب سماویہ کی صحت وتصدیق پر مہر کرنے والی اور ان کی اصولی تعلیمات کو دنیا میں قائم رکھنے والی۔ ابومسلم نے کہا "قیماً بمصالح العباد" بندوں کی تمام مصالح کی متکفل اور ان کی معاش ومعاد کو درست کرنے والی۔ بہر حال جو معنی بھی لئے جائیں اس کی صداقت میں شبہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ
اور خوشخبری دے ایمان لانے والوں کو جو کرتے ہیں
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا
نیکیاں کہ ان کے لئے اچھا بدلہ ہے جس
مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا
جس میں رہا کریں ہمیشہ ☆

بظاہر اس سے مراد آخرت کا بدلہ یعنی جنت ہے جہاں مومنین قانتین کو دائمی خوشی اور ابدی راحت ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴿۴﴾
اور ڈر سنا دے ان کو جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد ☆

اللہ کی اولاد تجویز کرنے والوں کو تنبیہ:

خدا کے لئے اولاد تجویز کرنے میں سب سے زیادہ مشہور اور پیش پیش تو نصاریٰ ہیں اور جیسا کہ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ان ہی سے حاملین قرآن کو قیامت تک زیادہ سابقہ پڑنا ہے۔ تاہم عموم الفاظ میں بعض فرق یہود جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، یا بعض مشرکین جو ملائکۃ اللہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے وہ بھی داخل ہوگئے، گویا اس جگہ اولاد تجویز کرنے والے کافروں کا بالخصوص اور نصاریٰ کو اخص خصوص کے طور پر متنبہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کو صاحب اولاد قرار دینا شدید ترین کفر ہے اسی شدت کفر کو ظاہر کرنے کے لئے خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کو ڈرانے کا ذکر کیا جو کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتے ہیں۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ
کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی اور نہ ان کے باپ دادوں کو
كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ
کیا بڑی بات نکلتی ہے ان کے منہ سے
اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾
سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں ☆

اللہ کی شان سے ناواقف:

یعنی کوئی تحقیق اور علمی اصول ان کے ہاتھ میں نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے ہاتھ میں تھا۔ جن کی اندھی تقلید میں ایسی بھاری بات زبان سے نکال رہے ہیں۔ گویا خداوند تعالیٰ کی شان قدوسیت وسبوحیت کی ان لوگوں کو کچھ خبر نہیں جو اس کی جناب میں ایسی گستاخیاں کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے۔ دلائل وبراہین کی جگہ ان کے ذخیرہ میں یہ ہی باقی رہ گیا ہے کہ زبان سے ایک جھوٹی اور بدیہی البطلان بات کہتے چلے جائیں اور جب ثبوت مانگو تو کہہ دیں کہ یہ مذہب کا ایک راز ہے جس کے ادراک تک عقل انسانی کی رسائی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ، یعنی اللہ کی (مفروضہ) اولاد کا یا اولاد قرار دینے کا اس (کفریہ) بات کا ان کو کوئی علم نہیں۔ مطلب یہ کہ جو بات زبان سے نکالتے اور جو عقیدہ رکھتے ہیں اس کی حقیقت کا ان کو کوئی علم نہیں، محض جہالت یا توہم پرستی یا دوسروں کی تقلید میں ایسا کہتے ہیں خود ان کو اپنے کلام کی مراد معلوم نہیں، باپ (اپنے) بیٹے (ابن) کا اطلاق ان کے نزدیک موثر اور اثر پر بھی ہوتا ہے اور نسبی باپ بیٹے پر بھی اگر ان کو اس لفظ کی مراد معلوم ہوتی اور نسبی باپ بیٹا مراد ہوتا تو ایسا لفظ کبھی نہ بولتے، یہ بات جوان کی زبانوں سے نکل رہی ہے بڑی کفریہ ہے اس سے مخلوق کا خالق جیسا ہونا، اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرنا اور اللہ کا محتاج ہونا اور اپنا جانشین بنانے کا ضرورت مند ہونا ثابت ہوتا ہے۔

بہت بڑا کفر:

کبرت کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کفر کے اعتبار سے یہ (کفریہ) بات بڑی ہے۔ دوسرا معنی کبرت کا بئست ہے یعنی یہ بات بری ہے۔ کلمہ کا استعمال پورے کلام بلکہ پورے قصیدہ کے لئے بھی ہوتا ہے اس جگہ کلام (بات) ہی مراد ہے۔ بات کی آواز تو منہ سے ہی نکلتی ہے اس آیت میں تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ کا لفظ بڑھا کر یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی جرات کفر بہت زیادہ ہے کہ کلمہ کفر اپنے منہ سے (دانستہ) نکالتے ہیں۔ جھوٹ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اس بات کی واقع میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ
سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان کو ان کے پیچھے
اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ﴿۶﴾
اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر ☆

آپ اپنے آپ کو نہ گھلائیں:

یعنی اگر یہ کافر قرآن کی باتوں کو نہ مانیں تو آپ ان کے غم میں اپنے کو بالکل گھلا یئے نہیں۔ آپ تبلیغ ودعوت کا فرض ادا کر چکے اور کررہے ہیں، کوئی نہ مانے تو آپ کو اس قدر دل میں گھٹنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ نہ پچھتانا مناسب ہے کہ ہم نے ایسی کوشش کیوں کی جو کامیاب نہ ہوسکی۔ آپ تو بہرحال کامیاب ہیں۔ دعوت وتبلیغ اور شفقت وہمدردی خلائق کے جو کام کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقی مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اشقیاء اگر قبول نہ کریں تو ان ہی کا نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا
ہم نے بنایا ہے جو کچھ زمین پر ہے اس کی رونق
لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾
تاکہ جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کرتا ہے کام ☆

اچھے عمل والا کون:

یعنی اس کی رونق پر دوڑتا ہے یا اسے چھوڑ کر آخرت کو پکڑتا ہے، بعض روایات میں ہے کہ ابن عمر نے سوال کیا یا رسول اللہ ''اَحْسَنُ عَمَلًا'' کون لوگ ہیں؟ فرمایا ''احسنکم عقلاً واورعکم عن محارم الله واسرعکم فی طاعته سبحانه'' (جس کی سمجھ اچھی ہو، حرام سے زیادہ پرہیز کرے اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف زیادہ جھپٹے) (تفسیر عثمانیؒ)

حدیث میں آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شک نہیں کہ دنیا سرسبز اور شیریں ہے اور اللہ تم کو (پچھلوں کا) جانشین اس دنیا میں بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا مَاعَلَى الْاَرْضِ سے صرف انسان مراد ہیں بعض اہل تفسیر کے نزدیک صرف علماء اور صلحاء مراد ہیں۔

ہر چیز حسین ہے:

(حضرت مفسر نے فرمایا) میں کہتا ہوں مَاعَلَى الْاَرْضِ سے اگر ہر موجود ارضی مراد ہو تو ناممکن نہیں ہے کیونکہ مجموعی طور پر بحیثیت اجمال پورا نظام حسین ہے یا یوں کہا جائے کہ ہر چیز کو تحسین میں دخل ہے کیونکہ ہر (ذاتی حسین) چیز کا حسن اضافی ہے اگر قبیح کا وجود نہ ہو تو حسین کا جمال معلوم نہ ہو (پس قبیح کو بھی زینت ارض میں دخل ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَاعَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ؕ
اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اس پر ہے میدان چھانٹ کر ☆

یہ سب رونق فانی ہے:

یعنی ایک روز سب گھاس پھونس درخت وغیرہ چھانٹ کر زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ جو لوگ اس کے بناؤ سنگار پر ریجھ رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ یہ زرق برق کوئی باقی رہنے والی چیز نہیں۔ دنیا کے زمینی سامان خواہ کتنے ہی جمع کر لو اور مادی ترقیات سے ساری زمین کو لالہ وگلزار بنا دو، جب تک آسمانی ہدایت اور روحانی دولت سے تہی دست رہو گے، حقیقی سرور وطمانیت اور ابدی نجات وفلاح سے ہم آغوش نہیں ہو سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

آخری کامیابی کس کو ملے گی:

آخری اور دائمی کامیابی صرف انہی کے لئے ہے جو مولائے حقیقی کی خوشنودی پر دنیا کی ہر ایک زائل وفانی خوشی کو قربان کر سکتے ہیں۔ اور راہ حق کی جادہ پیمائی میں کسی صعوبت سے نہیں گھبراتے نہ دنیا کے بڑے بڑے طاقتور جباروں کی تخویف وترہیب سے ان کا قدم ڈگمگاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں آگے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرمایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی بھی کر دی کہ آپ ان بدبختوں کے غم میں اپنے کو نہ گھلایئے۔ جس دنیا کی زندگی اور عیش وبہار پر مغرور ہو کر یہ حق کو ٹھکراتے ہیں وہ سب کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی جائیگی اور آخر کار سب کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہو گا۔ اس وقت سارے جھگڑے چکا دیئے جائینگے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ
کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ کے
وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝
رہنے والے ہماری قدرتوں میں عجب اچنبھا تھے ☆

قدرتِ الٰہی کیلئے کچھ مشکل نہیں ہے:

یعنی حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے لحاظ سے اصحاب کہف کا قصہ جو آگے مذکور ہے کوئی اچنبھا نہیں جسے حد سے زیادہ عجیب سمجھا جائے، زمین، آسمان، چاند، سورج وغیرہ کا پیدا کرنا ان کا محکم نظام قائم رکھنا، انسان ضعیف البنیان کو سب پر فضیلت دینا، انسانوں میں انبیاء کا بھیجنا، ان کی قلیل وبے سروسامان جماعتوں کو بڑے بڑے متکبرین کے مقابلہ میں کامیاب بنانا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ:

خاتم الانبیاء اور رفیق غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر ''غار ثور'' میں تین روز ٹھہرانا، کفار کا غار کے منہ تک تعاقب کرنا پھر ان کو بے نیل ومرام واپس لوٹانا آخر گھر بار چھوڑنے والے مٹھی بھر بے سروسامانوں کو تمام جزیرۃ العرب بلکہ مشرق ومغرب میں اس قدر قلیل مدت کے اندر غالب ومنصور کرنا، کیا یہ اور اس قسم کی بے شمار چیزیں ''اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب ہیں؟

شانِ نزول:

اصل یہ ہے کہ یہود نے قریش کو مشورہ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آزمائش کیلئے تین سوال کریں۔ روح کیا ہے؟ اصحاب کہف کا کیا قصہ تھا؟ اور ذوالقرنین کی سرگذشت کیا تھی؟ اصحاب کہف کے قصہ کو عجیب ہونے کی حیثیت سے انہوں نے خاص اہمیت دی تھی۔ اسی لئے اس آیت میں بتلایا گیا کہ وہ اتنا عجیب نہیں جیسے تم سمجھتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر عجیب وغریب نشانات قدرت موجود ہیں۔

اصحاب کہف کا اجمالی قصہ:

آگے ''اصحاب کہف'' کا قصہ اول مجملاً پھر مفصلاً بیان فرمایا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ چند نوجوان روم کے کسی ظالم وجبار بادشاہ کے عہد میں تھے، جس کا نام بعض نے ''دقیانوس'' بتلایا ہے۔ بادشاہ سخت غالی بت پرست تھا اور جبر واکراہ

سے بت پرستی کی اشاعت کرتا تھا۔ عام لوگ سختی اور تکلیف کے خوف اور چندروزہ دنیوی منافع کی طمع سے اپنے مذاہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرنے لگے اس وقت چند نوجوانوں کے دلوں میں جن کا تعلق عمائد سلطنت سے تھا، خیال آیا کہ ایک مخلوق کی خاطر خالق کو ناراض کرنا ٹھیک نہیں۔ ان کے دل خشیت الٰہی اور نور تقویٰ سے بھرپور تھے حق تعالیٰ نے صبر و استقلال اور توکل و تبتل کی دولت سے مالا مال کیا تھا۔ بادشاہ کے روبرو جا کر بھی انہوں نے ''لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا'' کا نعرہ مستانہ لگایا اور ایمانی جرات و استقلال کا مظاہرہ کر کے دیکھنے والوں کو مبہوت و حیرت زدہ کر دیا۔ بادشاہ کو کچھ ان کی نوجوانی پر رحم آیا اور کچھ دوسرے مشاغل ومصالح مانع ہوئے کہ انہیں فوراً قتل کر دے۔ چند روز کی مہلت دی کہ وہ اپنے معاملہ میں غور و نظر ثانی کر لیں۔ انہوں نے مشورہ کر کے طے کیا کہ ایسے فتنہ کے وقت جب کہ جبر و تشدد سے عاجز ہو کر قدم ڈگمگا جانے کا بہر حال خطرہ ہے مناسب ہوگا کہ شہر کے قریب کسی پہاڑ میں روپوش ہو جائیں (اور واپسی کے لئے مناسب موقع کا انتظار کریں) دعا کی کہ خداوندا تو اپنی خصوصی رحمت سے ہمارا کام بنا دے اور رشد و ہدایت کی جادہ پیمائی میں ہمارا سب انتظام درست کر دے۔ آخر شہر سے نکل کر کسی قریبی پہاڑ میں پناہ لی اور اپنے میں سے ایک کو مامور کیا کہ بھیس بدل کر کسی وقت شہر میں جایا کرے تا ضروریات خرید کر لا سکے اور شہر کے احوال و اخبار سے سب کو مطلع کرتا رہے۔ جو شخص اس کام پر مامور تھا اس نے ایک روز اطلاع دی کہ آج شہر میں سرکاری طور پر ہماری تلاش ہے اور ہمارے اقارب و اعزہ کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں۔ یہ مذاکرہ ہو رہا تھا کہ حق تعالیٰ نے ان سب پر دفعۃً نیند طاری کر دی۔ کہا جاتا ہے کہ سرکاری آدمیوں نے بہت تلاش کیا پتہ نہ لگا۔ تھک کر بیٹھ رہے اور بادشاہ کی رائے سے ایک سیسہ کی تختی پر ان نوجوانوں کے نام اور مناسب حالات لکھ کر خزانہ میں ڈال دیئے گئے تاکہ آنے والی نسلیں یاد رکھیں کہ ایک جماعت حیرت انگیز طریقہ سے لاپتہ ہو گئی ہے۔ ممکن ہے آگے چل کر اس کا کچھ سراغ نکلے۔ اور بعض عجیب واقعات کا انکشاف ہو۔

اصحاب کہف کا مذہب کیا تھا:

یہ نوجوان کس مذہب پر تھے؟ اس میں اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا کہ نصرانی یعنی اصل دین مسیحی کے پیرو تھے۔ لیکن ابن کثیر نے قرائن سے اس کو ترجیح دی ہے کہ اصحاب کہف کا قصہ حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔

رقیم کا معنیٰ:

تنبیہ: ''رقیم'' پہاڑ کی کھوہ کو کہتے ہیں اور بمعنی ''مرقوم'' بھی آتا ہے یعنی لکھی ہوئی چیز۔ مسند عبد بن حمیدؒ کی ایک روایت سے جسے حافظ نے علی شرط البخاری کہا ہے، ابن عباس سے ''رقیم'' کے دوسرے معنی منقول ہیں۔ یعنی ''اصحاب کہف'' اور ''اصحاب رقیم'' ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔ غار میں رہنے کی وجہ سے ''اصحاب کہف'' کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام وصفت وغیرہ کی تختی لکھ کر رکھ دی گئی تھی، اس لئے ''اصحاب رقیم'' کہلائے۔ مگر مترجم محقق رحمہ اللہ نے پہلے معنی لئے ہیں اور بہرصورت ''اصحاب کہف'' و ''اصحاب رقیم'' کو ایک ہی قرار دیا ہے۔

اصحاب رقیم:

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ''اصحاب رقیم'' کا قصہ قرآن میں مذکور نہیں ہوا۔ محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا حوالہ دیدیا گیا۔ اور فی الحقیقۃ اصحاب رقیم (کھوہ والے) وہ تین شخص ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اوپر سے ایک بڑا پتھر آ پڑا، جس نے غار کا منہ بند کر دیا، اس وقت ان میں سے ہر ایک شخص نے اپنی عمر کے مقبول ترین عمل کا حوالہ دیکر حق تعالیٰ سے فریاد کی اور بتدریج غار کا منہ کھل گیا۔ امام بخاری نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس میں ان تین شخصوں کا قصہ مفصل درج کر کے شاید اسی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ''اصحاب رقیم'' یہ لوگ ہیں۔ طبرانی اور بزار نے باسناد حسن نعمان بن بشیر سے مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''رقیم'' کا ذکر فرماتے تھے اور یہ قصہ تین شخصوں کا بیان کیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

سعید کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک لوح تھی جس پر اصحاب کہف کا قصہ لکھ کر غار کے دروازے پر اسے لگا دیا گیا تھا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں قرآن میں ہے کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ، پس آیت کے ظاہری الفاظ تو اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور یہی امام ابن جریرؒ کا مختار قول ہے کہ رقیم فعیل کے وزن پر مرقوم کے معنی میں ہے جیسے مقتول قتیل اور مجروح جریح، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اصحاب رقیم کا تفصیلی واقعہ:

عبد بن حمید، ابن المنذر، طبرانی، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت نعمان بن بشیر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب الرقیم کے متعلق ارشاد فرما رہے تھے کہ وہ تین شخص تھے جو ایک غار میں جا گھسے تھے۔

امام احمد اور ابن المنذر نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت بیان کی کہ گزشتہ لوگوں میں تین آدمی تھے جو گھر والوں کے لئے معاش کی جستجو میں چل دیئے راستے میں بارش آ گئی، وہ ایک غار میں پناہ گیر ہو گئے۔ جونہی غار کے اندر داخل ہوئے ایک چٹان (دروازے کی طرف) آ پڑی، اور غار کا دروازہ بند ہو گیا۔ ایک شخص بولا (بھائیو) جس کسی نے جو بھی کوئی نیک کام کیا ہو اس وقت اس کو یاد کر کے اللہ سے دعا کرے، شاید اللہ اس کی برکت سے ہم پر رحم

فرمادے۔ چنانچہ ایک نے کہنا شروع کیا میں نے ایک روز کچھ مزدور کام کرانے کے لئے رکھے۔ ایک مزدور دو پہر کو آیا لیکن اس نے باقی آدھے دن میں اتنا کام کیا جتنا دوسروں نے پورے دن میں کیا تھا، میں نے اس کو مزدوری دوسروں کے برابر دیدی۔

دوسرے مزدوروں میں سے ایک شخص کو اس پر غصہ آ گیا، اور وہ اپنی مزدوری میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی مزدوری گھر کے کسی گوشے میں رکھ دی، کچھ مدت کے بعد میں نے اس مزدوری سے بکری کا ایک بچہ خرید لیا اور اس کی نسل بڑھتے بڑھتے اللہ کی مشیت کے مطابق بہت ہوگئی، مدت کے بعد وہ مزدور میرے پاس لوٹ آیا بوڑھا اور کمزور ہوگیا تھا میں نے اس کو پہچانا بھی نہیں کہنے لگا میرا آپ کے پاس کچھ حق ہے، پھر اس نے اپنے حق کی یاد دہانی کی اس وقت میں نے اس کو پہچانا اور میں نے سارا مال (یعنی بچہ کی نسل کے سارے جانور) اس کو دیدیئے۔ اے اللہ! اگر میں نے یہ محض تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو اس کو کھول دے چنانچہ پتھر میں اتنا شگاف ہوگیا کہ روشنی نظر آنے لگی۔

دوسرے نے کہا میرے پاس دولت تھی ایک بار (سخت قحط پڑا) لوگ تنگ حال ہوگئے، ایک عورت میرے پاس آئی اور کچھ خیرات مانگی، میں نے کہا تیرے معاوضہ میں سے دے سکتا ہوں اس کے بغیر نہیں دے سکتا۔ اس نے انکار کیا اور واپس چلی گئی۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا آخر اس نے اپنے شوہر سے جا کر اس کا ذکر کیا، شوہر نے کہا اپنے بچوں کی مدد کیلئے اس کی درخواست مان لے۔ عورت میرے پاس آئی اور اپنے آپ کو میرے سپرد کر دیا میں نے اس کا کپڑا کھولا اور کچھ کرنا چاہا تو وہ کانپنے لگی میں نے لرزہ کی وجہ دریافت کی کہنے لگی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ میں نے کہا تو اس سختی میں اس سے ڈرتی ہے، اور میں فراخ حالی میں اس سے نہ ڈروں، ایسا نہیں ہوسکتا، پھر میں نے اس کو یونہی چھوڑ دیا اور جو کچھ اس نے مانگا تھا، وہ دے دیا، اے اللہ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لئے کیا تھا تو تو اس کو کھول دے فوراً پتھر اتنا پھٹ گیا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ تیسرے نے کہا میرے ماں باپ بوڑھے تھے، اور میرے پاس بکریاں تھیں۔ میں والدین کو کھلا پلا کر بکریاں لے کر (جنگل کو) جاتا تھا، ایک روز بکریوں (کے گم ہونے یا منتشر بکریوں کو جمع کرنے) کی وجہ سے میں رات سے پہلے نہ لوٹ سکا پھر گھر آ کر دودھ کا برتن ہاتھ میں لئے یونہی صبح تک کھڑا انتظار کرتا رہا آخر صبح کو وہ بیدار ہوئے تو میں نے ان کو پلایا، اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہو تو اس کو ہم سے کھول دے چنانچہ اللہ نے وہ چٹان کھول دی اور سب باہر نکل آئے، واللہ اعلم۔

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب صحیح میں اصحاب الکہف اور اصحاب الرقیم دو عنوان الگ الگ دیئے، پھر اصحاب الرقیم کے تحت میں وہ مشہور تین شخصوں کے غار میں بند ہو جانے پھر دعاؤں کے ذریعہ راستہ کھل جانے کا ذکر کیا ہے، جو تمام کتب حدیث میں مفصل موجود ہے، امام بخاری کی اس صنیع سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک اصحاب کہف ایک جماعت ہے اور اصحاب رقیم ان تین شخصوں کو کہا گیا ہے جو کسی زمانے میں غار میں چھپے تھے، پھر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اس غار کے دہانے پر آ گرا جس سے غار بالکل بند ہوگیا، ان کے نکلنے کا راستہ نہ رہا، ان تینوں نے اپنے اپنے خاص نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ سے دعا کی کہ یہ کام اگر ہم نے خالص آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو اپنے فضل سے ہمارا راستہ کھول دے، پہلے شخص کی دعا سے پتھر کچھ سرک گیا، روشنی آنے لگی دوسرے کی دعا سے اور زیادہ سرکا، پھر تیسرے کی دعا سے راستہ بالکل ٹھیک کھل گیا۔

لیکن حافظ ابن حجرؒ نے شرح بخاری میں یہ واضح کیا ہے کہ از روئے روایت حدیث اس کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے کہ اصحاب رقیم مذکورہ تین شخصوں کا نام ہے بات صرف اتنی ہے کہ واقعہ غار کے ایک روای حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں بعض راویوں نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رقیم کا ذکر کرتے ہوئے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں بند رہ جانے والے تین آدمیوں کا واقعہ سنا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر شارح بخاریؒ نے اصحاب کہف ورقیم کے دو الگ الگ جماعتیں ہونے سے انکار فرمایا، اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی جماعت کے نام ہیں، غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا ذکر رقیم کے ذکر کے ساتھ آ گیا ہو، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی تین شخص اصحاب الرقیم تھے۔

قرآن کا طرز اور جدید تحقیقات:

قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اصول اور اسلوب خاص کے تحت سارے قرآن میں ایک قصہ یوسف علیہ السلام کے سوا کسی قصے کو پوری تفصیل اور ترتیب سے بیان نہیں کیا، جو عام تاریخی کتابوں کا طریقہ ہے، بلکہ ہر قصے کے صرف وہ اجزاء موقع بموقع بیان فرمائے ہیں جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔ (قصہ یوسف علیہ السلام کو اس اسلوب سے مستثنیٰ کرنے کی وجہ سورۂ یوسف کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔)

اکابر صحابہ وتابعین کے اس طرز عمل کا مقتضیٰ یہ تھا کہ اس تفسیر میں بھی ان اجزاء قصہ کو نظر انداز کر دیا جائے جن کو قرآن اور حدیث نے نظر انداز کیا ہے لیکن یہ زمانہ وہ ہے جس میں تاریخی اور جغرافیائی انکشافات ہی کو سب سے بڑا کمال سمجھ لیا گیا ہے، اور متاخرین علمائے تفسیر نے اسی لئے کم وبیش ان اجزاء کو بھی بیان فرمادیا ہے، اس لئے زیر نظر تفسیر میں قصے کو وہ اجزاء، جو خود

قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان تو آیات قرآن کی تفسیر کے تحت میں آجائے گا، باقی تاریخی اور جغرافیائی اجزائے قصہ کو یہاں بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے اور بیان کرنے کے بعد بھی آخری نتیجہ وہی رہے گا کہ ان معاملات میں کوئی قطعی فیصلہ ناممکن ہے۔

رقیم شہر:

قرطبی نے سب سے پہلے تو ضحاک کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ رقیم روم کے ایک شہر کا نام ہے جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں، پھر امام تفسیر ابن عطیہ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں وہاں کے مجاورین یہ کہتے ہیں کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں اور اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے اور ان مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

غرناطہ کا واقعہ:

اور دوسرا واقعہ اندلس غرناطہ کا نقل کیا ہے، ابن عطیہ کہتے ہیں کہ غرناطہ میں ایک لوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، اور ان کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے ان میں سے اکثر لاشوں پر گوشت باقی نہیں رہا، صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں اور بعض پر اب تک گوشت پوست بھی موجود ہیں، اس پر صدیاں گزر گئیں مگر صحیح سند سے انکا کچھ حال معلوم نہیں، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں۔

ابن عطیہ کا مشاہدہ:

ابن عطیہ کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میں خود ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ لاشیں اسی حالت پر پائیں اور ان کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے، اور ایک رومی زمانے کی تعمیر بھی ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں کوئی عالیشان محل ہوگا اس وقت تک بھی اس کی بعض دیواریں موجود ہیں، اور یہ ایک غیر آباد جنگل میں ہے، اور فرمایا کہ غرناطہ کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار ونشانات پائے جاتے ہیں جو رومیوں کے طرز کے ہیں، اس شہر کا نام رقیوس بتلایا جاتا ہے ہم نے اس کے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں، قرطبی جو اندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کو نقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف کہنے سے گریز کرتے ہیں، اور خود ابن عطیہ نے بھی اپنے مشاہدے کے باوجود یہ جزم نہیں کیا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں محض عام شہرت نقل کی ہے، مگر دوسرے اندلسی مفسر ابوحیان جو ساتویں صدی ۶۵۴ھ میں خاص غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں رہے، بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحرمحیط میں غرناطہ کے اس غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح قرطبی نے کیا ہے، اور ابن عطیہ کے اپنے مشاہدہ کا ذکر لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہم جب اندلس میں تھے، (یعنی قاہرہ منتقل ہونے سے پہلے) تو بہت لوگ اس غار کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگرچہ وہ لاشیں اب تک وہاں موجود ہیں، اور زیارت کرنے والے ان کو شمار بھی کرتے ہیں مگر ہمیشہ ان کی تعداد بتانے میں غلطی کرتے ہیں پھر فرمایا کہ ابن عطیہ نے جس شہر رقیوس کا ذکر کیا ہے جو غرناطہ کی جانب قبلہ میں واقع ہے تو اس شہر سے میں خود بے شمار مرتبہ گزرا ہوں، اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں ويترجح كون اهل الكهف بالا ندلس لكثرة دين النصارىٰ بهاحتىٰ هى بلاد مملكتهم العظمىٰ (تفسیر بحرمحیط ص۱۰۲ ج۶) ''یعنی اصحاب کہف کے اندلس میں ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قرینہ ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب سے بڑی مذہبی مملکت ہے''۔ اس میں یہ بات واضح ہے کہ ابوحیان کے نزدیک اصحاب کہف کا اندلس میں ہونا راجح ہے۔ (تفسیر قرطبی)

وادیٔ رقیم کا غار:

امام تفسیر ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رقیم ایک وادی کا نام ہے جو فلسطین سے نیچے ایلہ (عقبہ) کے قریب ہے، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور چند دوسرے محدثین نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ''میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے لیکن میں نے کعب احبار سے پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف غار میں جانے سے پہلے مقیم تھے۔ (روح المعانی)

حضرت معاویہؓ کا واقعہ:

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت معاویہؓ کے ساتھ رومیوں کے مقابلے میں ایک جہاد کیا جس کو غزوۃ المضیق کہتے ہیں اس موقع پر ہمارا گزر اس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے حضرت معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں مگر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مشاہدہ کرنے سے اس ہستی کو بھی منع کر دیا ہے جو آپ سے بہتر تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، کیونکہ حق تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (یعنی آپ ان کو دیکھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھاگیں گے اور رعب وہیبت سے مغلوب ہو جائیں گے)۔ مگر حضرت معاویہؓ نے ابن عباسؓ کی اس بات

کو شاید اس لئے قبول نہیں کیا کہ قرآن کریم نے ان کی جو حالت بیان کی ہے یہ وہ ہے جوان کی زندگی کے وقت تھی یہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی وہی حالت ہو اس لئے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا، وہ غار پر پہنچے، مگر جب غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا (روح المعانی۔ص۲۲۷ ج۱۵)

اصحاب کہف کا شہر:

اور تقریباً تمام تفاسیر قرطبی، ابوحیان، ابن جریر وغیرہ کی روایات میں اصحاب کہف جس شہر میں رہتے تھے اس کا قدیم نام افسوس اور اسلامی نام طرسوس بتلایا گیا ہے اس شہر کا ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر ہونا اہل تاریخ کے نزدیک مسلم ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غار بھی ایشیائے کوچک میں ہے، اس لئے کسی ایک کو قطعی طور پر صحیح اور باقی کو غلط کہنے کی کوئی دلیل نہیں۔

جدید مورخین کی تحقیق:

عصر حاضر کے بعض مورخین اور علماء نے مسیحی تاریخوں اور اہل یورپ کی تواریخ کی مدد سے غار اصحاب کہف کی جگہ اور زمانہ متعین کرنے کے لئے کافی بحث و تحقیق کی ہے۔

ابوالکلام صاحب آزاد نے ایلہ (عقبہ) کے قریب موجودہ شہر پٹرا جس کو عرب مورخین بطرا لکھتے ہیں اس کو قدیم شہر رقیم قرار دیا ہے، اور موجودہ تاریخوں سے اس کے قریب پہاڑ میں ایک غار کے آثار بھی بتلائے ہیں جس کے ساتھ کسی مسجد کی تعمیر کے آثار بھی بتلائے جاتے ہیں اس کی شہادت میں لکھا ہے کہ بائبل کی کتاب یشوع (باب ۱۸، آیت ۲۷) میں جس جگہ کو رقیم یا راقم کہا ہے یہ وہی مقام ہے جس کو اب پٹرا کہا جاتا ہے مگر اس پر یہ شبہ کیا گیا ہے کہ کتاب یشوع میں جو رقم یا راقم کا ذکر بنی بن یمین کی میراث کے سلسلے میں آیا ہے اور یہ علاقہ دریائے اردن کے اور بحرلوط کے مغرب میں واقع تھا جس میں شہر پٹرا کے ہونے کا کوئی امکان نہیں، اس لئے اس زمانے کے محققین آثار قدیمہ نے اس بات کے ماننے میں سخت تامل کیا ہے کہ پٹرا اور راقم ایک چیز ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع ۱۹۴۶ء)

اور عام مفسرین نے اصحاب کہف کی جگہ شہر افسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل پر رومیوں کا سب سے بڑا شہر تھا، جس کے کھنڈرات اب بھی موجودہ ٹرکی کے شہر ازمیر (سمرنا) سے ۲۰، ۲۵ میل بجانب جنوب پائے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے بھی ارض القرآن میں شہر پٹرا کا ذکر کرتے ہوئے بین القوسین (رقیم) لکھا ہے مگر اس کی کوئی شہادت پیش نہیں کی کہ شہر پٹرا کا پرانا نام رقیم تھا، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اپنی کتاب قصص القرآن میں اسی کو اختیار فرمایا اور اس کی شہادت میں تورات سفر عدد اور صحیفہ سعیاء کے حوالہ سے شہر پٹرا کا نام راقمہ بیان کیا ہے (ماخوذ از دائرۃ المعارف عرب)

مملکت اردن میں عمان کے قریب ایک سنسان جنگل میں ایک غار کا پتہ لگا تو حکومت کے محکمہ آثار قدیمہ نے ۱۹۶۳ء میں اس جگہ کھدائی کا کام جاری کیا تو اس میں مٹی اور پتھروں کے ہٹانے کے بعد ہڈیوں اور پتھروں سے بھرے ہوئے چھ تابوت اور دو قبریں برآمد ہوئیں، غار کی جنوبی سمت میں پتھروں پر کندہ کچھ نقوش بھی دریافت ہوئے جو بزنطینی زبان میں ہیں، یہاں کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ یہی جگہ رقیم ہے جس کے پاس اصحاب کہف کا یہ غار ہے، واللہ اعلم۔

حضرت سیدی حکیم الامت تھانویؒ نے بیان القرآن میں تفسیر حقانی کے حوالہ سے اصحاب کہف کی جگہ اور مقام کی تاریخی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ظالم بادشاہ جس کے خوف سے بھاگ کر اصحاب کہف نے غار میں پناہ لی تھی، اس کا زمانہ ۲۵۰ء تھا، پھر تین سو سال تک یہ لوگ سوتے رہے، تو مجموعہ ۵۵۰ء ہو گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ۵۷۰ء میں ہوئی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بیس سال پہلے یہ واقعہ ان کے بیدار ہونے کا پیش آیا، اور تفسیر حقانی میں بھی ان کا مقام شہر افسوس یا طرسوس کو قرار دیا ہے جو ایشیائے کوچک میں تھا، اب اس کے کھنڈرات موجود ہیں، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

یہ تمام تاریخی اور جغرافیائی تفصیلات ہیں جو قدمائے مفسرین کی روایات سے پھر جدید مورخین کے بیانات سے پیش کی گئی ہیں۔

جن سے تقریبی اور تخمینی طور پر اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب پیش آیا، اور بیشتر روایات اس کے شہر السوس یا طرسوس کے قریب ہونے پر متفق نظر آتی ہیں، واللہ اعلم۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ان تمام تحقیقات کے بعد بھی ہم وہیں کھڑے ہیں جہاں سے چلے تھے کہ مقام متعین کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کی تعیین کسی یقینی ذریعہ سے کی جا سکتی ہے

اجتماعیت کی اصل بنیاد:

ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ لوگ تو باہمی اجتماع کا سبب قومیت اور جنسیت کو سمجھتے ہیں مگر حقیقت وہ ہے جو صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ درحقیقت اتفاق وافتراق اول ارواح میں پیدا ہوتا ہے اس کا اثر اس عالم کے ابدان میں پڑتا ہے جن روحوں کے درمیان ازل میں مناسبت اور اتفاق پیدا ہوا وہ یہاں بھی باہم مربوط اور ایک جماعت کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور جن میں یہ مناسبت اور باہمی توافق نہ ہوا بلکہ وہاں علیحدگی رہی ان میں یہاں بھی علیحدگی رہے گی، اسی واقعہ کی مثال کو دیکھو کہ کس طرح الگ الگ ہر شخص کے دل میں ایک

ہی خیال پیدا ہوا اس خیال نے ان سب کو غیر شعوری طور پر ایک جگہ جمع کر دیا۔

ان نوجوانوں کا بادشاہ کے سامنے پیش ہونا:

اب یہ ایک متحد الخیال جماعت ایک دوسرے کی رفیق اور دوست ہوگئی اور انہوں نے الگ ایک عبادت گاہ بنالی، جس میں جمع ہو کر یہ لوگ اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کی عبادت کرنے لگے، مگر شدہ شدہ ان کی خبر شہر میں پھیل گئی، اور چغل خوروں نے بادشاہ تک ان کی خبر پہنچا دی، بادشاہ نے ان سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا، یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان کے عقیدے اور طریقے کے متعلق سوال کیا، اللہ نے ان کو ہمت بخشی، انہوں نے بغیر کسی خوف وخطر کے اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا، اور خود بادشاہ کو بھی اس کی طرف دعوت دی، اسی کا بیان قرآن کریم کی آیات میں اس طرح آیا ہے:

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ (الی قولہ) کذبا۔

ابتدائی دھمکی:

جب ان لوگوں نے بادشاہ کو بیباک ہو کر دعوت ایمان دی تو بادشاہ نے اس سے انکار کیا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، اور ان کے بدن سے وہ عمدہ پوشاک جوان شہزادوں کے بدن پر تھی اتروا دی، تاکہ یہ لوگ اپنے معاملہ میں غور کریں، اور غور کرنے کے لئے چند روز کی مہلت یہ کہہ کر دیدی کہ تم نوجوان ہو میں تمہارے قتل میں اس لئے جلدی نہیں کرتا کہ تم کو غور کرنے کا موقع مل جائے اب بھی اگر تم اپنی قوم کے دین ومذہب پر آجاتے ہو، تو تم اپنے حال پر رہو گے ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اپنے مومن بندوں پر تھا کہ اس مہلت نے ان لوگوں کے لئے راہ فرار کھول دی، اور یہ لوگ یہاں سے بھاگ کر ایک غار میں روپوش ہوگئے۔

بادشاہ کا نام:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں بھی واقعہ اسی طرح بیان کیا ہے اور بادشاہ کا نام دقیانوس بتلایا ہے، ابن اسحٰق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اصحاب کہف کے بیدار ہونے کے وقت ملک پر دین مسیح علیہ السلام کے پابند جن لوگوں کا قبضہ ہوگیا تھا ان کے بادشاہ کا نام بیدوسیس تھا۔

اصحاب کہف کا مذہب:

مجموعہ روایات سے یہ بات تو بظن غالب ثابت ہو جاتی ہے کہ اصحاب کہف صحیح دین مسیح علیہ السلام پر تھے اور ان کا زمانہ بعد از مسیح ہے اور جس بادشاہ مشرک سے بھاگے تھے اس کا نام دقیانوس تھا، تین سو سال کے بعد بیدار ہونے کے وقت جس نیک، مومن بادشاہ کی حکومت تھی ابن اسحٰق کی روایت میں اس کا نام بیدوسیس بتلایا ہے۔

غار میں اصحابِ کہف کی حالت:

دوسرا حال یہ بتلایا ہے کہ اصحاب کہف پر اتنے زمانہ دراز تک نیند مسلط کر دینے کے باوجود ان کے اجسام پر نیند کے آثار نہ تھے بلکہ ایسی حالت تھی کہ ان کو دیکھنے والا یہ محسوس کرے کہ وہ جاگ رہے ہیں، عام مفسرین نے فرمایا کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، بدن پر ڈھیلا پن جو نیند سے ہوتا ہے وہ نہیں تھا، سانس میں تغیر جو سونے والوں کے ہو جاتا ہے وہ نہیں تھا، ظاہر یہ ہے کہ یہ حالت بھی غیر معمولی اور ایک قسم کی کرامت ہی تھی جس میں بظاہر حکمت ان کی حفاظت تھی کہ کوئی ان کو سوتا ہوا سمجھ کر ان پر حملہ نہ کرے یا جو سامان ان کے ساتھ تھا وہ نہ چرالے، اور مختلف کروٹیں بدلنے سے بھی دیکھنے والے کو بیداری کا خیال ہو سکتا ہے اور کروٹیں بدلنے میں یہ مصلحت بھی تھی کہ مٹی ایک کروٹ کو نہ کھالے۔

نیک صحبت کی برکات:

ابن عطیہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد نے بتلایا کہ میں نے ابوالفضل جوہریؒ کا ایک وعظ ۴۶۹ ہجری میں جامع مصر کے اندر سنا وہ برسر منبر یہ فرما رہے تھے کہ جو شخص نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ان کی نیکی کا حصہ اس کو بھی ملتا ہے، دیکھو اصحاب کہف کے کتے نے ان سے محبت کی اور ساتھ لگ لیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن عطیہؒ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ایک کتا صلحاء اور اولیاء کی صحبت سے یہ مقام پا سکتا ہے تو آپ قیاس کرلیں کہ مومنین موحدین جو اولیاء اللہ اور صالحین سے محبت رکھیں ان کا مقام کتنا بلند ہوگا، بلکہ اس واقعہ میں ان مسلمانوں کے لئے تسلی اور بشارت ہے جو اپنے اعمال میں کوتاہ ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پوری رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت:

صحیح بخاری میں بروایت انسؓ مذکور ہے کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکل رہے تھے مسجد کے دروازے پر ایک شخص ملا، اور یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے۔ (جو اس کے آنے کی جلدی کر رہے ہو) یہ بات سن کر یہ شخص دل میں کچھ شرمندہ ہوا اور پھر عرض کیا کہ میں نے قیامت کے لئے بہت نماز، روزے اور صدقات تو جمع نہیں کئے، مگر میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو (سن لو کہ) تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہوگے جس سے محبت رکھتے ہو، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم یہ جملہ مبارکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اسلام لانے کے بعد اس سے زیادہ خوشی کبھی نہ ہوئی تھی، اور اس کے بعد حضرت انسؓ نے فرمایا کہ (الحمدللہ) میں اللہ سے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے، ابوبکرؓ و عمرؓ سے محبت رکھتا ہوں، اس لئے اس کا امیدوار ہوں کہ ان کے ساتھ ہوں گا (قرطبی) (مظہری، معارف القرآن مفتی اعظم)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ

جب جا بیٹھے وہ جوان پہاڑ کی کھوہ میں پھر بولے اے رب

لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

دے ہم کو اپنے پاس سے بخشش اور پوری کر دے ہمارے کام کی درستی

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

پھر تھپک دیئے ہم نے ان کے کان اس کھوہ میں چند برس گنتی کے

یعنی ایسی تھپکی دی کہ برسوں غار میں پڑے سوتے رہے، ادھر ادھر کی کوئی خبر ان کے کانوں میں نہیں پڑتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ، قابل ذکر ہے وہ وقت جب ان نوجوانوں نے اس غار میں جا کر پناہ لی تھی۔ یہاں سے اصحاب کہف کا قصہ شروع ہے۔ اوی فلان الی موضع فلاں شخص نے اس جگہ کو اپنا ٹھکانہ بنالیا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ غار ینجلوس پہاڑ میں تھا اس غار کا نام تھا جیرم۔

وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اور ہمارے لئے اس کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے۔ یعنی ایمان اور مفارقت کفر پر قائم رہنے کی کوئی صورت ہمارے لئے تیار کر دے (اس مطلب پر امرنا سے مراد ہوگا ایمان اور ترک کفر) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے تمام معاملات میں ہم کو حق پر استقامت عطا فرما۔ اس وقت امرنا سے تمام معاملات زندگی مراد ہوں گے۔

اصحاب کہف کا قصہ:

محمد بن اسحاق اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیانوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور زبردستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا جس شخص کی نسبت سنتا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اس کو پکڑ وابلاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہوجانے کے درمیان اس کو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اس کو سنگسار کرتا اور عبرت ناک سزا دیتا جہاں جہاں اس کی حکومت تھی۔ سب جگہ یہی آفت برپا تھی روم کے شہروں میں ایک شہر افسوس تھا جس کو عرب طرسوس کہتے ہیں۔

شاہی خاندان کے نوجوان:

وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوئے ہیں۔ (دیکھو روح البیان ص۲۲۱ جلد۵)

امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گزرے ہیں اور ان کا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ابن کثیر نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۶۶ جلد ۲ باب قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ (معارف کاندھلوی)

بادشاہ کے مظالم:

بغوی نے لکھا ہے اصحاب کہف غار کے اندر پناہ گیر ہونے پر کیوں مجبور ہوئے علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں، محمد بن اسحاق نے بیان کیا عام عیسائیوں کی دینی حالت بہت بگڑ گئی تھی، بت پرستی تک نوبت پہنچ گئی تھی، بتوں پر چڑھاوے چڑھانے اور ان کے نام پر قربانیاں کرنے کا بھی رواج ہوگیا تھا بادشاہ بھی سرکش اور بے دین ہوگئے تھے، لیکن کچھ لوگ صحیح دین عیسوی پر قائم تھے، اور اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، بے دین مخالف توحید بادشاہوں میں سے دقیانوس نام کا بھی ایک بادشاہ تھا اس کی حکومت بلاد روم پر تھی، یہ بت پرستی کرتا اور بتوں کے نام کی قربانیاں کرتا تھا اور جو لوگ توحید پر قائم رہتے تھے ان کو قتل کرا دیتا اپنے ملک کی مختلف بستیوں میں جاتا اور وہاں کے باشندوں کی جانچ کرتا جو بت پرستی اختیار کر لیتا اس کو چھوڑ دیتا اور جو انکار کرتا اس کو قتل کرا دیتا تھا، حسب عادت ایک بار یہ شہر افسوس میں جا کر اترا، جو لوگ اہل ایمان تھے ڈر کے مارے وہ چھپ گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلے جو اہل ایمان پکڑے جاتے ان کو بت پرستی کی ترغیب دی جاتی اگر وہ توحید چھوڑ کر بتوں کی پوجا کرنے لگتے تو ان کو چھوڑ دیا جاتا، ورنہ قتل کر دیا جاتا۔ اور مقتولین کے ٹکڑے کر کے شہر پناہ کی دیواروں پر اور دروازوں پر لٹکا دیا جاتا۔

مومن نوجوانوں کا عزم:

چند مومن نوجوان جن کی تعداد آٹھ بتائی گئی ہے۔ ایمان میں بڑے پختہ تھے اور نماز روزے کے بہت پابند تھے اور سب رومی امراء کے لڑکے تھے سخت گھبرا گئے اور مضطرب ہوکر زاری کے ساتھ انہوں نے دعا کی

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ ہمارا رب وہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے ہم اس کے سوا کسی جھوٹے معبود کی عبادت ہرگز نہیں کریں گے ورنہ یہ بڑی زیادتی اور حق سے تجاوز ہوگا اے رب اپنے ایماندار بندوں سے اس فتنہ کو دور کردے ان کی مصیبت دفع کردے کہ وہ تیری عبادت علی الاعلان کرسکیں۔

گرفتاری اور بادشاہ کی پیشی:

یہ لوگ مسجد کے اندر سجدوں میں پڑے یہ دعا کر ہی رہے تھے کہ سرکاری آفیسر آپہنچے اور سب کو گرفتار کر کے دقیانوس کے پاس لے گئے اور کہا آپ دوسرے لوگوں کو تو اپنے معبودوں کی خوشنودی کے لئے قتل کراتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ ہی کے خاندان کے ہیں آپ کے حکم کے خلاف کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے ہیں بادشاہ نے حکم دیا ان کو پیش کرو۔ یہ نوجوان پیش کیے گئے۔ سب کے چہرے غبار آلود تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے، بادشاہ نے کہا تمہارے شہر کے سردار ہمارے معبودوں کی پرستش کرتے اور ان پر قربانیاں چڑھاتے ہیں تم ان کی طرح کیوں نہیں کرتے اور ان کا رنگ ڈھنگ کیوں نہیں اختیار کرتے میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ یا تو ہمارے معبودوں پر بھینٹ چڑھاؤ اور ان کی پوجا کرو ورنہ میں تم کو قتل کرادوں گا مکسلمینا نے جو سب میں بڑا تھا کہا ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت سے تمام آسمان بھرے ہوئے ہیں، ہم اس کے سوا کبھی کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اسی کے لئے حمد، بزرگی اور پاکی ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں اسی سے نجات اور خیر کے طلبگار ہیں، آپ جو چاہیں کریں ہم آپ کے بتوں کی پوجا نہیں کرسکتے۔ مکسلمینا کے دوسرے ساتھیوں نے بھی دقیانوس کو یہی جواب دیا۔

ابتدائی سزا:

یہ جواب سن کر دقیانوس نے حکم دیا کہ ان کے امیرانہ کپڑے اتروا لیے جائیں۔ حکم کی تعمیل کردی گئی، پھر کہنے لگا میں ذرا (دوسروں سے) فارغ ہولوں تو تم کو وہ سزا دوں گا جو تمہارے لئے میں نے تجویز کی ہے، تاابھی نوجوان ہو تم کو قتل کرنا میں نہیں چاہتا اسی لئے میں تم کو سزا دینے میں جلدی نہیں کررہا اور تم کو مہلت دیتا ہوں کہ تم اپنے معاملہ پر غور کرلو۔ اس کے بعد ان کے سارے امیرانہ زیور اتار لیے گئے اور دربار سے نکال دیا گیا اور دقیانوس اس بستی کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو چل دیا (اور واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا)۔

نوجوانوں کا مشورہ:

جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی تک کی ان کو سوچنے کی مہلت دے گیا)۔ جب وہ شہر سے چلا گیا تو سب نے باہم مشورہ کیا کہ اس کی واپسی سے پہلے پہلے کچھ تدبیر کرنی ضروری ہے۔ چنانچہ باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے کچھ روپیہ لے کر آئے اس میں سے کچھ تو غریبوں کو بانٹ دے اور کچھ کھانے پینے کے لئے رکھ لے پھر سب شہر کے قریب کوہ نیجلوس کے غار میں جا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہوجائیں اور دقیانوس کی واپسی تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ جب دقیانوس آجائے تو اس کے سامنے آکھڑے ہوجائیں پھر وہ جو کچھ چاہے کرے (یعنی ہر ایک کو قتل ہونے کے لئے تیار ہوکر دقیانوس کے پاس جانا چاہیے) حسب مشورہ ہر شخص اپنے باپ کے گھر جا کر کچھ روپیہ لے آیا، کچھ اس میں سے خیرات کردیا اور باقی اپنی گزر بسر کے لئے رکھ لیا اور ایک غار میں داخل ہوگئے۔

کتے کی رفاقت:

ایک کتا بھی ان کے پیچھے ہولیا وہ بھی غار میں چلا گیا، سب غار میں جا کر ٹھہر گئے کعب احبار کا بیان ہے اثناء راہ میں ایک کتا ان کے پیچھے ہولیا، انہوں نے بھگا دیا لیکن وہ پھر لوٹ آیا انہوں نے پھر بھگا دیا کتا پھر لوٹ آیا ایسا چند مرتبہ کیا تو کتا بولا لوگو! تم چاہتے کیا ہو میری طرف سے اندیشہ نہ کرو۔ جن کو اللہ سے محبت ہے مجھے ان سے محبت ہے تم وہاں سونا میں تمہارا چوکیدارا کروں گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے یہ لوگ رات کو دقیانوس سے بھاگے تھے۔ کل سات آدمی تھے ایک چرواہے کی طرف سے گزرے جس کے پاس کتا تھا، چرواہا بھی ان کا ہم مذہب ہوگیا اور ساتھ ہولیا اور کتا بھی پیچھے پیچھے آگیا سب لوگ شہر سے نکل کر ایک قریبی غار کی طرف چلے گئے (اور اس میں داخل ہوگئے) اور وہیں قیام پذیر ہوکر نماز روزے تحمید، تسبیح اور تکبیر (اللہ کی حمد کرنے اس کی پاکی بیان کرنے اور عظمت کا اقرار کرنے) میں مشغول ہوگئے اس کے علاوہ ہر شغل کو چھوڑ دیا۔

ناظم امور:

اور کل روپیہ اپنے ایک ساتھی جس کا نام تملیخا تھا کے پاس رکھ دیا، تملیخا بڑا ہی خوش تدبیر خوبصورت اور بہادر تھا شہر کو چھپ کر جاتا اور سب کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید لاتا تھا تملیخا جب شہر کو جانا چاہتا تو اپنے بڑھیا خوب صورت کپڑے اتار کر فقیروں اور بھیک منگوں کے جیسے کپڑے پہن لیتا اور سکہ لے کر شہر میں جا کر کھانے پینے کی چیزیں خریدتا اور ٹوہ لگاتا کہ دقیانوس یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے ان لوگوں کا کچھ تذکرہ کیا یا نہیں پھر لوٹ کر آجاتا اور ساتھیوں کو مطلع کردیتا اس طرح غار کے اندر یہ لوگ مدت تک رہے۔

شہر میں کھلبلی:

مدت کے بعد دقیانوس شہر میں (واپس) آیا اور سرداران شہر کو بتوں پر قربانیاں چڑھانے کا حکم دیا، اہل ایمان میں پھر کھلبلی مچ گئی، تملیخا بھی اس وقت

شہر کے اندر ہی تھا، ساتھیوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں خرید نے گیا تھا۔ غریب تھوڑا سا کھانا لے کر روتا ہوا لوٹ آیا اور آ کر ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ظالم شہر میں آ گیا ہے وہ اور اس کے ساتھی اور شہر کے بڑے لوگ ہماری جستجو میں ہیں۔

نوجوانوں کی گھبراہٹ:

یہ بات سن کر سب گھبرا گئے اور سجدہ میں پڑ کر گڑ گڑا کر اللہ سے دعا کرنے اور فتنہ سے پناہ مانگنے میں مشغول ہو گئے۔ تملیخا نے کہا یارو! سروں کو اٹھاؤ کھانا کھاؤ اور اللہ پر توکل رکھو، سب نے سجدے سے سر اٹھائے آنکھوں سے آنسو جاری تھے پھر سب نے کھانا کھایا، یہ واقعہ غروب آفتاب کے وقت کا تھا کھانے کے بعد آپس میں باتیں کرنے اور پڑھنے پڑھانے اور باہم نصیحتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔

نیند کا غلبہ:

غار کے اندر باتوں میں ہی مشغول تھے کہ یکدم اللہ نے سب پر نیند کو مسلط کر دیا، سب سو گئے۔ کتا دروازے پر پاؤں پھیلائے پڑا تھا جو نیند اللہ نے ان لوگوں پر مسلط کی تھی وہی کتے پر بھی مسلط کر دی، اس وقت ان کا سارا روپیہ سرہانے پڑا رہا۔

بادشاہ کی پریشانی:

دوسرے دن صبح ہوئی تو دقیانوس نے ان کو تلاش کرایا لیکن کسی کو نہ پا سکا کہنے لگا مجھے ان جوانوں کے کیس نے پریشان کر رکھا ہے انہوں نے خیال کیا کہ میں ان پر ناراض ہوں (اور ضرور قتل کرادوں گا اس لئے چھپ گئے) وہ اپنی نادانی کی وجہ سے میرے سلوک سے واقف نہ تھے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں ان پر کسی قسم کا بار نہ ڈالتا، شہر کے سرداروں نے کہا آپ کو ان سرکشوں نافرمانوں بدکاروں پر رحم کرنا ہی نہیں چاہیے تھا (وہ اس قابل ہی نہیں تھے) آپ نے ان کو ایک محدود مہلت دیدی تھی اگر وہ چاہتے تو اس مدت کے اندر توبہ کر لیتے اور (فرماں برداری کی طرف) لوٹ آتے لیکن انہوں نے تو توبہ ہی نہیں کی بادشاہ یہ بات سن کر سخت مشتعل ہو گیا اور اصحاب کہف کے باپوں کو بلوایا اور ان کے بیٹوں کے متعلق جواب طلب کیا اور دریافت کیا تمہارے وہ سرکش بیٹے کہاں ہیں جنہوں نے میرے حکم سے سرتابی کی۔ وہ بولے ہم نے تو آپ کی نافرمانی کی نہیں۔ پھر ان سرکشوں کے جرم کی وجہ سے آپ ہم کو قتل نہ کریں وہ تو ہمارا بھی مال لے گئے اور لے جا کر بازاروں میں برباد کر دیا (یعنی فقیروں کو بانٹ دیا) یہ معذرت سن کر بادشاہ نے ان کو چھوڑ دیا۔

غار کا منہ بند کر دیا گیا:

اور کچھ آدمیوں کو کوہ بنجلوس کی طرف بھیجا اور اس کے سوا کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آئی کہ جس غار کے اندر اصحاب کہف داخل ہوئے تھے اس کا منہ بند کرا دے۔ اللہ کی مشیت تھی کہ اصحاب کہف کو عزت عطا فرما دے اور آنے والی قوموں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنا دے اور لوگوں کو دکھا دے کہ قیامت ضرور آئے گی اور (جس طرح اس غار کے اندر نیند کی حالت میں اللہ نے ان کو سینکڑوں برس رکھ کر پھر زندہ اٹھایا اسی طرح) اللہ قبروں سے مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ غرض دقیانوس نے غار کا منہ بند کرا دیا اور کہا جس غار کو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے اسی غار کو ان کے لئے قبریں بنا دو۔ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوکے پیاسے مر جائیں اس کا خیال تھا کہ اصحاب کہف بیدار ہیں اور غار کے بند ہو جانے کا ان کو علم ہے، حالانکہ اللہ نے نیند کی حالت کی طرح ان کی روحوں کو قبض کر لیا تھا، کتا غار کے دروازے پر اگلے دونوں پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا اور جس طرح نیند اصحاب کہف پر مسلط کر دی گئی تھی اسی طرح کتے پر بھی نیند چھا گئی تھی۔ اللہ کے حکم سے اصحاب کہف سوتے میں دائیں بائیں کروٹیں بھی لیتے تھے۔ (اگر ایک پہلو پر پڑے رہتے تو ممکن تھا گوشت گل جاتا اس لئے کروٹ لینا ضروری تھا)۔

دو اور مومن اور اصحابِ کہف کا ریکارڈ:

شاہ دقیانوس کے خاندان میں دو آدمی مومن بھی تھے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے ایک کا نام بیندروس اور دوسرے کا رایاش تھا دونوں نے مشورہ کرنے کے بعد اصحاب کہف کے نام نسب، خاندان اور پورا واقعہ رانگ کی ایک تختی پر لکھ کر تانبے کی صندوق میں تختی کو رکھ کر ایک بنیاد میں صندوق کو اس خیال سے دفن کر دیا کہ قیامت سے پہلے ممکن ہے اہل ایمان کا کوئی گروہ اس جگہ قابض ہو جائے اور اس تحریر کو پڑھ کر ان کو اصحاب کہف کا واقعہ معلوم ہو جائے۔ دقیانوس اور اس کی قوم کے بعد صدیاں گزر گئیں اور پے در پے بادشاہ آتے جاتے رہے (اور اصحاب کہف غار کے اندر استراحت فرماتے رہے اور صندوق دفن رہا)

نوجوان کیسے مسلمان ہوئے:

عبید بن عمیر کا بیان ہے کہ اصحاب کہف چند نوجوان تھے جو گلے میں طوق اور ہاتھوں میں کنگن پہنے ہوئے تھے زلفیں چھوڑی ہوئی تھیں ایک شکاری کتا ان کے ساتھ تھا کسی بڑے تہوار کے موقع پر بن سج کر گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلے اور ساتھ میں ان بتوں کو بھی لے لیا جن کو پوجتے تھے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا کر دیا، ان میں سے ایک وزیر بھی تھا سب درپردہ مومن تو ہو گئے لیکن ہر ایک نے دوسرے سے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور ہر ایک نے دل میں طے کر لیا کہ ان کافروں کے ساتھ مجھے نہ رہنا چاہیے کہیں ان کے جرائم پر آنے والا عذاب مجھ پر نہ آ جائے غرض سب

الگ الگ ہو گئے پہلا ایک جا کر کسی درخت کے سایہ میں تنہا بیٹھ گیا، دوسرے نے اس کو تنہا بیٹھے دیکھا تو خیال کیا کہ شاید اس کی حالت بھی میری حالت کی طرح ہو گئی ہے، اس لئے زبان سے ظاہر کیے بغیر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا پھر تیسرا اسی خیال کو لے کر چلا اور دونوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا اس طرح ایک ایک کر کے سب جمع ہو گئے پھر ایک نے ایمان کو پوشیدہ رکھتے ہوئے ڈرتے ڈرتے دوسرے سے کہا آپ حضرات یہاں کس غرض سے جمع ہوئے ہیں، دوسرے نے بھی یہی پوچھا اور تیسرے چوتھے، غرض سب نے یہی سوال کیا، پھر دو دو کی ٹکڑیاں بنا کر انتہائی رازداری کے ساتھ ایک نے دوسرے پر حقیقت ظاہر کی اور معلوم ہوا کہ سب مومن ہیں پہاڑ میں قریب ہی ایک غار تھا سب نے مشورہ کر کے اس کی طرف رخ کیا اور غار میں چلے گئے شکاری کتا بھی ساتھ تھا اندر جا کر سب سو گئے۔

تین سو نو برس غار میں رہے:

اور ۳۰۹ برس تک سوتے رہے، قوم والوں نے ان کو تلاش کیا لیکن اللہ نے غار کو ہی ان کی نظر سے غائب کر دیا اور تمام نشانات محو کر دیئے مجبوراً ان کے نام نسب خاندان ایک تختی پر تحریر کیے اور لکھ دیا کہ فلاں فلاں اشخاص جو فلاں فلاں بادشاہ (امراء) کے بیٹے تھے، فلاں بادشاہ کے دور حکومت میں فلاں سال فلاں فلاں مہینے کھو گئے اور تلاش کے بعد بھی نہیں ملے، پھر یہ تختی سرکاری محافظ خانہ میں رکھ دی گئی کچھ مدت کے بعد وہ بادشاہ مر گیا اور صدیاں گزرتی گئیں۔

عیسیٰؑ کے حواری کا واقعہ:

وہب بن منبہ نے بیان کیا حضرت عیسیٰ کا ایک حواری اصحاب کہف کے شہر کو گیا تھا شہر کے اندر داخل ہونے کا ارادہ کیا، کسی نے کہا شہر کے دروازے پر ایک بت ہے، پہلے اس بت کو سجدہ کرنا پڑتا ہے پھر اندر داخل ہونے کی اجازت دی جاتی ہے، حواری نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا اور شہر کے قریب ایک حمام میں جا کر حمام والے کی نوکری کر لی اور کام کرنے لگا، حمام والے کو حواری کے آتے ہی بڑی برکت حاصل ہوئی (اس کے کام کو بہت ترقی ہو گئی) شہر کے بعض نوجوانوں کا بھی اس حواری سے کچھ تعلق ہو گیا وہ اس کے پاس بیٹھنے لگے، حواری ان کو آسمان و زمین کی خبریں سناتا تھا (اور وہ شوق سے سنتے تھے) آخر وہ لوگ حواری پر ایمان لے آئے اور عیسائی ہو گئے۔ حواری نے حمام والے سے شرط کر لی تھی کہ رات کو میری نماز میں کوئی مداخلت نہ کرے رات میری ہے، رات کو کوئی کام نہیں کروں گا ایک روز شہزادہ ایک عورت کو لے کر حمام میں آیا، حواری نے کہا آپ شہزادے ہیں اور اس عورت کو لے کر حمام میں داخل ہو رہے ہیں شہزادہ کو شرم آئی اور واپس چلا گیا، لیکن دوسری مرتبہ پھر آیا اور حواری نے پہلی بار کی طرح نصیحت کی، اس مرتبہ حواری کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ کی بلکہ اس کو جھڑک دیا، دونوں حمام میں داخل ہو گئے، بادشاہ کو کسی نے اطلاع دی کہ شہزادہ کو حمامی نے قتل کر دیا، بادشاہ نے حمامی کی تلاش کے لئے آدمی بھیجے مگر وہ بھاگ گیا ہاتھ نہیں آیا۔ بادشاہ نے پوچھا، اس کے ساتھ کون لوگ رہتے تھے لوگوں نے بتایا فلاں فلاں جوان رہتے تھے، ان جوانوں کی جستجو کی گئی، لیکن وہ بھی شہر سے باہر نکل گئے اور راستہ میں ایک اور شخص کو بھی ساتھ لے لیا جو انہیں کی طرح ایمان پر قائم تھا۔ ایک کتا بھی ساتھ ہو لیا، حمامی سب کو ایک غار پر لے گیا، سب اس میں داخل ہو گئے اور وہیں رات گزارنے کا ارادہ کر لیا اور طے کر لیا کہ آج رات یہیں رہو صبح ہو گی تو کچھ سوچیں گے چنانچہ اندر پہنچ کر رات کو بے خبر سو گئے بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کی جستجو میں نکلا اور غار پر جا پہنچا معلوم ہوا وہ لوگ اندر جا چکے ہیں بادشاہ کے ساتھیوں میں سے کسی شخص نے اندر گھسنے کا ارادہ کیا مگر دہشت زدہ ہو گیا پھر کسی میں اندر گھسنے کی ہمت نہ ہوئی ایک شخص نے بادشاہ سے کہا اگر وہ آپ کے ہاتھ آ جاتے تو کیا آپ کا ارادہ ان کو قتل کرا دینے کا نہ تھا؟ بادشاہ نے کہا بلاشبہ یہی ارادہ تھا اس شخص نے کہا تو اب غار کے دروازے بند کرا کے کوئی دیوار بنوا دیجئے کہ اندر بھوکے مر جائیں (بہر حال قتل کر دینا تو مقصد ہی ہے) بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔

غار کے منہ کا کھلنا اور نوجوان کی بیداری:

وہب کا بیان ہے دروازے کی بندش کو اس کے بعد طویل زمانہ گزر گیا، ایک دور کے بعد دوسرا دور آیا اور گزرتا چلا گیا مدت کے بعد اتفاقاً جنگل میں کسی چرواہے کو بارش نے آ گھیرا وہ بکریاں بھیڑیں لے کر پناہ لینے کے لئے اس غار کی طرف آیا اور بکریوں کو سایہ میں محفوظ رکھنے کیلئے کوشش کر کے اس نے دروازہ کھول دیا ادھر صبح ہوئی تو اللہ نے ان کی روحین لوٹا دیں (یعنی ان کو بیدار کر دیا اور ایسا معلوم ہوا کہ رات بھر سو کر صبح کو بیدار ہوئے ہیں)

منکرین قیامت کی تردید:

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے (مدت کے بعد) وہاں کی حکومت ایک نیک آدمی کے ہاتھ میں آ گئی اس شخص کا نام بیدوسیس تھا، اس کی حکومت کو جب ۶۸ سال گزر گئے تو لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ مومنوں کا تھا جو اللہ پر ایمان رکھتا اور قیامت کو حق جانتا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو اللہ اور قیامت کا منکر تھا بیدوسیس کو یہ پھوٹ اور گمراہی کا پھیلاؤ دیکھ کر بڑا رنج ہوا وہ اللہ کے سامنے رو دیا زاری کی اور اس کو اس بات سے بڑا دکھ ہوا کہ اہل باطل حق پرستوں پر غالب ہوتے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اہل باطل حشر جسمانی کے قائل نہیں تھے صرف حشر روحانی کو مانتے تھے اور دنیوی زندگی پر ہی ریجھے ہوئے تھے۔ بیدوسیس نے ان لوگوں کو بلوایا جن

کے متعلق خیال تھا کہ وہ ائمہ حق اور اصحاب خیر ہیں جب وہ آئے تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ بھی قیامت کے قائل نہیں ہیں اور لوگوں کو حواریوں کے دین و مذہب سے مرتد بنا دینے اور لوٹا دینے کے خواستگار ہیں یہ دیکھ کر بادشاہ اپنے کمرے میں چلا گیا، دروازہ بند کر لیا کمبل کا لباس (یعنی فقیرانہ لباس) پہن لیا اور راکھ بچھا کر اس پر بیٹھ گیا اور مدت تک رات دن مسلسل اللہ کے سامنے گریہ وزاری کرتا اور دعا کرتا رہا کہ الٰہی تو ان لوگوں میں تفرقہ پڑ جانے سے واقف ہے کوئی ایسی نشانی ظاہر کر دے، جس سے ان لوگوں کو اپنے عقیدہ کا غلط اور باطل ہونا واضح ہو جائے۔ یوں بھی اللہ رحمٰن و رحیم ہے اس کو اپنے بندوں کا تباہ ہونا پسند نہیں، اس نے اپنے نیک بندے بیدوسیس کی دعا قبول فرمالی اور اصحاب کہف کی حالت کو ظاہر کرنا اور ان کو منکرین قیامت کے خلاف بطور دلیل پیش کرنا اور ثبوت قیامت اور مردوں کی بعثت پر یقین دلانے کے لئے ایک نشانی نمایاں کرنا چاہا اس کی یہ بھی مرضی ہوئی کہ مسلمانوں کا بکھرا ہوا شیرازہ پھر مجتمع ہو جائے جس کی صورت اس نے یہ پیدا کی کہ جس بستی میں اصحاب کہف کا غار تھا وہیں ایک باشندہ کے دل میں یہ ارادہ پیدا کر دیا کہ غار کے دروازے پر جو عمارت بنائی گئی تھی اس کو ڈھا کر اپنی بکریوں کے لئے ایک باڑہ بنا دے اس شخص کا نام اولیاس تھا، اولیاس نے دو مزدور رکھ کر غار کے دروازے کی عمارت کے پتھر اکھڑوانا اور اپنی بکریوں کیلئے باڑہ بنوانا شروع کر دیا آخر دروازہ کی ساری عمارت صاف کر دی اور دروازہ کھل گیا۔

بیدار ہونے پر نوجوانوں کا عمل:

پھر اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر بٹھا دیا وہ خوش خوش شگفتہ رو، ہشاش بشاش اٹھے اور خیال کیا کہ حسب معمول ہم رات کو سوئے تھے اور صبح ہوئی تو بیدار ہو گئے پھر معمول کے مطابق انہوں نے نمازیں پڑھیں اور کوئی ایسی علامت ان کے چہروں پر نمودار نہیں ہوئی جس سے اجنبیت یا انوکھا پن ظاہر ہوتا وہ یہی سمجھتے رہے کہ بادشاہ دقیانوس ہماری جستجو میں لگا ہوا ہے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ ہم آج کچھ زیادہ سوئے اسی لئے انہوں نے باہم پوچھنا شروع کیا ہم کتنی دیر سوئے کسی نے کہا ایک دن دوسرے نے کہا کچھ کم ایک دن سوئے ہوں گے (تعیین کے ساتھ صحیح مقدار خواب کوئی نہ بتا سکا) بالآخر بول اٹھے اللہ ہی جانے ہم کتنے وقت (سوتے) رہے۔

ایک نوجوان کا شہر جانا:

نماز کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی سے جس کا نام تملیخا تھا اور جس کے پاس سب کا خرچ تھا، کہا ذرا جا کر خبر لاؤ کہ اس ظالم کے سامنے شام کو (ہمارے آنے کے بعد) لوگوں نے کیا باتیں کہیں تملیخا نے کہا کیا تم شہر میں نہیں ہو، وہ ظالم چاہتا ہے کہ تم کو پکڑوا لے اور تم اس کے بتوں پر قربانیاں چڑھاؤ اور انکار کرو تو وہ تم کو قتل کرا دے جو اللہ چاہے گا وہ ہوگا (فکر کس بات کی ہے) مکسلمینا بولا، دوستو! خوب سمجھ لو کہ تم سب کو اللہ کے سامنے جانا ہے اللہ کے اس دشمن کے کہنے سے اپنا ایمان چھوڑ کر کافر نہ بن جانا اس کے بعد سب نے تملیخا کو مامور کیا کہ شہر کو جا کر خبر لائے کہ وہاں کیا تذکرے ہو رہے ہیں اور دقیانوس سے کیا باتیں کہی جا رہی ہیں اور ذرا چالاکی سے جانا کسی کو تمہارا پتہ نہ چل جائے اور وہاں سے کھانے کے لئے بھی کچھ زیادہ خرید کر لانا ہم سب بھوکے ہیں۔ تملیخا تیار ہو گیا اول بھیس بدلا کپڑے اتار کر دوسرے پہنے اور دقیانوسی سکہ لے کر باہر نکلنے کے لئے چل دیا غار کے دروازے پر پہنچا تو دیکھا دروازے کے پتھر اکھڑے ہوئے ہیں دیکھ کر تعجب کیا لیکن کچھ زیادہ پروا نہیں کی اور چھپتا چھپاتا اور راستے سے کتراتا شہر کے دروازے پر پہنچ گیا وہ دقیانوس ہی کا زمانہ سمجھتا تھا، اس لئے ڈرتا تھا کہ کوئی اس کو پہچان نہ لے، اس کو معلوم ہی نہ تھا کہ دقیانوس کو مرے ہوئے تین سو برس ہو گئے، شہر کے دروازے پر پہنچا اور دروازے کے اوپر نظر پڑی تو ایسی علامتیں دکھائی دیں کہ ایمان والوں کو یہاں آزادی ہے، علامات سے اس بستی کو ایمانداروں کی بستی ہونا ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر بڑا تعجب کیا اور پوشیدہ طور پر حیرت سے دروازے کو دیکھنے لگا پھر اس دروازے کو چھوڑ کر شہر کے دوسرے دروازے کی طرف گیا، وہاں بھی وہی علامتیں دکھائی دیں جو پہلے دروازے پر تھیں خیال کیا کہ یہ وہ شہر ہی نہیں ہے کوئی دوسرا شہر ہے جو میری شناخت میں نہیں آ رہا ہے وہاں کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے پایا تو وہ لوگ بھی غیر نظر آئے، غرض تعجب میں پڑ گیا اور خیال کیا کہ راستہ بھٹک گیا پھر لوٹ کر پہلے دروازہ پر آ گیا اور حیرت کرنے لگا کہ یہ وہی چیزیں ہیں جو کل رات تھیں یہ نشانیاں تو مسلمانوں کی ہیں جن کو وہ پوشیدہ رکھا کرتے تھے اور آج یہ نظروں کے سامنے ہیں کیا میں سوتے میں خواب دیکھ رہا ہوں پھر خود ہی کہتا تھا میں تو جاگ رہا ہوں آخر اپنی چادر سر پر ڈالی اور شہر میں داخل ہو گیا، چلتے چلتے بازار میں پہنچا تو وہاں کچھ لوگوں کو حضرت عیسیٰ بن مریم کی قسمیں کھاتے ہوئے سنا اس کے دل میں اور زیادہ ڈر پیدا ہوا اور یقین کر لیا کہ میں راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلا ایک دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا اور دل ہی دل میں کہنے لگا کل شام تو سوائے چند آدمیوں کے اس سرزمین پر عیسیٰ بن مریم کا نام لینے والا کوئی بھی نہ تھا، آج صبح کیا بات ہو گئی کہ جس سے سنتا ہوں وہ بے دھڑک عیسیٰ کا ذکر کر رہا ہے شاید میں کسی انجان شہر میں آ گیا۔ مگر ہمارے شہر کے قریب تو کوئی اور بستی بھی نہ تھی، پھر ایک جوان سے ملاقات ہوئی اور اس سے تملیخا نے اس شہر کا نام پوچھا جوان نے کہا اس شہر کا نام افسوس ہے۔ تملیخا نے دل میں کہا شاید میں مسلوب الحواس اور بے عقل ہو گیا، اب تو میرے لئے یہی مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اس سے پہلے کہ میری بے عزتی کی جائے یا کوئی اور افتاد مجھ پر پڑے اور میں مارا جاؤں۔

رازکا افشاء ہونا:

پھر ذراہوش آیا تو کہنے لگا قبل اس کے کہ لوگ مجھے جان لیں یہاں سے بہت جلد نکل جانا ہی مناسب ہے یہ سوچ کر فوراً نان فروشوں کے پاس گیا اور چاندی کا سکہ جو ساتھ لایا تھا نکال کر ایک نان فروش کو دے کر کھانا طلب کیا نان فروش نے روپیہ لے کر اس کو غور سے دیکھا مہر اور سکہ کی ضرب پر نظر کی اور تعجب کیا پھر ایک اور آدمی کی طرف پھینک دیا اس نے بھی غور سے دیکھا اس طرح چند آدمی دیکھنے لگے ایک، دوسرے کی طرف پھینک دیتا، اور وہ دیکھ کر تیسرے کی طرف پھینک دیتا۔ اب ان لوگوں نے آپس میں کہنا شروع کیا، پرانے زمانے کا گڑا ہوا کوئی پوشیدہ دفینہ اس شخص کے ہاتھ لگ گیا ہے تملیخا نے جوان لوگوں کو سکے کے متعلق گفتگو کرتے دیکھا تو اس کو بڑا ڈر لگا۔ خوف کے مارے کانپنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ لوگ مجھے پہچان گئے اور شاہ دقیانوس کے پاس مجھے پکڑ کر لے جانا چاہتے ہیں کچھ دوسرے لوگ اور بھی آ گئے اور تملیخا کو انہوں نے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکے۔ تملیخا نے ان لوگوں سے ڈرتے ڈرتے کہا مجھ پر مہربانی کرو تم نے میرا روپیہ بھی لے لیا اور کھانا بھی نہیں دیا اب مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں اور روپیہ بھی تم ہی رکھ لو۔

شہر والوں کا تملیخا کو پکڑ لینا:

لوگوں نے پوچھا اے شخص تو ہے کون اور واقعہ کیا ہے یقیناً گزشتہ لوگوں میں سے کسی کا کوئی دفینہ تجھے مل گیا ہے تو اس کو ہم سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم کو اپنے ساتھ لے کر چل اور دفینہ دکھا اور ہم کو بھی اس میں حصہ دار بنا۔ اس صورت سے تو ہم تیرا معاملہ پوشیدہ رکھیں گے ورنہ حاکم کے پاس لے جائیں گے اس کے سپرد کر دیں گے اور تو مارا جائے گا تملیخا نے ان کی باتیں سن لیں تو کہا اسی مصیبت میں پھنس گیا جس کا مجھے اندیشہ تھا لوگوں نے کہا اے شخص خدا کی قسم اب تو ہم سے چھپا کے تو نہیں رکھ سکتا تملیخا کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان باتوں کا کیا جواب دے ڈر کے مارے خاموش رہا کچھ بھی نہیں بتایا لوگوں نے دیکھا کہ وہ بولتا ہی نہیں تو سر سے چادر کھینچ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے شہر کی گلیوں میں لے گئے، گلیوں والے وجہ پوچھتے تو بتاتے یہ شخص اس لئے پکڑا گیا ہے کہ اس کے پاس (پرانا) دفینہ ہے غرض شہر کے تمام باشندے چھوٹے بڑے جمع ہونے لگے اور تملیخا کو دیکھ کر کہنے لگے یہ آدمی اس شہر کا رہنے والا تو ہے نہیں ہم نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تملیخا ڈر کے مارے خاموش تھا بات ہی نہیں کرتا تھا، لیکن یہ اس کو یقین تھا کہ اس کا باپ، بھائی اور قرابتدار اسی شہر میں موجود ہیں اور اس شہر کے بڑے لوگ ہیں جب وہ سنیں گے تو یقیناً آئیں گے اور یہ لوگ اگر پکڑ لے جانا چاہیں گے تو گھر والے آ کر چھڑا لیں گے، بیچارہ اسی انتظار میں تھا کہ لوگ اس کو شہر کے دو حاکموں کے پاس لے جانے لگے۔ یہ دونوں حاکم شہر کے منتظم تھے اور نیک آدمی تھے، ایک کا نام اریوس اور دوسرے کا نام اشطیوس تھا تملیخا سمجھا تھا کہ دقیانوس کے پاس لے جائیں گے لیکن وہ لے گئے شہر کے ان دو حاکموں کے پاس جن سے تملیخا واقف نہ تھا راستہ میں گھر والوں کے انتظار میں دائیں بائیں دیکھتا جاتا تھا اور لوگ پاگل کی طرح اس کی ہنسی بنا رہے تھے۔ تملیخا نے روتے ہوئے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے اللہ تو آسمانوں کا اور زمین کا الٰہ ہے۔ آج میرے دل میں صبر ڈال دے اور اپنی طرف سے میرے ساتھ روح (جبرئیل) یا اور کوئی غیبی مددگار کو بھیج دے جو اس ظالم کے سامنے میری مدد کرے۔ غریب تملیخا آنسو بہا رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا دوستوں سے مفارقت ہو گئی میں ان سے بچھڑ گیا۔ جو کچھ مجھے پیش آیا کاش اس کی ان کو اطلاع ہو جاتی تو وہ یقیناً آ جاتے اور سب مل کر اس ظالم کے سامنے جاتے کیونکہ ہم نے آپس میں معاہدہ کر لیا تھا کہ کوئی جدا نہ ہو سب ساتھ رہیں گے زندگی میں بھی اور مرنے میں بھی۔

دو حاکموں کی پیشی:

وہ اپنے دل میں یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ لوگ دو نیک حاکموں یعنی اریوس اور اشطیوس کے پاس لے پہنچے جب تملیخا نے دیکھا کہ مجھے دقیانوس کے پاس نہیں لے جایا جائے گا تو ہوش درست ہو گئے اور رونا موقوف کر دیا، اریوس اور اشطیوس نے روپیہ لے کر دیکھا اچنبھے میں پڑ گئے اور دریافت کیا اے شخص جو دفینہ تجھ کو ملا ہے وہ کہاں ہے؟ تملیخا نے کہا مجھے تو کوئی دفینہ نہیں ملا یہ روپیہ تو میرے باپ دادا سے میرے پاس آیا ہے ضرب اور ٹکسال اسی شہر کی ہے لیکن میری سمجھ میں خود اپنی حالت نہیں آتی (کہ میں کہاں ہوں کل میں نے کیا دیکھا تھا اور آج کیا دیکھ رہا ہوں) گھوں کیا۔ حاکم نے پوچھا تم کون ہو تملیخا نے جواب دیا، میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں، پوچھا تمہارے باپ کا کیا نام ہے اور تم کو کوئی پہچاننے والا بھی ہے، تملیخا نے باپ کا نام بتایا لیکن حاضرین میں کوئی شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کو جانتا ہو۔ حاکم نے کہا تو جھوٹا ہے، سچی بات نہیں بتاتا، تملیخا نے سر جھکا لیا اور سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دے۔ ایک شخص بولا یہ دیوانہ ہے، دوسرا بولا دیوانہ نہیں ہے چھوٹنے کے لئے دیوانہ بن رہا ہے۔

حاکم کی تقریر:

حاکم نے تملیخا کو سخت نظر سے دیکھا اور کہا کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ ہم تجھے چھوڑ دیں گے اور تیری اس بات کو مان لیں گے کہ یہ سکہ تجھے باپ دادا سے ملا ہے اس کی ضرب اور نقوش تو تین سو برس سے بھی زیادہ پہلے کے ہیں۔ تو جوان لڑکا ہے ہم سے باتیں بنا کر ہماری ہنسی اڑانا چاہتا ہے حالانکہ ہمارے بال سفید ہو چکے ہیں اور تیرے گرداگرد شہر کے سردار اور کرتادھرتا ہیں اس شہر کے

تمام دفینے ہمارے ہاتھوں میں ہیں ان میں کوئی درہم و دینار اس ضرب کا نہیں ہے میرا خیال ہو رہا ہے کہ تجھے سخت سزا دے کر قید کر دینے کا حکم جاری کر دوں اور اس وقت تک قید رکھوں کہ تو دفینہ ملنے کا اقرار کر لے۔

تملیخا نے حقیقت ظاہر کر دی:

حاکم کی یہ تقریر سن کر تملیخا نے کہا میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اگر آپ اس کا جواب دیدیں گے تو جو کچھ میرے پاس ہے میں بھی وہ سچ سچ تم کو بتا دوں گا، حاضرین نے کہا پوچھو ہم تم سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ تملیخا نے کہا دقیانوس بادشاہ کہاں گیا لوگوں نے جواب دیا، آج روئے زمین پر اس نام کا کوئی بادشاہ موجود نہیں ہے، بہت پرانے زمانے میں دقیانوس بادشاہ تھا وہ مر گیا اور اس کے بعد صدیاں بیت گئیں۔ تملیخا نے کہا تو یقیناً میں راہ سے بھٹک گیا ہوں، کوئی شخص مجھے سچا نہیں جانے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ ہم چند جوان دین اسلام پر قائم تھے بادشاہ نے ہم کو بت پرستی پر مجبور کیا، ہم نے انکار کیا اور کل شام بھاگ نکلے اور غار میں جا کر سو رہے صبح کو بیدار ہوئے تو میں کھانا خریدنے اور احوال کی ٹوہ لگانے کے لئے نکلا، کوہ نیجلوس کے غار تک تم لوگ میرے ساتھ چلو، میں اپنے ساتھیوں سے تمہاری ملاقات کراؤں گا۔

حاکم اور شہریوں کا نماز پر جانا:

تملیخا کی یہ بات سن کر اریوس، اشطیوس اور تمام شہر والے چھوٹے بڑے اصحاب کہف کو دیکھنے کے لئے تملیخا کے ساتھ چل پڑے۔ اُدھر اصحاب کہف کے پاس کھانا لے کر جب تملیخا واپس نہیں پہنچا اور مقررہ مدت سے زیادہ وقت گزر گیا تو انہوں نے خیال کر لیا کہ تملیخا گرفتار ہو گیا اور پکڑ کر لوگ دقیانوس کے پاس لے گئے۔ وہ یہ خیال کر ہی رہے تھے کہ کچھ آوازیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی کھٹ کھٹ سنائی دی فوراً سمجھ گئے کہ یہ ظالم دقیانوس کے بھیجے ہوئے لوگ ہیں اور ہم کو گرفتار کرنے کے لئے ان کو بھیجا گیا ہے۔ فوراً نماز کو کھڑے ہو گئے اور (نماز کے بعد) ایک نے دوسرے کو دعا سلامتی دی اور (حق پر قائم رہنے کی) وصیت کی پھر آپس میں کہا چلو اپنے بھائی تملیخا کے پاس چلیں وہ ظالم دقیانوس کے پاس ہمارے پہنچنے کے انتظار میں ہو گا وہ غار کے اندر سامنے کے رخ پر بیٹھے یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اریوس اور اس کے ساتھی غار کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے اور تملیخا آگے بڑھ کر روتا ہوا اندر آ گیا اس کو روتا دیکھ کر اصحاب کہف نے حالات دریافت کئے۔ تملیخا نے کل حال بیان کر دیا، اس وقت سب کی سمجھ میں آیا کہ اس پوری مدت اللہ کے حکم سے ہم سوتے رہے، اللہ ہم کو ایک نشانی اور قبروں سے مردوں کے اٹھانے کی ایک دلیل بنانا چاہتا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت حق ہے اس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں (جو اللہ تین سو برس تک سلانے کے بعد بیدار کر کے اٹھا سکتا ہے وہ مردوں کو بھی زندہ کر کے اٹھا سکتا ہے کیونکہ نیند بھی ایک قسم کی موت ہی ہے) تملیخا کے پیچھے اریوس بھی اندر پہنچ گیا دروازہ پر اس کو تانبے کا ایک صندوق دکھائی دیا، جس پر چاندی کی مہر لگی تھی اریوس نے باہر سے ایک سردار کو بلا کر اس کے سامنے صندوق کھولا، صندوق کے اندر رانگ کی دو تختیاں ان پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔ مکسلمینا، مخشلمینا، تملیخا، مرطونس، بشرطونس، بیربوس، دیوسمس اور یطنوسمس ظالم بادشاہ دقیانوس کے ڈر سے بھاگ گئے تاکہ بادشاہ ان کے دین سے ان کو منحرف نہ کر سکے اور یہ لوگ اس غار کے اندر گھس گئے۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ وہ لوگ اس غار کے اندر چلے گئے تو اس نے پتھروں سے غار کا منہ بند کر دینے کا حکم دیدیا، ہم نے ان حضرات کا حال اور واقعہ اس لئے لکھ دیا کہ بعد کو آنے والے لوگوں کو اس کا علم ہو جائے اگر وہ اس تحریر سے واقف ہو جائیں۔ تمام حضرات کو یہ تحریر پڑھ کر تعجب ہوا اور اللہ کا شکر ادا کرنے لگے جس نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی دکھا دی پھر اریوس اور اس کے ساتھی غار کے اندر اصحاب کہف سے جا کر ملے۔ اصحاب کہف بیٹھے ہوئے تھے چہرے نور سے دمک رہے تھے ان کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہونے پائے تھے۔

حاکم اور ساتھیوں کا سجدہ شکر:

اصحاب کہف کو اس حالت میں دیکھ کر اریوس اور اس کے ساتھی اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اللہ کی حمد میں رطب اللسان ہو گئے، جس نے ان کو یہ نشانی دکھائی۔ اس کے بعد اصحاب کہف نے اریوس اور اس کے ساتھیوں کو اپنی سرگزشت سنائی اریوس نے ایک قاصد اپنے دیندار بادشاہ بیدوسیس کے پاس بھیجا اور تحریر کیا کہ آپ فوراً آ جائیں تاکہ اللہ کی قدرت کی وہ نشانی آپ بھی دیکھ لیں جو اللہ نے آپ کے دور سلطنت میں لوگوں کی ہدایت کے لئے نمودار کی ہے کہ تین سو برس مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کر کے اٹھا دیا۔

بادشاہ کی خوشی اور اصحاب کہف سے ملاقات:

بادشاہ نے جونہی یہ اطلاع سنی اس کا سارا غم جاتا رہا اور اللہ کی ستائش کرتے ہوئے اس نے کہا شکر ہے تیرا اے آسمانوں اور زمین کے مالک میں تیری عبادت کرتا ہوں (تمام عیوب ونقائص سے) تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا بڑی مہربانی کی اور جو روشنی تو نے میرے آباء واجداد اور نیک بندے قسطیطینوس کو عطا فرمائی تھی وہ مجھے بھی مرحمت فرمائی میرے لئے اس نور کو نہیں بجھایا، ملک والوں کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی شہر افسوس میں آ گئے اور سب بیدوسیس کے ساتھ غار کی طرف چل دیئے۔ بیدوسیس کو دیکھ کر اصحاب کہف خوشی سے کھل پڑے اور اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے۔ بیدوسیس ان کے سامنے جا کھڑا ہوا اور دو زانو ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور زمین پر ان کے پاس بیٹھ گیا کچھ دیر کے بعد اصحاب کہف نے بیدوسیس

سے کہا اب رخصت فی امان اللہ آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت ہو، اللہ آپ کو اور آپ کی حکومت کو (شر سے) محفوظ رکھے اور جن وانس کے شر سے بچائے، ہم آپ کو اور آپ کے ملک کو اللہ کی پناہ میں دیتے ہیں۔

اصحاب کہف کی موت:

بادشاہ کھڑا ہو گیا اور ابھی کھڑا ہی تھا کہ وہ لوگ اپنی خواب گاہوں کی طرف واپس چلے گئے اور سو گئے اور اللہ نے ان کی روحوں کو قبض کر لیا، بادشاہ نے ان کو کپڑے اوڑھا دیئے اور حکم دیا کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سونے کے صندوق میں رکھ دیا جائے۔

خواب میں بادشاہ کو نصیحت:

جب رات ہوئی اور بادشاہ سو گیا تو خواب میں اصحاب کہف نے آکر اس سے کہا ہم کو سونے چاندی سے نہیں پیدا کیا گیا تھا، مٹی سے بنایا گیا تھا ہم مٹی ہی کی طرف منتقل ہو رہے ہیں، اس لئے قیامت تک کے لئے ہم کو مٹی پر اسی حالت میں چھوڑ دو جس حالت میں ہم غار کے اندر تھے، قیامت کے دن اللہ ہم کو اسی مٹی سے اٹھائے گا یہ خواب دیکھ کر بادشاہ نے سارکی لکڑی کے صندوق بنوا دیئے اور صندوقوں میں رکھوا کر ان کو وہیں چھوڑ کر چلے آئے پھر اللہ نے ان کو لوگوں کی نظروں سے چھپا دیا اور خوف کی وجہ سے کوئی ان کو دیکھ بھی نہ سکا نہ غار کے اندر جا سکا، بادشاہ نے غار کے دروازے پر نماز کے لئے ایک مسجد بنوا دی اور ہر سال وہاں خوشی منانے کے لئے جمع ہونے کا حکم دیدیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ تملیخا کو جب بادشاہ کے سامنے لے جایا گیا اور بادشاہ نے پوچھا تو کون ہے، تملیخا نے جواب دیا میں اسی شہر کا رہنے والا ہوں فلاں جگہ میرا مکان ہے فلاں فلاں لوگ میرے رشتہ دار ہیں کل شام میں یہاں سے نکلا تھا تو کسی نے نہ تملیخا کو پہچانا نہ ان ناموں کے آدمیوں کو جن کا ذکر تملیخا نے کیا تھا، بادشاہ نے پہلے کبھی سنا تھا کہ پرانے زمانہ میں کچھ نوجوان تھے، جن کے نام محافظ خانہ کے اندر کسی تختی پر لکھے ہوئے ہیں، تملیخا کی بات سن کر اس نے تختی منگوا کر دیکھی اور مندرجہ ناموں کو پڑھا تو ثابت ہوا کہ تملیخا کا نام اس کے اندر موجود ہے، باقی لوگوں کے متعلق تملیخا نے کہا یہ میرے ساتھیوں کے نام ہیں، اس بات پر بادشاہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تملیخا کی نشان دہی پر چل پڑا، غار کے دروازے پر پہنچ کر تملیخا نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں پہلے اندر جا کر ان کو خوش خبری دیدوں، کیونکہ اگر تم (بغیر اطلاع کے) میرے ساتھ اندر جا پہنچو گے تو وہ لوگ خوفزدہ ہو جائیں گے، تملیخا اجازت ملنے کے بعد اندر گیا اور غار والوں کو خوش خبری دی خوش خبری سنتے ہی اللہ نے ان کی روحیں قبض کر لیں اور بادشاہ یا اس کے ساتھیوں کی نظروں سے اللہ نے ان کو اوجھل کر دیا کسی کو ان کا نشان اور راستہ بھی نہیں ملا، آیت اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا - سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا۔ یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ باہر کی آواز اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ پردے سے مراد ہے نیند کا پردہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سلا دیا کہ کسی آواز سے بیدار نہیں ہو سکتے تھے۔

سنین کے بعد لفظ عدداً بڑھانے سے کثرت سنین کی طرف اشارہ ہے۔

(تفسیر مظہری)

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ
پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں
اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾
کس نے یاد رکھی ہے جتنی مدت وہ رہے ☆

بعث بعد الموت پر جھگڑنے کا فیصلہ:

سالہا سال کے بعد حق تعالیٰ نے ان کو جگا دیا۔ تا ظاہر ہو جائے کہ اختلاف کرنے والوں میں سے کس نے ان کی مدت نوم کا زیادہ صحیح اندازہ رکھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی نوم طویل کے بعد جب بیدار ہوئے تو قدرتی طور پر خود سونے والوں میں اور دوسرے دیکھنے والوں میں بھی اختلافات اور چہ میگوئیاں ہونگی کوئی کم مدت بتلائے گا کوئی زیادہ۔ کوئی اقرار کریگا۔ کوئی مستبعد سمجھ کر انکار کر دیگا۔ تو انہیں جگا کر یہ دیکھنا تھا کہ کونسی جماعت ٹھیک حقیقت پر پہنچتی ہے اور اس حقیقت پر پہنچ کر ''بعث بعد الموت'' کا عقدہ حل کرتی ہے جس میں اس وقت کے لوگ جھگڑ رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ
ہم سنا دیں تجھ کو ان کا حال تحقیقی وہ کئی جوان ہیں
فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾
کہ یقین لائے اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے ان کو سوجھ ☆

یعنی ایمان سے زیادہ درجہ دیا اولیاء کا۔ (تفسیر عثمانی)

حقیقی ایمان:

الحق سچ۔ فتیۃ کا مفرد فتیٰ ہے جیسے صبیۃ کا مفرد صبیٌّ۔ ھدیٰ سے مراد ہے ایمان اور بصیرت یعنی ہم نے ان کو حقیقی ایمان عطا کیا تھا، مجازی ایمان تو زبانی اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے اس میں نفس کا طغیان و کفران باقی

رہتا ہے اور حقیقی ایمان کا حصول نفس کو فنا کرنے کے بعد ہوتا ہے (نفس کی سرکشی اور انانیت فنا ہو جاتی ہے تو حقیقی ایمان نصیب ہوتا ہے) (تفسیر مظہری)

ایمان میں کمی اور زیادتی:

یہ اور اس جیسی اور آیتوں اور حدیثوں سے استدلال کر کے امام بخاریؒ وغیرہ محدثین کرام کا مذہب ہے کہ ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اس میں مرتبے ہیں یہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ یہاں ہے ہم نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا، اور جگہ ہے وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى الخ ہدایت والوں کو ہدایت بڑھ جاتی ہے الخ۔ اور آیت میں فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا الخ ایمان والوں کے ایمان کو بڑھاتی ہے الخ۔ اور جگہ ارشاد ہے لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ تا کہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ایمان میں اور بڑھ جائیں اسی مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں ہیں۔ (ابن کثیر)

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
اور گرہ دی ان کے دل پر☆

استقامت:

یعنی مضبوط وثابت قدم رکھا کہ اپنی بات صاف کہہ دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ، اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے۔ یعنی وطن گھر بار، رشتہ دار، دولت مال وغیرہ کو ترک کرنے پر ان کو صابر بنایا، اظہار حق کرنے اور دقیانوس کے حکم کو ٹھکرانے کی ان میں جرات پیدا کر دی، ان کو فنا قلب کا مقام حاصل ہو گیا، ساری مخلوق کا تصور وخیال ان کے دلوں سے مٹ گیا، ہر چیز ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئی اور اللہ کی محبت، عظمت اور خشیت ان کے دلوں میں جم گئی۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا
لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا (۱۴)
نہ پکاریں گے ہم اس کے سوائے کسی کو معبود نہیں تو کہی ہم نے بات عقل سے دور☆

یعنی جب "رب" وہ ہی ہے تو معبود کسی اور کو ٹھہرانا حماقت ہے۔ "ربوبیت" و "الوہیت" دونوں اسی کیلئے مخصوص ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً
یہ ہماری قوم ہے ٹھہرا لئے انہوں نے اللہ کے سوائے اور معبود
لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ
کیوں نہیں لاتے ان پر کوئی سند کھلی

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (۱۵)
پھر اس سے بڑا گنہگار کون جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ☆

مشرک بے دلیل ہیں:

جیسے موحدین توحید پر صاف صاف دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ اگر مشرکین اپنے دعوے میں سچے ہیں تو کوئی واضح دلیل کیوں نہیں لاتے۔ لائیں کہاں سے؟ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس سے بڑا جھوٹ کیا ہو گا کہ خدا کے شریک ٹھہرائے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا ظلم:

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا جو شخص اللہ پر دروغ بندی کرے اس سے بڑھ کر ظالم بھلا کون ہے۔ یعنی جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو ساجھی مانتا ہو اور کسی کو اللہ کی اولاد قرار دیتا ہو اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، یوں تو کسی پر بھی دروغ تراشی ظلم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ
اور جب تم نے کنارہ کر لیا ان سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے
فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ
تو اب جا بیٹھو اس کھوہ میں پھیلا دے تم پر رب تمہارا
رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا (۱۶)
کچھ اپنی رحمت سے اور بنا دیوے تمہارے واسطے تمہارے کام میں آرام☆

مشرکین سے علیحدگی:

یعنی جب مشرکین کے دین سے ہم علیحدہ ہیں تو ظاہری طور پر بھی ان سے علیحدہ رہنا چاہیے۔ اور جب ان کے باطل معبودوں سے کنارہ کیا تو ہر طرف سے ٹوٹ کر تنہا اپنے معبود کی طرف جھکنا اور اسی سے رحمت وتلطف کا امیدوار رہنا چاہیے۔ آپس میں یہ مشورہ کر کے پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ
اور تو دیکھے دھوپ نکلتی ہے بچ کر جاتی ہے
كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ
ان کی کھوہ سے داہنے کو اور جب ڈوبتی ہے
تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ
کترا جاتی ہے ان سے بائیں کو اور وہ میدان میں ہیں

فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اس کے بیچ یہ ہے اللہ کی قدرتوں سے ☆

قدرت الٰہی کا کرشمہ:

یعنی خداتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں ایسے ٹھکانے کی طرف رہنمائی کی جہاں ماموں و مطمئن ہو کر آرام کرتے رہیں نہ جگہ کی تنگی سے جی گھٹے، نہ کسی وقت دھوپ ستائے، غار اندر سے کشادہ اور ہوادار تھا اور جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا شمال رویہ ہونے کی وجہ سے ایسی وضع و ہیئت پر واقع تھا جس میں دھوپ بقدر ضرورت پہنچتی اور بدون ایذاء دیئے نکل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

غار کا رُخ:

ابن قتیبہ نے لکھا ہے غار کا رخ بنات النعش کی طرف تھا غار کے محاذات میں قریب ترین مشرق و مغرب راس سرطان کا مشرق و مغرب تھا جس وقت سورج کا مدار اور سرطان کا مدار ایک ہوتا تو سورج کا طلوع اس کے مقابل بجانب یمین ہوتا اور غروب کے وقت غار کے مقابل سورج بجانب شمال ہوتا۔ اس طرح غار کے دونوں پہلوؤں پر سورج کی شعاعیں پڑتیں اور عفونت پیدا نہ ہونے پاتی تھی اور ہوا میں اعتدال قائم رہتا تھا اور آفتاب کی کرنیں اصحاب کہف کے جسموں پر نہ پڑنے پاتی تھیں کہ بدن جھلس جائیں، دکھ پائیں اور کپڑے فرسودہ ہو جائیں۔

بعض علماء نے ابن قتیبہ کی اس جغرافیائی وضاحت پر تبصرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ بنات النعش کے سامنے غار کا ہونا خواہ اثر انداز ہو لیکن حقیقت میں اللہ کی قدرت کارفرما تھی کہ اللہ اصحاب کہف کی طرف سے سورج کو پھیر دیتا تھا۔ اسی کی طرف اشارہ آئندہ آیت میں کیا گیا ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، یعنی اللہ کی صنعت کی اعجوبہ کاری اور اس کی قدرت کی نشانی ہے۔

یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ یہ یعنی اصحاب کہف کا واقعہ اور غار میں ان کا پناہ گیر ہونا اور ان کی حفاظت کے لئے سامان فراہم کرنا اور پھر ان کا صحیح صحیح قصہ بیان کرنا، اللہ کی (قدرت صنعت، علم اور قرآن کی صداقت کی) ایک نشانی ہے۔ (تفسیر مظہری)

کرامات حق ہیں:

علماء اہل سنت والجماعت نے قصہ اصحاب کہف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیوں کہ اس قصہ کے صریح لفظوں میں اصحاب کہف کی کئی کرامتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پیئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کترا جانا اور بھوک پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پیئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیداری کے ان کا بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور خداداد کرامتیں اور کرامات اولیاء کے صحیح اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

جس کو راہ دیوے اللہ وہی آئے راہ پر اور جس کو

يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

وہ بچلائے پھر تو نہ پائے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا ☆

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے:

یعنی ظاہری و باطنی رہنمائی اسی کے قبضہ میں ہے۔ دیکھ لو جب دنیا بچل رہی تھی کس طرح اصحاب کہف کو راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھا اور ظاہری طور پر بھی کیسے عجیب غار کی راہ بتلائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ

اور تو سمجھے وہ جاگتے ہیں اور وہ سو رہے ہیں اور کروٹیں دلاتے ہیں

ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ

ہم ان کو داہنے اور بائیں اور کتا ان کا پسار رہا ہے

ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ

اپنی باہیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو

لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت ☆

ان کے سونے کی حالت:

کہتے ہیں سوتے میں ان کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں اور اس قدر طویل نیند کا اثر ان کے ابدان پر ظاہر نہیں ہوا۔ اس سے کوئی دیکھے تو سمجھے جاگتے ہیں اور حق تعالیٰ نے ان لوگوں میں شان ہیبت و جلال اور اس مکان میں دہشت رکھی تا لوگ تماشہ نہ بنائیں کہ وہ بے آرام ہوں۔ ان کے ساتھ ایک کتا بھی لگ گیا تھا۔ اس پر بھی صحبت کا کچھ اثر پہنچا اور صدیوں تک زندہ رہ گیا۔ اگرچہ کتا رکھنا برا ہے لیکن لاکھ بروں میں ایک بھلا بھی ہے۔ وللہ در السعدی الشیرازی

پسر نوح بابداں بنشست ‌ ‌ خاندان نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند ‌ ‌ پئے نیکاں گرفت مردم شد

(تفسیر عثمانی)

وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ اور (خواب میں بغیر ان کے ارادے کے) ہم ان کو دائیں بائیں کروٹ دلاتے ہیں۔ یعنی کبھی دائیں پہلو اور کبھی بائیں پہلو پر، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ سوتے میں وہ لوگ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر کو کروٹ بدلتے رہتے تھے تاکہ (پڑے پڑے) زمین ان کے گوشت کو نہ کھالے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ عاشورا کے دن وہ کروٹ لیتے تھے حضرت ابوہریرہ کا قول ہے کہ سال میں ایک مرتبہ ان کی کروٹ ہوتی تھی۔

کتے کا سونا:

وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ اور ان کا کتا غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں اگلے ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔

مجاہد اور ضحاک نے وصید کا ترجمہ کیا ہے غار کا صحن۔ عطاء نے ترجمہ کیا دہلیز۔ سدی نے کہا وصید دروازہ کو کہتے ہیں۔ عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کا کتا واقعی کتا ہی تھا۔

کتے کا نام:

حضرت ابن عباسؓ کے قول پر اس کا نام قطمیر اور حضرت علیؓ کے قول پر اس کا نام ریان تھا۔

جنت میں جانے والے چوپائے:

خالد بن معدان نے کہا سوائے اصحاب کے کتے اور بلعم (بن باعورا) کے گدھے کے اور کوئی چوپایہ جنت میں نہیں جائے گا۔ سدی کا قول ہے اصحاب کہف کروٹ لیتے تھے تو کتا بھی ان کے ساتھ کروٹ لیتا تھا۔ اصحاب کہف دائیں طرف کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا دایاں کان موڑ کر (دائیں) بل ہو جاتا تھا اور اصحاب کہف بائیں کروٹ لیتے تھے تو کتا اپنا بایاں کان موڑ کر (بائیں) بل پر ہو جاتا تھا۔

غار کے اندر کا ماحول:

لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا (اے مخاطب) اگر تو ان کو جھانک کر دیکھ پائے تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہو اور تیرے اندر ان کی دہشت سما جائے۔ یعنی تمہارا دل خوف زدہ ہو جائے گا اور اس میں رعب بھر جائے گا۔ خوف کی وجہ اس مقام کی وحشت اور سنسان پن ہے۔ کلبی نے کہا، اصحاب کہف کی آنکھیں بیدار آدمیوں کی طرح کھلی ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے اب بولنے ہی والے ہیں (منظر بڑا خوف آگیں ہے) بعض کا قول ہے ان کے بال بڑھے ہوئے اور ناخن لمبے ہو گئے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اسی ہولناکی اور رعب آگینی کی وجہ سے کوئی وہاں نہیں جا سکتا۔ اس مقام کی رعب آگینی مانع دخول ہے۔ یہی قول صحیح بھی ہے۔ سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، ہم معاویہؓ کی معیت میں روم کے جہاد کو گئے۔ راستہ میں اصحاب کہف کے غار کی طرف سے گزر ہوا۔ معاویہؓ بولے اگر (غار کے دہانہ یا بیچ کی دیوار کو) کھول دیا جاتا تو ہم اصحاب کہف کو دیکھ لیتے۔ میں نے کہا وہ ذات جو آپ سے بہتر تھی اس کو بھی اس سے روک دیا گیا اللہ نے فرما دیا تھا، لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا معاویہؓ نے میری بات نہیں سنی اور کچھ لوگوں کو دیکھنے کے لئے بھیج دیا وہ لوگ جب غار میں داخل ہوئے تو اللہ نے کوئی ہوا (زہریلی گیس) ایسی پیدا کر دی کہ سب جل گئے۔ اخرجہ ابن ابی شیبہ وابن المنذر وابن ابی حاتم۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ
اور اسی طرح ان کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں پوچھنے لگے
قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا
ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا
ایک دن یا ایک دن سے کم بولے تمہارا رب ہی خوب جانے جتنی
لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى
دیر تک رہے ہو اب بھیجو اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اپنا
الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ
اس شہر میں پھر دیکھے کونسا کھانا ستھرا ہے سو لائے تمہارے پاس
بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾
اس میں سے کھانا اور نرمی سے جائے اور جتا نہ دے تمہاری خبر کسی کو
اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ
وہ لوگ اگر خبر پالیں تمہاری پتھروں سے مار ڈالیں تم کو یا لوٹا لیں تم کو
فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾
اپنے دین میں اور تب تو بھلا نہ ہو گا تمہارا کبھی ☆☆

تین سو سال بعد بیداری:

جس طرح اپنی قدرت سے اتنی لمبی نیند سلایا تھا اسی طرح بروقت جگا دیا۔ اٹھے تو آپس میں مذاکرہ کرنے لگے کہ ہم کتنی دیر سوئے ہونگے؟ بعض نے کہا ''ایک آدھ دن''۔ یعنی بہت کم۔ دوسرے بولے کہ (اس بے فائدہ بحث میں پڑنے سے کیا فائدہ؟) یہ تو خدا ہی کے علم میں ہے کہ ہم کتنی مدت سوئے۔ اب تم اپنا کام کرو۔ ایک آدمی کو یہ روپیہ دیکر شہر بھیجو کہ وہ کسی دکان سے حلال

اور ستھرا کھانا دیکھ کر خرید لائے۔ یہ ضروری ہے کہ اسے نہایت ہوشیاری سے جانا آنا اور نرمی وتدبیر سے معاملہ کرنا چاہئے کہ کسی شہر والے کو ہمارا پتہ نہ لگے، ورنہ بڑی سخت خرابی ہوگی۔ اگر ظالم بادشاہ کو پتہ چل گیا تو ہم کو یا سنگسار کیا جائے گا یا بجبر واکراہ دین حق سے ہٹایا جائیگا۔ العیاذ باللہ ایسا ہوا تو جو اعلیٰ کامیابی وفلاح ہم چاہتے ہیں وہ کبھی حاصل نہ ہوسکے گی۔ کیونکہ دین حق سے پھر جانا گو بجبر واکراہ ہو اولوالعزم مومنین کا کام نہیں ہوسکتا۔

(تنبیہ): میرے نزدیک "یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ" محض تقلیل مدت سے کنایہ ہے۔ نیند سے اٹھ کر اتنی طویل مدت بھی ان کو قلیل محسوس ہوئی۔ سچ ہے "مردہ اور سوتا برابر ہے" یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ کا حرف "او" کے ساتھ استعمال ایسا سمجھو جیسے سورۂ مومنون میں ہے "كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّيْنَ" (مومنون رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

غار میں صبح کو داخل ہوئے اور شام کو بیدار ہوئے اس لئے انہوں نے دن بھر سوتے رہنا ظاہر کیا۔ لیکن آفتاب ڈوبا نہ تھا یہ دیکھ کر کچھ کم ایک دن کہا۔ غرض یہ جواب محض تخمینی تھا اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غالب ظن کی بنیاد پر کوئی بات کہنا جائز ہے۔

اصحاب کہف نے جب اپنے بال اور ناخن بڑھے ہوئے دیکھے تو خیال کیا کہ ایک دن نہیں بلکہ ہم کو سوتے سوتے (شاید) کوئی لمبی مدت ہوگئی اس لیے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر یا جس بازار، یا جس ہوٹل میں اکثریت حرام کھانے کی ہو وہاں کا کھانا بغیر تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔

مسئلہ: اول یہ کہ مال میں شرکت جائز ہے کیونکہ یہ رقم سب کی مشترک تھی، دوسری یہ کہ مال میں وکالت جائز ہے کہ مشترک مال میں کوئی ایک شخص بحیثیت وکیل دوسروں کی اجازت سے تصرفات کرے، تیسرے یہ کہ چند رفیق اگر کھانے میں شرکت رکھیں یہ جائز ہے اگر چہ کھانے کی مقداریں عادۃً مختلف ہوتی ہیں کوئی کم کھاتا ہے کوئی زیادہ۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور اسی طرح خبر ظاہر کر دی ہم نے ان کی تاکہ لوگ جان لیں کہ

وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ

اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے اور قیامت کے آنے میں دھوکہ نہیں

فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ

جب جھگڑ رہے تھے آپس میں اپنی بات پر ☆

ایک کا شہر جانا:

ایک ان میں سے روپیہ لیکر شہر میں داخل ہوا۔ وہاں سب چیز اوپری دیکھی۔ اس مدت میں کئی قرن بدل چکے تھے۔ شہر کے لوگ اس روپیہ کا سکہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ کس بادشاہ کا نام ہے اور کس عہد کا ہے۔ سمجھے کہ اس شخص نے کہیں سے پرانا گڑا ہوا مال پالیا ہے۔ شدہ شدہ معاملہ بادشاہ تک پہنچا، اس نے وہ پرانی تختی طلب کی جس پر چند نام اور پتے لکھے تھے کہ یہ لوگ دفعۃً نامعلوم طریقہ سے فلاں سنہ میں غائب ہوگئے ہیں۔ تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ وہی مفقود الخبر جماعت ہے۔ اس وقت شہر میں "بعث بعد الموت" کے متعلق بڑا جھگڑا ہو رہا تھا کوئی کہتا تھا کہ مرنے کے بعد جینا نہیں کوئی کہتا تھا کہ محض روحانی بعث ہے جسمانی نہیں۔ کوئی معاد روحانی وجسمانی دونوں کا قائل تھا بادشاہ وقت حق پرست اور منصف تھا، چاہتا تھا کہ ایک طرف کی کوئی ایسی نظیر ہاتھ لگے جس سے سمجھانے میں آسانی رہے اور استبعاد عقلی کم ہو، اللہ تعالیٰ نے یہ نظیر بھیج دی۔ آخر منکرین آخرت بھی یہ حیرت انگیز ماجرا دیکھنے سننے کے بعد آخرت پر یقین لائے۔ یہ نظارہ خاص طور پر ان کی طبائع پر اثر انداز ہوا سمجھے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو تنبیہ کی ہے کہ یہ قصہ بھی دوسری بار جینے سے کم نہیں۔

تنبیہ: بعض نے "اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حال سے لوگوں کو اس وقت آگاہ کیا جب کہ اصحاب کہف کے متعلق چرچے اور جھگڑے ہو رہے تھے کہ وہ چند نوجوان جنہیں مدت دراز سے سنتے آئے ہیں کہ یک بیک غائب ہوگئے تھے پھر کچھ پتہ نہ چلا کہاں گئے ہونگے؟ کہاں ان کی نسل پھیلی ہوگی؟ اب تک زندہ تو کیا ہوتے۔ سب مر گل کر برابر ہوگئے ہونگے؟ اس مسئلہ میں کوئی کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ خیال ظاہر کرتا تھا کہ دفعۃً حق تعالیٰ نے حقیقت سے پردہ اٹھا دیا۔ اور سب اختلافات ختم کر دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

اسی طرح مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے:

یعنی جس طرح ہم نے اصحاب کہف کو سلایا اور بصیرت پیدا کرنے کے لئے جگایا، اٹھایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو بھی ان پر مطلع کر دیا تاکہ طویل نیند کے بعد بیدار کر دینے سے وہ اطلاع پانے والے سمجھ جائیں کہ موت کے بعد قبروں سے (زندہ کر کے) اٹھانے کا اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے اور امکان قیامت میں کوئی شک نہیں جس خدا نے اصحاب کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک جسموں کو گلنے سڑنے نہ دیا، پھر ان کی روحیں واپس کر دیں اور نیند سے بیدار کر دیا وہی خدا اس بات پر قادر ہے کہ سب انسان کی روحوں کو اپنے پاس روک رکھے اور پھر قیامت کے دن سب کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھا دے۔

موت کے بعد زندہ ہونے کے متعلق اختلاف:

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ کا تعلق اعثرنا سے ہے یعنی لوگوں کو ہم نے اصحاب

کہف پر مطلع اس وقت کیا جب وہ باہم اپنے دین کے متعلق جھگڑ رہے تھے ۔عکرمہ نے کہا دوبارہ آدمیوں کے حشر کے متعلق ان کا آپس کا اختلاف تھا۔ غیر مسلم کہتے تھے حشر صرف ارواح کا ہوگا اجسام کا نہ ہوگا مسلمانوں کا قول تھا ۔ارواح کا مع اجسام کے ہوگا۔اللہ نے اصحاب کہف کو اٹھا کر دکھا دیا کہ حشر، ارواح اور اجسام دونوں کا ہوگا، یا یہ مراد ہے کہ اصحاب کہف کے معاملہ میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا جب اصحاب کہف بیدار ہونے کے بعد دوبارہ لیٹ گئے اور غافل ہوگئے تو بعض لوگوں نے کہا، اس مرتبہ بھی وہ سو گئے ہیں مرے نہیں ہیں اور کچھ لوگوں نے کہا اب کی مرتبہ تو مر گئے ہیں۔حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اصحاب کہف کے بعد مسلمانوں میں اور ان کے مخالفوں میں اختلاف رائے ہوگیا، مسلمانوں نے تو کہا ہم یہاں مسجد بنائیں گے یہ لوگ ہمارے ہم مذہب تھے، غیر مسلموں نے کہا ہم یہاں عمارتیں بنائیں گے جن کے اندر لوگ آباد ہوں گے اور ایک بستی آباد کریں گے یا غار کے دروازے پر ایسی عمارت بنائیں گے جس سے لوگوں کا اندر جانا بند ہوجائے، غار والے ہمارے رشتہ دار اور بھائی برادر تھے اس لئے تعمیر کا ہم کو حق ہے۔(تفسیر مظہری)

تختی کس نے لکھوائی تھی:

بازار والوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے ایک نیک صالح اللہ والا تھا، اور اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثار قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہوجانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا، بعض کے نزدیک خود ظالم بادشاہ دقیانوس نے یہ تختی لکھوائی تھی، کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں۔ان کے نام اور پتے محفوظ رہیں، جب کہیں ملیں گرفتار کر لئے جائیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی دفتر میں بعض ایسے مومن بھی تھے جو دل سے بت پرستی کو برا سمجھتے اور اصحاب کہف کو حق پر سمجھتے تھے مگر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے یہ تختی بطور یادگار کے لکھ لی تھی، اس تختی کا نام رقیم ہے، جس کی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب رقیم بھی کہا گیا۔

الغرض اس بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا اور اس وقت وہ اس دعا میں مشغول تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بعید نہیں۔

بادشاہ کی دعاء کی تکمیل:

اس لئے تملیخا سے اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہوگیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے اور اس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملادے جو دقیانوس کے زمانے میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے؟ بادشاہ اس پر مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ اس میں لوگوں کے لئے شاید کوئی ایسی حجت ہو جس سے ان کو حشر اجساد کا یقین آجائے یہ کہہ کر اس شخص سے کہا کہ مجھے اس غار پر لے چلو۔جہاں سے تم آئے ہو۔اس کے بعد اہل غار نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی۔واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ

پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب

اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي

خوب جانتا ہے ان کا حال بولے وہ لوگ جن کا کام غالب تھا

اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا (۲۱)

ہم بنائیں گے ان کی جگہ پر عبادت خانہ ☆

اصحاب کہف کی یادگار:

یہ پتہ نہیں کہ اس کے بعد اصحاب کہف زندہ رہے یا انتقال کر گئے؟ انتقال ہوا تو کب ہوا، زندہ رہے تو کب تک رہے یا کب تک رہیں گے۔ بہر حال اہل شہر نے ان کے عجیب وغریب احوال پر مطلع ہو کر فرط عقیدت سے چاہا کہ اس غار کے پاس کوئی مکان بطور یادگار تعمیر کر دیں جس سے زائرین کو سہولت ہو۔اس میں اختلاف رائے ہوا ہوگا کہ کس قسم کا مکان بنایا جائے۔اس اختلاف کی تفاصیل تو خدا ہی کو معلوم ہیں اور یہ بھی اسی کے علم میں ہے کہ یہ تجویز ان کی موت کے بعد ہوئی یا اس سے قبل دوبارہ نیند طاری ہونے کی حالت میں۔اور لوگوں کا غار تک پہنچ کر ان کی ملاقات میسر ہوسکی یا نہیں۔تاہم جو بارسوخ اور ذی اقتدار لوگ تھے ان کی رائے یہ قرار پائی کہ غار کے پاس عبادت گاہ تعمیر کر دی جائے۔اصحاب کہف کی نسبت بجز اس کے کہ پکے موحد اور متقی تھے، یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کس نبی کی شریعت کے پیرو تھے۔لیکن جن لوگوں نے معتقد ہو کر وہاں مکان بنایا وہ نصاریٰ تھے۔ ابوحیان نے ''بحر محیط'' میں اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے لئے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔من شاء فلیراجعہ۔(تفسیر عثمانی)

اصحاب کہف کا مرتبہ:

رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ اللہ کی طرف سے ایک جملہ معترضہ ہے جو جھگڑا کرنے والوں کے کلام کے درمیان اللہ نے ذکر کر دیا ہے اس جملہ کا مقصد دونوں فریقوں کے قول کی تردید ہے، ہر فریق نے اصحاب کہف کو اپنے ساتھ ملایا تھا حالانکہ اصحاب کہف مشرکوں سے اور ان کے شرک سے جس طرح علیحدہ تھے اسی طرح عام مسلمانوں کے گروہ میں بھی ان کا شمار نہیں تھا، ان

کا درجہ بہت اونچا تھا۔ صوفی سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ بھی۔ شیخ رومیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کسے در ظن خود شد یار من وز درون من نجست اسرار من

مسئلہ: (حضرت مفسرؒ کے نزدیک) یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اولیاء کی قبروں کے پاس نماز پڑھنے کے لئے مسجد بنانا جائز ہے تاکہ اولیاء کے مزارات کے قرب سے برکت حاصل ہو۔ شیخ استاذ محمد فاخر محدث کے نزدیک مکروہ ہے کراہت کا ثبوت مندرجہ ذیل احادیث سے ہوتا ہے۔

اونچی قبر کو گرانا:

مسلم نے ابوالہیاج اسدی کا قول نقل کیا ہے ابوالہیاج نے کہا مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس کام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تجھے جو مورتی ملے اس کو مٹا دینا اور جو اونچی قبر ملے اس کو بغیر ہموار کئے (سطح زمین کے برابر کیے) نہ چھوڑنا۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو پختہ کرنے اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس واقعہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اولیاء صلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لئے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں، اور جس حدیث میں قبور انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے جو باتفاق شرک وحرام ہے۔ (مظہری، معارف مفتی اعظم)

تفسیر درمنثور کی ایک روایت ہے کہ جب بادشاہ اور ارکان دولت غار پر پہنچے تو تملیخا نے کہا کہ اول میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تملیخا اول غار کے اندر چلا گیا اس کے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تملیخا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونیکی ہمت نہ کی اور پھر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرا دی جائے۔ (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۴ جلد ۴) (معارف کاندھلویؒ)

قبروں کو مسجد بنانا:

شیخین نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدت مرض ہوئی (کہ بے ہوشی طاری ہوگئی) تو آپ کے چہرہ مبارک پر چادر ڈال دی گئی، لیکن دم گھٹنے لگا تو آپ نے چادر کو چہرہ سے ہٹا دیا اور اسی حالت میں فرما رہے تھے اللہ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مسجدیں بنا رکھا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (امت کو) اہل کتاب کی طرح کرنے سے ڈرا رہے تھے۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے قبروں کو پختہ کرنے اور اونچا کرنے اور ان کے اوپر عمارت بنانے کی ممانعت ثابت ہو رہی ہے۔ قبروں کے قریب مسجد بنانے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، رہی یہ بات کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی مذمت میں فرمایا، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تو اس کا مطلب یہ کہ انہوں نے قبروں کو سجدہ کرنے شروع کر دیئے۔ حضرت ابومرثد غنویؓ کی روایت سے یہ مطلب صراحت کے ساتھ آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبروں پر نہ بیٹھو اور ان کی طرف (رخ کرکے) نماز نہ پڑھو۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

اصحاب کہف کی باقاعدہ وفات:

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ لوگ مع بادشاہ کے گئے، ان سے ملے سلام علیک ہوئی بغل گیر ہوئے یہ بادشاہ خود مسلمان تھا اس کا نام تندوسیس تھا۔ اصحاب کہف ان سے مل کر بہت خوش ہوئے اور محبت وانسیت سے ملے جلے باتیں کیں۔ پھر واپس جا کر اپنی اپنی جگہ جا لیٹے، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فوت کرلیا رحمھم اللہ اجمعین، واللہ اعلم۔

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبیب بن مسلمہؓ کے ساتھ ایک غزوے میں تھے وہاں انہوں نے روم کے شہروں میں ایک غار دیکھا جس میں ہڈیاں تھیں، لوگوں نے کہا یہ ہڈیاں اصحاب کہف کی ہیں۔ آپ نے فرمایا تین سو سال گزر چکے کہ ان کی ہڈیاں کھوکھلی ہو کر مٹی ہوگئیں۔ (ابن جریر)

حضرت دانیالؑ کی قبر:

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب حضرت دانیالؑ کی قبر عراق میں پائی تو فرمایا کہ اسے پوشیدہ کر دیا جائے، اور جو رقعہ ملا ہے جس میں بعض لڑائیوں وغیرہ کا ذکر ہے اسے دفن کر دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ
اب یہی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا اور یہ بھی کہیں گے
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ
وہ پانچ ہیں چھٹا ان کا کتا بدون نشانہ دیکھے پتھر چلانا ہے

اصحاب کہف کی تعداد کے تخمینے:

یعنی سامعین "اصحاب کہف" کا قصہ سن کر جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے، اٹکل کے تیر چلائیں گے، کوئی کہے گا کہ وہ تین تھے چوتھا کتا تھا، کوئی پانچ بتلا کر چھٹا کتے کو شمار کریگا۔ لیکن یہ سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی بے نشانہ دیکھے پتھر چلاتا رہے۔ ممکن ہے مختلف باتیں کہنے سے جہل کے علاوہ وہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان کرنا بھی مقصود ہو کہ دیکھیں یہ اس معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ یہود نے ان کو صحیح تعداد سات کی بتلائی ہو جس کی طرف آگے قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّي

اور یہ بھی کہیں گے وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا تو کہہ میرا رب خوب جانتا ہے

أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ

ان کی گنتی ان کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ سو مت جھگڑ

فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا حال ان میں کسی سے ☆

غیر ضروری باتوں میں جھگڑنا فضول ہے:

یعنی اس قسم کی غیر معتد بہ باتوں میں زیادہ جھگڑنا لا حاصل ہے۔ عدد کے معلوم ہونے سے کوئی اہم مقصد متعلق نہیں۔ جتنی بات خدا نے بتلا دی اس سے زیادہ تحقیق کے درپے ہونا یا جس قدر تردید خدا تعالیٰ کر چکا اس سے زیادہ جھگڑنا اور تردید کرنا فضول ہے۔

اصحاب کہف کی صحیح تعداد:

ابن عباسؓ نے فرمایا میں ان قلیل لوگوں میں سے ہوں (جنھوں نے سیاق قرآنی سے معلوم کر لیا کہ) اصحاب کہف سات ہی تھے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے پہلے دو قول کو ''رجماً بالغیب'' فرمایا، تیسرے قول کے ساتھ نہیں فرمایا، اس کے علاوہ اسلوب بیان بھی بدلا ہوا ہے۔ پہلے دونوں جملوں میں ''واو عطف'' نہ تھا۔ تیسرے میں وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ عطف کے ساتھ لانے سے گویا اس پر زور دینا ہے کہ اس قول کا قائل پوری بصیرت و وثوق کے ساتھ واقعہ کی تفصیل سے واقف ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ بھی کہا ہے کہ پہلے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ سے ایک قائل کا ہونا اور قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا الخ سے اس کے سوا کم از کم تین قائلین کا پھر دوسرے قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ الخ سے ان کے علاوہ تین اور قائلین کا ثبوت ملتا ہے۔ اس طرح کم از کم سات آدمی ہونے چاہئیں۔ کتا ان کے علاوہ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

نجران کے عیسائیوں کا جھگڑا:

بغوی نے لکھا ہے کہ نجران کے عیسائی جن میں سید (یعقوبی فرقہ کا) اور عاقب (نسطوری فرقہ کا) بھی شامل تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق ان کے آپس میں اختلاف ہو گیا۔ سید نے کہا وہ تین تھے چوتھا کتا تھا۔ عاقب نے کہا پانچ تھے چھٹا کتا تھا۔ رجم تیر چلانا (پتھر مارنا) الغیب یعنی ایسا واقعہ جو غائب ہے ان کے علم میں نہیں (یعنی ان کے یہ قول اندھیرے میں تیر چلانے کی طرح ہیں، کسی کو صحیح طور پر معلوم نہیں کہ واقع میں وہ کتنے تھے لیکن جبرئیل کی اطلاع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے کے بعد مسلمان کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں کتا تھا وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ کا جملہ وصفیہ ہے جو سبعۃ کی صفت ہے۔ صفت اپنے موصوف سے وابستہ ہوتی ہے۔ اور حال اپنے ذوالحال سے متصل ہوتا ہے، جب معرفہ ذوالحال ہو اور جملہ حال تو اس کی باہم وابستگی ایسی ہی ہوتی ہے جیسی صفت کی موصوف کے ساتھ۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ میں واو ثمانی ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ سات تک کی گنتی تو بغیر حرف عطف کے کرتے ہیں اور آٹھویں عدد کو واو عطف سے شروع کرتے ہیں ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات اور آٹھ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، میں ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں جو اصحاب کہف کی صحیح تعداد سے واقف ہیں وہ سات تھے، رواہ ابن جریر والفریابی وغیرہما۔ اسی طرح ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ سات تھے، آٹھواں کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ تعداد اصحاب کہف کے متعلق اللہ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے، کوئی چوتھا قول نہیں نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول ہی نہ تھا پہلے دونوں قولوں کی رَجْمًا بِالْغَيْبِ کا لفظ کہہ کے تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی۔ معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسماء اصحاب کہف:

اصل بات تو یہ ہے کہ کسی صحیح حدیث سے اصحاب کہف کے نام صحیح صحیح ثابت نہیں، تفسیری اور تاریخی روایات میں نام مختلف بیان کئے گئے ہیں، ان میں اقرب وہ روایت ہے جس کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ ان کے نام یہ تھے: مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذو نواس، کعسططیونس۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

بغوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کے نام حضرت ابن عباسؓ کے قول میں اس طرح آئے ہیں۔ مکسلمینا، تملیخا، مرطونس، سنونس، ساری نونس، ذونواس۔ کعسططیونس، یہ آخری شخص چرواہا تھا (جو اصحاب کہف کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا) رواہ الطبرانی فی الاوسط باسناد صحیح۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٣﴾

اور نہ کہنا کسی کام کو کہ میں یہ کروں گا کل کو

إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کر لے اپنے رب کو جب بھول جائے اور کہہ

عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دکھلائے اس سے زیادہ نزدیک راہ نیکی کی ☆

بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کرو:

اصحاب کہف کا قصہ تاریخی کتابوں میں نادرات میں لکھا تھا ہر کسی کو کہاں خبر ہو سکتی۔ مشرکین نے یہود کے سکھانے سے حضرت سے پوچھا مقصود آپ کی آزمائش تھی، حضرت نے وعدہ کیا کہ کل بتادونگا۔ اس بھروسہ پر کہ جبرئیلؑ آئیں گے تو دریافت کردونگا۔ جبرئیلؑ پندرہ دن تک نہ آئے حضرت نہایت غمگین ہوئے، مشرکین نے ہنسنا شروع کیا۔ آخر یہ قصہ لیکر آئے اور پیچھے نصیحت کی کہ آئندہ کی بات کے متعلق بغیر ''ان شاء اللہ'' کے وعدہ نہ کرنا چاہئے۔ اگر ایک وقت بھول جائے تو پھر یاد کر کے کہہ لے۔ اور فرمایا کہ امید رکھ کہ تیرا درجہ اللہ اس سے زیادہ کرے یعنی کبھی نہ بھولے (موضح القرآن) یا اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ عجیب طور پر آپ کی حفاظت فرمائے اور کامیاب کرے جیسا کہ غار ثور کے قصہ میں ہوا۔ یا واقعہ کہف سے زیادہ عجیب واقعات وشواہد آپ کی زبان سے بیان کرائے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن المنذر نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے قریش سے کہا تھا ان سے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوالات کیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کل میرے پاس آنا میں بتادوں گا لیکن ان شاء اللہ نہیں فرمایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ اوپر دس روز تک کوئی وحی ہی نہیں آئی آپ کو اس سے بڑی بے چینی ہوگئی اُدھر قریش نے کہا تم جھوٹے ہو، اس موقع پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ شروع سورۃ کی تشریح میں اس مضمون کی ابن جریر کی روایت کردہ تفصیل ہم لکھ چکے ہیں اور سورت بنی اسرائیل کی آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ کے ذیل میں یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے۔

نماز بھول جائے تو یاد آنے پر پڑھ لے:

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص نماز (پڑھنی) بھول جائے تو جس وقت یاد آجائے پڑھ لے۔ رواہ البغوی۔ امام بخاری، مسلم، امام احمد، ترمذی اور نسائی کی روایت میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ جو شخص نماز کو بھول جائے یا سوجائے (یا سوتا رہے) اور نماز نکل جائے تو اس کا اتارا یہ ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص وتر کی طرف سے سو جائے (یعنی سو جانے یا سوتا رہنے کی وجہ سے وتر نہ پڑھ سکے) یا وتر (پڑھنا) بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے۔ رواہ احمد والحاکم وصححہ۔

حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ اور حسنؒ نے کہا، آیت کا معنی یہ ہے کہ ان شاء اللہ کہنا اگر بھول جاؤ تو جس وقت بھی یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لو۔ اسی تشریحی مطلب کی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک (آج کے کلام سے متعلق) ایک سال بعد بھی ان شاء اللہ کہنا درست ہے بشرطیکہ ان شاء اللہ کہنے سے پہلے کلام کے خلاف کوئی حرکت نہ کی ہو۔ اس مطلب کی تائید ابن مردویہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ اوپر دس روز یا چالیس روز کے بعد) ان شاء اللہ کہہ لیا۔

شرط اور مشروط وغیرہ کا متصل تذکرہ ضروری ہے:

جمہور فقہاء کا فتویٰ حضرت ابن عباس کے قول کے خلاف ہے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کوئی غیر مستقل کلام ایسا ہو جس سے پہلے کلام کے حکم میں تبدیلی آرہی ہو تو اس کو پہلے کلام کے بالکل متصل اور ساتھ ساتھ ہونا چاہیے۔ مثلاً اگر کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط کرنا ہے یا کلام کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کرنا ہے یا غایت زمانی ومکانی کو ظاہر کرنا ہے یا کسی مبدل منہ کے بعد بدل بعض کو بیان کرنا ہے تو شرط اور ان شاء اللہ اور غایت اور بدل بعض پہلے کلام کے بعد متصلاً ذکر کرنا ضروری ہے اگر دیر کے بعد لگائی ہوئی شرط یا قید کو معتبر مانا جائے گا تو نہ کوئی اقرار صحیح ہوگا نہ طلاق، نہ غلام کی آزادی۔ نہ صدق معلوم ہوگا، نہ کذب (مثلاً زید نے اقرار کیا کہ عمر کا مجھ پر اتنا روپیہ قرض ہے اور کچہری سے نکلنے کے بعد اس نے کہا بشرطیکہ عمر مجھے فلاں چیز دیدے، یا زید نے بیوی کو طلاق دے دی، یا غلام کو آزاد کر دیا، اور دو گھنٹہ کے بعد کسی شرط کے ساتھ مشروط کر دیا، اسی طرح زید نے کوئی بات کہدی، اب معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا یا سچ۔ ممکن ہے کل کو وہ اپنے گزشتہ کلام کو کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی قید کے ساتھ مقید کردے، اور اس وقت کا سچ کل کو جھوٹ ثابت ہو۔

حضرت امام ابوحنیفہ اور خلیفہ منصور کا واقعہ:

ایک واقعہ منقول ہے کہ خلیفہ منصور کو کسی نے اطلاع دی کہ امام ابوحنیفہؒ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے قول کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں اور ان شاء اللہ کی شرط کو کلام سے متصل ہونا ضروری قرار دیتے ہیں اور دیر کے بعد ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں کرتے خلیفہ نے امام ابوحنیفہؒ کو طلب کیا، امام ابوحنیفہؒ نے خلیفہ کے سوال کے جواب میں فرمایا، حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ تو آپ کے خلاف پڑتا ہے، آپ رعایا سے فرماں بردار اور وفادار رہنے کی بیعت لیتے ہیں اور لوگ بیعت کرتے ہیں لیکن آپ کے دربار سے نکلنے کے بعد اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیں تو کیا ان کی بیعت قابل اعتبار نہیں

رہے گی۔ منصور نے امام ابوحنیفہ کے قول کو مان لیا اور امام کے خلاف جس نے مخبری کی تھی اس کو دربار سے نکلوادیا۔

فنائے قلب:

صوفیا نے آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ کی ایک بہت ہی پر کیف تشریح کی ہے آیت کا مطلب برقول صوفیاء یہ ہے کہ جب اللہ کے سوا تم ہر چیز کو بھول جاؤ، اس وقت خالص دل سے اللہ کی یاد کرو۔ صوفیاء کہتے ہیں اللہ کی ہمہ وقت یاد اس وقت تک نہیں ہوسکتی، جب تک ماسوا کے تصور کو دل سے مٹا نہ دیا جائے، عام طور پر دل کی حالت بدلتی رہتی ہے، یکسوئی عموماً نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے دو دل تو ہیں نہیں کہ ایک میں یاد خدا جمی رہے اور دوسرے میں مخلوق کا ذکر قائم رہے دل ایک ہی ہے، جب اس میں ماسوی اللہ کا تصور ہوگا تو اللہ کی یاد میں فتور آ جائے گا اور اللہ کے سوا اگر ہر چیز کو دل فراموش کردے گا اور ماسوی اللہ کے تصور کو مٹا دے گا تو دل ہر دم یاد الٰہی میں مشغول اور غرق رہے گا، اسی کو فنا قلب کہتے ہیں جب تک فناء قلب کا درجہ حاصل نہ ہو جائے، صوفی اس کو موحد نہیں کہتے۔

البتہ صوفیاء کا قول مبنی برحقیقت ہے ذکر رب، نسیان ماسوا کے وقت ہی ہوتا ہے اور اسی کو ذکر رب کہتے ہیں جس میں ماسوا کا نسیان ہو جائے۔

بھول جانے کے بعد بہترین راہ:

وَقُلْ عَسَى أَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے میرا رب (نبوت کی صداقت) اس سے بھی زیادہ قریب الوصول بنا دے گا۔

اقرب رشدًا سے مراد ہے کوئی ایسی بہتری جو متصل ہی آنے والی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہنا یا اللہ کے کسی حکم کی تعمیل کرنا تم بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو یعنی تسبیح و استغفار کرو اور کہو کہ امید ہے اللہ مجھے کوئی ایسی راہ بتا دے گا جو فراموش شدہ (لفظ یا حکم) سے افضل اور بہتر ہوگی یہ بہترین راہ کونسی ہے (جس سے گزشتہ کی تلافی اور آئندہ کی ترقی وابستہ ہے) وہ ہے صرف گزشتہ پر ندامت توبہ، استغفار اور فوت شدہ کی قضاء۔

اصحاب کہف کے واقعہ سے زیادہ بڑی دلیل:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوگوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کا واقعہ دریافت کیا اور اللہ نے اصحاب کہف کا قصہ بیان کر دیا تو آخر میں اپنے پیغمبر کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو یہ بات بتا دیں کہ اصحاب کہف کے واقعہ سے بڑھ کر روشن دلیل اور برہان نبوت اللہ عطا فرمائے گا چنانچہ یہ وعدہ اللہ نے پورا کیا، تمام انبیاءؑ کے علوم بلکہ ماضی و مستقبل کے سارے علمی خزانے اللہ نے آپ کو عطا فرما دیئے، اصحاب کہف کے واقعہ کے اظہار سے آپ کی نبوت کی سچائی کا اتنا قوی ثبوت نہیں ملتا جتنا تمام انبیاء و مرسلین کے علوم اور گزشتہ و آئندہ کے واقعات و حالات کے علم عطا فرمانے سے ملتا ہے۔

گذشتہ کوتاہی کی توبہ:

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو (اور بواسطہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو) حکم دیا ہے کہ جب ان شاء اللہ کہنا بھول جاؤ اور پھر یاد آ جائے تو ان شاء اللہ کہنے کے بعد یہ بھی کہو عَسَى أَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا ایسی گزشتہ قصور کی توبہ ہے۔

صوفیاء کی تفسیر:

صوفیاء کی تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ جب اللہ کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ تو اللہ کی یاد کرو اور یہ (بھی) کہو کہ امید ہے اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت کردیگا یا ایسی چیز بتا دے گا جو اس ذکر سے بھی زیادہ اقرب ہوگی یعنی اللہ اپنی ذات تک خود پہنچا دیگا اللہ کی ذات رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۲۵﴾
اور مدت گذری ان پر اپنی کھوہ میں تین سو برس اور ان کے اوپر نو ☆

غار میں رہنے کی مدت:

یعنی شمسی حساب سے پورے تین سو سال کھوہ میں سوتے رہے اور قمری حساب سے نو سال زیادہ ہوئے (مہینوں اور دنوں کی کسور محسوب نہیں کی گئیں) یا تین سو سال کے بعد ممکن ہے قدرے نیند سے چونکے ہوں پھر سو گئے اور نو سال تک سوتے رہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ تین سو نو سال جاگنے کے بعد سے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کی مدت بیان فرمائی۔ یعنی لوگوں سے مل ملا کر پھر سو رہے جس کو آپ کے زمانہ تک اتنا عرصہ گزرا واللہ اعلم۔

لطیفہ: ہمارے زمانہ میں صوبہ زیشوان میں ایک شخص دو سو باون سال کی عمر رکھتا ہے۔ چوبیسویں شادی ابھی حال میں کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی نشانی:

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف توفی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں تین سو نو (۳۰۹) برس قادر ہے وہی خدا ہزاراں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پیش قدرت کارہا دشوار نیست　　　عجز را با قدرت حق کار نیست

قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا لَهٗ غَيۡبُ

تو کہہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت ان پر گذری اسی کے پاس ہیں

السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَبۡصِرۡ بِهٖ وَاَسۡمِعۡ

چھپے بھید آسمان اور زمین میں کیا عجیب دیکھتا اور سنتا ہے ☆

اصحاب کہف کے سونے کی مدت:

جتنی مدت سو کر وہ جاگے تھے، تاریخ والے کئی طرح بتاتے تھے سب سے ٹھیک وہ ہی ہے جو اللہ بتائے۔ آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ راز اسی کے علم میں ہیں۔ کوئی چیز اس کی آنکھ سے اوجھل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے (زمانہ تک) وہ (سوتے) رہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، اصحاب کہف شمسی حساب سے تین سو برس سوتے رہے اور اللہ نے قمری حساب سے تین سو نو برس رہنے کی صراحت کی ہے۔ ہر سو سال شمسی کے بحساب قمری ایک سو تین سال ہوتے ہیں۔ تین سو سال کے تین سو نو سال ہو گئے۔

لَهٗ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اَبۡصِرۡ بِهٖ وَاَسۡمِعۡ (تمام دنیا کی علمی نظر سے جو چیزیں آسمانوں میں اور زمین میں پوشیدہ ہیں ان) تمام ارضی وسماوی و پوشیدہ اشیاء کا علم اللہ ہی کو ہے سب چیزیں اسی کے دست ملکیت وتصرف میں ہیں، وہ عجیب طرح کا دیکھنے والا اور سننے والا ہے۔ یعنی اس کی بینائی اور شنوائی دوسروں کے دیکھنے سننے سے الگ اور عجیب ہے اس کو دیکھنے اور سننے سے کوئی چیز حاجب اور مانع نہیں، انتہائی لطافت ہو یا کثافت، باریک سے باریک چیز ہو یا بڑی سے بڑی پوشیدہ ہو یا ظاہر اس کے نزدیک کوئی فرق نہیں اس کو ہر چیز کا علم سمعی و بصری ہے۔ (تفسیر مظہری)

اصحاب کہف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں عرصہ:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ہی یہ قول ہے، غار میں داخل ہونے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک ۳۰۹ برس کی مدت اہل کتاب کے خیال میں گزری تھی، اللہ نے آیت اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثُوۡا میں اس کی تردید فرمادی۔ یعنی ان کی روحیں قبض ہونے کے بعد سے اب تک جس قدر مدت گزری اللہ ہی کو اس کا علم ہے وہی بخوبی واقف ہے۔ (معارف کاندھلوی)

مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ

کوئی نہیں بندوں پر اس کے سوائے مختار

وَلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶

اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ☆

اختیارات وقدرت میں بھی اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے:

یعنی جس طرح اس کا علم محیط ہے۔ اس کی قدرت واختیار بھی سب پر حاوی ہے جیسے غیوب سموات وارض کے علم میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اختیارات قدرت میں بھی کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشۡرِكُ فِىۡ حُكۡمِهٖۤ اَحَدًا اہل ارض وما کے لئے اللہ کے سوا کوئی کارساز اور ان کے امور کا ذمہ دار نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں ان میں سے کسی کو شریک کرتا ہے۔ نہ دخیل بناتا ہے۔ حکم سے فیصلہ قضاء یا امر و نہی یا علم غیب مراد ہے یعنی اپنے علم غیب میں وہ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب کہف کا قصہ معلوم نہ تھا وہ آپ کے لئے غیب کے حکم میں داخل تھا لیکن اللہ نے وحی کے ذریعہ سے واقف بنا دیا اور قرآن میں ذکر کر دیا گویا غائب اور غیر معلوم واقعہ کو بیان کر دینا ایک معجزہ ہو گیا جو عبارت قرآنی کی شکل میں نمودار کر دیا گیا۔ اس لئے آئندہ آیت میں تلاوت قرآن اور اصحاب قرآن کی مصاحبت کا حکم دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِىَ اِلَيۡكَ مِنۡ كِتَابِ

اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب کی کتاب سے

رَبِّكَ‌ لَا مُبَدِّلَ لِـكَلِمٰتِهٖ

کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتیں

وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ۝۲۷

اور کہیں نہ پائے گا تو اس کے سوائے چھپنے کو جگہ ☆

فرض منصبی کی تاکید:

پہلے اصحاب کہف کے قصہ پر فرمایا تھا فَلَا تُمَارِ فِيۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِيۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ”مطلب یہ ہے کہ بیکار چیزوں میں زیادہ الجھنے اور کاوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں مشغول رہئے۔ یعنی جو جامع ومانع اور کافی وشافی کتاب تیرے رب نے مرحمت فرمائی اسے پڑھ کر سناتے رہیے۔ خدا نے جو باتیں اس میں سنائیں اور جو وعدے کئے کوئی طاقت نہیں جو انہیں بدل یا ٹال سکے یا غلط ثابت کر سکے۔ اگر کوئی ان باتوں کو بدلنے کے درپے ہو گا یا اس کتاب کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کریگا وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے مجرم کیلئے کہیں پناہ نہیں۔ ہاں وفاداروں کو پناہ دینے کیلئے اس کی رحمت وسیع ہے۔ دیکھ لو ”اصحاب کہف“ کو جو خدا کی باتوں پر جمے رہے کیسی اچھی جگہ اپنے فضل سے عنایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَكَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ
اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو
بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ
صبح اور شام طالب ہیں اس کے منہ کے

فقراء مخلصین کی فضیلت:

یعنی اس کے دیدار اور خوشنودی حاصل کرنے کے شوق میں نہایت اخلاص کے ساتھ دائماً عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ مثلاً ذکر کرتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں، نمازوں پر مداومت رکھتے ہیں۔ حلال وحرام میں تمیز کرتے ہیں۔ خالق ومخلوق دونوں کے حقوق پہچانتے ہیں۔ گو دنیوی حیثیت سے معزز اور مالدار نہیں۔ جیسے صحابہ میں اس وقت عمار، صہیب، بلال، ابن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم تھے۔ ایسے مومنین مخلصین کو اپنی صحبت ومجالست سے مستفید کرتے رہیے۔ اور کسی کے کہنے سننے پر ان کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

اصبر نفسک۔ اپنے آپ کو روکے رکھو، جمائے رکھو۔ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِیِّ صبح شام یا تمام اوقات میں۔ یرید ون یعنی ان کی عبادت کی غرض سوائے ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں ہوتی وجھہٗ میں لفظ وجہ زائد ہے جیسے آیت وَّیَبۡقٰی وَجۡهُ رَبِّكَ میں لفظ وجہ زائد ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ کی ذات کے سوا اور کوئی مطلوب نہیں، نہ دنیا نہ آخرت۔

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ بالا عیینہ بن حصین فزاری کے حق میں نازل ہوئی، مسلمان ہونے سے پہلے عیینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت کچھ نادار مسلمان خدمت گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسیؓ بھی تھے حضرت سلمان ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور آپ کو پسینہ بھی آرہا تھا۔ عیینہ بولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے دکھ نہیں ہوتا، ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے لوگ ہیں اگر ہم مسلمان ہوگئے تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن ہم کو آپ کا اتباع کرنے سے ایسے لوگوں کی آپ کے پاس موجودگی روکتی ہے ان کو آپ ہٹا دیں تو ہم آپ کا اتباع کرنے لگیں گے یا ہمارے لئے ان سے الگ کوئی بیٹھنے کی جگہ مقرر کردیں اور ان کی مجلس ہم سے الگ کردیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اصحاب صُفّہ:

قتادہ کا بیان ہے کہ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ الخ سے اصحاب صفہ مراد ہیں جن کی تعداد سات سو تھی یہ سب نادار لوگ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں فروکش تھے نہ کسی کی کھیتی تھی نہ دودھ کے جانور نہ کوئی تجارت نمازیں پڑھتے رہتے تھے ایک وقت کی نماز پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کردیئے جن کی معیت میں مجھے جمے رہنے کا حکم دیا۔

اس آیت کی شان نزول کی کچھ تفصیل سورۂ انعام کی آیت وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ الخ کی تفسیر میں ہم نے کردی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰكَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَةَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ
اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں رونق زندگانی دنیا کی ☆

فقراء مخلصین سے منہ نہ موڑیئے:

یعنی ان غریب شکستہ حال مخلصین کو چھوڑ کر موٹے موٹے متکبر دنیاداروں کی طرف اس غرض سے نظر نہ اٹھایئے کہ ان کے مسلمان ہو جانے سے دین اسلام کو بڑی رونق ہوگی۔ اسلام کی اصلی عزت ورونق مادی خوشحالی اور چاندی سونے کے سکوں سے نہیں مضبوط ایمان وتقویٰ اور اعلیٰ درجہ کی خوش اخلاقی سے ہے۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ محض فانی اور سایہ کی طرح ڈھلنے والی ہے۔ حقیقی دولت تقویٰ اور تعلق مع اللہ کی ہے جسے نہ شکست ہے، نہ زوال، چنانچہ اصحاب کہف کے واقعہ میں خدا کو یاد کرنے والوں اور دنیا کے طالبوں کا انجام معلوم ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ الخ یعنی صبح وشام یاد خدا کرنے والوں کو اپنی مجلس سے نہ ہٹا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ہم چھ شخص غریب غربا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، سعد بن ابی وقاصؓ، ابن مسعودؓ، قبیلہ ہذیل کا ایک شخص، بلالؓ، اور دو آدمی اور، اتنے میں معزز مشرکین آئے اور کہنے لگے انہیں اپنی مجلس میں اس جرأت کے ساتھ نہ بیٹھنے دو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جی میں کیا آیا؟ جو اسی وقت آیت ولا تطرد الذین اتری۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک واعظ قصہ گوئی کررہا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ وہ خاموش ہوگیا۔ تو آپ نے فرمایا تم بیان کئے چلے جاؤ میں تو صبح کی نماز سے لے کر آفتاب کے نکلنے تک اسی مجلس میں بیٹھا رہوں تو اپنے لئے چار غلام آزاد کرنے سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں واللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ غلام فرمائے ہیں۔ بزار میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے ایک صاحب سورۂ کہف کی قراءت کررہے تھے آپ کو دیکھ کر خاموش ہوگئے تو آپ نے فرمایا یہی ان لوگوں کی مجلس ہے جہاں اپنے نفس کو روکے رکھنے کا مجھے حکم الٰہی ہوا ہے اور روایت میں ہے کہ یا تو سورۂ حج کی تلاوت کررہے تھے یا سورۂ کہف کی۔ مسند احمد میں ہے فرماتے ہیں ذکر اللہ کے لئے جو مجلس جمع ہو نیت بھی ان کی بخیر ہو تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے کہ اٹھو اللہ نے تمہیں بخش دیا تمہاری

برائیاں بھلائیوں سے بدل گئیں۔ طبرانی میں ہے کہ جب یہ آیت اتری آپ اپنے کسی گھر میں تھے اسی وقت ایسے لوگوں کی تلاش میں نکلے کچھ لوگوں کو ذکر اللہ میں پایا جن کے بال بکھرے ہوئے تھے کھالیں خشک تھیں بہ مشکل ایک ایک کپڑا انہیں حاصل تھا فوراً ان کی مجلس میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ رکھے ہیں جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اصحاب کہف کی یاد میں مسجد بنانے کا مقصد:

یہ لوگ خدائے وحدہ لاشریک کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے موحد تھے۔ مشرک نہ تھے اور ان کی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ ان کی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنادیا جائے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا ناجائز ہے۔ معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ ان کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب وجوار میں ایک عبادت خانہ بنادیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث ونشور اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہوکر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں۔ اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مومنین غالب ہوئے جو حشر ونشر اور قیامت کے قائل تھے اس لئے ان کی رائے یہ ہوئی کہ ان کی یاد میں مسجد بنادی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں ان کے قریب مسجد بنادینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

درویشوں اور فقیروں کی صحبت کا حکم:

پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کمبل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطرداری کا حکم دیتے ہیں اور نبی کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمارؓ اور سلمانؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور ابن مسعودؓ جیسے درویشوں کو جو زہد وقناعت اور صبر اور استقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھئے اور اہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجئے اور جو لوگ اپنے مال ودولت پر فخر کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجئے۔

امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الٰہی کے طالب ہوئے ہیں اور صبح وشام عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے احتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ مہاجرین اولین تھے جو کثرت عبادت واطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال ومتاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہوگئے تھے یہ ان کا عظیم وصف تھا۔ وھذا ھوالمقصود۔

مسئلہ:

عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے۔ یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جو صوف (تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں) قالو یارسول اللہ انک لو جلست فی صدر المجلس تخیت عنا ھولاء لارواح کانت بھم و کانت علیھم اقبینہ صوف لم یکن علیھم غیرھا۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۰ جلد ۱۰) کے جبے پہنے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوف کا جبہ درویشان اسلام کا لباس ہے اس لئے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جواز راہ تواضع ودرویشی صوف (بالوں) کا لباس پہنے۔

زادالمسیر میں سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لئے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا۔ ایک موتی اور یاقوت کا۔ یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا۔ اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا۔ اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ گاہے چنیں اور گاہے چناں ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے محلوں اور باغوں اور عیش وعشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت وخواری میں ہوں گے۔ (معارف کاندھلویؒ)

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ
اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی یاد سے
ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾
اور پیچھے پڑا ہوا ہے اپنی خوشی کے اور اس کا کام ہے حد پر نہ رہنا ☆

خواہش پرست سرداروں کی پرواہ نہ کریں:

یعنی جن کے دل دنیا کے نشہ میں مست ہوکر خدا کی یاد سے غافل اور ہر وقت نفس کی خوشی اور خواہش کی پیروی میں مشغول رہتے ہیں خدا کی اطاعت میں پیچھے اور ہوا پرستی میں آگے رہنا ان کا شیوہ ہے، ایسے بدمست

غافلوں کی بات پر آپ کان نہ دھریں خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت منداور جاہ وثروت والے ہوں۔ روایات میں ہے کہ بعض صنادید قریش نے آپ سے کہا کہ ان رذیلوں کو اپنے پاس سے اٹھا دیجئے تاکہ سردار آپ کے پاس بیٹھ سکیں۔ رذیل کہا غریب مسلمانوں کو اور سردار دولتمند کافروں کو۔ ممکن ہے آپ کے قلب مبارک میں یہ خیال گزرا ہو کہ ان غرباء کو تھوڑی دیر علیحدہ کر دینے میں کیا مضائقہ ہے۔ وہ تو پکے مسلمان ہیں مصلحت پر نظر کر کے رنجیدہ نہ ہونگے اور یہ دولت منداس صورت میں اسلام قبول کرلیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ آپ ہرگز ان متکبرین کا کہنا نہ مانیے کیونکہ یہ بیہودہ فرمائش ہی ظاہر کرتی ہے کہ ان میں حقیقی ایمان کا رنگ قبول کرنے کی استعداد نہیں۔ پھر محض موہوم فائدہ کی خاطر مخلصین کا احترام کیوں نظر انداز کیا جائے۔ نیز امیروں اورغریبوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنے سے احتمال ہے کہ عام لوگوں کے قلوب میں پیغمبر کی طرف سے معاذ اللہ نفرت اور بدگمانی پیدا ہو جائے جس کا ضرر اس ضرر سے کہیں زائد ہوگا جو ان چند متکبرین کے اسلام قبول نہ کرنے کی صورت میں تصور کیا جاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت سلمان بیٹھے ہوئے تھے کہ عیینہ بن حصین آ گیا اور کہنے لگا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ اس کو (یعنی اس جیسے غریب لوگوں کو) اپنے پاس سے نکال دیا کریں، اس پر آیت وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا نازل ہوئی۔

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے۔ یعنی سرداران قریش کے لئے آپ کی مجلس سے غریب مسلمانوں کا نکلوا دینے کا خواستگار ہوتا ہے۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ اس کی اس درخواست کا موجب دو باتیں ہیں (۱) اس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہے (اللہ کا تصور ہی اس کے دل میں نہیں اور خدا کی طلب ہی اس کو نہیں)۔ (۲) دنیوی لذتوں میں اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اس کو پتہ ہی نہیں کہ شرافت کا مدار ذلیل باتوں سے نفس کو پاکیزہ رکھنے، دل کو باطنی رذائل کی کثافت سے صاف رکھنے اور انوار معرفت سے منور کرنے پر ہے جسمانی آرائش پر نہیں ہے جو اس کے کہنے پر چلے گا وہ بھی غفلت اور حماقت میں اسی کی طرح ہوگا۔

بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار:

اہل سنت کہتے ہیں کہ اغفلنا میں اللہ کی طرف غافل کر دینے کی نسبت اور اتبع ہواہ میں اتباع ہوا کی بندے کی طرف نسبت بتا رہی ہے کہ بندہ نہ مجبور ہے نہ مختار کامل بلکہ بین بین ہے۔ (خالق اللہ ہے اور کاسب، بندہ)۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ

اور کہہ سچی بات ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے

فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے ☆

حق کہہ دیا ہے اب کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں ہے:

یعنی خدا کی طرف سے سچی باتیں سنا دی گئیں، کسی کے ماننے نہ ماننے کی اسے کچھ پرواہ نہیں۔ جو کچھ نفع نقصان ہوگا صرف تمہارا ہوگا۔ ماننے اور نہ ماننے والوں دونوں اپنا اپنا انجام سوچ لیں جو آگے بیان کیا جاتا ہے۔ دنیا کی چہل پہل محض، ہیچ اور فانی ہے۔ اس کا لطف جب ہی ہے کہ فلاح آخرت کا ذریعہ ہے۔ وہاں محض دنیا کا تمول کام نہ دے گا۔ بلکہ جو یہاں شکستہ حال تھے بہت سے وہاں عیش و آرام میں ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

عیینہ سردار کی بات کا جواب:

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اب جو (ایمان لانا) چاہے ایمان لے آئے اور جو (کافر رہنا) چاہے وہ کافر رہے۔ یہ کلام وعید آگیں ہے ایمان وکفر دونوں کا اختیار دیا گیا ہے جو اپنے اندر ایک خاص تہدید رکھتا ہے۔ گویا عیینہ کی درخواست کا جواب ہے۔ عیینہ نے کہا تھا ان لوگوں (کے لباس اور بدن) کی بدبو سے کیا آپ کو تکلیف نہیں ہوتی ہم قبیلہ مضر کے شرفاء اور سردار لوگ ہیں ہم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے، اگر ہم مان لیں گے تو سارے لوگ ایمان لے آئیں گے، مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے، تاکہ ہم (آپ کے پاس بیٹھ سکیں اور آپ کی بات سنیں اور) آپ پر ایمان لے آئیں۔ اللہ نے اس کے جواب میں غریب مسلمانوں کے ساتھ بیٹھنے اور ان کو پاس بٹھانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی اور اپنی مجلس سے ان کو نکال دینے کی ممانعت کر دی اور صاف صراحت کر دی کہ حق رب کی طرف سے آ گیا، ماننا چاہو اس کو مانو نہ ماننا چاہو نہ مانو اللہ کو کسی کے ماننے نہ ماننے کی پرواہ نہیں۔ ہر شخص کا اپنا نفع ونقصان ہے جو مان لے گا اسی کو ایمان کا فائدہ پہنچے گا نہ مانے گا تو کفر کی مضرت اسی پر پڑے گی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا

ہم نے تیار کر رکھی ہے گنہگاروں کے واسطے آگ کہ گھیر رہی ہیں ان کو اس کی قناتیں ☆

ظالموں کا عذاب:

وہ قناتیں بھی آگ کی ہونگی۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرادق النار (دوزخ کی قناتیں) چار دیواریں ہوں گی (ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، تیسری کے بعد چوتھی) ہر دیوار کی موٹائی

چالیس سال کی (راہ کے برابر) ہوگی۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ سرادق النار آگ کی دیوار ہوگی (جو محیط ہوگی) کلبی نے کہا آگ کی لپیٹ ہوگی جو کافروں کو (ہر طرف سے) باڑہ کی طرح گھیرے ہوگی۔ بعض علماء نے کہا ایک دھواں ہوگا جو کافروں کو محیط ہوگا۔ اللہ نے اسی کا ذکر آیت انطَلِقُوٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ میں کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي
اور اگر فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسے پیپ بھون ڈالے منہ کو
الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا
کیا برا پینا ہے اور کیا برا آرام ☆

ظالموں کی پیاس:

یعنی گرمی کی شدت سے پیاس لگے گی تو العطش پکاریں گے۔ تب تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی دیا جائے گا۔ جو سخت حرارت اور تیزی کی وجہ سے منہ کو بھون ڈالے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ اور اگر (شدت پیاس کی وجہ سے) وہ پانی مانگیں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو مہل کی طرح ہوگا۔

امام احمد، ترمذی، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ آیت بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ کی تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا منہ کے قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی کھال اس میں گر پڑے گی۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَيُسْقٰى مِنْ مَّاۗءٍ صَدِيْدٍ کی تشریح میں فرمایا، وہ سامنے لایا جائے گا تو دوزخی کو سخت ناگوار ہوگا پھر (منہ کے) قریب لایا جائے گا تو چہرہ کی اور سر کی کھال جل بھن کر گر پڑے گی جب اس کو پیے گا تو انتڑیاں کٹ کر دبر سے نکل جائیں گی۔ اللہ فرماتا ہے وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ابن ابی حاتم نے ابوطلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول کالمھل کی تشریح کے متعلق نقل کیا ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، وہ سیاہ ہوگا جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول بغوی کی روایت میں آیا ہے وہ گاڑھا پانی ہوگا، زیتون کے تیل کی گاد کی طرح۔ مجاہد نے مہل کا ترجمہ کیا ہے، لہو، پیپ، خون، حضرت ابن مسعودؓ سے اس کا ترجمہ دریافت کیا گیا تو آپ نے کچھ سونا چاندی منگوا کر پگھلایا جب پگھل گیا تو فرمایا یہ مہل کی طرح ہے اس کے ہم شکل ہے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ جہنم کی چار دیواری کی وسعت چالیس چالیس سال کی راہ کی ہے، مسند احمد)۔ اور خود وہ دیواریں بھی آگ کی ہیں۔

''مُہل'' کا مطلب:

''مہل'' کہتے ہیں غلیظ پانی کو جیسے زیتون کے تیل کی تلچھٹ اور جیسے خون اور پیپ جو بے حد گرم ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ نے ایک مرتبہ سونا پگھلایا جب وہ پانی جیسا ہوگیا اور جوش مارنے لگا۔ فرمایا ''مہل'' کی مشابہت اس میں ہے جہنم کا پانی بھی سیاہ ہے وہ خود بھی سیاہ ہے، جہنمی بھی سیاہ ہیں۔ مہل سیاہ رنگ بدبودار غلیظ گندگی سخت گرم چیز ہے چہرے کے پاس جاتے ہی کھال جھلس دیتی ہے منہ جلا دیتی ہے۔ مسند احمد میں ہے کافر کے منہ کے پاس جاتے ہی اس کے چہرے کی کھال جھلس کر اس میں آپڑے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا
بیشک جو لوگ یقین لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں
لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا
کھوتے بدلہ اس کا جس نے بھلا کیا کام ☆

صالحین کا انعام:

یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی بھی کم نہ ہوگی۔ پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ
ایسوں کے واسطے باغ ہیں بسنے کے بہتی ہیں ان کے نیچے
الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
نہریں پہنائے جائیں گے ان کو وہاں کنگن سونے کے ☆

سونے کے کنگن:

تاکہ دکھلا دیا جائے کہ اصلی اور دائمی دولت مند کون لوگ ہیں، کنگن یا ریشمی کپڑوں اور اسی طرح جنت کی تمام نعمتوں کی خاص کیفیت کو ہم دنیا میں نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ ہماری محسوسات میں اس موطن کی کوئی پوری مثال موجود نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اساور اور ذہب کو نکرہ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ کنگن اور سونا نرالی شان کا ہوگا کہ اس کے حسن کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے اچھی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ادنیٰ جنتی کے ادنیٰ زیور کا تمام دنیا

کے زیوروں سے موازنہ کیا جائے تو جوادنیٰ زیور آخرت میں اللہ جنتی کو عطا کرے گا وہ دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

زیور ڈھالنے والا فرشتہ:

ابوالشیخ نے العظمۃ میں کعب احبار کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ کا ایک فرشتہ ہے جواپنی پیدائش کے آغاز سے اہل جنت کے زیور ڈھال رہا ہے اور قیامت تک ڈھالتا رہے گا اگر اہل جنت کا ایک زیور بھی سامنے لے آیا جائے تو اس کے مقابلے میں سورج کی روشنی ماند پڑ جائے۔ (تفسیر مظہری)

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا
اور پہنیں گے کپڑے سبز
مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ
باریک اور گاڑھے ریشم کے ☆

ریشم کا لباس:

شاید ابرا باریک ریشم کا اور استر دبیز ریشم کا ہو۔ کما یفہم من قولہ تعالیٰ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (رحمن رکوع ۳) یا دونوں قسمیں الگ الگ استعمال کی جائیں۔ واللہ اعلم۔ موضح القرآن میں ہے۔ ''حضرت نے فرمایا سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو ملنا ہے بہشت میں۔ جو کوئی یہاں یہ چیزیں پہنے وہاں نہ پہنے گا۔'' (تفسیر عثمانی)

ابن السنی اور ابونعیم نے طب النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پسندیدہ رنگ سبز تھا۔

سندس باریک ریشمی کپڑا۔ استبرق دبیز ریشمی کپڑا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جنت کے کپڑوں کے دبیز ہونے سے مراد ہے بناوٹ کی مضبوطی۔ عمر حربی نے کہا سندس زربفت کو کہتے ہیں۔

نسائی، ابوداؤد، بزار اور بیہقی نے بسند حسن حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ارشاد فرمایئے اہل جنت کے کپڑے کس قسم کے ہوں گے کیا (بنے بنائے) پیدا شدہ ہوں گے یا بنے ہوئے ہوں گے جن کو بُن کر تیار کیا گیا ہوگا یہ بات سن کر ایک شخص کو ہنسی آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایک ناواقف جب کسی جاننے والے سے پوچھتا ہے تو تم لوگ ہنستے ہو، پھر دوبارہ فرمایا جنت کے پھلوں سے ان کے پھٹنے پر (تیار شدہ) برآمد ہوں گے۔ بزار ابویعلی اور طبرانی نے جابر کی روایت سے حضرت ابوالخیر مرثد بن عبداللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس سے سندس اگتا ہے جنتیوں کا لباس اسی کا ہوگا۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ
تکیہ لگائے ہوئے ان میں تختوں پر کیا خوب بدلہ ہے
وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾
اور کیا خوب آرام ☆

یعنی مسہریوں پر تکیہ مسند لگائے نہایت عزت و آرام سے بیٹھے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

الارائک الاریکۃ کی جمع ہے، حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر چاروں طرف پردہ ہو اور اندر لیٹنے کی مسہری نہ ہو یا چارپائی لیٹنے کی ہو اور گرداگرد پردہ نہ ہو تو اس کو اریکہ نہیں کہتے اریکہ پردہ والی مسہری کو کہتے ہیں۔ بیہقی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مسہریاں موتی اور یاقوت کی ہوں گی۔ (تفسیر مظہری)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ
اور بتلا ان کو مثل دو مردوں کی ☆

مالدار کافر اور فقیر مؤمن کی مثال:

یہ کافر غنی اور مومن فقیر کی مثال بیان فرمائی جس کے ضمن میں دنیا کی بے ثباتی، کفر و تکبر کی بدانجامی اور ایمان و تقویٰ کی مقبولیت پر متنبہ کرنا ہے۔ یہ دو شخص جن کی مثال بیان ہوئی واقعی موجود تھے؟ یا محض تفہیم کے لئے مثال فرض کر لی گئی؟ علماء کے اس میں دونوں قول ہیں اور تمثیل کا فائدہ بہر حال حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ مکہ میں قبیلہ بنی مخزوم کے دو بھائی رہتے تھے ایک مومن تھا، دوسرا کافر، مومن کا نام ابوسلمہ عبداللہ (ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سابق شوہر) بن عبدالاسود بن عبد یالیل تھا اور کافر کا نام اسود بن عبدالاسود بن عبد یالیل انہی دونوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ عیینہ بن حصین اور اس کے ساتھیوں کے احوال اور حضرت سلمان کے حال کو بطور تمثیل بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کے احوال سے تشبیہ دی ہے جن میں سے ایک کا نام برقول ابن عباس یہودا اور برقول مجاہد تملیخا تھا اور دوسرے کا نام قطروس اور برقول وہب قطفر تھا اول مسلمان تھا دوسرا کافر سورۂ والصافات میں بھی انہی کا قصہ بیان کیا ہے عبداللہ بن مبارک نے بروایت معمر عطاء خراسانی کا بیان ان دونوں کے متعلق حسب ذیل نقل کیا ہے۔

دو بھائیوں کا واقعہ:

ایک شخص کے دو بیٹے تھے دونوں کو باپ کی وراثت سے آٹھ ہزار دینار ملے دونوں نے تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ ایک بھائی نے ایک ہزار

دینار کی زمین خریدی، دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر دیئے اور کہا اے اللہ میرے بھائی نے ہزار دینار کی زمین خریدی ہے میں تجھ سے جنت میں ایک ہزار کی زمین خریدتا ہوں۔ اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے مکان بنایا، دوسرے نے ہزار دینار غریبوں کو تقسیم کر کے دعا کی، اے اللہ! اس نے ہزار دینار خرچ کر کے مکان بنایا ہے میں تجھ سے جنت کے اندر ہزار دینار کا مکان خریدتا ہوں، پھر اول شخص نے ہزار دینار صرف کر کے ایک عورت سے شادی کر لی۔ اور دوسرے نے ہزار دینار راہ خدا میں دیکر کہا اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ جنت کے اندر کسی جنت کی عورت سے میرا نکاح کر دے پھر اول شخص نے ایک ہزار دینار خرچ کر کے باندی غلام اور گھر کا سامان خریدا اور دوسرے نے ہزار دینار خیرات کر کے اللہ سے جنت کے اندر خدام اور سامان ملنے کی درخواست کی۔

جب یہ دوسرا شخص سب مال خیرات کر چکا تو کچھ مدت کے بعد مال کی کوئی سخت ضرورت پیش آئی اور دل میں خیال کیا مجھے بھائی کے پاس جانا چاہیے شاید اس کی طرف سے مجھے کچھ مل جائے یہ سوچ کر بھائی کے راستہ پر ایک طرف کو جا بیٹھا، اس طرف سے دولت مند بھائی اپنے خادموں کے جھرمٹ میں گزرا اور بھائی کو دیکھ کر پہچان لیا اور پوچھا کیا حال ہے اس شخص نے کہا مجھے ایک حاجت درپیش ہے اور مفلس ہو گیا ہوں آپ کے پاس کچھ بھلائی کی امید لے کر آیا ہوں دولت مند بھائی نے کہا تمہارا مال کیا ہوا، تقسیم کے وقت تم نے اپنا حصہ تو لے لیا تھا، غریب بھائی نے اپنی سرگزشت بیان کر دی، دولت مند بھائی بولا، اچھا تو تم خیرات کرنے والوں میں شامل ہو گئے چلے جاؤ، میں کچھ نہیں دوں گا۔ غرض اس نے غریب کو دھتکار دیا آخر دونوں مر گئے اور ان ہی کے متعلق آیت فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ نازل ہوئی۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ مال دار بھائی غریب بھائی کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مال کی سیر کرانے لے گیا اور گھما پھرا کر سب طرح کا مال دکھایا۔ (تفسیر مظہری)

جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ
کر دیئے ہم نے ان میں سے ایک کیلئے دو باغ انگور کے
وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾
اور گرد ان کے کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی ☆

دو باغ:

یعنی باغوں کے گرد باڑھ کھجور کی لگائی اور دونوں باغوں کے درمیان میں زمین چھوڑی جس میں زراعت ہوتی تھی تا غلے اور پھل (قوت اور فواکہ) سب تیار ملیں۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا
دونوں باغ لاتے ہیں اپنا میوہ اور نہیں گھٹاتے اس میں سے کچھ ☆

یعنی یہ نہیں کہ ایک باغ پھلا دوسرا نہ پھلا۔ یا ایک درخت زیادہ آیا دوسرا کم۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ﴿٣٣﴾
اور بہا دی ہم نے ان دونوں کے بیچ نہر ☆

یعنی باغوں کے درمیان نہر کا پانی قرینہ سے پھر رہا تھا کہ منظر فرحت بخش رہے اور بارش نہ ہو تب بھی باغ وغیرہ خشکی سے خراب نہ ہونے پائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ
اور ملا اس کو پھل ☆

یعنی جو خرچ کیا یا کمائی کی اس کا پھل خوب ملا۔ اور ہر قسم کے سامان عیش و رفاہیت جمع ہو گئے نکاح کیا تو اس کا پھل بھی اچھا پایا اولاد کثرت سے ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ
پھر بولا اپنے ساتھی سے جب باتیں کرنے لگا اس سے
أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿٣٤﴾
میرے پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ ☆

مشرک مالدار کی دلیل:

یعنی مال و دولت اور جتھا میرے پاس تجھ سے کہیں زائد ہے۔ اگر میں مشرکانہ اطوار اختیار کرنے میں باطل پر ہوتا تو اس قدر آسائش اور فراخی کیوں ملتی۔ اس کے مشرک ہونے کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آفت آنے کے بعد پچھتا کر کہتا تھا " يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا " معلوم ہوتا ہے کہ اس کا غریب ساتھی جو پکا موحد تھا شرک کے باطل ہونے کا اظہار اور شرک سے تائب ہونے کی نصیحت کر رہا ہوگا جس کے جواب میں یہ کہا کہ میں تجھ سے مال میں، جتھے میں ہر چیز میں زیادہ ہوں کس طرح یقین کر لوں کہ میں باطل پر ہوں اور تجھ جیسا مفلس قلاش حق پر ہو۔ (تفسیر عثمانی)

أَعَزُّ نَفَرًا سو اس نے اپنے ساتھی سے دوران گفتگو میں کہا میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور جتھا بھی میرا زبردست ہے۔ یعنی باغوں والے نے نادار مومن سے دوران گفتگو میں کہا، میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور میں نوکر وں چاکروں کے اعتبار سے بھی تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ نفر سے مراد ہیں نوکر چاکر خدمت گار، بعض نے کہا نرینہ اولاد مراد ہے کیونکہ مومن نے (اس کے جواب میں) کہا تھا إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا اگر چہ تو مجھے

اپنے مقابلے میں کم مالدار اور قلیل الاولاد دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ

اور گیا اپنے باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر ☆

تکبر کا نشہ:

یعنی شرک میں مبتلا تھا۔ کبر وغرور کا نشہ دماغ میں بھرا ہوا تھا۔ دوسروں کو حقیر جانتا تھا، اور خدا کی قدرت وجبروت پر نظر نہ تھی۔ نہ یہ سمجھتا تھا کہ آگے کیا انجام ہونے والا ہے۔ بس یہ ہی باغ اس کی جنت تھی جس کو آپ خیر سے ابدی سمجھتے تھے۔

قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝

بولا نہیں آتا مجھ کو خیال کہ خراب ہووے یہ باغ کبھی

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ

اور نہیں خیال کرتا ہوں میں کہ قیامت ہونے والی ہے اور اگر کبھی پہنچا دیا گیا

اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝

میں اپنے رب کے پاس پاؤں گا بہتر اس سے وہاں پہنچ کر

یعنی اب تو آرام سے گزرتی ہے اور میں نے سب انتظامات ایسے مکمل کر لئے ہیں کہ میری زندگی تک ان باغوں کے تباہ ہونے کا بظاہر کوئی کھٹکا نہیں۔ رہا بعد الموت کا قصہ، سو اول تو مجھے یقین نہیں کہ مرنے کے بعد ہڈیوں کے ریزوں کو دوبارہ زندگی ملے گی؟ اور ہم خدا کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو یقیناً مجھے یہاں سے بہتر سامان وہاں ملنا چاہئے۔ اگر ہماری حرکات خدا کو ناپسند ہوتیں تو دنیا میں اتنی کشائش کیوں دیتا۔ گویا یہاں کی فراخی علامت ہے کہ وہاں بھی ہم عیش اڑائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

کہا اس کو دوسرے نے جب بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ

اس سے جس نے پیدا کیا تجھ کو مٹی سے پھر

مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝

پھر قطرہ سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝

پھر میں تو یہی کہتا ہوں وہی اللہ ہے میرا رب اور نہیں مانتا شریک اپنے رب کا کسی کو ☆

مؤمن ساتھی کا جواب:

یعنی جس خدا نے تیری اصل (آدم علیہ السلام) کو بے جان مٹی سے پھر تجھ کو زمینی پیداوار کے خلاصہ اور ایک قطرہ ناچیز سے پیدا کر کے زندگی بخشی اور جسمانی وروحانی قوتیں دے کر ہٹا کٹا مرد بنایا، کیا تجھے انکار ہے کہ وہ تیرے مرے پیچھے دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا؟ یا دی ہوئی نعمت چھین نہیں سکتا؟ میرا تو یہ عقیدہ نہیں بلکہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارا رب ہے۔ اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار نہیں۔ پھر بھلا اس کے حکم واختیار کے سامنے کون دم مار سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

اور جب تو آیا تھا اپنے باغ میں کیوں نہ کہا تو نے

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ

جو چاہے اللہ سو ہو طاقت نہیں مگر جو دے اللہ ☆

نعمت پر تکبر نہ کرو شکر کرو:

یعنی مال تو اللہ کی نعمت ہے۔ پر اترانے اور کفر بکنے سے آفت آتی ہے۔ چاہئے تھا کہ باغ میں داخل ہوتے وقت "مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا" کی جگہ "مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" کہتا۔ یعنی خدا جو چاہے عطا فرمائے، ہم میں جو کچھ زور وقوت ہے اسی کی امداد واعانت سے ہے۔ وہ چاہے تو ایک دم میں سلب کر لے۔ روایات میں ہے کہ جب آدمی کو اپنے گھر بار میں آسودگی نظر آئے تو یہ ہی لفظ کہے۔ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (تفسیر عثمانی)

اچھی چیز دیکھنے کی دعاء:

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی چیز دیکھی اور اس کے دل کو پسند آئی اور اس نے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہہ دیا تو پھر اس کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا (نہ نظر لگے گی نہ غیبی حوادث اس چیز پر آئیں گے) ابن السنی کی روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ اس کو نظر نہیں لگے گی۔

بغوی نے ہشام بن عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ عروہ کو جب اپنا کوئی مال پسند آیا اور عجیب معلوم ہوتا تھا یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (تفسیر مظہری)

مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ،

تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی وہ پسندیدہ محبوب چیز محفوظ رہے گی) اور بعض روایات میں ہے کہ جس نے کسی محبوب وپسندیدہ چیز کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس کو نظر بد نہ لگے گی۔ (معارف مفتی اعظم)

امام مالک کے مکان کی تختی:

امام دارالھجرت مالک بن انسؒ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں لکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا

اگر تو دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں

فَعَسٰى رَبِّىْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ

تو امید ہے کہ میرا رب دیوے مجھ کو تیرے باغ سے بہتر ☆

دنیا میں یا آخرت میں (تفسیر عثمانی)

وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

اور بھیج دے اس پر لوکا ایک جھونکا آسمان سے پھر صبح کو رہ جائے

صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا

میدان صاف یا صبح کو ہو رہے اس کا پانی خشک

فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝

پھر نہ لا سکے تو اس کو ڈھونڈ کر ☆

یعنی ایک گرم بگولا اٹھے اور کوئی آفت سماوی نازل ہو جو تیرے تکبر و تجبر کی سزا میں باغ کو تہس نہس کر کے صاف چٹیل میدان بنا دے۔ یا نہر کا پانی خشک ہو کر رہ جائے۔ پھر باوجود کوشش کے جاری نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ

اور سمیٹ لیا گیا اس کا سارا پھل پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ نچاتا ☆

تکبیر کی سزا:

یعنی کف افسوس ملتا رہ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ کف افسوس ملنے لگا ہاتھ پر ہاتھ ملنے لگا یا افسوس وحسرت کے ساتھ ہتھیلیاں اس نے الٹی کر لیں (اور پشت کف کو کاٹنے لگا) تقلیب کفین سے بطور کنایہ مراد ہے پشیمان ہونا یعنی جو کچھ اس نے باغ میں خرچ کیا تھا اس کے برباد ہو جانے پر وہ (پریشان حسرت زدہ اور) پشیمان ہوا۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا

اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں آخر اس کے باغ پر وہی ہوا جو اس مرد نیک کی زبان سے نکلا تھا۔ رات کو آفت سماوی آگ کی صورت میں آئی۔ سب جل کر ڈھیر ہو گیا۔ مال خرچ کیا تھا پونجی بڑھانے کو وہ اصل بھی کھو بیٹھا۔

وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّىْٓ اَحَدًا ۝

اور کہنے لگا کیا خوب ہوتا اگر میں شریک نہ بناتا اپنے رب کا کسی کو ☆

بے وقت پشیمانی:

مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اور یہ افسوس وندامت بھی خدا سے ڈر کر نہیں محض دنیوی ضرر پہنچنے کی بنا پر تھی۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ

اور نہ ہوئی اس کی جماعت کی مدد کریں اس کی اللہ

دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝

کے سوائے اور نہ ہوا وہ کہ خود بدلہ لے سکے ☆

کوئی چیز کام نہ آئی:

یعنی نہ جتھا کام آیا، نہ اولاد، نہ فرضی معبود جنہیں خدائی کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔ اور نہ خود اپنی ذات میں اتنی طاقت تھی کہ خدا کے عذاب کو روک دیتا یا بدلہ لے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ

یہاں سب اختیار ہے اللہ سچے کا

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

اسی کا انعام بہتر ہے اور اچھا ہے اسی کا دیا ہوا بدلہ ☆

اختیار فقط اللہ کا ہے:

یعنی جس عمل کا جو بدلہ کسی کو دے وہی ٹھیک ہے۔ یہاں اور وہاں ہر جگہ اختیار اسی کا چلتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے فیصلہ میں دخل دے سکے۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

اور بتلا دے ان کو مثل دنیا کی جیسے

اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ

جیسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر رلا ملا نکلا اس کی وجہ سے زمین کا سبزہ

فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

پھر کل کو ہو گیا چورا چورا ہوا میں اڑتا ہوا ☆

دنیاوی زندگی کی مثال:

یعنی دنیا کی عارضی بہار اور فانی و سریع الزوال تروتازگی کی مثال ایسی سمجھو کہ خشک اور مردہ زمین پر بارش کا پانی پڑا۔ وہ یک بیک جی اٹھی، گنجان درخت اور مختلف اجزاء سے رلا ملا سبزہ نکل آیا۔ لہلہاتی کھیتی آنکھوں کو بھلی معلوم ہونے لگی۔ مگر چند روز ہی گزرے کہ زرد ہو کر سوکھنا شروع ہو گئی۔ آخر ایک وقت آیا کہ کاٹ چھانٹ کر برابر کر دی گئی۔ پھر ریزہ ریزہ ہو کر ہوا میں اڑائی گئی۔ یہ ہی حال دنیا کے دیدہ زیب وابلہ فریب بناؤ سنگار کا سمجھو چند روز کیلئے خوب ہری بھری نظر آتی ہے۔ آخر میں چورہ ہو کر ہوا میں اڑ جائیگی۔ اور کٹ چھٹ کر سب میدان صاف ہو جائیگا جیسا کہ آگے'' وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً '' میں اشارہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت ☆

یعنی جب چاہے پھر جلادے (موضح القرآن) یا یہ کہ اگانا اور چورا کر کے اڑا دینا سب اسی کے دست قدرت میں ہے۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

مال اور بیٹے رونق ہیں دنیا کی زندگی میں

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ

اور باقی رہنے والی نیکیوں کا بہتر ہے تیرے رب کے یہاں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿٤٦﴾

بدلہ اور بہتر ہے توقع ☆

مال واولاد فانی ہے عمل صالح باقی ہے:

یعنی مرنے کے بعد مال واولاد وغیرہ کام نہیں آتے صرف وہ نیکیاں کام آتی ہیں جن کا اثر یا ثواب آئندہ باقی رہنے والا ہو۔ حدیث میں ''سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولا قوۃ الا باللہ'' ان کلمات کو باقیات صالحات فرمایا۔ یہ محض مثال کے طور پر ہے۔ ورنہ تمامی اعمال حسنہ اس میں داخل ہیں۔ موضح القرآن میں ہے۔ ''رہنے والی نیکیاں یہ کہ علم سکھا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم چلا جائے یا مسجد، کنواں سرائے، باغ، کھیت، وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح چھوڑ جائے، اسی قسم کے کام ہیں جن پر خدا کے ہاں بہترین بدلہ مل سکتا ہے اور انسان عمدہ توقعات قائم کر سکتا ہے۔ دنیا کی فانی وزائل خوشحالی پر لمبی چوڑی امیدیں باندھنا عقلمندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا وآخرت کی کھیتی:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مال اور اولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی اور بعض لوگوں کیلئے اللہ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔

باقیاتِ صالحات:

حضرت ابن عباسؓ عکرمہؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا، باقیات صالحات سبحان اللہ اور الحمدللہ اور لاالہ الااللہ اور اللہ اکبر ہیں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، باقیات صالحات کو زیادہ (پڑھا) کرو۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باقیات صالحات کیا ہیں۔ فرمایا سبحان اللہ لاالہ الااللہ الحمد للہ اللہ اکبر لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔ پڑھنا۔ رواہ احمد وابن حبان والحاکم۔

نقصان کے دروازے بند کرنے والا وظیفہ:

حضرت جابرؓ کی روایت ہے لاحول ولاقوۃ الاباللہ (کا ذکر) بہت کیا کرو اس سے ضرر کے ننانوے دروازے بند ہو جاتے ہیں جن میں سے ادنیٰ دروازہ غم ہے۔ رواہ العقیلی۔ عقیلی نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہی باقیات صالحات ہیں۔ طبرانی نے اسی طرح کی حدیث حضرت سعد بن عبادہؓ کی روایت سے بھی نقل کی ہے۔

افضل اور محبوب کلام:

ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل کلام سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر ہے۔ ابن جریر نے یہ حدیث ایک اور صحابی کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔ رواہ احمد، حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر کہنا مجھے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔ جن پر سورج نکلتا ہے۔ (یعنی روئے زمین کی تمام چیزوں سے زیادہ پیاری مجھے یہ تسبیح وتحمید وتہلیل وتکبیر ہے)۔ رواہ مسلم والترمذی۔

نماز پنجگانہ: سعید بن جبیر مسروق اور ابراہیم نخعی کے نزدیک باقیات صالحات سے مراد پنجگانہ نمازیں ہیں۔ حضرت ابن عباس کا ایک قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لیکن دوسری روایت میں آیا ہے کہ باقیات صالحات اعمال صالحہ ہیں۔ قتادہ کا یہی قول ہے۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے غلام فرماتے ہیں کہ (حضرت) عثمانؓ ایک مرتبہ اپنے ساتھیوں میں بیٹھے ہوئے تھے جو موذن

پہنچا آپ نے پانی منگوایا ایک برتن میں قریب تین پاؤ کے پانی آیا۔ آپ نے وضو کر کے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح وضو کر کے فرمایا جو میرے اس وضو کی طرح وضو کر کے ظہر کی نماز ادا کرے تو صبح سے لے کر ظہر تک کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں پھر عصر میں بھی اسی طرح نماز پڑھ لی تو ظہر سے عصر تک کے تمام گناہ معاف، پھر مغرب کی نماز پڑھی، تو عصر سے مغرب تک کے گناہ معاف، پھر عشاء کی نماز پڑھی تو مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف۔ پھر رات کو وہ سو رہا صبح اٹھ کر نماز فجر ادا کی تو عشاء سے لے کر صبح تک کے گناہ معاف۔ یہی وہ نیکیاں ہیں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں لوگوں نے پوچھا یہ تو ہوئیں نیکیاں، اب اے عثمانؓ! آپ بتلایئے کہ باقیات صالحات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم ۔ حضرت سعید بن مسیّب فرماتے ہیں باقیات صالحات یہ ہیں ۔سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ۔

پانچ کلمے: حضرت سعید بن مسیبؒ نے اپنے شاگرد عمارہؒ سے پوچھا کہ بتلاؤ باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ نماز اور روزہ۔ آپ نے فرمایا تم نے صحیح جواب نہیں دیا۔ انہوں نے کہا زکوۃ اور حج۔ فرمایا ابھی جواب ٹھیک نہیں ہوا۔ سنو وہ پانچ کلمے ہیں: لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ. (احمد)

حضرت سالم اور حضرت محمد بن کعب کا مکالمہ:

سالم بن عبداللہؒ کے مولیٰ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مجھے حضرت سالمؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ کے پاس کسی کام کے لئے بھیجا تو انہوں نے کہا سالم سے کہہ دینا کہ فلاں قبر کے پاس کے کونے میں مجھ سے ملاقات کریں مجھے ان سے کچھ کام ہے۔ چنانچہ دونوں کی وہاں ملاقات ہوئی سلام علیک ہوئی۔ تو سالم نے پوچھا کہ آپ کے نزدیک باقیات صالحات کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اورسبحان اللّٰہ اورلاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ ۔سالمؒ نے کہا یہ آخری کلمہ آپ نے اس میں کب سے بڑھایا؟ قرظیؒ نے کہا میں تو ہمیشہ سے اس کلمے کو شمار کرتا ہوں ۔دو تین بار یہی سوال وجواب ہوا تو حضرت محمد بن کعبؒ نے فرمایا کیا تمہیں اس کلمے سے انکار ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں انکار ہے۔ کہا سنو! میں نے (حضرت) ابوایوب انصاریؓ سے سنا ہے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جب مجھے معراج کرائی گئی میں نے آسمان پر (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کو دیکھا۔ آپ نے (حضرت) جبرئیلؑ سے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ انہوں نے مجھے مرحبا اور خوش آمدید کہا اور فرمایا آپ اپنی امت سے فرما دیجئے کہ وہ جنت میں اپنے لئے بہت کچھ باغات لگالیں، اس کی مٹی پاک ہے اس کی زمین کشادہ ہے۔ میں نے پوچھا وہاں باغات لگانے کی کیا صورت ہے؟ فرمایا لاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ بہ کثرت پڑھیں۔

(۱) مسند احمد میں نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات عشاء کی نماز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے آسمان کی طرف دیکھ کر نظریں نیچی کرلیں۔ ہمیں خیال ہوا کہ شاید آسمان میں کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا میرے بعد جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے والے بادشاہ ہوں گے جو ان کے جھوٹ کو سچا ئے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری کرے وہ مجھ سے نہیں اور نہ میں اس کا ہوں اور جو ان کے جھوٹ کو نہ سچائے اور ان کے ظلم میں ان کی طرفداری نہ کرے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ لوگو سن رکھو سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر یہ باقیات صالحات یعنی باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔

فتنہ کے زمانہ کی دُعاء:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت شداد بن اوسؓ ایک سفر میں تھے کسی جگہ اترے اور اپنے غلام سے فرمایا کہ چھری لاؤ کھیلیں۔ حسان بن عطیہؒ کہتے ہیں میں نے اس وقت کہا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا واقعی میں نے غلطی کی سنو اسلام لانے کے بعد سے لے کر آج تک میں نے کوئی کلمہ اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا جو میرے لئے لگام بن جائے بجز اس ایک کلمے کے پس تم لوگ اسے یاد سے بھلا دو اور اب جو میں کہہ رہا ہوں اسے یاد رکھو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب لوگ سونے چاندی کے جمع کرنے میں لگ جائیں تم اس وقت ان کلمات کو بکثرت پڑھا کرو: اللھم انی اسئلک الثبات فی الامر والعزیمۃ علی الرشد واسئلک شکر نعمتک واسئلک حسن عبادتک واسئلک قلبا سلیما واسئلک لسانا صادقا واسئلک من خیر ما تعلم واعوذ بک من شرما تعلیم واستغفرک لما تعلم انک انت علام الغیوب. یعنی اے اللہ! میں تجھ سے اپنے کام کی ثابت قدمی اور نیکی کے کام کا پورا قصد اور تیری نعمتوں کی شکرگزاری کی توفیق طلب کرتا ہوں اور تجھ سے دعا ہے کہ تو مجھے سلامتی والا دل اور سچی زبان عطا فرما۔ تیرے علم میں جو بھلائی ہے میں اس کا خواستگار ہوں اور تیرے علم میں جو برائی ہے میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ پروردگار ہر اس برائی سے میری توبہ ہے جو تیرے علم میں ہو۔ بے شک غیب داں تو ہی ہے۔

بعض دیگر اذکار:

حضرت سعد بن عبادہؓ فرماتے ہیں کہ اہل طائف میں سے سب سے پہلے

میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں اپنے گھر سے صبح ہی صبح چل کھڑا ہوا اور عصر کے وقت منیٰ میں پہنچ گیا، پہاڑ پر چڑھا پھر اترا۔ پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اسلام قبول کیا۔ آپ نے مجھے سورۂ قل ھو اللہ احد اور سورۂ اذا زلزلت سکھائی اور یہ کلمات تعلیم فرمائے سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ۔فرمایا یہ ہیں باقی رہنے والی نیکیاں۔ اس سند سے مروی ہے کہ جو شخص رات کو اٹھے وضو کرے کلی کرے پھر سو بار سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر لاالہ الااللہ پڑھے اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں بجز قتل خون کے، وہ معاف نہیں ہوتا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں باقیات صالحات ذکر اللہ اور لاالہ الا اللہ واللہ اکبر سبحان اللہ والحمدللہ تبارک اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ واستغفراللہ وصلی اللہ علی رسول اللہ ہے اور روزہ نماز حج صدقہ غلاموں کی آزادی۔ جہاد صلہ رحمی اور کل نیکیاں یہ سب باقیات صالحات ہیں جن کا ثواب جنت والوں کو جب تک آسمان وزمین رہیں ملتا رہتا ہے۔ فرماتے ہیں پاکیزہ کلام بھی اسی میں داخل ہے۔

تمام اعمالِ صالحہ باقی رہنے والے ہیں:

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کل اعمال صالحہ اسی میں داخل ہیں، امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بھی اسے مختار بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

نیت وارادہ:

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ باقیات صالحات انسان کی نیت اور ارادہ ہیں کہ اعمال صالحہ کی قبولیت اس پر موقوف ہے۔

نیک لڑکیاں:

اور عبید ابن عمر نے فرمایا کہ باقیات صالحات نیک لڑکیاں ہیں کہ وہ اپنے والدین کے لئے سب سے بڑا ذخیرہ ثواب ہیں، اس پر حضرت صدیقہ عائشہؓ کی ایک روایت دلالت کرتی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کو جہنم میں لے جانے کا حکم دیدیا گیا، تو اس کی نیک لڑکیاں اس کو چمٹ گئیں اور روتے اور شور کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی کہ یااللہ انہوں نے دنیا میں ہم پر بڑا احسان کیا اور ہماری تربیت میں محنت اٹھائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرما کر بخش دیا۔ (قرطبی)

قرطبی نے فرمایا کہ ایک حدیث میں جو آیا ہے کہ مردے برزخ میں ایک دوسرے سے اپنے کفنوں میں ملبوس ہو کر ملاقات کریں گے وہ اس حدیث کے منافی نہیں کیونکہ وہ معاملہ قبر اور برزخ کا ہے یہ میدان حشر کا اور بعض روایات حدیث میں جو یہ منقول ہے کہ میت اپنے اسی لباس میں میدان حشر میں اٹھے گا، جس میں اس کو دفن کیا گیا تھا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ اپنے مردوں کے کفن اچھے بنایا کرو کیونکہ وہ قیامت کے روز اسی کفن میں اٹھیں گے اس کو بعض حضرات نے شہیدوں پر محمول کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ محشر میں بعض لوگ ملبوس اٹھیں اور بعض ننگے، اس طرح دونوں قسم کی روایات جمع ہو جاتی ہیں۔ (مظہری) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً

اور جس دن ہم چلائیں پہاڑ اور تو دیکھے زمین کو کھلی ہوئی ☆

قیامت کا زلزلہ:

یعنی جب قیامت آئیگی پہاڑ جیسی سخت مخلوق بھی اپنی جگہ سے چلائی جائیگی۔ بلکہ اس کی بھاری بھاری چٹانیں دھنی ہوئی اون کی طرح فضا میں اڑتی پھریں گی۔ غرض زمین کے سارے ابھار مٹا کر سطح ہموار اور کھلی ہوئی رہ جائے گی۔

وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا

اور گھیر بلائیں ہم ان کو پھر نہ چھوڑیں ان میں سے ایک کو ☆

یعنی کوئی شخص خدائی عدالت سے غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث جس کیلئے مہینہ بھر کا سفر کیا گیا:

مسند احمد میں ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے روایت پہنچی کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ میں نے اس حدیث کو خاص ان سے سننے کے لئے ایک اونٹ خریدا سامان کس کر سفر کیا۔ مہینہ بھر کے بعد شام میں ان کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ عبداللہ بن انیسؓ ہیں میں نے دربان سے کہا جاؤ خبر کرو کہ جابر دروازے پر ہے۔ انہوں نے پوچھا کیا جابر بن عبداللہؓ؟ میں نے کہا، جی ہاں۔ یہ سنتے ہی جلدی کے مارے چادر سنبھالتے ہوئے جھٹ سے باہر آگئے اور مجھے لپٹ گئے معانقہ سے فارغ ہو کر میں نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی کہ آپ نے قصاص کے بارے میں کوئی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو میں نے چاہا کہ خود آپ سے میں وہ حدیث سن لوں اس لئے یہاں آیا، اور سنتے ہی سفر شروع کر دیا اس خوف سے کہ کہیں اس حدیث کے سننے سے پہلے میں مر نہ جاؤں یا آپ کو موت نہ آجائے۔ اب آپ سنایئے وہ حدیث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت کے دن اپنے تمام بندوں کا اپنے سامنے حشر کرے گا ننگے بدن بے ختنہ بے سروسامان۔ پھر انہیں ندا کرے گا جسے دور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے فرمائے گا کہ میں مالک ہوں میں بدلے دلوانے

والا ہوں، کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں نہ جائے گا جب تک اس کا جو حق کسی جنتی کے ذمہ ہو، میں نہ دلوادوں اور نہ کوئی جنتی جنت میں داخل ہو سکتا ہے جب تک اس کا حق جو جہنمی پر ہے، میں نہ دلوادوں گو ایک تھپڑ ہی ہو۔ ہم نے کہا حضور! یہ حق کیسے دلوائے جائیں گے حالانکہ ہم سب تو وہاں ننگے پاؤں ننگے بدن بے مال واسباب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا، ہاں اس دن حق نیکیوں اور برائیوں سے ادا کئے جائیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں دار بکری نے مارا ہے تو اس سے بھی اس کو بدلہ دلوادیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ
اور سامنے آگئیں تیرے رب کے صف باندھ کر آپہنچے
جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ
تم ہمارے پاس جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں
زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾
تم تو کہتے تھے کہ نہ مقرر کریں گے ہم تمہارے لئے کوئی وعدہ ☆

محشر کی حاضری:

منکرین بعث کو تقریع و توبیخ کے طور پر یہ کہا جائیگا کہ تم تو قیامت وغیرہ کو محض ڈھکوسلہ سمجھتے تھے۔ آج سب جتھا اور اثاثہ چھوڑ کر ننگ دھڑ نگ کہاں آپہنچے۔ اور ''جیسا بنایا تھا پہلی بار'' میں یہ بھی داخل ہے کہ بدن میں کچھ زخم ونقصان وغیرہ نہ رہے گا۔ حدیث میں ہے کہ محشر میں کل ایک سو بیس صفیں ہونگی جن میں اسی امت محمدیہ کی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی برہنگی:

لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ (دیکھو) آخر تم ہمارے پاس آئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا۔ یعنی جس طرح ہم نے تم کو برہنہ بدن، برہنہ پا غیر مختون پیدا کیا تھا، پیدائش کے وقت تمہارے پاس دنیا کا مال ودولت کچھ بھی نہ تھا اسی طرح آج نادار برہنہ غیر مختون۔ ہم نے تم کو قبروں سے اٹھایا ہے۔ شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو تم کو (قبروں سے) اٹھا کر اللہ کے سامنے برہنہ بدن برہنہ پا اور غیر مختون حالت میں لے جایا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ پھر سب مخلوق سے پہلے ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔

ہر آدمی اپنی حالت میں مشغول ہوگا:

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت ام سلمہؓ نے کہا، یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے بعض بعض کو (برہنہ) دیکھیں گے، فرمایا لوگ اپنے ہی شغل میں ہوں گے حضرت ام سلمہؓ نے کہا وہ کس شغل میں ہوں گے۔ فرمایا اعمالنامے کھول کر (سامنے) لائے جائیں گے جن کے اندر چھوٹی چیونٹی کے برابر اور رائی کے دانہ کے برابر بھی اعمال کا اندراج ہوگا۔ بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ بی بی نے کہا، ہم میں سے بعض بعض کی برہنگی کو دیکھیں گے۔ فرمایا، اری اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

طبرانی نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اور حضرت حسنؓ کی روایت سے مرفوعاً یہ حدیث آئی ہے جس میں مذکور ہے کہ بی بی کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم میں سے بعض بعض کو کیسے دیکھیں گے، آنکھیں تو پھٹی ہوئی اوپر کی طرف حیرت سے دیکھ رہی ہوں گی یہ بیان کرتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظر اوپر کی طرف اٹھائی۔

طبرانی اور بیہقی نے حضرت سودہ بنت زمعہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو برہنہ پا برہنہ بدن غیر مختون اٹھایا جائے گا پسینہ (کا سیلاب) کسی کے منہ تک لگام کی طرح آیا ہوگا اور کسی کے کانوں کی لو تک میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو بڑی خرابی ہوگی، ہم میں سے ایک دوسرے کو (برہنہ) دیکھے گا، فرمایا لوگ اپنی ہی حالت میں مبتلا ہوں گے ان کی اپنی حالت دوسرے کی طرف دیکھنے نہ دے گی۔ اس روز ہر شخص اپنے ہی حال میں ہوگا جو (دوسرے کی طرف دیکھنے سے) اس کو بے نیاز بنائے ہوگا۔

ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے بیان کیا کہ حضرت ابوسعید خدری کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے نئے کپڑے طلب فرما کر پہنے اور فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جن کپڑوں میں مردہ مرتا ہے انہی کپڑوں میں اسے اٹھایا جائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے حسن سند سے بیان کیا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنی ماں کو نئے کپڑوں کا کفن دے کر دفن کیا اور فرمایا اپنے مردوں کو اچھے کفن دیا کرو کیونکہ انہی (کفن کے کپڑوں) میں ان کو اٹھایا جائے گا۔

بیہقی نے مختلف روایات کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے کہا کہ بعض کو برہنہ اٹھایا جائے گا، اور بعض کو کپڑے پہنے ہوئے۔ میں کہتا ہوں یہ تاویل اچھی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الا ابصار شاخصۃ (نظریں اوپر کو اٹھی ہوں گی) فرمایا اور اللہ نے فرمایا لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ، دونوں جگہ کافر ہی مراد ہیں خوف کی وجہ سے آنکھوں کا پھٹ جانا اور اوپر کو حیرت سے دیکھتے رہنا کفار کی خصوصیت ہوگی صلحاء کا یہ حال نہ ہوگا۔ البتہ یہ شبہ اس تاویل کے باوجود باقی رہتا ہے کہ اگر صلحاء عریاں نہیں اٹھیں گے تو پھر اس حدیث کا کیا مطلب ہے کہ سب مخلوق سے پہلے ابراہیمؑ کو لباس پہنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

بخاری، مسلم، ترمذی میں بروایت ابن عباسؓ منقول ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ اے لوگو! تم قیامت میں اپنے رب کے سامنے ننگے پاؤں ننگے بدن پیدل چلتے ہوئے آؤ گے، اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائیگا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، یہ سن کر حضرت صدیقہ عائشہؓ نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا سب مرد وعورت ننگے ہونگے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا کہ اس روز ہر ایک کو ایسا شغل اور ایسی فکر گھیرے رہے گی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے گا سب کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی ہوں گی۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
اور رکھا جائے گا حساب کا کاغذ پھر تو دیکھے گنہگاروں کو
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ
ڈرتے ہیں اس سے جو اس میں لکھا ہے ☆

اعمالناموں کا ملنا:

یعنی اعمالنامہ ہر ایک کے ہاتھ میں دیا جائیگا۔ اس میں اپنے گناہوں کی فہرست پڑھ کر مجرم خوف کھائیں گے کہ دیکھئے آج کیسی سزا ملتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ
اور کہتے ہیں ہائے خرابی کیسا ہے یہ کاغذ
لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا
نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آ گئی
وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا
اور پائیں گے جو کچھ کیا ہے سامنے ☆

ذرہ ذرہ عمل سامنے آئے گا:

یعنی ذرہ ذرہ عمل آنکھوں کے سامنے ہوگا اور ہر ایک چھوٹی بڑی بدی یا نیکی اعمالنامہ میں مندرج پائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صغیرہ (بے جا) تبسم اور کبیرہ قہقہہ ہے سعید بن جبیر نے کہا صغیرہ (نامحرم کا) چھو لینا بوسہ لینا اور کبیرہ زنا ہے۔ دونوں بزرگوں نے صغائر وکبائر کی مثالیں دی ہیں یہ مقصد نہیں ہے کہ اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔ سورۂ نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر میں ہم نے کبائر کی تفصیل کر دی ہے۔

اِلَّآ اَحْصٰىهَا مگر اعمالنامے نے اس کی گنتی کر رکھی ہے۔ اس کا احاطہ کر لیا ہے یعنی کسی چھوٹے بڑے گناہ کو بغیر احاطہ کیے نہیں چھوڑا۔ حضرت سہل بن سعد کا بیان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان گناہوں سے بھی بچو جن کو حقیر سمجھا جاتا ہے حقیر گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ کسی وادی کے اندر اترے ہوں پھر کوئی ایک لکڑی لائے کوئی دوسری لکڑی (اور ان حقیر لکڑیوں کو جمع کر کے) لوگ روٹی پکالیں (مقصد یہ کہ حقیر اور چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بڑا ہو جاتا ہے) حقیر گناہ (بھی) ہلاک کرنے والے کبائر (ہو جاتے) ہیں۔ رواہ البغوی

چھوٹے سے چھوٹا گناہ بھی نہ کرو:

طبرانی نے حضرت سعد بن عبادہؓ کا بیان نقل کیا ہے، حضرت سعد نے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے فارغ ہو گئے (اور واپس ہوئے) تو ہم ایک ویران بے آب وگیاہ مقام پر اترے جہاں کچھ بھی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو جو چیز بھی ملے وہ لے آئے یا جس کے پاس جو چیز موجود ہو وہ لے آئے، تھوڑی دیر ہی گزرنے پائی تھی کہ ہم نے (تھوڑا تھوڑا لا کر) ڈھیر کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو دیکھ رہے ہو جس طرح تم نے (تھوڑا تھوڑا) جمع کر کے یہ ڈھیر کر دیا اسی طرح آدمی پر (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم میں سے ہر شخص پر لازم ہے کہ اللہ سے ڈرے اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ نہ کرے (اور سمجھ رکھے کہ) ہر گناہ شمار کر کے اس کے ذمے قائم رکھا جاتا ہے۔

نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن گناہوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے ان سے بھی بچو کیونکہ اللہ کی طرف سے ان کا مطالبہ کرنیوالا بھی (قیامت کے دن) ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا تم لوگ کچھ ایسے اعمال کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے زیادہ باریک اور حقیر ہوتے ہیں، اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کو ہلاکت انگیز گناہوں میں شمار کرتے تھے۔ امام احمد نے بھی صحیح سند سے ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور تیرا رب ظلم نہ کرے گا کسی پر ☆

اللہ کے کسی قسم کے ظلم کا کوئی تصور نہیں ہے:

حق تعالیٰ کی بارگاہ میں ظلم کا بایں معنی تو امکان ہی نہیں کہ وہ غیر کی ملک میں تصرف کرے کیونکہ تمام مخلوق اسی کی ملک ہے لیکن ظاہر میں جو ظلم نظر آئے اور بے موقع کام سمجھا جائے وہ بھی نہیں کرتا، نہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے نہ کسی کی ادنیٰ نیکی کو ضائع ہونے دیتا ہے۔ بلکہ اپنی حکمت بالغہ سے نیکی و بدی کے ہر ایک درخت پر وہ ہی پھل لگاتا ہے جو اس کی طبیعت نوعیہ کا اقتضاء ہو۔

گندم از گندم بروید جوز جو از مکافات عمل غافل مشو

کفر وایمان اور طاعت ومعصیت میں خالق الکل نے اسی طرح کے علیحدہ علیحدہ خواص وتاثیرات رکھ دی ہیں جیسے زہر اور تریاق میں۔ آخرت میں خیر وشر کے یہ تمام خواص وآثار علانیہ ظاہر ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

یعنی بن کیا کوئی گناہ نہیں لکھتا یا عمل کے موافق سزا میں اضافہ نہیں کرتا۔

قیامت کے دن تین پیشیاں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی، دو پیشیاں تو جھگڑنے اور اپنے اپنے عذر پیش کرنے کی ہوں گی اور تیسری پیشی وہ ہوگی کہ اعمالنامے اڑ کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائیں گے کوئی دائیں ہاتھ سے اعمالنامے کو لیگا کوئی بائیں ہاتھ سے۔ ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کے حوالہ سے موقوفاً بیان کی ہے۔ حکیم ترمذی نے کہا پہلی پیشی جھگڑے کے لئے ہوگی۔ یعنی بندے اپنے گناہوں سے بری ہونے کے لئے جھگڑے کریں گے وہ رب سے واقف نہیں ہوں گے اس لئے جھگڑے کریں گے اور خیال کریں گے کہ اس طرح ہم حجت پیش کرنے میں غالب ہو جائیں گے اور سزا سے بچ جائیں گے، دوسری پیشی میں اللہ کی طرف سے حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کے سامنے اتمام حجت کیا جائے گا اور دشمنوں کو عذاب دینے کی حقانیت ثابت ہو جائے گی اور اللہ ان کو دوزخ میں بھیج دے گا اور تیسری پیشی صرف مومنوں کی ہوگی جو ان کی مغفرت کے لئے ہوگی، البتہ تنہائی میں اللہ ان کو طلب کر کے کچھ زیادہ سرزنش کر دے گا مومن کو (اپنا گناہ دیکھ کر) بڑی شرم آئے گی اور خجالت کا مزہ چکھے گا پھر اللہ ان کو معاف کر دے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا۔

اعمالناموں کی تقسیم:

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمالنامے عرش کے نیچے جمع ہوتے ہیں جب میدان قیامت ہوگا اور لوگ کھڑے ہوں گے تو اللہ ایک ہوا بھیج دے گا جو اعمالناموں کو اڑا کر لائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ سب سے اول اعمالنامہ میں یہ تحریر ہوگی۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا جو شخص دنیا میں پڑھا نہ ہوگا وہ بھی اس وقت نامہ اعمال پڑھ لے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب کہا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۭ

مگر ابلیس تھا جن کی قسم سے سو نکل بھاگا اپنے رب کے حکم سے

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ

سو کیا اب تم ٹھہراتے ہو اس کو اور اس کی اولاد کو رفیق میرے سوائے اور وہ تمہارے دشمن ہیں

عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

برا ہاتھ لگا بے انصافوں کے بدلہ ☆

شیطان کا تکبر:

راجح یہ ہے کہ ابلیس نوع جن سے تھا عبادت میں ترقی کر کے گروہ ملائکہ میں شامل ہو گیا۔ اسی لئے فرشتوں کو جو حکم سجود ہوا اس کو بھی ہوا۔ اس وقت اس کی اصلی طبیعت رنگ لائی۔ تکبر کر کے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری سے بھاگ نکلا، آدم کے سامنے سر جھکانے میں کسر شان سمجھی۔ تعجب ہے کہ آج آدم کی اولاد اپنے رب کی جگہ اسی دشمن ازلی اور اس کی اولاد واتباع کو اپنا رفیق وخیر خواہ اور مددگار بنانا چاہتی ہے اس سے بڑھ کر بے انصافی اور ظلم کیا ہوگا، یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کا مقصد:

یہاں اس پر متنبہ کرنے کے لئے لائے ہیں کہ دنیائے فانی کی ٹیپ ٹاپ پر مغرور ہو کر آخرت سے غافل ہو جانا شیطان کی تحریک وتسویل سے ہے چاہتا ہے کہ ہم اپنے اصلی وآبائی وطن (جنت) میں واپس نہ جائیں۔ اس کا مطمح نظر یہ ہے کہ دوست بن کر ہم سے پرانی دشمنی نکالے۔ آدمی کو لازم ہے کہ ایسے چالاک دشمن سے ہوشیار رہے۔ جو لوگ دنیوی متاع پر مغرور ہو کر ضعفاء کو حقیر سمجھتے اور اپنے کو بہت لمبا کھینچتے ہیں، وہ تکبر وتفاخر میں شیطان لعین کی راہ پر چل رہے ہیں۔

تنبیہ: ابن کثیر نے بعض روایات نقل کر کے جن میں ابلیس کی اصل نوع

ملائکہ میں سے بتلائی گئی ہے لکھا ہے کہ ان روایات کا غالب حصہ اسرائیلیات میں سے ہے جنہیں بہت نظر وفکر کے بعد احتیاط کیساتھ قبول کرنا چاہیے اور ان میں بعض چیزیں تو یقیناً جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قرآن ان کی صاف تکذیب کرتا ہے۔ آگے ابن کثیر نے بہت وزن دار الفاظ میں اسرائیلیات کے متعلق جو کچھ کلام کیا ہے، دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے یہاں بخوف تطویل ہم درج نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

سجدہ آدم کے واقعہ کے تکرار کی حکمت:

قرآن مجید میں مختلف متعدد مقامات پر مختلف مقاصد کی تمہید کے طور پر فرشتوں کو آدم کے لئے سجدہ کرنے کا حکم اور ملائکہ کا سجدہ کرنا اور ابلیس کا انکار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ اس جگہ بھی خاص مقصد کے لئے اس واقعہ کا تذکرہ کیا (مال دنیا اور شرافت نسب اور عزت قومی پر) فخر کرنے والوں کی جب آیات مذکورہ بالا میں مذمت کی اور ان کی اس حرکت کو ناپسندیدہ قرار دیا تو اس کو پختہ کرنے کے لئے ابلیس کے انکار اور فرشتوں کی تعمیل امر کا تذکرہ کیا تا کہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کے حکم کے مقابلہ میں غرور کرنا ابلیس کی حرکت ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ پہلے ان لوگوں کا ذکر کیا جو دنیا کے شیفتہ اور فریفتہ ہیں اور اس فریب خوردگی کا سبب ہواء نفس اور اغواء ابلیسی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے دنیوی جمال ظاہری کی طرف سے ان کو نفرت دلائی۔ اور اس کی فنا پذیری و ناپائیداری کی طرف اشارہ کر کے اعمال صالحہ کی پائیداری و بقاء کو ظاہر فرمایا پھر قدیمی دشمنی کا ذکر کر کے شیطان کے اغوا سے بچنے کی در پردہ ہدایت کی۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سجدہ ملائکہ اور انکار ابلیس کا بار بار تذکرہ اسی حکمت کا حامل ہے۔

شیطان کی بیوی ہے:

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے شعبی کا بیان نقل کیا، شعبی نے کہا میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا ایک قلی آیا اور اس نے مجھ سے دریافت کیا۔ کیا ابلیس کی بیوی ہے، میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں لیکن پھر مجھے یاد آیا کہ اللہ نے فرمایا ہے أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ اور اولاد بغیر بی بی کے ہو نہیں سکتی (کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ، اللہ کے اولاد کہاں سے ہوسکتی ہے جب کہ اس کی بی بی نہیں ہے (مفسر رحمہ اللہ) یہ یاد آنے کے بعد میں نے کہہ دیا ہاں (ابلیس کی بی بی ہے)۔

شیطانوں میں توالد وتناسل:

قتادہ نے کہا شیاطین میں آدمیوں کی طرح توالد وتناسل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا کہ ابلیس خود اپنی دم اپنے دبر میں داخل کر لیتا ہے اس سے انڈا پیدا ہوجاتا ہے اور ایک انڈا پھٹ کر شیطانوں کی ایک جماعت نکل پڑتی ہے۔

شیطان کی اولاد اور ان کے کام:

مجاہد نے کہا ابلیس کی اولاد میں سے مندرجہ ذیل شیطان ہیں۔ لاقیس۔ ولہان۔ ہفاف، مرہ، ذلنبور، اعور، مطوس، ثبور، داسم، ولہان وضو، غسل اور نماز میں وسوسہ پیدا کرتا ہے۔ مرہ ہی کے نام سے ابلیس کی کنیت ابومرہ مشہور ہے۔ ذلنبور بازاروں میں جھوٹی قسمیں کھلواتا اور صاحب مال سے مال کی جھوٹی تعریف کراتا ہے۔ اعور زنا پر آمادہ کرنے والا شیطان ہے۔ مرد کے عضو تناسل اور عورت کے سرینوں میں پھونک مار دیتا ہے۔ مطوس جھوٹی بے اصل افواہیں لوگوں میں پھیلاتا ہے۔ ثبور مردہ کے وارثوں کو منہ پیٹنے اور گریبان پھاڑنے پر آمادہ کرتا ہے۔ داسم وہ شیطان ہے کہ آدمی جب گھر میں جاتا ہے اور کسی کو سلام نہیں کرتا اور اللہ کا ذکر بھی نہیں کرتا تو یہ شیطان اس آدمی کو گھر کی ہر چیز بے محل رکھی ہوئی دکھاتا ہے (جس سے آدمی کو غصہ آجاتا ہے اور وہ گھر والوں کو سخت سست کہنے لگتا ہے) اور بغیر بسم اللہ کئے آدمی کھانے لگتا ہے تو داسم بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجاتا ہے۔ اعمش نے کہا بعض اوقات میں بغیر بسم اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور اندر جا کر کسی کو سلام بھی نہیں کیا تو مجھے (بے جگہ رکھا ہوا) لوٹا نظر آیا، میں نے کہا اس کو یہاں سے اٹھاؤ پھر گھر والوں سے جھگڑا کرنے لگا لیکن پھر مجھے یاد آگیا اور میں نے کہا یہ داسم ہے، داسم ہے۔

وضو میں بہکانے والا شیطان:

حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو (میں بہکانے والا) ایک شیطان ہے جس کو ولہان کہا جاتا ہے تم لوگ پانی (کے استعمال) کے وسوسے سے بچتے رہو۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اہل حدیث کی نظر میں اس کی سند قوی نہیں ہے، خارجہ بن مصعب راوی ضعیف ہے۔

نماز میں وسوسہ ڈالنے والا شیطان:

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیطان میرے اور میری نماز وقرأت کے درمیان دخل انداز ہوجاتا ہے اور نماز کو مشتبہ بنا دیتا ہے (مجھے یاد نہیں رہتا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں) فرمایا یہ شیطان ہے جس کو خنزب کہا جاتا ہے جب تم ایسا محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو (یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو) اور بائیں طرف کو تین بار تھتکار دو۔ حضرت عثمان کا بیان ہے میں نے اس کے بعد ایسا ہی کیا اور اللہ نے اس کو مجھ سے دور کر دیا۔ رواہ مسلم۔

میاں بیوی میں جھگڑا:

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلیس

اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے پھر وہاں سے اپنے دستوں کو (اطراف عالم میں) روانہ کرتا ہے۔ ابلیس کا سب سے بڑا مقرب وہی ہوتا ہے جو سب سے زیادہ فتنہ انگیز ہو۔ کوئی آ کر کہتا ہے میں نے یہ یہ کام کئے ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا پھر ایک شیطان آتا ہے اور کہتا ہے میں نے میاں بی بی میں علیحدگی کرادی۔ ابلیس کہتا ہے تو نے اچھا کام کیا پھر اس کو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔ اعمش کا بیان ہے میرا خیال ہے راوی نے یہ بھی کہا پھر ابلیس اس کو چمٹالیتا ہے۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کا اپنی عبادت پر گھمنڈ:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ابلیس شریف فرشتوں میں سے تھا اور بزرگ قبیلے کا تھا، جنتوں کا داروغہ تھا آسمان دنیا کا بادشاہ تھا زمین کا بھی سلطان تھا۔ اس سے کچھ اس کے دل میں گھمنڈ آ گیا تھا کہ وہ تمام اہل آسمان سے شریف ہے۔ وہ گھمنڈ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو تھا پس اس کے اظہار کے لئے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا تو اس کا گھمنڈ ظاہر ہو گیا۔ بربنائے تکبر صاف انکار کر دیا اور کافروں میں جاملا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ جن تھا یعنی جنت کا خازن تھا۔ جیسے لوگوں کو شہروں کی طرف نسبت کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں مکی، مدنی، بصری، کوفی، یہ جنت کا خازن آسمان دنیا کے کاموں کا مدبر تھا۔ یہاں کے فرشتوں کا رئیس تھا۔ اس معصیت سے پہلے وہ ملائکہ میں داخل تھا لیکن رہتا تھا زمین پر۔ سب فرشتوں سے زیادہ کوشش سے عبادت کرنے والا اور سب سے زیادہ علم والا تھا اسی وجہ سے پھول گیا تھا اس کے قبیلے کا نام جن تھا۔ آسمان وزمین کے درمیان آمد ورفت۔

متکبر سے توبہ کی امید نہیں:

رب کی نافرمانی سے غضب میں آ گیا اور شیطان رجیم بن گیا اور ملعون ہو گیا۔ پس متکبر شخص سے توبہ کی امید نہیں ہو سکتی۔ ہاں تکبر نہ ہو اور کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ابلیس کی اولاد اور ذریت بھی ہے:

وذریتہ اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے کہ شیطان کے اولاد وذریت ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس جگہ ذریت سے مراد معین ومددگار ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ شیطان کی صلبی اولاد بھی ہو۔ مگر ایک صحیح حدیث جس کو حمیدی نے کتاب الجمع بین الصحیحین میں حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم ان لوگوں میں سے نہ بنو جو سب سے پہلے بازار میں داخل ہو جاتے ہیں یا وہ لوگ جو سب سے آخر میں بازار سے نکلتے ہیں کیونکہ بازار ایسی جگہ ہے جہاں شیطان نے انڈے بچے دے رکھے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی ذریت اس کے انڈوں سے پھیلتی ہے۔ قرطبی نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ شیطان کے مددگار اور لشکر ہونا تو قطعی دلائل سے ثابت ہے اولاد صلبی ہونے کے متعلق بھی ایک صحیح حدیث اوپر گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ

دکھلا نہیں لیا تھا میں نے ان کو بنانا آسمان اور زمین کا اور نہ بنانا

اَنْفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

خود ان کا اور میں وہ نہیں کہ بناؤں بہکانے والوں کو اپنا مددگار ☆

اللہ کے نظام میں شیطان کا کوئی حصہ نہیں ہے:

یعنی زمین وآسمان پیدا کرتے وقت ہم نے ان شیاطین کو بلایا نہ تھا کہ ذرا آ کر دیکھ جائیں، ٹھیک بنا ہے یا کچھ اونچ نیچ رہ گئی۔ غرض نہ ان سے تکوین وایجاد عالم میں کچھ مشورہ لیا گیا، نہ مدد طلب کی گئی۔ بلکہ زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت تو سرے سے یہ موجود ہی نہ تھے۔ خود ان کو پیدا کرتے وقت بھی نہیں پوچھا گیا کہ تمہیں کیسا بنایا جائے۔ یا تمہارے دوسرے ہم جنسوں کو کس طرح پیدا کروں ذرا آ کر میری مدد کرو۔ اور بفرض محال مدد بھی لیتا اور قوت بازو بھی بناتا تو کیا ان بدبخت اشقیاء کو؟ جنہیں جانتا ہوں کہ لوگوں کو میری راہ سے بہکانے والے ہیں۔ پھر خدا جانے آدمیوں نے ان کو خدائی کا درجہ کیسے دیدیا اور اپنے رب کو چھوڑ کر انہیں کیوں رفیق ومددگار بنانے لگے۔ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ (تفسیر عثمانی)

عبادت کا استحقاق:

مقصد یہ ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنے میں میں نے ان سے مدد نہیں لی کہ وہ عبادت واطاعت کے مستحق ہو جائیں۔ عبادت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور عبادت میں شرک کا معنی یہ ہے کہ خالقیت میں شرکت ہو اور خالقیت میں اللہ کے ساتھ کسی کی شرکت نہیں تو معبودیت میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ

اور جس دن فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو ☆

یعنی جن کو میرا شریک بنا رکھا تھا، بلاؤ! تا کہ اس مصیبت کے وقت تمہاری مدد کریں۔

الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

جن کو تم مانتے تھے پھر پکاریں گے سو وہ جواب نہ دیں گے

لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

ان کو اور کر دیں گے ہم ان کے اور ان کے بیچ مرنے کی جگہ ☆

جھوٹے عابد و معبود کی رفاقت کوئی فائدہ نہ دے گی:

اس وقت رفاقت اور دوستی کی ساری قلعی کھل جائیگی۔ ایک دوسرے کے نزدیک بھی نہ جاسکیں گے۔ کام آنا تو در کنار دونوں کے بیچ میں عظیم و وسیع خندق آگ کی حائل ہوگی (اعاذنا اللہ منہا) (تفسیر عثانی)

موبقاً ہلاکت کا مقام۔ اوبقہ اس کو ہلاک کردیا۔ عطاء اور ضحاک نے یہی ترجمہ کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا موبق دوزخ کی ایک وادی کا نام ہے۔ مجاہد نے کہا گرم پانی کی ایک وادی ہے۔ عکرمہؒ نے کہا موبق آگ کا دریا ہے جس میں آگ بہتی ہے اس کے کناروں پر سیاہ خچروں کے برابر سانپ ہیں، ابن الاعرابی نے کہا دو چیزوں کے درمیان جو چیز آڑ اور حاجب ہو اس کو موبق کہتے ہیں۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا
اور دیکھیں گے گنہگار آگ کو پھر سمجھ لیں گے کہ ان کو پڑنا ہے اس میں
وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا
اور نہ بدل سکیں گے اس سے رستہ ☆

کافروں کی سب امیدیں ختم:

یعنی شروع شروع میں شاید کچھ معافی کی امید ہوگی لیکن جہنم کو دیکھتے ہی یقین ہوجائیگا کہ اب اس میں گرنا ہے اور فرار کا کوئی راستہ نہیں۔ (تفسیر عثانی)

اَلْمُجْرِمُوْنَ سے مراد ہیں مشرک۔ فَظَنُّوْٓا یعنی وہ یقین کرلیں گے۔ مُّوَاقِعُوْهَا، یعنی اس کے اندر گرنے والے ہیں، امام احمد نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا کی تشریح میں فرمایا کافر کو پچاس ہزار برس کے بقدر (یعنی قیامت کے سارے دن) کھڑا رکھا جائے گا۔ جیسے کہ دنیا میں اس نے کچھ کیا ہی نہ تھا اور وہ جہنم کو دیکھتا رہے گا اور چالیس برس کی مسافت سے بھی یہی خیال کرے گا کہ میں دوزخ میں گرا جارہا ہوں۔ مصرفا یا مصدر ہے لوٹنا، واپس ہونا یا اسم ظرف ہے یعنی کوئی ایسا مقام جس کی طرف وہ لوٹ سکیں (اور دوزخ سے بچ جائیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ
اور بیشک پھیر پھیر کر سمجھائی ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو ہر
كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا
ایک مثل اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو ☆

انسان کی جھگڑالو طبیعت:

یعنی قرآن کریم کس طرح مختلف عنوانات اور قسم قسم کی دلائل و امثلہ سے کچی باتیں سمجھاتا ہے مگر انسان کچھ ایسا جھگڑالو واقع ہوا ہے کہ صاف اور سیدھی باتوں میں بھی کٹ حجتی کیے بغیر نہیں رہتا۔ جب دلائل کا جواب بن نہیں پڑتا تو مہمل اور دور از کار فرمائشیں شروع کردیتا ہے کہ فلاں چیز دکھاؤ تو مانوں گا۔ (تفسیر عثانی)

حضرت علیؓ کا بیان ہے ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور اپنی صاحبزادی کے پاس آپہنچے اور فرمایا تم دونوں رات کو نماز نہیں پڑھتے ہو (یعنی تہجد کی نماز یا نفل نماز) میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانیں اللہ کے قبضہ میں ہیں۔ وہ جب ہم کو اٹھانا چاہتا ہے ہم کو اٹھا دیتا ہے۔ میری اس گزارش کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور پشت پھیری ہی تھی کہ میں نے سنا کہ ران پر ہاتھ مار کر فرمارہے تھے، وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ جھگڑالو انسان واقع ہوا ہے اس کی شہادت میں ایک حدیث حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ایک شخص کفار میں سے پیش کیا جائے گا اس سے سوال ہوگا کہ ہم نے جو رسول بھیجا تھا ان کے متعلق تمہارا کیا عمل رہا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو آپ پر بھی ایمان لایا آپ کے رسول پر بھی، اور عمل میں ان کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ تیرا اعمال نامہ سامنے رکھا ہے اس میں تو یہ کچھ بھی نہیں، یہ شخص کہے گا کہ میں تو اس اعمال نامہ کو نہیں مانتا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ ہمارے فرشتے تو تمہاری نگرانی کرتے تھے وہ تیرے خلاف گواہی دیتے ہیں، یہ کہے گا کہ میں ان کی شہادت کو بھی نہیں مانتا۔ اور نہ ان کو پہچانتا ہوں، نہ میں نے ان کو اپنے عمل کے وقت دیکھا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو یہ لوح محفوظ سامنے ہے۔ اس میں بھی تیرا یہی حال لکھا ہے وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! آپ نے مجھے ظلم سے پناہ دی ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، بیشک ظلم سے تو ہماری پناہ میں ہے، تو اب وہ کہے گا کہ میرے پروردگار میں ایسی غیبی شہادتوں کو کیسے مانوں جو میری دیکھی بھالی نہیں، میں تو ایسی شہادت کو مان سکتا ہوں جو میرے نفس کی طرف سے ہو۔ اس وقت اس کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کفر و شرک پر گواہی دیں گے اس کے بعد اس کو آزاد کردیا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا (اس روایت کا مضمون صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے منقول ہے، (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

انسان کی کج بحثیاں

انسان سے جب ایسی ذات کے بارہ میں سوال کیا جائے جس نے اس غیر محدود لا متناہی کائنات کو جامۂ وجود بخشا تو اول تو اس کے وجود کے اعتراف سے اُس کی زبان گونگی ہوجاتی ہے ذہن و دماغ کے دریچے بند ہونے لگتے ہیں

اور اگر اعتراف کرتا بھی ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ بھی اسی کا ہم جنس اور اسی کا برادری کا ہو کبھی اس کے لئے بیوی بچے تجویز کرتا ہے اور کبھی خود اپنا سلسلہ نسب اس سے جوڑتا ہے اور اگر پرواز فکر انسانی علائق کی پستی سے بلند ہو تو پھر قیاس وتشبیہ کی الجھنیں اس کے پر نوچ لیتی ہیں اور وہ اس ذات ازلی وابدی بے چون وچرا کو خود اپنے فانی وجود پر قیاس کرنے لگتا ہے اور بحث و مباحثہ کے وہ معرکے برپا کرتا ہے کہ عالم وجود کا ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ کَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا (سورہ کہف) (افادات مدنیؒ)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی

اور لوگوں کو جو روکا اس بات سے کہ یقین لے آئیں جب پہنچی ان کو ہدایت

وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ

اور گناہ بخشوائیں اپنے رب سے سو اسی انتظار نے کہ پہنچے ان پر رسم

الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

پہلوں کی یا آ کھڑا ہو ان پر عذاب سامنے کا ☆

لوگوں کا انکارِ حق اب ہلاکت کو دعوت دے رہا ہے:

یعنی ان کے ضد وعناد کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن ایسی عظیم الشان ہدایت پہنچ جانے کے بعد ایمان نہ لانے اور توبہ نہ کرنے کا کوئی معقول عذر ان کے پاس باقی نہیں۔ آخر قبول حق میں اب کیا دیر ہے اور کا ہے کا انتظار ہے۔ بجز اس کے کہ پہلی قوموں کی طرح خدا تعالیٰ ان کو بکلی تباہ کر ڈالے۔ یا اگر تباہ نہ کئے جائیں تو کم از کم مختلف صورتوں میں عذاب الٰہی آنکھوں کے سامنے آ کھڑا ہو۔ هٰكذا فهم من تفسیر ابن کثیر وغیرہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کچھ اور انتظار نہیں رہا مگر یہ ہی کہ پہلوں کی طرح ہلاک ہو ویں یا قیامت کا عذاب آنکھوں سے دیکھیں"۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ

اور ہم جو رسول بھیجتے ہیں سو خوشخبری اور ڈر سنانے کو ☆

ان کو یہ اختیار نہیں کہ جب تم مانگو یا جب وہ چاہیں عذاب لا کھڑا کریں۔

وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ

اور جھگڑا کرتے ہیں کافر جھوٹا جھگڑا

لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

کہ ٹلا دیں اس سے سچی بات کو ☆

کافروں کی کٹ حجتی:

یعنی جھوٹے جھگڑے اٹھا کر اور کٹ حجتی کر کے چاہتے ہیں کہ حق کی آواز پست کر دیں اور جھوٹ کے زور سے سچائی کا قدم ڈگمگا دیں۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

اور ٹھہرا لیا انہوں نے میرے کلام کو اور جو ڈر سنائے گئے ٹھٹھا ☆

یعنی کلام اللہ سے ٹھٹھا کرتے ہیں اور جس عذاب سے ڈرایا جاتا ہے اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ

اور اس سے زیادہ ظالم کون جس کو سمجھایا اس کے رب کے کلام سے

فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ

پھر منہ پھیر لیا اس کی طرف سے اور بھول گیا جو کچھ آگے بھیج چکے ہیں اس کے ہاتھ ☆

غفلت کی انتہاء:

یعنی کبھی بھول کر بھی خیال نہ آیا کہ تکذیب حق اور استہزاء وتمسخر کا جو ذخیرہ آگے بھیج رہا ہے اس کی سزا کیا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَکِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ

ہم نے ڈال دیئے ہیں ان کے دلوں پر پردے کہ اس کو نہ سمجھیں

وَفِیْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَی الْهُدٰی

اور ان کے کانوں میں ہے بوجھ اور اگر تو ان کو بلائے راہ پر

فَلَنْ یَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

تو ہرگز نہ آئیں راہ پر اس وقت کبھی ☆

مسخ فطرت:

یعنی ان کے جدال بالباطل اور استہزاء بالحق کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کانوں میں ڈاٹ ٹھونک دی۔ اب نہ حق کو سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں بالکل مسخ ہو گئے۔ پھر حق کی طرف متوجہ ہوں تو کیسے ہوں اور انجام کا خیال کریں تو کیسے کریں۔ ایسے بدبختوں کے راہ پر آنے کی کبھی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

انا جعلنا الخ نہ منہ موڑنے اور بھولنے کی علت وسبب کا بیان ہے کہ ان کے دلوں پر کفر کی تاریکیوں کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں ان کی تخلیق ہی کفر پر ہوئی ہے۔ ان یفقھوہ آیات رب کو سمجھنے سے کفر کے پردے ڈال دیئے گئے ہیں، یعنی تاریکی کے پردے ڈالنے کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ نہیں پاتے سمجھ نہیں سکتے۔ آیات رب سے مراد چونکہ قرآن ہے۔ اس لئے ہ، ضمیر واحد مذکر غائب ذکر کی۔ (تفسیر مظہری)

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ

اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے رحمت والا اگر ان کو پکڑے

بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ

ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب ☆

رحمتِ الٰہی کی وجہ سے عذاب مؤخر ہے:

یعنی کرتوت تو ان کے ایسے کہ عذاب پہنچنے میں ایک گھنٹہ کی تاخیر نہ ہو، مگر حق تعالیٰ کا حلم وکرم فوراً تباہ کر ڈالنے سے مانع ہے۔ اپنی رحمت عامہ سے خاص حد تک درگزر فرماتا ہے اور سخت سے سخت مجرم کو موقع دیتا ہے کہ چاہے تو اب بھی توبہ کر کے پچھلی خطائیں بخشوالے۔ اور ایمان لا کر رحمت عظیمہ کا مستحق بن جائے۔

بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ۝

پر ان کیلئے ایک وعدہ ہے کہیں نہ پائیں گے اس سے درے سرک جانے کو جگہ ☆

عذاب کا وقت مقرر ہے:

یعنی یہ تاخیر عذاب ایک وقت معین تک ہے یہ ممکن نہیں کہ کوئی مجرم سزا کا وعدہ آنے سے پیشتر کہیں ادھر ادھر کھسک جائے، جب وقت آئے گا سب بندھے چلے آئیں گے، مجال نہیں کوئی روپوش ہو سکے۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

اور یہ سب بستیاں ہیں جن کو ہم نے غارت کیا جب وہ ظالم ہو گئے اور مقرر کیا تھا

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ ع

ہم نے ان کی ہلاکت کا ایک وعدہ ☆

عاد وثمود کیسے ہلاک ہو گئے؟

یعنی عاد وثمود کی بستیاں جن کے واقعات مشہور ومعروف ہیں۔ دیکھ لو جب ظلم کئے کس طرح اپنے وقت معین پر تباہ وبرباد کر دی گئیں۔ اسی طرح تم کو ڈرتے رہنا چاہیے کہ وقت آنے پر عذاب الٰہی سے کہیں پناہ نہ ملے گی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝

جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلا جاؤں قرنوں ☆

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصہ:

اوپر ذکر ہوا تھا کہ مغرور کافر مفلس مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ان کو پاس نہ بٹھائیں تو ہم بیٹھیں۔ اسی پر دو شخصوں کی کہاوت سنائی، پھر دنیا کی مثال اور ابلیس کا کبر وغرور سے خراب ہونا بیان کیا۔ اب موسیٰؑ اور خضرؑ کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ والے اگر سب سے افضل اور بہتر بھی ہوں تو آپ کو بہتر نہیں کہتے اور کبھی بھول چوک سے کہہ گزریں تو حق تعالیٰ کی طرف سے تادیب وتنبیہ کی جاتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو نہایت موثر اور بیش بہا نصیحتیں فرمار ہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا، اے موسیٰ! کیا روئے زمین پر آپ اپنے سے بڑا عالم کسی کو پاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ جواب واقع میں صحیح تھا۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کے زمانہ میں اسرار شرعیہ کا علم ان سے زیادہ کس کو ہو سکتا تھا۔ لیکن حق تعالیٰ کو ان کے الفاظ پسند نہ آئے گو مراد صحیح تھی۔ تاہم عنوان جواب کے عموم سے ظاہر ہوتا تھا کہ روئے زمین پر من کل الوجوہ اپنے کو اعلم الناس خیال کرتے ہیں۔ خدا کی مرضی یہ تھی کہ جواب کو اس کے علم محیط پر محول کرتے۔ مثلاً یہ کہتے کہ اللہ کے مقرب ومقبول بندے بہت سے ہیں، سب کی خبر اسی کو ہے۔ تب وحی آئی کہ جس جگہ دو دریا ملے ہیں اس کے پاس ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے (دو دریا سے کون سے دریا مراد ہیں؟ بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم لیکن یہ دونوں ملتے نہیں۔ شاید ملاپ سے مراد قرب ہو گا یعنی جہاں دونوں کا فاصلہ کم سے کم رہ جائے۔ بعض افریقہ کے دو دریا مراد لیتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک "مجمع البحرین" وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر دجلہ اور فرات خلیج فارس میں گرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی کہ مجھے اس کا پورا پتہ نشان بتایا جائے تا میں وہاں جا کر کچھ علمی استفادہ کروں۔ حکم ہوا کہ اس کی تلاش میں نکلو تو ایک مچھلی تل کر ساتھ رکھ لو، جہاں مچھلی گم ہو وہیں سمجھنا کہ وہ بندہ موجود ہے۔ گویا "مجمع البحرین" سے جو ایک وسیع قطعہ مراد ہو سکتا تھا اس کی پوری تعیین کے لئے یہ علامت مقرر فرما دی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسی ہدایت کے موافق اپنے خادم خاص حضرت یوشع کو ہمراہ لیکر سفر شروع کر دیا۔ اور یوشع کو کہہ دیا کہ مچھلی کا خیال رکھنا۔ میں برابر سفر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جاؤں اگر فرض کرو برس اور قرن بھی گزر جائیں گے بدون مقصد حاصل کئے سفر سے نہ ہٹوں گا۔

حضرت یوشع علیہ السلام:

(تنبیہ): جوان سے مراد حضرت یوشع ہیں جو ابتداء موسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص تھے پھر ان کے روبرو پیغمبر اور ان کے بعد خلیفہ ہوئے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت موسیٰؑ کے باپ کا نام عمران تھا، صحیح حدیث میں یہی آیا ہے، فتیٰ سے مراد ہیں یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام (حضرت مفسرؒ نے فرمایا) میں کہتا ہوں شاید یوشع کے باپ نون، افرائیم کی نسل میں سے تھے، (بیٹے نہیں تھے) کیونکہ افرائیم کا زمانہ نون کے زمانہ سے بہت پہلے تھا۔ لاابرح یعنی برابر مسلسل چلتا رہوں گا۔

مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ، دو سمندروں کا سنگم یعنی مشرقی جانب خلیج فارس و بحر روم کا سنگم (قتادہ) محمد بن کعب نے کہا اس سے مراد طنجہ ہے حضرت ابی بن کعب کے نزدیک افریقیہ مراد ہے۔

اَوْاَمْضِيَ حُقُبًا یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ حقبا، یعنی طویل زمانہ تک قاموس میں ہے حقب اسی سال یا اس سے زیادہ کی مدت۔ زمانہ طویل۔ سال، بہت سال۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے حقب طویل زمانہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، حقب اسی سال۔ بعض کے نزدیک ستر سال کو ایک حقب کہتے ہیں۔

سب سے بڑا عالم:

بخاری اور مسلم نے لکھا ہے سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا نوف بکالی کا خیال ہے کہ خضر والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہ تھے (دونوں الگ الگ تھے) فرمایا دشمن خدا جھوٹ کہتا ہے ہم سے ابی بن کعب نے بیان کیا کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ (ایک روز) موسیٰ بنی اسرائیل کے سامنے تقریر کرنے کھڑے ہوئے کسی نے سوال کرلیا (آج) سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا، میں، اللہ کو موسیٰ کی یہ بات ناپسند ہوئی، کیونکہ انہوں نے اللہ کی طرف جاننے کی نسبت نہیں کی (اور یوں نہیں کہا کہ اللہ جانے کون سب سے بڑا عالم ہے) اللہ نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام تم سے زیادہ عالم میرا ایک اور بندہ ہے جو دو سمندروں کے سنگم میں ہے۔

بڑے عالم سے ملاقات کا سفر:

موسیٰ نے عرض کیا میرے رب اس سے میری ملاقات کیسے ہوگی۔ اللہ نے فرمایا، ایک ٹوکری میں اپنے ساتھ ایک مچھلی رکھ لو (اور کنارے کنارے چل دو) جہاں مچھلی (اچھل کر پانی میں چلی جائے اور) غائب ہو جائے وہیں تمہاری ملاقات ہوگی موسیٰ توشہ دان یا ٹوکری میں ایک مچھلی (جو بھنی ہوئی تھی) لے کر چل دیئے اور ان کے خادم یوشع بن نون بھی ساتھ ہو گئے۔ چلتے چلتے ایک پتھر کے قریب پہنچے وہاں ٹھہر گئے اور پتھر پر سر رکھ کر دونوں سو گئے۔ مچھلی تڑپ کر ٹوکری سے نکل کر دریا میں جا گری اور پانی کے اندر اس نے اپنا راستہ (سرنگ کی طرح) بنالیا۔ اللہ نے پانی کی رفتار کو روک دیا اور پانی کی محراب بن گئی (اس واقعہ کے وقت یوشع بیدار تھے اور ان کی نظر کے سامنے مچھلی سمندر میں جا گری تھی) موسیٰ بیدار ہوئے تو دن کے باقی حصہ میں بھی چلتے رہے (یعنی سو کر اٹھے اور پھر چل دیئے اور شام تک چلتے رہے) یوشع اس واقعہ کا حضرت موسیٰ سے ذکر کرنا بھول گئے۔ موسیٰ دن بھر چلتے رہے اور رات بھر بھی چلتے رہے دوسرے دن کی صبح ہوئی تو یوشع سے کہا ہم اس سفر سے تھک گئے کھانا لاؤ، جب تک موسیٰ مچھلی کے تڑپنے کے مقررہ مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے، آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی جب اس جگہ سے آگے بڑھے تو تھکان کا احساس ہوا۔ یوشع نے کہا حضرت جب ہم پتھر کے پاس ٹھہرے تھے (وہاں مچھلی تڑپ کر سمندر میں جا گری تھی) میں آپ سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گیا۔ شیطان نے مجھے بھلا دیا۔ مچھلی نے تو سمندر کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ لے لیا تھا، موسیٰ نے کہا اسی (جگہ) کی تو ہم تلاش میں تھے پھر دونوں اپنے نقش قدم پر لوٹ پڑے، یہاں تک کہ مقررہ پتھر کے مقام پر آ گئے۔

حضرت خضرؑ سے ملاقات:

وہاں ایک آدمی ملا جو کپڑے سے منہ چھپائے ہوئے تھا، موسیٰ نے اس کو سلام کیا۔ خضرؑ نے کہا تمہاری اس زمین میں سلام کا طریقہ کہاں ہے۔ موسیٰ نے کہا میں موسیٰ ہوں۔ خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ موسیٰ نے کہا جی ہاں۔ میں آپ کے پاس اس غرض سے آیا ہوں کہ جو علم آپ کو دیا گیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی بتائیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ کا علم:

خضرؑ نے کہا موسیٰ آپ میرے ساتھ ٹھہر نہ سکیں گے۔ مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم دیا گیا ہے جس سے آپ واقف نہیں اور جو علم اللہ نے آپ کو دیا ہے اس سے میں واقف نہیں۔ موسیٰ نے کہا ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے میں آپ کے حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ خضرؑ نے کہا اگر آپ میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہیں تو جب تک میں خود بیان نہ کروں آپ مجھ سے (کسی پیش آنے والے واقعہ کے متعلق) کچھ دریافت نہ کریں۔ عہد و پیمان کے بعد دونوں چل دیئے۔

کشتی کا تختہ توڑ دیا:

چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے ادھر سے ایک کشتی آ رہی۔ کشتی والوں

سے ان بزرگوں نے سوار کر لینے کے لئے کہا، کشتی والے خضر کو پہچانتے تھے، انہوں نے بغیر کرایہ کے دونوں کو سوار کر لیا۔ سوار ہو گئے (اور چل دیئے تو اثناء راہ میں) اچانک موسیٰ نے دیکھا کہ خضر بسولے سے کشتی کا ایک تختہ توڑ رہے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا سوال:

کہنے لگے آپ یہ عجیب حرکت کر رہے ہیں ان لوگوں نے تو ہم کو بغیر کرایہ کے سوار کر لیا اور آپ ان کی کشتی کو پھاڑ رہے ہیں کہ سب کشتی والے ڈوب جائیں۔

حضرت خضرؑ کا جواب:

خضر نے کہا کیا میں نے پہلے ہی نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے، موسیٰ نے کہا میں بھول گیا تھا آپ بھول چوک پر میری پکڑ نہ کیجئے اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی اور دشواری نہ ڈالیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، موسیٰ سے پہلی حرکت بھول کر ہوئی تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً بالارادہ۔

اللہ تعالیٰ کے علم سے موازنہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور چونچ ڈال کر دریا سے اس نے پانی لیا۔ خضر نے موسیٰ سے کہا، میرا اور آپ کا علم علم خدا کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نہیں جتنا اس چڑیا نے چونچ سے سمندر کا پانی لیا۔ اس چڑیا نے چونچ میں پانی لے کر سمندر کے پانی میں کوئی کمی نہیں کر دی۔ (میرا اور آپ کا علم بھی اللہ کے علم کے بحرِ بےکراں میں کوئی کمی نہیں کر سکتا)

حضرت خضرؑ نے لڑکے کو قتل کر دیا:

پھر (کشتی سے اتر کر) دونوں چل دیئے خضرؑ کو راستہ میں ایک لڑکا نظر آیا جو لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ خضر نے اس کو پکڑ کر اس کا سر اپنے ہاتھ سے اکھاڑ دیا اور قتل کر دیا۔

موسیٰؑ کا اعتراض:

موسیٰ نے کہا آپ نے یہ بری حرکت کی ایک معصوم کو بے قصور قتل کر دیا۔ خضرؑ نے کہا، کیا میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رک نہیں سکیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خضرؑ کی یہ حرکت پہلی حرکت سے زیادہ سخت تھی، (اس لئے موسیٰ نے بیتاب ہو کر دریافت کر ہی لیا) موسیٰ نے کہا اگر اس کے بعد میں آپ سے کچھ پوچھوں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، آپ کے لئے میری طرف سے معذرت کا کوئی موقع نہیں رہے گا۔ اس کے بعد پھر دونوں چل دیئے ایک گاؤں میں پہنچے،

بستی والوں کی دیوار بنادی:

بستی والوں سے کھانا مانگا، انہوں نے کچھ کھانے کو نہیں دیا وہاں ایک دیوار نظر آئی جو گرنے ہی والی تھی، خضرؑ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے اس کو ٹھیک کر دیا۔

حضرت موسیٰؑ کا اعتراض:

موسیٰ نے کہا ہم اس بستی میں آئے بستی والوں سے کھانا مانگا کسی نے کھانا نہیں دیا نہ ہماری میزبانی کی (اور آپ نے ان کی دیوار ٹھیک کر دی) اگر آپ چاہتے تو اس کی مزدوری ان سے لے سکتے تھے۔

فراق فیصلہ اور خضرؑ کے عمل کی حکمتیں:

خضرؑ نے کہا اب میرے اور آپ کے درمیان فراق ہے (اسکے بعد اپنی تینوں حرکتوں کی مصلحت و حکمت بیان کی) اور کہا یہ ان باتوں کی تشریح ہے جن کو پوچھے بغیر آپ رہ نہ سکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش موسیٰ صبر کئے رہتے (اور آئندہ اور واقعات ظہور پذیر ہوتے) یہاں تک کہ اللہ ہم کو ان کی تفصیل سے آگاہ فرماتا۔

سب سے پیارا، سب اچھا حاکم اور سب سے بڑا عالم:

ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنے رب سے دریافت کیا (اے اللہ) تجھے اپنے بندوں میں کون بندہ سب سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ نے فرمایا (مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے) جو مجھے یاد رکھتا ہے اور بھولتا نہیں ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا سب سے اچھا حاکم تیرے بندوں میں کون ہے۔ اللہ نے فرمایا جو نفسانی میلان پر نہیں چلتا، حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے موسیٰ نے عرض کیا تیرے بندوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے فرمایا جو اپنے علم کے ساتھ دوسرے لوگوں کا علم بھی ملا لیتا ہے (یعنی اپنے علم میں دوسروں سے پوچھ کر یا دوسروں سے سیکھ کر اضافہ کر لیتا ہے) اس غرض سے کہ شاید اس کو کوئی بات ایسی معلوم ہو جو ہدایت کا راستہ بتادے اور ہلاکت (کے راستہ) سے موڑ دے ہموسیٰ نے کہا تیرے بندوں میں اگر کوئی مجھ سے زیادہ جاننے والا ہو تو مجھے اس کا پتہ اور راستہ بتادے، اللہ نے فرمایا، تجھ سے زیادہ عالم خضر ہے، موسیٰ نے کہا، میں خضر کو کہاں تلاش کروں، اللہ نے فرمایا پتھر کے قریب سمندر کے کنارے پر۔ موسیٰ نے کہا، مجھے اس کا نشان کیسے معلوم ہوگا، اللہ نے فرمایا ایک مچھلی لے کر (بھون کر) ٹوکری میں رکھ لے جہاں وہ مچھلی کھو جائے اسی جگہ خضر ملے گا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا، جس جگہ مچھلی کھو جائے مجھے بتا دینا، اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ان کا خادم دونوں چل دیئے۔ (تفسیر مظہری)

دو دریاؤں کا سنگم:

مجمع البحرین کے لفظی معنی ہر وہ جگہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں، اس جگہ مجمع البحرین سے کونسی

جگہ مراد ہے چونکہ قرآن وحدیث میں اس کو معین طور پر نہیں بتلایا، اس لئے آثار وقرائن کے اعتبار سے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ بحر فارس وروم کے ملنے کی جگہ مراد ہے، ابن عطیہؒ نے آذربائیجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے، بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے۔ بعض نے کہا یہ مقام طنجہ میں واقع ہے۔ ابی بن کعبؓ سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے آرمینیہ میں بتلایا ہے۔ بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے وہ موقع بتلایا ہے، واللہ اعلم۔

صحیح بخاری ومسلم میں یہ طویل حدیث اس طرح آئی ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا موسیٰ بنی اسرائیل اور نوجوان ساتھی کا نام یوشع بن نون ہونا اور جس بندے کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو مجمع البحرین کی طرف بھیجا گیا تھا ان کا نام خضر ہونا تصریحاً مذکور ہے۔

سفر کے بعض آداب اور پیغمبرانہ عزم کا ایک نمونہ:

لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا یہ جملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سفر یوشع بن نون سے کہا، جس کا مطلب اپنے سفر کا رخ اور منزل مقصود رفیق کو بتانا تھا، اس میں بھی حسن ادب ہے کہ سفر کی ضروری باتوں سے اپنے رفیق اور خادم کو بھی باخبر کردینا چاہیے متکبر لوگ اپنے خادموں اور نوکروں کو نا قابل خطاب سمجھتے ہیں نہ اپنے سفر کے متعلق ان کو کچھ بتاتے ہیں۔

حقبا، حقبہ کی جمع ہے اہل لغت نے کہا کہ حقبہ اسی سال کی مدت ہے۔ بعض نے اس سے زیادہ کو حقبہ قرار دیا، صحیح یہ ہے کہ زمانہ دراز کو کہا جاتا ہے تحدید وتعیین کچھ نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق کو یہ بتلا دیا کہ مجھے مجمع البحرین کی اس جگہ پر پہنچنا ہے جہاں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا ہے، اور عزم یہ ہے کہ کتنا ہی زمانہ سفر میں گزر جائے جب تک اس منزل مقصود پر نہ پہنچوں سفر جاری رہے گا، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں پیغمبرانہ عزم ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

''میں سب سے زیادہ علم والا ہوں''، حق تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا تو ان کی تنبیہ کے لئے اپنے ایک ایسے بندے کا ان کو پتہ دیا گیا جن کے پاس اللہ کا دیا ہوا ایک خاص علم تھا، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں تھا اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کا علم ان کے علم سے درجہ میں بہت بڑھا ہوا تھا، مگر بہرحال وہ موسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہ تھا، ادھر موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے طلب علم کا ایسا جذبہ عطا فرمایا تھا کہ جب یہ معلوم ہوا کہ کہیں اور بھی علم ہے، جو مجھے حاصل نہیں تو اس کے حاصل کرنے کے لئے طالب علمانہ سفر کے لئے تیار ہوگئے اور حق تعالیٰ ہی سے اس بندے (خضر علیہ السلام) کا پتہ پوچھا، اب یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو خضر علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات یہیں آسانی سے کرادیتے، یا موسیٰ علیہ السلام ہی کو طالب علم بنا کر سفر کرانا تھا تو پتہ صاف بتا دیا جاتا جہاں پہنچنے میں پریشانی نہ ہوتی مگر ہوا یہ کہ پتہ ایسا مبہم بتلایا گیا کہ جس جگہ پہنچ کر مری ہوئی مچھلی زندہ ہو کر گم ہوجائے اس جگہ وہ ہمارا بندہ ملے گا۔

مچھلی:

صحیح بخاری کی حدیث سے اس مچھلی کے متعلق اتنا ثابت ہوا کہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے یہ حکم ہوا تھا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لیں، اس سے زائد یہ کچھ معلوم نہیں کہ یہ مچھلی کھانے کے لئے ساتھ رکھنے کا حکم ہوا تھا یا کھانے سے علیحدہ، دونوں احتمال ہیں، اسی لئے مفسرین میں سے بعض نے کہا کہ یہ بھونی ہوئی مچھلی کھانے کے لئے رکھی گئی تھی، اور اس سفر کے دونوں ساتھی دوران سفر اس میں سے کھاتے بھی رہے۔ اس کا نصف حصہ کھایا جا چکا تھا، اس کے بعد بطور معجزہ یہ بھونی ہوئی اور آدھی کھائی ہوئی مچھلی زندہ ہوکر دریا میں چلی گئی۔

ابن عطیہ اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ بھی بیان کیا کہ یہ مچھلی بطور معجزہ کے پھر دنیا میں باقی بھی رہی اور بہت دیکھنے والوں نے دیکھا بھی کہ اس کی صرف ایک کروٹ ہے اور دوسری کھائی ہوئی ہے، ابن عطیہ نے خود بھی اپنا دیکھنا بیان کیا ہے۔ (قرطبی)

اور بعض مفسرین نے کہا کہ ناشتہ کھانے کے علاوہ ایک علیحدہ زنبیل میں مچھلی رکھنے کا حکم ہوا تھا، اس کے مطابق رکھ لی گئی تھی۔ اس میں بھی اتنی بات تو متعین ہے کہ مچھلی مردہ تھی زندہ ہوکر دریا میں چلا جانا ایک معجزہ ہی تھا۔

حضرت موسیٰؑ کا امتحان تھا:

حضرت خضر علیہ السلام کا پتہ ایسا مبہم دیا گیا کہ آسانی سے جگہ متعین نہ ہو ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابتلاء وامتحان ہی تھا، اس پر مزید امتحان کی صورت یہ پیدا کی گئی کہ جب عین موقع پر یہ لوگ پہنچ گئے تو مچھلی کو بھول گئے، آیت قرآنی میں یہ بھول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ نَسِيَا حُوْتَهُمَا لیکن حدیث بخاری سے جو قصہ ثابت ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت مچھلی کے زندہ ہوکر دریا میں جانے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، صرف یوشع بن نون نے یہ واقعہ عجیبہ دیکھا اور ارادہ کیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوجائیں تو ان کو بتلاؤں گا، مگر بیداری کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر نسیان مسلط کردیا اور بھول گئے تو یہاں دونوں کی طرف بھولنے کی نسبت ایسی ہوگی جیسے قرآن میں يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ میں دریائے شیریں اور دریائے شور چلے جانا خود ایک واقعہ عجیبہ خرق عادت تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کا مسئلہ:

قرآن کریم میں اگرچہ اس صاحب واقعہ کا نام مذکور نہیں بلکہ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا کہا گیا، مگر صحیح بخاری کی حدیث میں ان کا نام خضر بتلایا گیا

ہے، خضر کے لفظی معنی ہرے بھرے کے ہیں، ان کا نام خضر ہونے کی وجہ عامہ مفسرین نے یہ بتلائی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو کیسی ہی زمین ہو وہاں گھاس اگ جاتی اور زمین سرسبز ہو جاتی تھی قرآن کریم نے یہ بھی واضح نہیں کیا کہ خضر علیہ السلام کوئی پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد تھے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی ہونا خود قرآن کریم میں ذکر کیے ہوئے واقعات سے ثابت ہے۔ کیونکہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت ہیں۔ ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں۔ اور حکم شریعت سے کوئی استثنا ،بجز وحی الٰہی کے ہو نہیں سکتا۔ جو نبی اور پیغمبر ہی کے ساتھ مخصوص ہے ولی کو بھی کشف یا الہام سے کچھ چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں مگر وہ کوئی حجت نہیں ہوتی۔ ان کی بناء پر ظاہر شریعت کے کسی حکم کو بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لئے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے۔ ان کو بذریعہ وحی الٰہی بعض خاص احکام وہ دیئے گئے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف تھے انہوں نے جو کچھ کیا اس استثنائی حکم کے ماتحت کیا خود اس کی طرف سے اس کا اظہار بھی قرآن کے اس جملے میں ہو گیا۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (یعنی میں نے جو کچھ کیا اپنی طرف سے نہیں کیا، بلکہ امر الٰہی سے کیا ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہیں۔ مگر ان کے کچھ تکوینی خدمتیں منجانب اللہ سپرد کی گئی تھیں انہی کا علم دیا گیا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی۔ اسی لئے اس پر اعتراض کیا تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابوحیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہے۔

کسی ولی کو ظاہر شریعت کے حکم کی خلاف ورزی حلال نہیں:

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے صوفی جو کہنے لگے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے، بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں مگر طریقت میں جائز ہیں اس لئے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام پر کسی دنیا کے ولی کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اور نہ ظاہر شریعت کے خلاف اس کے کسی فعل کو جائز کہا جا سکتا ہے۔

شاگرد پر استاد کا اتباع لازم ہے:

هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے باوجود نبی و رسول اور اولوالعزم پیغمبر ہونے کے حضرت خضر سے تعظیم و تکریم کے ساتھ درخواست کی کہ میں آپ سے آپ کا علم سیکھنے کے لئے ساتھ چلنا چاہتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تحصیل علم کا ادب یہی ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کی تعظیم و تکریم اور اتباع کرے۔ اگرچہ شاگرد اپنے استاذ سے افضل و اعلیٰ بھی ہو۔ (قرطبی، مظہری)

عالم شریعت کیلئے جائز نہیں کہ خلاف شرع امر پر صبر کرے:

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا

حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اور کیسے صبر کریں گے جب کہ آپ کو حقیقت امر کی اطلاع نہ ہو۔ مطلب یہ تھا کہ مجھے جو علم عطا ہوا ہے اس کی نوعیت آپ کے علم سے مختلف ہے۔ اس لئے آپ کو میرے معاملات قابل اعتراض نظر آئیں گے، جب تک کہ میں ان کی حقیقت سے آپ کو مطلع نہ کر دوں، آپ اپنے فرض منصبی کی بناء پر اس پر اعتراض کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چونکہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس جانے اور ان سے علم سیکھنے کا حکم ہوا تھا، اسلئے یہ اطمینان تھا کہ ان کا کوئی فعل درحقیقت خلاف شرع نہیں ہوگا گو ظاہر میں سمجھ میں نہ آئے، اس لئے صبر کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ورنہ ایسا وعدہ کرنا بھی کسی عالم دین کے لئے جائز نہیں لیکن پھر شریعت کے بارے میں دینی غیرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر اس وعدہ کو بھول گئے۔

پہلا واقعہ تو زیادہ سنگین بھی نہیں تھا، صرف کشتی والوں کو مالی نقصان یا غرق ہونے کا صرف خطرہ ہی تھا جو بعد میں رفع ہو گیا، لیکن بعد کے واقعات میں موسیٰ علیہ السلام نے یہ وعدہ بھی نہیں کیا کہ میں اعتراض نہیں کروں گا۔ اور جب لڑکے کے قتل کا واقعہ دیکھا تو شدت کے ساتھ اعتراض کیا اور اپنے اعتراض پر کوئی عذر بھی پیش نہیں کیا، صرف اتنا کہا کہ اگر آئندہ اعتراض کیا تو آپ کو حق ہوگا کہ مجھے ساتھ نہ رکھیں۔ کیونکہ کسی نبی اور پیغمبر سے یہ برداشت نہیں ہو سکتا کہ خلاف شرع کام ہوتا دیکھ کر صبر کرے۔ البتہ چونکہ دوسری طرف بھی پیغمبر ہی تھے اس لئے بالآخر حقیقت کا انکشاف اس طرح ہوا کہ یہ واقعات جزئیہ خضر علیہ السلام کے لئے عام قواعد شرعیہ سے مستثنیٰ کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے جو کچھ کیا وحی الٰہی کے مطابق کیا۔ (مظہری)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے علم کا فرق:

یہاں طبعی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام کی تصریح کے مطابق ان کو جو علم عطا ہوا تھا اس کی نوعیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علم سے مختلف تھی، مگر جب کہ یہ دونوں علم حق تعالیٰ ہی کی طرف سے عطا ہوئے تھے، تو ان دونوں کے احکام میں تضاد و اختلاف کیوں ہوا، اس کی تحقیق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے جو لکھی ہے وہ اقرب الی الصواب اور دل کو لگنے والی ہے ان کی تقریر کا مطلب جو میں سمجھا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں وہ عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاح خلق کی

خدمت ہوتی ہے ان پر کتاب اور شریعت نازل کی جاتی ہے جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول وقواعد ہوتے ہیں جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن کریم میں بتصریح نبوت ورسالت آیا ہے وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشریعی اور اصلاحی خدمات تھیں ان پر جو وحی آتی تھی وہ بھی سب اسی سے متعلق تھی مگر دوسری طرف کچھ تکوینی خدمات بھی ہیں جن کے لئے عام طور پر ملائکۃ اللہ مقرر ہیں مگر زمرہ انبیاء میں بھی حق تعالیٰ نے بعض کو اسی قسم کی تکوینی خدمات کے لئے مخصوص کرلیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زمرہ میں سے ہے، تکوینی خدمات واقعات جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں شخص ڈوبنے والے کو بچالیا جائے یا فلاں کو ہلاک کر دیا جائے فلاں کو ترقی دی جائے فلاں کو زیر کیا جائے، ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے نہ ان کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشریعی قانون کے خلاف ہیں مگر تکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشریعی قانون سے مستثنیٰ کر کے اس شخص کے لئے جائز کر دیا گیا ہے جس کو اس تکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور جو شخص تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جہاں یہ تضاد نظر آتا ہے وہ درحقیقت تضاد نہیں ہوتا، بعض واقعات جزئیہ کا عام قانون شریعت سے استثناء ہوتا ہے، ابوحیان نے بحر محیط میں فرمایا الجمھور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن قد اوحیت الیہ وعلم موسیٰ الاحکام والفتیا بالظاھر (بحر محیط ص ۱۴۷ ج ۶) اس لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ استثناء بذریعہ وحی نبوت ہو، کسی ولی کا کشف والہام ایسا استثناء کرنے کے لئے ہرگز کافی نہیں۔ اسی لئے حضرت خضرؑ کا لڑکے کو بظاہر ناحق قتل کرنا ظاہر شریعت میں حرام تھا لیکن حضرت خضر تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر کے مامور کئے گئے تھے۔ ان پر کسی غیر نبی کے کشف والہام کو قیاس کر کے کسی حرام کو حلال سمجھنا جیسے بعض جاہل صوفیوں میں مشہور ہے بالکل بے دینی اور اسلام سے بغاوت ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا

پھر جب پہنچے دونوں دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی مچھلی

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

پھر اس نے اپنی راہ کر لی دریا میں سرنگ بنا کر ☆

مچھلی کا دریاء میں چلا جانا:

وہاں پہنچ کر ایک بڑے پتھر کے قریب جس کے نیچے آب حیات کا چشمہ جاری تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سو رہے۔ یوشع علیہ السلام نے دیکھا کہ بھنی ہوئی مچھلی باذن اللہ زندہ ہو کر زنبیل سے نکل پڑی اور عجیب طریقہ سے دریا میں سرنگ سی بناتی چلی گئی۔ وہاں پانی میں خدا کی قدرت سے ایک طاق سے کھلا رہ گیا۔ یوشع کو دیکھ کر تعجب آیا۔ چاہا کہ موسیٰ بیدار ہوں تو ان سے کہوں۔ وہ بیدار ہوئے تو دونوں آگے چل کھڑے ہوئے۔ یوشع نہ معلوم کن خیالات میں پڑ کر کہنا بھول گئے۔ روایات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب ان کو مچھلی کو خبر گیری کے لئے کہا تھا تو ان کی زبان سے نکلا کہ یہ کوئی بڑا کام نہیں۔ لہٰذا متنبہ کیا گیا کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی آدمی کو محض اپنے نفس پر بھروسہ نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا پس جب دونوں مجمع البحرین پر پہنچے (دو دریاؤں کے سنگم پر پہنچے) یعنی مقرر پتھر تک پہنچ گئے۔ موسیٰ وہاں سو گئے اور بھونی ہوئی مچھلی تڑپ کر زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔

مچھلی کیسے زندہ ہوئی:

سفیان نے کہا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس پتھر کے پاس آب حیات کا چشمہ تھا (جس کی خاصیت یہ تھی کہ) جس چیز پر (یعنی جس مردہ پر) اس کا پانی لگ جاتا تھا، وہ زندہ ہو کر سمندر میں جا کودتی تھی۔ کلبی نے کہا یوشع بن نون نے آب حیات سے وضو کر کے ٹوکری میں رکھی ہوئی نمکین مچھلی پر چھینٹا دیا جس سے مچھلی زندہ ہو کر پانی میں جا کودی اور پانی کے اندر دم مارتی چلی گئی پانی کے جس حصہ پر وہ دم مارتی تھی پانی خشک ہو (کر راستہ بن) جاتا تھا۔

حضرت یوشع کا بھول جانا:

نَسِيَا حُوتَهُمَا تو دونوں اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ یعنی موسیٰ مچھلی مانگنا اور دریافت حال کرنا بھول گئے اور یوشع مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

بغوی نے لکھا ہے مچھلی یوشع کے پاس تھی حقیقت میں وہ ہی مچھلی کا تذکرہ کرنا بھولے تھے لیکن چونکہ دونوں نے زادراہ کے لئے اس کو رکھا تھا اس لئے بھولنے کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں لوگ سفر کو نکلے اور کھانے کے لئے انہوں نے کھانا ساتھ لے لیا حالانکہ ساتھ لینے والا اور اٹھانے والا صرف ایک آدمی ہوتا ہے لیکن رکھنے والے سب ہوتے ہیں اس لئے سب کی طرف ساتھ لینے اور اٹھانے کی نسبت کر دی جاتی ہے۔

بعض اہل لغت نے کہا ہے سرب کا معنی ہے لمبائی میں چیرنا (یعنی مچھلی نے پانی کو چیر کر راستہ بنالیا صحیح روایات میں آیا ہے کہ مچھلی پانی میں گھسی تو اللہ نے پانی کی رفتار کو اس کے گردوپیش سے روک دیا اور پانی کے اندر محراب سی بن گئی۔ یہ روایت پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ

پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا

لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

ہم نے پائی اپنے اس سفر میں تکلیف ☆

بلا مقصد سفر میں تھکاوٹ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے نہیں تھکے جب مطلب چھوٹ رہا تھا اس وقت چلنے سے تکان محسوس کیا۔ (تفسیر عثمانی)

غداء صبح کے وقت کا کھانا، عشاء شام کے وقت کا کھانا، نصب سخت تھکان۔ جب حضرت موسیٰ مقررہ پتھر سے آگے بڑھے تو اللہ کی طرف سے آپ پر بھوک کا دورہ پڑا تا کہ کھانے کی خواہش ہو اور مچھلی یاد آ جائے اور پنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں آیا ہے کہ جب تک مقررہ مقام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے نہیں بڑھے تھے آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ

بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر کے پاس سو میں بھول گیا مچھلی

وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ

اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اس کا ذکر کروں ☆

شیطان کی وسوسہ اندازی:

یعنی مطلب کی بات بھول جانا اور عین موقع یادداشت پر ذہول ہونا، شیطان کی وسوسہ اندازی سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

نَسِيْتُ الْحُوْتَ اس کا مطلب دوطرح سے بیان کیا گیا ایک مطلب وہی ہے جو ترجمہ میں ذکر کر دیا گیا کہ میں آپ سے مچھلی کا واقعہ بیان کرنا بھول گیا۔ دوسرا ترجمہ نسیت کا ترکت ہے یعنی میں نے مچھلی کھودی مچھلی چھوڑ آیا، بغوی نے لکھا ہے یوشع نے مچھلی کو جب کود کر سمندر میں گرتے دیکھا تو حضرت موسیٰ کو مطلع کرنے کا ارادہ کیا لیکن (حضرت موسیٰ کی بیداری کے بعد) ذکر کرنا بھول گئے اور دن بھر بھولے رہے، یہاں تک کہ دوسرے روز ظہر کی نماز پڑھ لی اور حضرت موسیٰ نے کھانا طلب کیا تو حضرت یوشع کو مچھلی یاد آئی اور آپ نے عذر پیش کیا۔ الا الشیطن یعنی شیطانی وسوسہ آفرینی اور اغواء قلبی نے مجھے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوشع آیات قدرت کے مشاہدے میں غرق ہو گئے تھے مچھلی کا واقعہ دیکھ کر یکسر بارگاہ قدس کی طرف ان کی ساری توجہ کھنچ گئی تھی اور اسی مقام فنا میں پہنچ جانے نے ان کو مچھلی کا تذکرہ بھلا دیا تھا لیکن فروتنی اور انکسار طبع کی وجہ سے انہوں نے بھولنے کی نسبت اپنی طرف اور فراموش کرانے (یعنی شیطانی اثر اندازی) کی نسبت شیطان کی طرف کی۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ

اور اس نے کر لیا اپنا رستہ دریا میں عجیب طرح کہا یہی ہے

مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

جو ہم چاہتے تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے ☆

غالباً راستہ بنا ہوا نہ ہوگا۔ اس لئے اپنے نقش قدم دیکھتے ہوئے الٹے پاؤں پھرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً

پھر پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا جس کو دی تھی ہم نے رحمت

مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

اپنے پاس سے اور سکھلایا تھا اپنے پاس سے ایک علم ☆

حضرت خضر علیہ السلام:

وہ بندہ حضرت خضر علیہ السلام تھے جن کو حق تعالیٰ نے رحمت خصوصی سے نوازا اور اسرار کونیہ کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت خضرؑ کو رسول مانا جائے یا نبی یا محض ولی کے درجہ میں رکھا جائے۔ ایسے مباحث کا فیصلہ یہاں نہیں ہوسکتا۔ تاہم احقر کا رجحان اسی طرف ہے کہ ان کو نبی تسلیم کیا جائے اور جیسا کہ بعض محققین کا خیال ہے جو انبیاء جدید شریعت لیکر نہیں آتے ان کو بھی اتنا تصرف واختیار عطا ہوتا ہے کہ مصالح خصوصیہ کی بناء پر شریعت مستقلہ کے کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید یا عام ضابطہ سے بعض جزئیات کا استثناء کر سکیں۔ اسی طرح کے جزئی تصرفات حضرت خضرؑ کو بھی حاصل تھے، واللہ اعلم۔ بہرحال موسیٰ علیہ السلام خضر سے ملے۔ علیک سلیک کے بعد خضرؑ نے سبب پوچھا، موسیٰ نے آنے کا سبب بتلایا۔ خضرؑ نے کہا اے موسیٰ! بلا شبہ اللہ نے تمہاری تربیت فرمائی۔ پر بات یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک علم (جزئیات کونیہ کا) مجھ کو ملا ہے جو (اتنی مقدار میں) تم کو نہیں ملا۔ اور ایک علم (اسرار تشریع کا) تم کو دیا گیا ہے جو (اتنی بہتات سے) مجھ کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد ایک چڑیا دکھا کر جو دریا میں سے پانی پی رہی تھی، کہا کہ میرا، تمہارا بلکہ کل مخلوقات کا سارا علم اللہ کے علم میں سے اتنا ہے جتنا دریا کے پانی میں سے وہ قطرہ جو چڑیا کے منہ کو لگ گیا ہے (یہ بھی محض تفہیم کے لئے تھا ورنہ متناہی کو غیر متناہی سے قطرہ اور دریا کی نسبت بھی نہیں) (تفسیر عثمانی)

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ (وہاں) ان دونوں نے ہمارے ایک بندہ کو پایا۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ خضر تھے صحیح۔

حضرت خضر علیہ السلام کا تعارف:

حدیث میں یہی آیا ہے خضر کا نام بلیا بن ملکان یا الیسع یا الیاس کہا گیا ہے، خضر لقب تھا اس لقب کی وجہ بغوی نے ہمام ابن منبہ کی روایت کو قرار دیا ہے، ہمام راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خضر کو خضر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ خضر جب خشک زمین یا خشک گھاس پر بیٹھ جاتے تو وہ سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی تھی۔ مجاہد نے کہا جس جگہ خضر نماز پڑھتے تھے اس کے گردا گرد سبزہ ہی سبزہ ہو جاتا تھا۔

بغوی نے خضر کو اسرائیلی نسل سے قرار دیا ہے کسی نے کہا شاہزادہ تھے جو تارک الدنیا ہو گئے تھے۔ حضرت مفسر نے فرمایا، میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ خضرؑ اسرائیلی نہیں تھے، ورنہ موسیٰ کا اتباع کرنا ان پر لازم ہوتا، حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔ صحیح حدیث بھی اوپر ذکر کی جا چکی ہے کہ خضرؑ کے سوال کے جواب میں حضرت موسیٰؑ نے کہا، میں موسیٰ ہوں خضرؑ نے کہا بنی اسرائیل والے موسیٰ، حضرت موسیٰ نے کہا، جی ہاں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کپڑا اوڑھے چت لیٹا ہے کپڑے کا کچھ حصہ سر کے نیچے دبا ہے اور کچھ ٹانگوں کے نیچے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس وقت خضر وسط سمندر میں ایک جھالردار سبز مسند بچھائے نماز پڑھ رہے تھے۔

اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا، جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت اور وحی عطا کی تھی۔ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا اور ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا تھا یعنی ایسا علم دیا تھا جو صرف ہمارے لئے خاص تھا، بغیر ہماری توفیق کے اس کا حاصل ہونا ناممکن تھا، اس جگہ علماءؒ سے مراد ہے ذات وصفات کا علم۔ بغوی نے لکھا ہے اکثر علماء خضر کو نبی تسلیم نہیں کرتے۔ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک علماء کا یہ قول غور طلب ہے کیونکہ اولیاء کو جو علم الہام سے حاصل ہوتا ہے وہ ظنی ہوتا ہے یقینی نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ
کہا اس کو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ رہوں اس بات پر کہ مجھ کو
تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝۶۶
سکھلا دے کچھ جو تجھ کو سکھلائی ہے بھلی راہ

حضرت موسیٰؑ کی طالب علمی:

یعنی اجازت ہو تو چند روز آپ کے ہمراہ رہ کر اس مخصوص علم کا کچھ حصہ حاصل کروں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت بتا رہی ہے کہ بعض چیزوں میں مفضول کو فاضل پر برتری حاصل ہو سکتی ہے اگر مفضول کے اندر کوئی کمال ایسا ہو جو فاضل میں نہ ہو تو اعلیٰ کے لئے مناسب ہے کہ اپنے سے کم درجہ والے سے وہ کمال حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کو اپنے لئے کسر شان نہ سمجھے آیت کی تفسیر میں اوپر حدیث نقل کر دی گئی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ نے سوال کیا سب سے بڑا عالم کون ہے۔ تو اللہ نے فرمایا وہ شخص سب سے بڑا عالم ہے جو دوسروں کا علم لے کر اپنے علم میں اضافہ کرلے ممکن ہے اس کو کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تباہی سے بچالے یا سیدھا راستہ دکھا دے۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند سے بروایت ابو ہریرہؓ اور ابن عساکر نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکمت کی بات مومن کی گم شدہ (کھوئی ہوئی امانت) ہے جہاں ملے مومن اس کا سب سے بڑا مستحق ہے (فوراً لے لے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو درود منقول ہے (جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنی آل کے لئے وہ رحمت طلب کی ہے جو حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم کو عطا کی گئی تھی۔ وہ بھی اسی (گم شدہ رحمت) کے ذیل میں داخل ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض احادیث میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضرؑ سے جب یہ بات کہی (یعنی ساتھ رہنے کی درخواست کی) تو خضرؑ نے کہا علم کے لئے توریت کافی ہے اور عمل کے لحاظ سے بنی اسرائیل (کی ہدایت) کا مشغلہ کافی ہے (مزید علم و عمل کی آپ کو ضرورت نہیں) موسیٰ نے کہا اللہ نے مجھے اس کا حکم دیا ہے (کہ آپ کے ساتھ رہ کر علم میں اضافہ کروں) حضرت موسیٰ نے اپنے اس کلام میں ادب و تہذیب کو ملحوظ رکھا اور بطور انکسار اپنے کو بے علم قرار دیا اور خضرؑ سے درخواست کی کہ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دیجئے اور جو علم اللہ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کا کچھ حصہ مجھے بھی بتائیے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝۶۷
بولا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ
وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝۶۸
اور کیونکر ٹھہرے گا دیکھ کر ایسی چیز کو کہ تیرے قابو میں نہیں اس کا سمجھنا

حضرت موسیٰؑ کا مزاج اور منصبی تقاضے:

حضرت خضرؑ نے موسیٰ علیہ السلام کے مزاج وغیرہ کا اندازہ کر کے سمجھ لیا کہ میرے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ وہ مامور تھے کہ واقعات کو نیم

کا جزئی علم پا کر اسی کے موافق عمل کریں اور موسیٰ علیہ السلام جن علوم کے حامل تھے ان کا تعلق تشریعی قوانین وکلیات سے تھا بنابریں جن جزئیات میں عوارض وخصوصیات خاصہ کی وجہ سے بظاہر عام ضابطہ پر عمل نہ ہوگا حضرت موسیٰ اپنی معلومات کی بناء پر ضرور روک ٹوک کریں گے اور خاموشی کا مسلک دیر تک قائم نہ رکھ سکیں گے۔ آخری نتیجہ یہ ہوگا کہ جدا ہونا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا یہ امر یقینی ہے کہ آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہیں کرسکیں گے۔ خضر نے استطاعت صبر کی نفی سخت تاکیدی طور پر کی (ان۔لن وغیرہ نفی میں زور پیدا کر رہے ہیں) اس کے آگے خود ہی حضرت موسیٰ کے معذور ہونے کی تصویر کشی بھی کردی۔

وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ صبر کیسے کرسکتے ہیں۔ خبر اکا معنی ہے علم۔ اطلاع۔ امتیاز۔ خضرؑ کو معلوم تھا کہ ایسے واقعات سامنے آئیں گے جو (بظاہر) ممنوع اور برے ہوں گے اور انبیاءؑ امور ممنوعہ پر اس وقت تک خاموش نہیں رہتے جب تک ان کے جواز کی کوئی وجہ ان پر ظاہر نہ ہو جائے۔

اصلاح عام اور ذاتی اصلاح کی تعلیمات:

میں کہتا ہوں وہ انبیاء اور رسل جن کو اصلاح عامہ کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ان کی شریعتوں کے احکام ایسے اصول اور ضوابط پر مبنی ہوتے ہیں جن کی اصلاحات کا تعلق عوام سے ہوتا ہے اس لئے ان کی حکمت ومصلحت عوام کے ذہنوں پر منکشف ہو جاتی ہے اور ہونا چاہیے بھی لیکن جو انبیاء کسی امت کی اصلاح کے لئے مبعوث نہیں ہوتے ان کے پاس وحی کے ذریعہ سے آنے والے احکام کا مقصد صرف انبیاء کے نفوس کی اصلاح یا اللہ کے ساتھ انبیاء کے معاملات کی براہ راست درستی ہوتا ہے۔ موسیٰ (نبی دعوت تھے ان) کے انکار اور خضر کے فعل پر اعتراض کی وجہ یہی تھی کہ خضر کا عمل شریعت موسوی کے خلاف تھا دونوں کا مسلک جدا جدا تھا اتحاد مسلک اور ترک اعتراض استفادہ کے لئے ضروری ہے، موسیٰ کو اسی لئے خضر بھی سمجھ گئے کہ ان سے برداشت نہ ہو سکے گی یہ خاموش نہیں رہیں گے کیونکہ میری مصاحبت ان کو سودمند نہ ہوگی۔

پیر اور مرید کا معاملہ:

اسی لئے صوفیاء کا قول ہے کہ اگر مرید کو یقین ہو کہ پیر عارف کامل ہے تو اس کے کسی فعل پر اعتراض نہ کرے خواہ اس کا فعل بظاہر شریعت کے خلاف ہو اور اگر اختلاف مسلک کی وجہ سے مرید اعتراض کئے بغیر نہیں رہ سکتا تو پیر کی صحبت ترک کردے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ باوجود ولی کامل اور عارف ہونے کے کسی صغیرہ گناہ کا اس سے صدور ہو جائے اور وہ اس کے گناہ ہونے کا اقرار بھی کر رہا ہو۔ عصمت تو انبیاء کے ساتھ خاص ہے۔ پھر بدگمانی اور نکتہ چینی کی کیا وجہ۔ مرید پر لازم ہے کہ اگر اس کے شیخ سے کوئی اس قسم کی کوئی حرکت صادر ہو رہی ہے تو خود اس کا مرتکب نہ ہو لیکن شیخ کی تردید بھی نہ کرے۔ اور اس کے عارف کامل ہونے میں شک نہ کرے۔

اولیاء اللہ کے مکاشفات:

اولیاء اللہ (جیسے شیخ ابن عربی، ابن سبعین، ابن فارض وغیرہ) کے بعض مقالات مشاہدہ اور کشف پر مبنی ہیں (اور شریعت کے خلاف نظر آتے ہیں) مناسب ہے کہ ان کی کوئی صحیح تاویل کی جائے اور شریعت کے موافق بنانے کی کوشش کی جائے اور بدگمانی کو راہ نہ دی جائے اللہ نے فرمایا ہے: لَوۡلَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا اگر صحیح تاویل ممکن ہی نہ ہو تو ان مقالات کو حالت سکر پر محمول کیا جائے۔ فقہاء کا فتویٰ ہے کہ مباح چیز سے اگر سکر پیدا ہو جائے اور اس سکر کی حالت میں طلاق دیدے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تو اولیاء اللہ جو اللہ کی محبت میں ڈوبے رہتے ہیں ان کے اس غلبہ حال کے مقالات کیسے قابل گرفت ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والے ان کے مقالات کا مرادی مطلب ہی نہ سمجھے ہوں ان کی اصلی مراد کچھ اور ہو اور سننے پڑھنے والے کچھ اور سمجھ جائیں۔

اولیاء اللہ کا بعض کلام:

بات یہ ہے کہ تمام عبادات محسوس معانی یا محسوس معانی سے استنباط کیے ہوئے عقلی معانی کے بیان پر موقوف ہیں انہی محسوس یا مستنبط از محسوس معانی کے اظہار پر تمام عبادات کا انحصار ہے لیکن جب ذات وصفات الٰہیہ (جن کی نہ کوئی محسوس نظیر ہو نہ شبیہ) کا کسی عارف کے دل پر توپڑ رہا ہو اور وہ ان کو بیان کرنا چاہیے لیکن غیبی سادہ غیر محسوس حقائق کے اظہار کیلئے کسی زبان میں الفاظ وضع ہی نہیں کیے گئے ہیں پھر کس طرح سوائے استعارہ مجاز اور ناقص تشبیہ کے واردات قلب بیان کرے، ایسی تعبیر کو سن کر سننے والے کے لئے کسی طرح جائز نہیں کہ وہ اس تعبیر کا ظاہری معنی مراد لیکر عقائد اہل سنت کے خلاف قرار دیدے مناسب یہ ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے کلام میں متشابہات کا جس طرح استعمال کیا گیا ہے (جن کی حقیقت ناقابل فہم وافہام ہے) اسی طرح صفات وذات کی جلوہ ریزیوں کا الفاظ میں اظہار بھی ظاہری الفاظ کی تعبیر میں بطور استعارہ ومجاز کیا جاتا ہے (حقیقی وضعی معنی مراد نہیں ہوتے) اَلرَّحۡمٰنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى اور يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ (رحمٰن عرش پر ٹھیک ٹھیک مقیم ہو گیا۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے) دونوں آیات قرآن کی ہیں جو ان کو آیات قرآن نہ کہے وہ کافر ہے (لیکن ان کے ظاہری الفاظ سے تو اللہ کا جسم ہونا ثابت ہوتا ہے) اور اللہ کے جسم ہونے کا عقیدہ رکھنا قریب قریب کفر

کے ہے اسی طرح بعض اولیاء اللہ کا کلام بھی اگر بظاہر شرع کے خلاف ہو تو ظاہری معنی مراد نہ لئے جائیں اور ان کی تردید بھی نہ کی جائے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ
کہا تو پائے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو
صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَکَ اَمْرًا
ٹھہرنے والا اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم ☆

حضرت موسیٰ کا ان شاء اللہ کہنا:

یہ وعدہ کرتے وقت غالباً موسیٰ علیہ السلام کو اس کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا کہ ایسے مقرب و مقبول بندہ سے کوئی ایسی حرکت دیکھنے میں آئیگی جو علانیہ ان کی شریعت بلکہ عام شرائع واخلاق کے خلاف ہو۔ غنیمت ہوا کہ انہوں نے ''ان شاء اللہ'' کہہ لیا تھا۔ ورنہ ایک قطعی وعدہ کی خلاف ورزی کرنا اولوالعزم پیغمبر کی شان کے لائق نہ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے صابر رہنے کا چونکہ قطعی اعتماد نہ تھا اس لئے اللہ کی مشیت کیساتھ اپنے اپنے صابر رہنے کو مشروط کر کے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ
بولا پھر اگر میرے ساتھ رہنا ہے تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز
حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا
جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اس کا ذکر ☆

اعتراض کی ممانعت:

یعنی کوئی بات اگر بظاہر ناحق نظر آئے تو مجھ سے فوراً باز پرس نہ کرنا، جب تک میں خود اپنی طرف سے کہنا شروع نہ کروں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ نے صابر رہنے کا وعدہ کیا کیونکہ صحبت خضر اسی وقت نتیجہ خیز ہو سکتی تھی۔ جب موسیٰ خضر کے فعل پر اعتراض نہ کرتے اور خضر کے ساتھ رہنے کا حکم اللہ سے مل چکا تھا لیکن ان کو اپنے صابر رہنے میں شک تھا کیونکہ حضرت خضر کے مسلک سے آپ کا مسلک جدا تھا اور اختلاف مسلک صابر نہ رہنے اور اعتراض کر بیٹھنے کا موجب تھا، اسی لئے

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَکَ مِنْہُ ذِکْرًا۔ خضر نے کہا اگر میرے ساتھ آپ رہنا چاہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے متعلق (پہلے سے) نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کے متعلق ابتداء ذکر نہ کروں۔

یعنی اگر میں کوئی ایسا کام کروں جو آپ کو ناپسند ہو تو جب تک میں خود ہی ابتداءً اپنی طرف سے اس کا ذکر آپ سے نہ کروں آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں کیونکہ سوال کرنے سے اعتراض کرنے کا گمان ہوتا ہے اور اعتراض کرنے سے استفادہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَہَا قَالَ
پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے کشتی میں اس کو پھاڑ ڈالا موسیٰ بولا
اَخَرَقْتَہَا لِتُغْرِقَ اَہْلَہَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْئًا اِمْرًا
کیا تو نے اس کو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اس کے لوگوں کو البتہ تو نے کی ایک چیز بھاری ☆

کشتی کا واقعہ:

جب اس کشتی پر چڑھنے لگے ناؤ والوں نے خضر کو پہچان کر مفت سوار کر لیا۔ اس احسان کے بدلہ یہ نقصان دیکھ کر موسیٰ کو اور زیادہ تعجب ہوا۔ لیکن کشتی پوری طرح کنارہ کے قریب پہنچ کر توڑی۔ لوگ ڈوبنے سے بچ گئے اور توڑنا یہ تھا کہ ایک تختہ نکال ڈالا۔ گویا عیب دار کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

فَانْطَلَقَا پس دونوں چل دیئے، یعنی ساحل پر کشتی سوار ہونے کے ارادے سے کشتی کی تلاش میں چل دیئے وہاں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے جو لوگ کشتی میں سوار تھے انہوں نے کہا یہ دونوں چور ہیں ان کو کشتی سے نکال دو کشتی کے مالک نے کہا یہ لوگ چور نہیں ہیں مجھے ان کے چہرے انبیاء کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے صحیحین کی حدیث ہم نقل کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کشتی ان کی طرف سے گزری موسیٰ اور خضر نے کشتی والوں سے سوار کر لینے کی درخواست کی۔ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا اور بلا کرایہ دونوں کو سوار کر لیا۔

حَتّٰٓی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَۃِ خَرَقَہَا یہاں تک کہ جب دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو خضر نے کشتی کو پھاڑ دیا۔ صحیحین کی روایت میں آیا ہے، جو ہم نقل کر چکے ہیں کہ خضر نے کشتی کا ایک تختہ بسولے سے اکھاڑ دیا (یعنی پھاڑنے سے مراد ہے اکھاڑ دینا)۔

عجیب معاملہ:

بغوی نے لکھا ہے عربی زبان میں امر کا معنی ہے بڑی مصیبت ہر بڑی سخت چیز۔ امر الامر بات بڑی سخت ہوگئی معاملہ بڑا ہو گیا قتیبی نے امرا کا ترجمہ کیا ہے۔ عجیب۔ بغوی نے لکھا ہے خضر نے ایک بڑا شیشے کا پیالہ لے کر کشتی کے سوراخ پر ڈھانک دیا، پیالہ سوراخ میں اتر گیا (اور پانی اندر نہ آسکا) جلال الدین محلی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ کشتی کے اندر پانی نہیں آیا یعنی یہ خضر کا معجزہ تھا۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ خضر علیہ السلام نے کلہاڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال دیا تھا۔ جس کی وجہ سے کشتی میں پانی بھر کر غرق ہونے

کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔ اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر اعتراض کیا، مگر تاریخی روایات میں ہے کہ پانی اس کشتی میں داخل نہیں ہوا، خواہ اس لئے کہ خضر علیہ السلام نے ہی پھر اس کی کچھ مرمت کردی، جیسے بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس تختہ کی جگہ خضر علیہ السلام نے ایک شیشہ لگادیا تھا یا بطور معجزہ پانی کشتی میں نہ آیا، اتنی بات خود قرآن کریم کے سیاق سے معلوم ہورہی ہے کہ اس کشتی کو غرقابی کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا جس سے ان روایات کی تائید ہوتی ہے۔ (معارف القرآن)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾

بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ ٹھہر سکے گا میرے ساتھ

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا

کہا مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور

تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾

مت ڈال مجھ پر میرا کام مشکل ☆

حضرت موسیٰؑ کی بھول:

یعنی اگر بھول چوک پر بھی گرفت کروگے تو میرا تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہوجائیگا۔ یہ پہلا پوچھنا حضرت موسیٰ سے بھول کر ہوا۔ اور دوسرا اقرار کرنے کو اور تیسرا رخصت ہونے کو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ نسیان سے مراد ہے یعنی میں نے آپ کی پہلی نصیحت پر جو عمل نہیں کیا اس کا آپ مواخذہ نہ کریں، حضرت ابی ابن کعب کی روایت کردہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ کی پہلی حرکت ازروئے نسیان تھی اور دوسری حرکت بطور شرط اور تیسری حرکت قصداً۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت موسیٰ بھولے نہ تھے نسیان کا تذکرہ ضمنی طور پر آ گیا ہے گویا حضرت موسیٰ، کچھ اور بھولے تھے (اپنے سابق معاہدہ کو نہیں بھولے تھے)۔

وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیے یعنی تنگی اور مواخذہ کرکے مجھ پر مشقت اور دشواری نہ ڈالیے مطلب یہ ہے کہ آپ کے اس سلوک سے میرے لئے آپ کے ساتھ رہنا دشوار ہوجائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے سے تو اس کو مار ڈالا ☆

لڑکے کا قتل:

ایک گاؤں کے قریب چند لڑکے کھیل رہے تھے ان میں سے ایک کو جو زیادہ خوبصورت اور سیانا تھا پکڑ کر مار ڈالا۔ اور چل کھڑے ہوئے بعض روایات میں اس کا نام جیسور آیا ہے۔ وہ لڑکا بالغ تھا یا نہیں؟ بعض کا قول ہے کہ بالغ تھا اور لفظ غلام عدم بلوغ پر دلالت نہیں کرتا۔ لیکن جمہور مفسرین اسکو نابالغ ہی بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اہل تفسیر نے لکھا ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر ایک لڑکا کھیل رہا تھا جو خوش کلام اور حسین تھا، سدی نے کہا وہ سب سے زیادہ حسین تھا اس کا چہرہ چمکیلا تھا، خضر نے اس کو پکڑ کر مار ڈالا، بعض علماء نے کہا پچھاڑ کر چھری سے ذبح کردیا۔ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ پکڑ کر اس کا سر (گردن کی جڑ سے) اکھاڑ دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ پتھر مار کر اس کا سر کچل دیا۔ کسی نے کہا اس کا سر دیوار سے ٹکرا دیا۔ عبدالرزاق کی روایت میں آیا ہے کہ تین انگلیوں کے اشارے سے اس کا سر اکھاڑ دیا، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر مفسرین کے نزدیک وہ لڑکا نابالغ تھا قرآن مجید کے لفظ غلام سے یہی مستفاد ہورہا ہے۔ بالغ ہونے کے بعد لفظ غلام کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت موسیٰ نے کہا تھا اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً آپ نے معصوم جان کو قتل کردیا، اگر وہ نابالغ بچہ نہ ہوتا تو حضرت موسیٰ نفسا زکیہ نہ فرماتے۔

مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس لڑکے کو خضر نے قتل کیا تھا وہ سرشتی کافر تھا اگر زندہ رہتا تو ماں باپ کو اللہ کی نافرمانی اور کفر میں مبتلا کردیتا۔ فقتلہ میں ف بتارہی ہے کہ حضرت خضر نے جونہی لڑکے کو دیکھا فوراً تفتیش حال کے بغیر قتل کردیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

موسیٰ بولا کیا تو نے مار ڈالی ایک جان ستھری ☆

حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے:

یعنی بے گناہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ لفظ بظاہر اس کے نابالغ ہونے کی تائید کرتا ہے اگرچہ دوسروں کے لئے تاویل کی گنجائش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

بغیر عوض کسی جان کے بیشک تو نے کی ایک چیز نامعقول ☆

یعنی اول تو نابالغ قصاص میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس پر مزید یہ کہ یہاں قصاص کا بھی کوئی قصہ نہ تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر نامعقول بات کون سی ہوگی۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ

بولا میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو نہ

تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا
ٹھہر سکے گا میرے ساتھ ☆

کیونکہ ایسے حالات وواقعات دیکھنے میں آئیں گے جن پر تم خاموشی کے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ آخر وہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اگر موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تو عجیب واقعات دیکھتے مسلم نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم پر اور موسیٰ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ عجلت سے کام نہ لیتے تو عجیب (واقعات) دیکھتے لیکن ان کو اپنے ساتھی سے شرم آئی اور انہوں نے اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا فرمایا ابن مردویہ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں میرے بھائی موسیٰ پر اللہ رحمت فرمائے ان کو شرم آ گئی اور انہوں نے یہ بات کہہ دی اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ ٹھہرے رہتے تو بڑی عجیب باتیں دیکھتے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا
کہا اگر تجھ سے پوچھوں کوئی چیز اس کے بعد تو
تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا
مجھ کو ساتھ نہ رکھیو تو اتار چکا میری طرف سے الزام ☆

بالآخر حضرت موسیٰؑ کا پیمانہ لبریز ہوگیا:

حضرت موسیٰ کو اندازہ ہوگیا کہ خضرؑ کے تحیر خیز حالات وواقعات کا چپ چاپ مشاہدہ کرتے رہنا بہت ٹیڑھی کھیر ہے۔ اس لئے آخری بات کہہ دی کہ اس مرتبہ اگر سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں ایسا کرنے میں آپ معذور ہونگے اور میری طرف سے کوئی الزام آپ پر عائد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تین مرتبہ موقع دیکر آپ حجت تمام کر چکے۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ
پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک گاؤں کے لوگوں تک کھانا چاہا
اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا
وہاں کے لوگوں سے انہوں نے نہ مانا کہ ان کو مہمان رکھیں پھر پائی
جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ
وہاں ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی اس کو سیدھا کر دیا ☆

بے مروت بستی والوں کی دیوار بنا دینا:

یعنی ایک بستی میں پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے ملے اور چاہا کہ بستی والے مہمان سمجھ کر کھانا کھلائیں۔ مگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہ تھی انہوں نے موسیٰ وخضر جیسے مقربین کی مہمانی سے انکار کر دیا۔ یہ معاملہ دیکھ کر چاہئے تھا کہ ایسے تنگ دل اور بے مروت لوگوں پر غصہ آتا، مگر حضرت خضرؑ نے غصہ کی بجائے ان پر احسان کیا، بستی میں ایک بڑی بھاری دیوار جھکی ہوئی تھی قریب تھا کہ زمین پر آ رہے، لوگ اس کے نیچے گزرتے ہوئے خوف کھاتے تھے، حضرت خضرؑ نے ہاتھ لگا کر سیدھی کر دی اور منہدم ہونے سے بچالیا۔

(تنبیہ): حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ میں ''اہل'' کا لفظ شاید اس لئے لائے کہ بستی میں ان کا آنا محض مرور وعبور کے طور پر نہ تھا۔ نہ یہ صورت تھی کہ باشندگان شہر سے علیحدہ کسی سرائے وغیرہ میں جا اترے ہوں، بلکہ قصد کر کے شہر والوں سے ملے۔ اور ''اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا'' میں دوبارہ لفظ ''اہل'' کی تصریح ان کی مزید تقبیح کے لئے ہے۔ یعنی جن سے مہمانی چاہی تھی وہ اہل قریہ تھے کوئی پردیسی مسافر نہ تھے جو یہ عذر کر سکیں کہ ہمارا گھر یہاں نہیں مہمانداری کیسے کریں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ اندلس میں ایک شہر تھا وہی مراد ہے۔

بستی والوں کی کنجوسی:

اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا تو دونوں نے وہاں کے باشندوں سے کھانا طلب کیا مگر انہوں نے میزبانی کرنے سے انکار کر دیا (کھانا نہ دیا)۔ بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بستی والے کنجوس تھے دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے ان کی مجلسوں میں گشت کیا اور کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے نہیں دیا حق مہمانی طلب کیا تو کسی نے مہمان بھی نہ بنایا، قتادہ کا قول ہے وہ بدترین بستی ہے جو مہمان کی میزبانی نہ کرے۔

ایک عورت کی سخاوت:

بغوی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے دونوں بزرگوں نے بستی کے مردوں سے کھانا طلب کیا لیکن کسی نے نہیں دیا، آخر عورتوں سے مانگا تو ایک عورت نے دیدیا اس پر دونوں نے وہاں کے مردوں پر لعنت (کی بدعا) کی۔ یہ عورت بربر والوں میں سے تھی۔

دیوار کی حالت:

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ پھر دونوں کو وہاں ایک دیوار ملی جو گرا چاہتی تھی، خضر نے اس کو سیدھا کر دیا۔ دیوار کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس لئے مجازی معنی مراد ہے یعنی گرنے کے قریب تھی (بہت جھکی ہوئی تھی) عرب بولتے ہیں میرا گھر اس کے گھر کو دیکھتا ہے یعنی دونوں آمنے سامنے ہیں۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ خضر نے اس دیوار

کوڈھا کر دوبارہ بنادیا۔ سدی نے کہا گارا بنایا پھر دیوار کو بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا

بولا موسیٰ اگر تو چاہتا تو لے لیتا اس پر مزدوری ☆

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے:

یعنی بستی والوں نے مسافر کا حق نہ سمجھا کہ مہمانی کریں (ان کی دیوار مفت بنادینے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر کچھ معاوضہ لیکر دیوار سیدھی کرتے تو ہمارا کھانے پینے کا کام چلتا اور ان تنگ دل بخیلوں کو ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی۔ شاید اپنی بداخلاقی اور بے مروتی پر شرماتے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ نے کہا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو اجرت طلب کرنے کی ترغیب دی تا کہ مزدوری کی رقم سے دونوں کے کھانے کا کچھ سامان ہو جائے اس کلام سے درپردہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی نظر میں خضر نے بیکار کام کیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت خضر نے دیوار کو بڑی محنت کر کے ٹھیک کیا تھا اگر محنت کا کام نہ کرتے تو اجرت کے مستحق نہ قرار پاتے اگر بطور معجزہ دیوار کو ٹھیک کر دیتے تو اجرت کس طرح طلب کر سکتے تھے بلکہ لینے کا بھی استحقاق کیسے ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ

کہا اب جدائی ہے میرے اور تیرے بیچ اب جتائے دیتا ہوں

بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا

تجھ کو پھیر ان باتوں کا جس پر تو صبر نہ کر سکا ☆

وقتِ جدائی:

یعنی حسب وعدہ اب مجھ سے علیحدہ ہو جائیے، آپ کا نباہ میرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے چاہتا ہوں کہ ان واقعات کے پوشیدہ اسرار کھول دوں۔ جن کے چکر میں پڑ کر آپ صبر وضبط کی شان قائم نہ رکھ سکے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "اس مرتبہ موسیٰ نے جان کر پوچھا رخصت ہونے کو یہ سمجھ لیا کہ یہ علم میرے ڈھب کا نہیں۔ حضرت موسیٰ کا علم وہ تھا جس کی خلقت پیروی کرے تو انکا بھلا ہو۔ حضرت خضر کا علم وہ تھا کہ دوسروں سے اس کی پیروی بن نہ آوے"۔ (تفسیر عثمانی)

علم لدنی:

جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جائے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جائے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازے سے داخل اور حاصل ہو وہ علم حصولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ علم لدنی اور علم وہبی اور علم حضوری کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرار غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوئی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی علیٰ علم من علم اللہ علمنیہ لاتعلم وانت علیٰ علم من علم اللہ علمک اللہ لااعلم۔ یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے (جس کا تعلق اسرار کونیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اس کو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاح امت سے ہے)۔ یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے میں اس علم کو نہیں جانتا۔ مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں اس لئے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اور وہاں ایک چڑیا دکھائی دی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ آ گیا ہے۔

نبی کا غیر نبی سے علم سیکھنا:

موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت سے پورے واقف اور باخبر تھے جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور امور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی سے نہ ہو۔ نبی کا غیر نبی سے ایسے علم کا سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم بامور دنیا کم اس کو موید ہے۔ معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے امور کو سیکھنا کہ جن کا اصول دین اور فروع دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

حضرت خضر کا علم فرشتوں والا تھا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ کے علم کی کوئی حد نہیں، اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی علم دیا اور اللہ کے بعضے بندے ملائکہ کی طرح ہیں جو کرتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اور ان کے افعال کے اسرار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ خضر علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو ملائکہ کو عطا ہوا اور موسیٰ علیہ السلام کا علم اس قسم کا تھا جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عطا کیا اور ان کو اپنا خلیفہ اور مسجود ملائک بنایا۔ واللہ اعلم۔

جمہور علماء کے نزدیک خضر علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی نسل سے

ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی فرزند ہیں۔
خضر علیہ السلام اگرچہ نسل آدم سے ہوں مگر عجب نہیں کہ ان پر غلبہ شان ملکیت کا ہو اور اس طرح کے امور ان کے سپرد کئے گئے ہوں جس طرح کے امور ملائکہ کے سپرد کئے گئے اور عجب نہیں کہ اس غلبہ ملکیت کی وجہ سے خضر علیہ السلام عام نظروں سے محجوب و مستور کر دیئے گئے جیسے عام لوگوں کو فرشتے نظر نہیں آتے اسی طرح خضر علیہ السلام بھی عام لوگوں کو نظر نہیں آتے۔ خضر علیہ السلام حقیقت کے اعتبار سے اگرچہ انسان ہوں مگر عملی طور پر نمونہ ملائکہ ہیں۔ اور رجال غیب میں سے ہیں جو عام نظروں سے پوشیدہ ہیں۔

کیا ابھی تک حضرت خضرؑ زندہ ہیں؟

نیز علماء کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں یا مر چکے ہیں جمہور علماء شریعت کا مذہب یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چشمہ حیات سے پانی پیا ہے اور یہی وہ شخص ہیں جن کو دجال قتل کر کے زندہ کرے گا۔ اور ان کے بعد کسی کے قتل پر قادر نہ ہوگا قیامت کے قریب جب قرآن سینوں اور مصاحف سے اٹھا لیا جائے گا اس وقت ان کی وفات ہوگی اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام مر چکے ہیں بہرحال علماء میں اختلاف ہے کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں مگر صوفیائے کرام اور اولیائے عظام بلا اختلاف سب اس پر متفق ہیں کہ خضر علیہ السلام زندہ ہیں۔
حافظ ابوعمرو بن صلاح اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ خضر ہم میں زندہ ہیں اور صوفیائے کرام اور اہل صلاح اور اہل معرفت کا اتفاق اس پر ہے۔ اور اہل صلاح اور اہل معرفت کے خضر کے دیدار اور ان کے ساتھ یک جا جمع ہونے کی اور ان سے سوال کرنے اور جواب پانے کی اور مقامات متبرکہ میں ان کی زیارت کی اس قدر کثرت سے حکایتیں ہیں کہ جو شمار سے باہر ہیں اور ایسی مشہور کہ ان کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بہرحال جمہور علماء کرام اور عامہ اہل صلاح و اولیائے عظام بالاتفاق حضرت خضر علیہ السلام کے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ صرف بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے۔
اور کعب احبار سے منقول ہے کہ چار پیغمبر زندہ ہیں جو زمین والوں کے لئے امان ہیں اور ان چار میں سے دو زمین میں ہیں۔ خضر علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام۔ یہ دونوں نبی ہیں اور دونوں زندہ ہیں اور ہر سال موسم حج میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں یہ دو نبی تو زمین میں ہیں اور دو نبی آسمان پر زندہ ہیں ادریس علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۱۰ جلد ۶)

صوفیاء اور علماء کے اختلاف سے متعلق ایک قاعدہ:

پھر یہ کہ خضر علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ امور تشریعیہ سے نہیں بلکہ امور تکونیہ اور اسرار کونیہ کی جنس سے ہے حضرت استاد مولانا سید انور شاہ قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی مسئلہ میں علماء شریعت اور اولیاء نے طریقت کا اختلاف پاؤ تو یہ دیکھو کہ وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی احکام شریعت سے متعلق ہے یا امور تکونیہ یا اسرار کونیہ کے باب سے ہے پس اگر وہ مسئلہ امور تشریعیہ یعنی حلال و حرام اور یجوز اور لایجوز سے متعلق ہو تو اس وقت علماء شریعت کے قول اور فتویٰ کو ترجیح دینا کیونکہ علماء شریعت کا گروہ احکام شریعت سے خوب آگاہ ہے اور اگر وہ مسئلہ امور تکونیہ اور اسرار کونیہ سے متعلق ہو اور افعال مکلفین سے اس کا تعلق نہ ہو تو اس جگہ اولیائے طریقت اور اہل معرفت اور ارباب بصیرت کے قول کو ترجیح دینا کیونکہ یہ گروہ اہل کشف اور اہل الہام کا گروہ ہے اور بلا شبہ صادقین اور صالحین کا گروہ ہے یہ گروہ جب اپنا کوئی مشاہدہ اور مکاشفہ بیان کرے تو عقلاً و نقلاً اس کو قبول کرنا ضروری ہے بخاری کی متعدد احادیث میں آیا ہے اری رویاکم قد تواطئت علی العشر الاواخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے خواب شب قدر کے بارہ میں عشرہ اخیر پر متفق ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس امر پر عباد الصالحین کے خواب متفق ہو جائیں وہ ضرور حق ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ مومن کا خواب کاذب نہیں ہوتا اسی طرح جب اہل الہام اور اہل کشف کے مکاشفات اور مشاہدات کسی چیز پر متفق ہو جائیں تو وہ لامحالہ حق ہوگی خاص کر جب کہ علماء شریعت کا بھی وہی قول ہو کہ جس پر تمام صوفیاء اور اولیاء متفق ہوں تو اس کے قبول و تسلیم میں کوئی تردد ہی نہیں ہونا چاہیے اور حیات خضر علیہ السلام کا مسئلہ امور تکونیہ میں سے ہے لہٰذا اس بارہ میں اہل کشف اور اہل الہام کے قول کو ترجیح ہوگی واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے مثال ہیں:

امام بیہقی نے دلائل نبوت سے سواد بن عمر سے روایت کیا ہے کہ امام شافعی نے فرمایا کہ اللہ نے جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے وہ کسی کو نہیں دیئے سواد بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ اے امام حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مردوں کو باذن الٰہی زندہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو احیاء موتیٰ کا معجزہ عطا فرمایا تھا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معجزہ نہیں عطا کیا) اس پر امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے خشک ستون کو زندہ کر دیا جس سے سہارا لگا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے جب ممبر تیار ہو گیا تو وہ جو خشک ستون تھا بچوں کی طرح رویا جس کے رونے کی آواز تمام حاضرین جمعہ نے سنی یہ معجزہ اس سے بڑھ کر ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ خشک ستون کا آپ کی مفارقت کے صدمہ سے رونا یہ اس کی کمال محبت کی دلیل ہے کمال معرفت کی دلیل ہے۔ اور مچھلی کا سمندر میں راستہ بنا لینا اور مچھلی

کے چھونے سے پانی کا خشک اور منجمد ہو جانا اور اس کے لئے مثل روشن دان کے بن جانا یہ معجزہ فلق البحر کے معجزہ کے مشابہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام جب رات کے وقت بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو سمندر میں ان کے لئے خشک راستے ہوگئے جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دشمن کے مقابلہ میں ایک لشکر روانہ کیا جس پر علاء بن حضرمی کو سردار مقرر کیا راستہ میں شدید گرمی پہنچی اور سخت پیاس لگی راوی کہتا ہے کہ علاء بن حضرمی نے لوگوں کو دو رکعت نماز پڑھائی اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی آسمان پر کہیں ابر کا نام ونشان نہ تھا خدا کی قسم! ابھی ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ٹھنڈی ہوا اور بادل بھیجا جس نے پانی انڈیل دیا اور پورا لشکر سیراب ہوگیا اور ہم نے اپنی مشکیں اور برتن سب بھر لئے پھر ہم دشمن کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں ایک خلیج آگئی جس سے پار ہونا تقریباً ناممکن تھا علاء بن حضرمی نے کنارے پر کھڑے ہوکر یہ کلمات پڑھے۔ یا علی۔ یا عظیم۔ یا حلیم۔ یا کریم۔ پھر کہا بسم اللہ گزر داور پار ہو جاؤ پس ہم بسم اللہ پڑھ کر روانہ ہوئے اور اپنی سواریوں کو خلیج میں ڈال دیا اور پار ہوگئے اور جانوروں کے کھر بھی پانی سے تر نہ ہوئے اور پہنچ کر دشمن پر حملہ کیا اور بحمد اللہ فتحیاب ہوئے اور دشمن کو قتل کیا اور گرفتار کیا پھر لوٹ کر اسی خلیج پر پہنچے علاء بن حضرمیؓ نے پہلے کی طرح کیا اور ہم اسی طرح خلیج سے پار ہوکر خشکی پر آگئے۔ اور پانی کی کوئی تری ہم کو نہیں لگی خطیب ان روایات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کرامات کے بارہ میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔ (دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۳۱۹ جلد ۲) (معارف کاندھلویؒ)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

وہ جو کشتی تھی سو چند محتاجوں کی جو محنت کرتے تھے دریا میں ☆

یعنی دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

کعب نے کہا یہ کشتی دس غریبوں کی تھی جو بھائی بھائی تھے، پانچ تو اپاہج تھے اور پانچ کام کرتے تھے۔ آیت بتا رہی ہے کہ مسکین کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس کے پاس مال تو ہو مگر نا کافی ہو۔ بقدر ضرورت نہ ہو یا اصلی ضرورتوں سے زائد نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

سو میں نے چاہا کہ اس میں عیب ڈال دوں اور ان کے

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا

پرے تھا ایک بادشاہ جو لے لیتا تھا ہر کشتی کو چھین کر ☆

یعنی جدھر کشتی جانے والی تھی اس طرف ایک ظالم بادشاہ جو اچھی کشتی دیکھتا چھین لیتا، یا بیگار میں پکڑ لیتا تھا میں نے چاہا کہ عیب دار کر دوں، تا اس ظالم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور ٹوٹی ہوئی خراب کشتی سمجھ کر کوئی تعرض نہ کرے۔ بعض آثار میں ہے کہ خطرہ کے مقام سے آگے پہنچ کر پھر حضرت خضر نے کشتی اپنے ہاتھ سے درست کردی۔ (تفسیر عثمانی)

کشتی کو عیب دار کرنے کی حکمت:

خضرؑ نے اب اصل معاملہ سمجھا دیا۔ فرمایا کشتی کو عیب دار کرنے میں تو یہ مصلحت تھی کہ اگر صحیح سالم ہوتی تو آگے چل کر ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر ایک اچھی کشتی کو ظلماً چھین لیتا تھا۔ جب اسے وہ ٹوٹی پھوٹی دیکھے گا تو وہ چھوڑ دے گا اگر یہ ٹھیک ٹھاک اور ثابت ہوتی تو ساری کشتی ہی ان مسکینوں کے ہاتھ سے چھن جاتی اور ان کی روزی کمانے کا یہی ایک ذریعہ تھا جو بالکل جاتا رہتا۔ مروی ہے کہ اس کشتی کے مالک چند یتیم بچے تھے۔ ابن جریجؒ کہتے ہیں کہ اس بادشاہ کا نام ہدد بن بدد تھا۔ بخاری شریف کے حوالے سے یہ روایت پہلے گزر چکی ہے۔ توراۃ میں ہے کہ یہ عیص بن اسحاق کی نسل سے تھا۔ توراۃ میں جن بادشاہوں کا صریح ذکر ہے ان میں ایک یہ بھی ہے، واللہ اعلم۔ (معارف کاندھلوی)

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ۔ یہ کشتی جن مسکینوں کی تھی ان کے متعلق کعب احبارؒ سے منقول ہے کہ وہ دس بھائی تھے جن میں پانچ اپاہج معذور تھے، پانچ مزدوری کر کے سب کے لئے معاش کا انتظام کرتے تھے، اور مزدوری ان کی یہ تھی کہ دریا میں ایک کشتی چلاتے اور اس کا کرایہ حاصل کرتے تھے۔

مسکین کی تعریف:

بعض لوگوں نے یہ کی ہے کہ جس کے پاس کچھ نہ ہو، مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکین کی صحیح تعریف یہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی حاجات اصلیہ ضروریہ سے زائد بقدر نصاب ہو جائے اس سے کم مال ہو تو وہ بھی مسکین کی تعریف میں داخل ہے کیونکہ جن لوگوں کو اس آیت میں مساکین کہا گیا ہے ان کے پاس کم از کم ایک کشتی تو تھی جس کی قیمت مقدار نصاب سے کم نہیں ہوتی، مگر چونکہ وہ حاجات اصلیہ ضروریہ میں مشغول تھی اس لئے ان کو مساکین ہی کہا گیا۔ (قرطبی)

مَلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا بغویؒ نے بروایت ابن عباسؓ نقل کیا ہے کہ یہ کشتی جس طرف جارہی تھی وہاں ایک ظالم بادشاہ تھا جو ادھر سے گزرنے والوں کی کشتیاں زبردستی چھین لیتا تھا، حضرت خضر نے اس مصلحت سے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا کہ وہ ظالم بادشاہ اس کشتی کو شکستہ دیکھ کر چھوڑ دے، اور یہ مساکین اس مصیبت سے بچ جائیں، دانائے روم نے خوب فرمایا۔

گر خضر در بحر کشتی را شکست صد درستی در شکست خضر ہست

(معارف القرآن)

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ
اور وہ جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ تھے ایمان والے
فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ
پھر ہم کو اندیشہ ہوا کہ ان کو عاجز کر دے زبردستی اور کفر کر کر ☆

لڑکے کو قتل کرنے کی حکمت:

گو اصل فطرۃ سے ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے مگر آگے چل کر خارجی اثرات سے بچپن ہی میں بعض کی بنیاد بری پڑ جاتی ہے جس کا پورا یقینی علم تو خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے تاہم کچھ آثار اہل بصیرت کو بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لڑکے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو آگاہ فرما دیا کہ اس کی بنیاد بری پڑی تھی۔ بڑا ہوتا تو موذی اور بدراہ ہوتا اور ماں باپ کو بھی اپنے ساتھ لے ڈوبتا۔ وہ اس کی محبت میں کافر بن جاتے، اس طرح لڑکے کا مارا جانا والدین کے حق میں رحمت اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ خدا کو منظور تھا کہ اس کے ماں باپ ایمان پر قائم رہیں، حکمت الٰہیہ مقتضی ہوئی کہ آنیوالی رکاوٹ ان کی راہ سے دور کر دی جائے۔ خضر کو حکم دیا کہ لڑکے کو قتل کر دو۔ انہوں نے خدا کی وحی پا کر امتثال امر کیا اب یہ سوال کرنا کہ لڑکے کو پیدا ہی نہ کرتے یا کرتے تو اس کو اس قدر شریر نہ ہونے دیتے یا جہاں لاکھوں کافر دنیا میں موجود ہیں اس کے والدین کو بھی کافر بن جانے دیتے یا جن بچوں کی بنیاد ایسی پڑے کم از کم پیغمبروں کو ان سب کی فہرست دیکر قتل کرا دیا کرتے۔ ان باتوں کا اجمالی جواب تو یہ ہے لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ (انبیاء، رکوع ۲) اور تفصیلی جواب کے لئے مسئلہ "خلق خیر و شر" پر مبسوط کلام کرنے کی ضرورت ہے جو ان مختصر فوائد میں سما نہیں سکتا۔ ہاں اتنا یاد رہے کہ دنیا میں ہر شخص سے جو اللہ کو خالق الکل اور علیم و حکیم مانتا ہو۔ تکوینیات کے متعلق اس قسم کے ہزاروں سوالات کئے جا سکتے ہیں جن کا جواب کسی کے پاس بجز اعتراف عجز و قصور کے کچھ نہیں۔ یہاں خضر کے ذریعہ سے اسی کا ایک نمونہ دکھلانا تھا کہ خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور مصالح تکوینیہ کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔ کبھی صورت واقعہ بظاہر دیکھنے میں خراب اور قبیح یا بے موقع معلوم ہوتی ہے لیکن جسے واقعہ کی اندرونی گہرائیوں کا علم ہو وہ سمجھتا ہے کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ خضر نے مسکینوں کی کشتی کا تختہ توڑ دیا، حالانکہ انہوں نے احسان کیا تھا کہ بلا اجرت دونوں کو سوار کر لیا۔ ایک کھیلتے ہوئے بچہ کو مار ڈالا جو بظاہر نہایت قبیح حرکت نظر آتی تھی۔ [illegible] دیوار سیدھی کر کے اس بستی والوں پر احسان کیا جو نہایت بے مروتی سے پیش آئے تھے۔ اگر خود خضر علیہ السلام آخر میں اپنے ان افعال کی توجیہات بیان نہ کرتے تو ساری دنیا آج تک ورطۂ حیرت میں پڑی رہتی یا خضر کو ہدف طعن و تشنیع بنائے رکھتی۔ (العیاذ باللہ) ان ہی مثالوں سے حق تعالیٰ کے افعال اور ان کی حکمتوں کا اندازہ کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

یہی مطلب ہے اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کے راوی حضرت علیؓ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر ایک کے لئے وہی (راہ) آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو شخص اہل سعادت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل سعادت کے اعمال آسان کر دیئے جاتے ہیں (اہل سعادت کے عمل کی اس کو توفیق دیدی جاتی ہے) اور جو اہل شقاوت میں سے ہوتا ہے اس کے لئے اہل شقاوت کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے (اہل شقاوت کے اعمال کی توفیق دیدی جاتی ہے)۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا
پھر ہم نے چاہا کہ بدلہ دے ان کو ان کا رب بہتر
مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝
اس سے پاکیزگی میں اور نزدیک تر شفقت میں ☆

لڑکے کے والدین کے ایمان کی حفاظت:

یعنی لڑکے کے مارے جانے سے اس کے والدین کا ایمان محفوظ ہو گیا اور جو صدمہ ان کو پہنچا حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی تلافی ایسی اولاد سے کر دے جو اخلاقی پاکیزگی میں مقتول لڑکے سے بہتر ہو، ماں باپ اس پر شفقت کریں۔ وہ ماں باپ کے ساتھ محبت و تعظیم اور حسن سلوک سے پیش آئے۔ کہتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیک لڑکی دی جو ایک نبی سے منسوب ہوئی اور ایک نبی اس سے پیدا ہوئے جس سے ایک امت چلی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَرَدْنَآ پس ہم نے چاہا، حضرت خضر نے جمع کا صیغہ بول کر اپنے ساتھ ارادہ کرنے میں اللہ کو شریک بنا لیا اور ظاہر ہے کہ اللہ کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو سکتا ہے لیکن خضر کے ارادے کا تعلق اللہ کے فعل سے ہو جائے یہ ناممکن ہے۔ خضر کے ارادے سے اللہ کا فعل نہیں ہو سکتا اس لئے ارادہ کا معنی اس جگہ حقیقی نہیں بلکہ چاہنا مراد ہے۔

اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا کہ ان کا رب (اس لڑکے کا) عوض عطا فرما دے اول لڑکے کو ہلاک کرنے کی جگہ دوسرے لڑکے کو پیدا کر دینا پہلے لڑکے کے ہلاک ہونے کا عوض اور بدل تھا اور ہلاک کرنے کے مرتکب حضرت خضر تھے مگر دوسرے لڑکے کو پیدا کرنا خالص اللہ کا کام تھا اس میں حضرت خضر کے فعل کو دخل نہ تھا اس لئے یہ بدل فعل کی نسبت خالص اللہ کی طرف کی۔

لڑکے کا بدلہ:

حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول بھی اسی طرح روایت میں آیا ہے، ابن

المنذر نے دوسری سند سے یوسف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اس لڑکے کے عوض ایک لڑکی عطا فرمائی جس سے بہت پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ قول بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ترمذی وحاکم نے حضرت ابودرداء کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

مطرف نے کہا جب وہ لڑکا پیدا ہوا تھا تو اس کے ماں باپ خوش ہوئے تھے، پھر جب وہ قتل ہو گیا تو والدین کو غم ہوا اگر وہ زندہ رہتا تو ماں باپ کی تباہی یقینی تھی، آدمی کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر راضی رہے، اللہ مومن کے لئے اگر ناگوار فیصلہ بھی کرتا ہے تب بھی مومن کے لئے اس بات سے بہتر ہوتا ہے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مؤمن کا فریضہ:

میں کہتا ہوں مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پسند اور ناپسند دونوں میں اللہ کی مخفی تدبیر سے ڈرتا رہے اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اسی سے پناہ کا طلب گار رہے، اللہ کے حکم پر اعتراض نہ کرے، ہر حال میں اس کے فیصلہ پر راضی رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى
اور وہ جو دیوار تھی سو دو یتیم لڑکوں کی تھی اس
الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ
اس شہر میں اور اس کے نیچے مال گڑا تھا ان کا
اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ
اور ان کا باپ تھا نیک پھر چاہا تیرے رب نے کہ
يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
وہ پہنچ جائیں اپنی جوانی کو اور نکالیں اپنا مال گڑا ہوا ☆

دیوار بنانے کی حکمت:

یعنی اگر دیوار گر پڑتی تو یتیم بچوں کا جو مال وہاں گڑا ہوا تھا ظاہر ہو جاتا اور بدنیت لوگ اٹھا لیتے۔ بچوں کا باپ مرد صالح تھا اسکی نیکی کی رعایت سے حق تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ بچوں کے مال کی حفاظت کی جائے میں نے اس کے حکم سے دیوار سیدھی کر دی کہ بچے جوان ہو کر باپ کا خزانہ پا سکیں کہتے ہیں اس خزانہ میں دوسرے اموال کے علاوہ ایک سونے کی تختی تھی جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

دیوار کا خزانہ:

اور دیوار کا قصہ یہ تھا کہ وہ بستی کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا۔

بغوی نے لکھا ہے ان دونوں لڑکوں کے نام اصرم اور صریم تھے۔ کنز کا ترجمہ عکرمہ نے مال کا کیا ہے حضرت ابودرداء کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سونے چاندی کا خزانہ تھا، یہ حدیث بخاری نے تاریخ میں اور حاکم نے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔

علمی خزانہ:

بغوی نے سعید بن جبیر کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کنز کچھ صحیفوں کی شکل میں تھا جس میں علم تھا (گویا علمی خزانہ تھا) حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ کنز سونے چاندی کا نہ تھا بلکہ علمی صحیفے تھے۔ ابن ابی حاتم نے ربیع بن انس کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

بروایت بغوی حضرت ابن عباسؓ کا دوسرا قول آیا ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر تحریر تھا۔ تعجب ہے کہ جس کا موت پر یقین ہو وہ خوش کیسے ہوتا ہے تعجب ہے کہ جس تقدیر پر یقین ہو وہ (رنجیدہ کیونکر ہوتا ہے)۔ تعجب ہے کہ جس کو رزق (مقدر) ملنے کا یقین ہو وہ تلاش رزق میں) تھکتا کیوں ہے (کیوں کمائی کے لئے سرگرداں پھرتا ہے) تعجب ہے کہ جس کو (آخرت کے) حساب پر یقین ہے وہ غافل کیسے رہتا ہے تعجب ہے کہ جو زوال دنیا کا یقین رکھتا ہے وہ (حاصل شدہ) دنیا پر مطمئن ہو کر کیسے بیٹھ جاتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تختی کے دوسری طرف لکھا تھا میں ہی اللہ ہوں میں اکیلا ہوں میرا کوئی ساجھی نہیں۔ میں نے خیر وشر کو پیدا کیا، خوشی ہے اس شخص کے لئے جس کو میں نے خیر کے واسطے پیدا کیا اور اس کے ہاتھوں سے خیر کو جاری کرایا اور ہلاکت ہے اس شخص کیلئے جس کو میں نے شر کیلئے پیدا کیا اور شر کو اس کے ہاتھوں سے جاری کیا۔ بزار نے یہ حدیث ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوذرؓ کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے ابن مردویہ نے بھی حضرت علیؓ کو روایت سے اس کو مرفوع قرار دیا ہے لیکن خرابطی نے قمع الحرص میں اس کو حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا ہے۔

یتیموں کے والد کی نیکی کا صلہ:

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اور ان دونوں یتیموں کا باپ نیک تھا۔ بعض اہل علم نے اس شخص کا نام کاشح بیان کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا باپ کی نیکی کی وجہ سے (اللہ کی طرف سے) دونوں یتیموں کی حفاظت کی گئی، یعنی باپ کی نیکی کی وجہ سے یتیموں کی حفاظت کے لئے اللہ نے دیوار درست کر دینے کا حکم خضر کو دیا محمد بن منکدر کا قول ہے کہ بندہ کے نیک ہونے کے سبب اللہ اس کی اولاد، اولاد کی اولاد، کنبہ، خاندان اور ہمسایوں کی بھی حفاظت فرماتا ہے۔ سعید بن مسیب نے بیان کیا

میں نماز پڑھتا ہوں اور اولاد کا خیال آجاتا ہے تو نماز اور بڑھا دیتا ہوں (تا کہ میری نماز کی وجہ سے اولاد کی حفاظت رہے)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مرد صالح دونوں یتیموں کا باپ نہیں تھا بلکہ ساتواں دادا تھا (یعنی سات نسلوں تک ایک شخص کی نیکی کا اثر باقی رہا) ابن ابی حاتم نے سلیمان بن سلیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ توریت میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسی نیک کی نیکی کی وجہ سے سات صدیوں تک (اس کی نسل اور قوم کی) حفاظت کرتا ہے اور (کسی کی بدکرداری کی وجہ سے) سات صدیوں تک تباہی قائم رکھتا ہے۔

صالحین کی اولاد:

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلحاء کی اولاد کی رعایت اور ان کے فائدے کے لئے امکانی کوشش مسلمانوں پر لازم ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کافر اور اللہ سے سرکش نہ ہوں اگر کافر یا سرکش ہوں تو وہ زیادہ سزا کے مستحق ہیں دوسرے لوگوں کی سرکش اولاد سے صلحاء کی طاغی اولاد پر زیادہ سختی کی جائے حضرت خضر کا اس لڑکے کو قتل کر دینا جس کے آئندہ کافر ہونے اور ماں باپ پر وبال پڑنے کا اندیشہ تھا اس قول کی تائید کر رہا ہے۔

سمجھداری کی عمر:

امام ابوحنیفہؒ کا ظاہر قول یہ ہے کہ پچیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد (کمال رشد) کو پہنچ جاتا ہے (یعنی اس کے بعد کمال رشد کو پہنچنے کی امید نہیں رہتی اگر پچیس سال تک کوئی کمال رشد کو نہیں پہنچا تو پھر اس سے زیادہ عمر میں بھی اس کو پورا رشد حاصل نہیں ہوگا) اسی لئے اگر کسی سادہ لوح سبک سر کی عمر پچیس سال ہو جائے (سمجھا جائے گا کہ اس کو جتنی سمجھ بوجھ ملنی تھی مل گئی آئندہ انتظار غیر ضروری ہے)۔ اس کا مال اس کو دیدیا جائے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ حضرت مفسر نے فرمایا میرے نزدیک چالیس سال کی عمر میں آدمی حد اشد کو پہنچتا ہے اللہ نے فرمایا ہے حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۔

وَیَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اور اپنا دفینہ نکال لیں اور میں نے یہ سارے کام آپ کے رب کی مہربانی (یعنی الہام یا وحی) سے کئے ہیں۔

نکتہ: بیضاوی نے لکھا ہے حضرت خضر نے کشتی کو عیب دار بنانے کے ارادے کی نسبت صرف اپنی ذات کی طرف کی، کیونکہ عیب دار بنانا انہی کا فعل تھا، اپنے فعل کا ارادہ خود انہوں نے ہی کیا تھا اس کے بعد اردنا کہنے میں اپنے ساتھ اللہ کو بھی فاعل ارادہ قرار دیا کیونکہ ہلاک یعنی قتل کرنا حضرت خضر کا فعل تھا قتل کے فاعل وہ خود تھے اور مقتول لڑکے کی جگہ دوسری اولاد کو پیدا کرنا اللہ ہی کا کام تھا اور اللہ کے کام کا ارادہ اللہ کے سوا کون کر سکتا ہے اسی لئے تیسری جگہ فَاَرَادَ رَبُّكَ میں ارادہ کی نسبت صرف اللہ کی طرف کی کیونکہ یتیم لڑکوں کے بالغ اور جوان ہونے میں اللہ کے ارادہ کے علاوہ کسی اور کا دخل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے بروایت عطیہ نقل کیا ہے کہ مقتول لڑکے کے والدین کو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں ایک لڑکی عطا فرمائی جس کے بطن سے ایک نبی پیدا ہوا، اور ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ اس کے بطن سے دو نبی پیدا ہوئے بعض روایات میں ہے کہ اس کے بطن سے پیدا ہونے والے نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی امت کو ہدایت فرمائی۔

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا ، یہ خزانہ جو یتیم بچوں کے لئے زیر دیوار دفن تھا اس کے متعلق حضرت ابوالدرداءؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے کہ وہ سونے اور چاندی کا ذخیرہ تھا۔ (رواہ الترمذی والحاکم وصححہ، از مظہری)

ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر نصیحت کے مندرجہ ذیل کلمات لکھے ہوئے تھے یہ روایت حضرت عثمان بن عفانؓ نے مرفوعاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نقل فرمائی (قرطبی)

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر غمگین کیونکر ہوتا ہے۔

۳۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اس پر ایمان رکھتا ہے کہ رزق کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے پھر ضرورت سے زیادہ مشقت اور فضول قسم کی کوشش میں کیوں لگتا ہے۔

۴۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر خوش و خرم کیسے رہتا ہے۔

۵۔ تعجب ہے اس شخص پر جو حساب آخرت پر ایمان رکھتا ہے پھر غفلت کیسے برتتا ہے۔

۶۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو اور اس کے انقلابات کو جانتا ہے پھر کیسے اس پر مطمئن ہو کر بیٹھتا ہے۔

۷۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

والدین کی نیکی کا فائدہ اولاد در اولاد کو بھی پہنچتا ہے:

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۔ اس میں اشارہ ہے کہ یتیم بچوں کے لئے مدفون خزانے کی حفاظت کا سامان بذریعہ خضر علیہ السلام اس لئے کرایا گیا کہ ان یتیم بچوں کا باپ کوئی مرد صالح اللہ کے نزدیک مقبول تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی مراد پوری کرنے اور اس کی اولاد کو فائدہ پہنچانے کا یہ انتظام فرمایا، محمد بن منکدرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کی نیکی اور صلاحیت کی وجہ سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کے خاندان کی اور اس کے آس پاس کے مکانات کی حفاظت فرماتے ہیں۔ (مظہری)

حضرت شبلی رحمہ اللہ کی برکت:

قرطبی میں ہے کہ حضرت شبلیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شہر اور پورے

علاقہ کے لئے امان ہوں، جب ان کی وفات ہوگئی تو ان کے دفن ہوتے ہی کفار دیلم نے دریائے دجلہ کو عبور کر کے بغداد پر قبضہ کرلیا، اس وقت لوگوں کی زبان پر یہ تھا کہ ہم پر دوہری مصیبت ہے یعنی شبلیؒ کی وفات اور دیلم کا قبضہ (قرطبی ص ۲۹ ج ۱۱)۔

اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا لفظ اشد، شدۃ کی جمع ہے، مراد قوت ہے اور وہ عمر جس میں انسان اپنی پوری قوت اور بھلے برے کی پہچان پر قادر ہو جاتا ہے ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہے، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ چالیس سال عمر ہے، کیونکہ قرآن کریم میں ہے کہ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً - (مظہری)

پیغمبرانہ بلاغت اور رعایت ادب کی ایک مثال:

اس مثال کو سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادے کے بغیر نہیں ہوسکتا، خیر وشر سب اس کی مخلوق اور اس کے ارادے اور مشیت کے تابع ہیں۔ جن امور کو شر یا برا سمجھا اور کہا جاتا ہے وہ خاص افراد اور خاص حالات کے اعتبار سے ضرور شر اور برا کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں مگر مجموعہ عالم اور عالم دنیا کے مزاج کے لئے سب ضروری اور تخلیق الٰہی کے اعتبار سے سب خیر ہی ہوتے ہیں، اور سب حکمت پر مبنی ہوتے ہیں ۔

کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

خلاصہ یہ ہے کہ جو آفت یا حادثہ دنیا میں پیش آتا ہے خدا تعالیٰ کی مشیت وارادے کے بغیر نہیں ہوسکتا، اس لحاظ سے ہر خیر وشر کی نسبت بھی حق تعالیٰ کی طرف ہوسکتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تخلیق کے اعتبار سے کوئی شر شر نہیں ہوتا، اس لئے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شر کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلمات جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ اَلَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر خضرؑ کا آنا:

جس کو حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ سفید داڑھی والے داخل ہوئے اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے پھاڑتے اندر پہنچے اور رونے لگے پھر صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر یہ کلمات کہے:

ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبۃ وعوضًا من کل نائت وخلفًا من کل ھالک فالی اللہ فانیبوا والیہ فارغبوا فانما المحروم من حرم الثواب۔

''اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت سے اور بدلا ہی ہر فوت ہونے والی چیز کا اور وہی قائم مقام ہے ہر ہلاک ہونے والے کا اس لئے اسی کی طرف رجوع کرو اسی کی طرف رغبت کرو کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے''۔

یہ آنے والے کلمات مذکورہ کہہ کر رخصت ہو گئے تو حضرت ابوبکر اور علی مرتضی رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اس روایت کو جزریؒ نے حصن حصین میں بھی نقل کیا ہے جن کی شرط یہ ہے کہ صرف صحیح السند روایات اس میں درج کرتے ہیں۔

حضرت خضرؑ دجال کا مقابلہ کریں گے:

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلہ کے لئے نکلے گا جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہوگا یا بہتر لوگوں میں سے ہوگا، ابواسحق نے فرمایا کہ یہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ (قرطبی)

حضرت خضرؑ نے حضرت علیؓ کو دعا بتلائی:

اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الہواتف میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ جو اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے اس کے لئے ثواب عظیم اور مغفرت ورحمت ہے وہ دعا یہ ہے:

یامن لایشغلہ سمع عن سمع ویامن لاتغلطہ المسائل ویامن لایبرم من الحاح الملحین اذقنی برد عفوک وحلاوۃ مغفرتک۔ (قرطبی)

''اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سننا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے (لاکھوں کروڑوں) سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا، اور وہ ذات جو دعا میں الحاح واصرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا، مجھے اپنے عفو وکرم کا ذائقہ چکھا دیجئے، اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمایئے''۔

حیات خضر پر شبہ اور جواب:

بعض حضرات نے مسئلہ ختم نبوت کو حیات خضر کے منافی سمجھا ہے، اس کا جواب بھی ظاہر ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ختم نبوت کے منافی نہیں حضرت خضرؑ کی حیات بھی ایسی ہوسکتی ہے۔

بعض حضرات نے حیات خضر پر شبہ کیا ہے کہ اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع

ہوکر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے، کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے: لوکان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی، "یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا (کیونکہ میرے آنے سے دین موسوی منسوخ ہو چکا ہے)۔ لیکن یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اوران کی نبوت عام انبیا شریعت سے مختلف ہو، ان کو چونکہ تکوینی خدمات منجانب اللہ سپرد ہیں وہ ان کے لئے مخلوق سے الگ تھلگ اپنے کام پر مامور ہیں، رہا اتباع شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بعد سے انہوں نے اپنا عمل شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع کر دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

ابوحیان نے تفسیر بحرمحیط میں متعدد بزرگوں کے واقعات حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے بھی نقل کئے ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ:

والجمھور علیٰ انہ مات۔ (بحرمحیط ص۱۴۷ ج۶)

"جمہور علماء اس پر ہیں کہ خضر علیہ السلام کی وفات ہو گئی"۔

حیات وموت خضر کا مسئلہ عقیدہ نہیں ہے:

یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ حضرت خضر علیہ السلام کی موت وحیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں، اسی لئے قرآن وسنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت ووضاحت نہیں کی گئی، اس لئے اس میں زیادہ بحث وتمحیص کی بھی ضرورت نہیں نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے لیکن چونکہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے اس لئے مذکورہ صدر تفصیلات نقل کر دی گئی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ

مہربانی سے تیرے رب کی اور میں نے یہ نہیں کیا اپنے حکم سے☆

یعنی جو کام خدا کے حکم سے کرنا ضروری ہوا اس پر مزدوری لینا مقربین کا کام نہیں۔

تنبیہ: اس قصہ کے شروع میں حضرت خضر کی نبوت وولایت کے متعلق جو کچھ ہم لکھ چکے ہیں اس کو بیک نظر پھر مطالعہ کر لیا جائے۔ آگے ذوالقرنین کا قصہ آتا ہے۔ یہ بھی ان تین چیزوں میں سے تھا جن کی نسبت یہود کے مشورہ سے قریش نے سوالات کئے تھے۔ "روح" کے متعلق جواب سورۂ "بنی اسرائیل" میں گزر چکا۔ اصحاب کہف کا قصہ اسی سورت "کہف" میں آچکا۔ تیسری چیز آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بوقتِ جدائی نصیحت:

بغوی کا بیان ہے کہ جب حضرت موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو فرمایا مجھے کچھ نصیحت کیجئے حضرت خضر نے کہا علم کی طلب لوگوں سے بیان کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ عمل کرنے کے لئے علم کی طلب کرنا۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے واقعہ کا سبق:

بیضاوی نے لکھا ہے اس قصہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آدمی کو اپنے علم پر غرور نہ کرنا چاہیے اور جو بات پسند نہ آئے اور صحیح نہ معلوم ہو اس کے انکار میں عجلت نہ کرے ممکن ہے اس کی تہ میں ایک ایسی پوشیدہ حقیقت ہو جس سے یہ شخص ناواقف ہو۔ میں کہتا ہوں جس شخص کی بات کو صحیح نہ سمجھا جا رہا ہو اگر وہ عالم ہو دیندار ہو اور متقی ہو تب تو اس کے فعل کا فوری انکار کر دینا اور بھی نامناسب ہے۔ اس سے برابر سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ معلم کا ادب کیا جائے گفتگو میں تہذیب رکھی جائے۔ قصوروار کو اس کے قصور پر متنبہ کرنا اور پھر معاف کر دینا چاہیے اور جب اس سے بار بار قصور سرزد ہو تو اس سے جدائی اختیار کر لی جائے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کے اس قصہ سے ان تمام امور کی تعلیم مستفاد ہو رہی ہے۔

مسئلہ حیات خضر کی مزید وضاحت:

بغوی نے لکھا ہے اس سلسلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ بعض کا خیال ہے خضر والیاسؑ دونوں زندہ ہیں ہر سال حج میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے خضر نے آب حیات پی لیا تھا ذوالقرنین جب آب حیات کی تلاش میں ظلمات میں داخل ہوا تو خضر کو اپنے ساتھ لے گیا خضر ہراول دستہ میں آگے آگے تھے، چلتے چلتے خضر چشمے پر پہنچ گئے اتر کر انہوں نے چشمہ کے پانی سے غسل کیا اور کچھ پی لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا ذوالقرنین راستہ بھٹک گیا اور نامراد واپس آ گیا۔

ایک رات عشاء کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری یہ رات دکھا دی گئی (یعنی خواب میں شب قدر دکھا دی گئی یا یہ رات جو سامنے ہے اس میں مجھے یہ بات دکھا دی گئی) اب سے (آئندہ) سو برس کی انتہا تک ہر وہ شخص جو اس وقت روئے زمین پر زندہ ہے (مر جائے گا) زندہ نہیں رہے گا۔ مؤلف حصن حصین نے الحرز یہ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک (اجنبی) شخص آ گیا۔ سپید داڑھی کھلتا ہوا رنگ جسامت میں بھاری آتے ہی لوگوں کی گردنیں پھلانگتا آگے بڑھ گیا اور رونے لگا، پھر صحابہؓ کی طرف رخ کر کے ہر مصیبت کی تسلی اور ہر فوت شدہ کا عوض اور ہر مرنے والے کا جانشین اللہ ہی کے پاس ہے، اسی کی طرف رجوع کرو، وہ تمہاری اس مصیبت میں تم کو دیکھ رہا ہے تم انتظار کرو دکھ ایسے شخص کا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی اس کے بعد وہ آدمی واپس چلا گیا حضرت ابوبکر اور حضرت علیؓ نے فرمایا، یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت خضرؑ سے اولیاء کرام کی ملاقات اور تحصیل فیض کی حکایتیں تو مشہور ہی ہیں۔ یہ روایات بتاتی ہیں کہ خضر زندہ ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ خضر

اگر زندہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے کنارہ کش نہ رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تو سب ہی لوگوں کے لئے تھی، خضر کیسے مستثنیٰ ہوسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، اگر موسیٰ میرے زمانہ میں زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کے لئے بھی کوئی چارہ نہ ہوتا (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبداللہ) آسمان سے اترنے کے بعد حضرت عیسیٰ بھی امت اسلامیہ ہی کے ایک فرد کے پیچھے نماز پڑھیں گے (یعنی امام مہدی کی اقتداء کریں گے) رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ وجابر بن عبداللہؓ۔

حیات وممات خضر کے مسئلہ کا حل:

اس مسئلہ کا واحد حل حضرت مجددؒ کے بیان سے ہوسکتا ہے حضرت مجدد صاحب سے جب حضرت خضر کے زندہ یا مردہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے اللہ کی طرف توجہ کی اور بارگاہ قدس سے اس کا جواب ملنے کی دعا کی، چنانچہ عالم مراقبہ میں آپ نے دیکھا کہ خضر سامنے آگئے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب نے حضرت خضرؑ سے خود ان کی حالت دریافت کی۔ حضرت خضرؑ نے فرمایا میں اور الیاس دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ نے ہماری روحوں کو ایسی طاقت عطا فرمادی ہے کہ ہم جسم کا لباس پہن کر بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتاتے اور مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں اگر اللہ چاہتا ہے۔ (بعض لوگوں کا) علم لدنی بھی تعلیم کرتے اور نسبت بھی عطا کرتے ہیں ہم کو اللہ نے قطب مدار کا مددگار بنایا ہے، قطب مدار کو اللہ نے مدار عالم بنایا ہے انہی کی برکت سے یہ عالم قائم ہے ہم ان کی مدد کرتے ہیں اس زمانہ میں ان کا مسکن ملک یمن ہے وہ فقہ شافعی کے پیرو ہیں ہم بھی قطب مدار کے ساتھ شافعی فقہ کے موافق نماز پڑھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

یہ ہے پھیر ان چیزوں کا جن پر تو صبر نہ کر سکا

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۭ قُلْ سَاَتْلُوْا

اور تجھ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کو کہہ اب پڑھتا ہوں

عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ

تمہارے آگے اس کا کچھ احوال ہم نے اس کو جمایا تھا ملک میں

وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

اور دیا تھا ہم نے اس کو ہر چیز کا سامان

ذوالقرنین:

اس بادشاہ کو ''ذوالقرنین'' اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب) پر پھر گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دیندار بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ ودلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔ مجموعہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا اور ان کی برکت سے حق تعالیٰ نے خارق عادت سامان ووسائل عطا فرمائے تھے۔ جن کے ذریعہ سے اس کو مشرق ومغرب کے سفر اور محیر العقول فتوحات پر قدرت حاصل ہوئی۔ حضرت خضر اس کے وزیر تھے، شاید اسی لئے قرآن نے خضر کے قصہ کے ساتھ اس کا قصہ بیان فرمایا۔ قدیم شعرائے عرب نے اپنے اشعار میں ''ذوالقرنین'' کا نام بڑی عظمت سے لیا ہے اور اس کے عرب ہونے پر فخر کرتے رہے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد تاریخی سے پہلے کا کوئی جلیل القدر عرب بادشاہ ہے۔ شاید اسکندر کو بھی اسی کی ایک گونہ مشابہت سے ذوالقرنین کہنے لگے ہوں۔ حال میں یورپ کے ماہرین آثار قدیمہ نے قدیم سامی عربوں کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں کا سراغ لگایا ہے جن کا تاریخی اوراق میں کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں، بلکہ بعض ممتاز ومشہور سلاطین کا نام تک کتب تاریخ میں نہیں ملتا۔ مثلاً بادشاہ ''حمورابی'' جو غالباً حضرت ابراہیم کے عہد میں ہوا ہے اور جس کو کہا گیا ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا مقنن تھا۔ اس کے قوانین منارۂ بابل پر کندہ ملے ہیں۔ جن کا ترجمہ انگریزی میں شائع ہوگیا ہے۔ پرانے کتبات سے اس کی عجیب وغریب عظمت ثابت ہوتی ہے۔ بہرحال ''ذوالقرنین'' ان ہی میں کا کوئی بادشاہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالقرنین کی تعیین:

وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ اور وہ (یہودی یا مکہ کے مشرک بطور امتحان) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کررہے ہیں۔ بغوی نے کہا ہے بعض علماء کے نزدیک ذوالقرنین کا نام مرزبان بن مرزبہ تھا یہ یونانی تھا اور یافث بن نوح کی نسل میں سے تھا بعض نے کہا وہ رومی تھا سکندر بن فیلبس بن فیلقوس نام تھا میرے نزدیک موخر الذکر قول زیادہ صحیح ہے۔ شیرازی نے الالقاب میں اور ابن اسحاق وابن المنذر وابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ یمنی کا بیان نقل کیا ہے وہب بن منبہ گزشتہ واقعات تاریخی کا بڑا عالم تھا کہ ذوالقرنین رومی تھا ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا تھا، بڑھیا کی کوئی اور اولاد نہ تھی ذوالقرنین کا نام سکندر تھا۔ ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ سکندر ہی ذوالقرنین تھا۔

ذوالقرنین کیا تھا:

بغوی نے لکھا ہے ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں یہ اختلافی مسئلہ ہے کچھ لوگ کہتے ہیں نبی تھا ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ سے ذوالقرنین کے متعلق دریافت

کیا گیا کہ وہ نبی تھا یا بادشاہ تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، نہ وہ نبی تھا نہ بادشاہ تھا ایک ایسا بندہ تھا جو اللہ سے محبت کرتا تھا اور اللہ اس سے محبت کرتا تھا، اس نے اللہ کی فرمانبرداری خلوص سے کی اللہ نے اس کو خیر عطا فرمائی۔ ابن مردویہ نے سالم بن ابی الجند کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کیا ذوالقرنین نبی تھا؟ فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص فرماں بردار بندہ تھا، اللہ نے بھی اس کے خلوص کی قدر دانی کی۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے سنا ایک شخص دوسرے کو ذوالقرنین کہہ کر پکار رہا ہے، فرمایا پیغمبروں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے پر تم نے قناعت نہیں کی کہ اب فرشتوں کے ناموں پر اپنے نام رکھنے لگے۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل نیک بادشاہ تھا، ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ کیا تھی،

ذوالقرنین کے متعلق مختلف اقوال:

بغوی نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں:

ا۔ آفتاب کے دو کنارے ہیں مشرق اور مغرب ذوالقرنین دونوں کناروں تک جا پہنچا تھا۔

۲۔ روم اور فارس دونوں کا بادشاہ تھا۔

۳۔ روشن دنیا میں بھی وہ رہا اور ظلمات میں بھی داخل ہوا (شاید یہ مراد ہے کہ افریقہ بلاد سوڈان اور روم دونوں جگہ گیا۔ نور سے مراد گوروں کا ملک اور ظلمت سے مراد کالوں کا ملک)۔

۴۔ اس نے خواب دیکھا تھا کہ آفتاب کے دونوں کنارے اس نے پکڑ لیے ہیں۔

۵۔ اس کے دو خوبصورت گیسو تھے۔ (قرن گیسو یا زلف)

۶۔ اس کے دو سینگ (یعنی سر میں دو ابھار) تھے جن کو عمامہ سے چھپائے رکھتا تھا۔ ابن عبدالحکم نے یونس بن عبید کی روایت سے اور شیرازی نے الالقاب میں قتادہ کے حوالہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

۷۔ ابوالطفیل کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ یہ بیان فرمائی کہ اس نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی قوم نے اس کے سر کے دائیں طرف ایسی چوٹ ماری کہ وہ مرگیا پھر اللہ نے اس کو زندہ کردیا اور اس نے قوم کو اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کی قوم نے پھر اس کے سر کے بائیں جانب ایسی ضرب لگائی کہ وہ مرگیا مگر اللہ نے اس کو پھر زندہ کردیا (قرن کھوپڑی کا دایاں بایاں ابھار یا پیشانی کا دایاں بایاں رخ)

ذوالقرنین کے دوسینگ:

احمد نے الزہد میں اور ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے العظمۃ میں ابولورقاء کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا۔ ذوالقرنین کے دوسینگ کیسے تھے فرمایا تم خیال کرتے ہو گے کہ سونے یا چاندی کے دوسینگ تھے ایسا نہ تھا بلکہ وہ نبی تھے اللہ نے امت کو ہدایت کرنے کے لئے ان کو مبعوث فرمایا تھا انہوں نے امت کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے بائیں جانب ایسی چوٹ ماری کہ وہ مرگئے پھر اللہ نے ان کو زندہ کردیا اور دعوت کا حکم دیا انہوں نے قوم کو دعوت دی لوگوں نے ان کے سر کے دائیں جانب ایسی ضرب رسید کی کہ وہ مرگئے اور اللہ نے ان کا نام ذوالقرنین رکھ دیا۔

ذوالقرنین کی حکمرانی:

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ، ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، بادل کو ذوالقرنین کے حکم کے تابع بنادیا گیا تھا ابر پر وہ سوار ہوتا تھا اس کے ذرائع دراز کردیئے گئے تھے اس کے لئے روشنی پھیلادی گئی تھی (یعنی رات بھی اس کے لئے روشن کردی گئی تھی) رات دن اس کے لئے برابر تھے تمکین فی الارض کا یہی معنی ہے مطلب یہ ہے کہ زمین پر رفتار اس کے لئے آسان کردی گئی اور سارے راستے اس کے لئے کھول دیئے گئے تھے (راستے آسان کرنے کا شاید یہ مقصود ہو کہ ہر طرح کی سواری اس کو میسر تھی اور رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہ ہوتا تھا)۔

ذوالقرنین کی مادی طاقت:

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا، اور ہر قسم کا سامان ہم نے اس کو عطا کردیا تھا یعنی جو چیز وہ چاہتا تھا اور جس طرف رخ کرتا تھا اس کا علم قدرت اور دوسرے کار برآری کے ذرائع ہم نے اس کو عطا کردیئے تھے۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے ذوالقرنین کو اس کے حصول کے ذرائع ہم نے دیدیئے تھے یا یہ مقصد ہے کہ بادشاہوں کو دشمنوں سے لڑنے اور ملک فتح کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب ذوالقرنین کو ہم نے دیدی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا لفظ سبب عربی لغت میں ہر اس چیز کیلئے بولا جاتا ہے جس سے اپنے مقصد حاصل کرنے میں مدد لی جاتی ہے۔ جس میں آلات و وسائل مادیہ بھی شامل ہیں اور علم و بصیرت و تجربہ وغیرہ بھی (بحر محیط) اور مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سے مراد وہ تمام امور ہیں جن کی ضرورت نظام سلطنت کے لئے ایک بادشاہ اور حکمران کو پیش آتی ہے، مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ذوالقرنین کو اپنی عدل گستری اور امن عالم کے قیام اور فتوحات ممالک کیلئے جس جس سامان کی ضرورت اس زمانے میں تھی وہ سب کے سب ان کو عطا کردیئے گئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

سکندر اوّل اور سکندر ثانی:

سکندر اول تو بقول ازرقی وغیرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے

میں تھا۔ اس نے آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کی بنا کے بعد طواف بیت اللہ کیا ہے آپ پر ایمان لایا تھا آپ کا تابعدار بنا تھا انہی کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے اور سکندر ثانی کا وزیر ارسطاطالیس مشہور فیلسوفی تھا، واللہ اعلم۔ اسی نے مملکت روم کی تاریخ لکھی۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے تھا اور سکندر اول جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے زمانے میں تھا جیسے ازرقی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف بنایا تو اس نے آپ کے ساتھ طواف کیا تھا اور خدا تعالیٰ کے نام بہت سی قربانیاں کی تھیں۔ ہم نے بفضلہ ان کے بہت سے واقعات اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں ذکر کر دیئے ہیں۔

ذوالقرنین کہلانے کی وجہ:

وہبؒ کہتے ہیں یہ بادشاہ تھے چونکہ ان کے سر کے دونوں طرف تانبا رہتا تھا اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا گیا یہ بھی وجہ بتلائی گئی ہے کہ یہ روم اور فارس کا دونوں کا بادشاہ تھا۔ بعض کا قول ہے کہ فی الواقع اس کے سر کے دونوں طرف کچھ سینگ سے تھے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے نیک بندے تھے اپنی قوم کو خدا تعالیٰ کی طرف بلایا یہ لوگ مخالف ہو گئے اور ان کے سر کے ایک جانب اس قدر مارا کہ یہ شہید ہو گئے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندہ کر دیا قوم نے پھر سر کے دوسری طرف اس قدر مارا جس سے یہ پھر مر گئے۔ اس لئے انہیں ذوالقرنین کہا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

ذوالقرنین کے متعلق قرآنی بیانات:

"وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کر لیا اور ان میں عدل وانصاف کی حکمرانی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیئے گئے تھے انہوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے، مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک، پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج سے اس علاقہ کے لوگ محفوظ ہو گئے"۔

جدید انکشافات کی حیثیت:

اہل یورپ نے اس زمانے میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی، اس پر تحقیق وتفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت وکاوش سے کام لیا آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دیئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے، لیکن آثار قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کی تائید میں مدد تو مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جا سکتا، اس کے لئے تو تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں۔

متعدد محققین کے بیانات:

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پاحج کے لئے پہنچے، جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا، اور حضرت خلیل علیہ السلام نے ان کے لئے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں۔ (البدایہ ص ۱۰۸ جلد۲)۔ اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا، پھر قربانی دی۔

اور ابوریحان بیرونی نے اپنی کتاب الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے ابوبکر بن سمی بن عمر بن افریقیس حمیری ہے، جس نے زمین کے مشارق ومغارب کو فتح کیا، اور تبع حمیری یمنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے ان کے اشعار یہ ہیں۔

قد كان ذوالقرنين جدى مسلما ملكا علا في الارض غير معبد
بلغ المشارق والمغارب يبتغى اسباب ملك من كريم سيد

یہ روایت بحر محیط میں ابوحیان نے نقل کی ہے، ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ یہ ذوالقرنین تابعہ یمن میں سب سے پہلا تبع ہے، اور یہی وہ شخص ہے جس نے بیر سبع کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ ص ۱۰۵ جلد۲)۔ ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام ونسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ بتلایا گیا ہے۔

یہودیوں کے خیالات:

یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطے سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم وتکریم کرتے تھے۔

ذوالقرنین کی فقیری:

بود شاہے در فرمان پیش زین ملک دنیا بودش وہم ملک دیں

خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک عادل اور نیک دل بادشاہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے مشرق سے مغرب تک کی حکمرانی اور فرمانروائی عطا کی تھی اور روئے زمین کے تمام بادشاہ اس کے زیر فرمان تھے۔ ظاہر میں وہ بادشاہ تھا مگر باطنی طور پر وہ اصحاب کہف سے زیادہ فقیر اور درویش تھا بادشاہت اور ولایت۔ امیری اور فقیری دونوں کا جامع تھا عجیب بادشاہ کہ اپنی نوع کا مجمع البحرین

تھا۔ جس میں ظاہری اور باطنی سلطنت کے دونوں دریا جمع تھے۔

علماء شریعت یہ کہتے ہیں کہ ذوالقرنین کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ وہ دنیا کے دونوں کناروں (مشرق ومغرب پر پہنچ گیا اور مشرق سے لے کر مغرب تک دنیا کا فرماں روا اور بادشاہ بنا اور اولیائے طریقت یہ کہتے ہیں کہ اس کو ذوالقرنین اس لئے کہا گیا کہ اس کو علم ظاہری اور علم باطنی دونوں عطا کئے گئے۔ (دیکھو فتح الباری ص۲۷۲ جلد ۶ وعمدۃ القاری ص۳۲۷ جلد۷)

اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا موازنہ:

اصحاب کہف کافر وظالم فرماں روا سے بھاگ کر پہاڑ کی غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین یاجوج وماجوج جیسے ظالموں اور مفسدوں کو پہاڑ کے پیچھے دھکیل کر آہنی دیوار قائم کر رہا تھا کہ کوئی کافر اور ظالم اور فتنہ پرداز ملک میں داخل ہو کر فتنہ فساد برپا نہ کر سکے اصحاب کہف کافروں اور ظالموں سے ڈر کر غار میں جا کر چھپے اور ذوالقرنین جیسا بادشاہ مشرق سے لے کر مغرب تک کافروں اور ظالموں کو دھمکاتا ہوا چلا گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء کا اثر:

ذوالقرنین ابراہیم علیہ السلام کا ہمعصر تھا۔ ان پر ایمان لایا تھا ان کے صحابہ میں سے تھا۔ خانہ کعبہ کے سامنے ان سے ملا اور مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی ان کی دعا کی برکت سے مشرق ومغرب کا سفر اس پر آسان ہو گیا اور خارق عادت اور محیر العقول فتوحات پر اس کو قدرت حاصل ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بادشاہت کے ساتھ علم وحکمت بھی عطا فرمائی اور ہیبت کا لباس پہنایا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ ان کے تابع تھے اور اس سے ڈرتے تھے۔

روئے زمین کے چار بادشاہ:

روایت کیا گیا کہ چار آدمی تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے دو مومن ذوالقرنین اور سلیمانؑ تھے اور دو کافر بخت نصر اور نمرود تھے مادر پانچویں فرمانروا امام مہدی ہیں جو آخیر زمانہ میں ظاہر ہوں گے اور تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوں گے پہلے چار بادشاہ امم سابقہ میں سے تھے اور پانچویں بادشاہ امت محمدیہ میں سے یعنی (امام مہدی) ہوں گے۔ لیظھرہ علی الدین کلہ۔

سکندر یونانی اور سکندر ذوالقرنین:

اور یہ ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور جس کو سکندر بھی کہا گیا ہے۔ یہ سکندر یونانی کے علاوہ دوسرا بادشاہ ہے اور سکندر یونانی سے دوہزار سال قبل گزرا ہے اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ ذوالقرنین وہی سکندر یونانی تھا جس نے اسکندریہ کو تعمیر کیا تو سو یہ گمان بالکل غلط ہے اس لئے کہ ذوالقرنین جس کا قصہ قرآن میں بیان ہوا وہ مرد مومن اور دیندار اور انصاف شعار بادشاہ تھا اور ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر باتدبیر یا امیر لشکر تھے اور سکندر یونانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوہزار سال بعد پیدا ہوا اور وہ کافر اور مشرک تھا اور ارسطا طالیس اس کا وزیر تھا اور وہ فقط بیت المقدس تک پہنچا تھا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ذوالقرنین کو یہ شوق ہوا تھا کہ دیکھے دنیا کہاں تک بستی ہے مشرق اور مغرب تک پہنچا مگر اللہ تعالیٰ کے ملک کی حد نہ پا سکا یہ سفر بھی تمام ہوا اس کے بعد ایک اور سفر کا بیان ہوتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝
پھر پیچھے پڑا ایک سامان کے ☆

یعنی سرانجام کرنے لگا ایک سفر کا۔

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
یہاں تک کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کی جگہ پایا
تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ
کہ وہ ڈوبتا ہے ایک دلدل کی ندی میں ☆

سکندر کا پہلا سفر:

یعنی یوں نظر آیا جیسے سمندر میں سفر کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ سورج پانی میں سے نکل رہا ہے اور پانی ہی میں ڈوبتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ذوالقرنین" کو شوق ہوا کہ دیکھے دنیا کی آبادی کہاں تک بسی ہے۔ سو مغرب کی طرف اس جگہ پہنچا کہ دلدل تھی نہ گزر آدمی کا نہ کشتی کا۔ اللہ کے ملک کی حد نہ پا سکا"

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ڛ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ
اور پایا اس کے پاس لوگوں کو ہم نے کہا اے ذوالقرنین
اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝
یا تو تو لوگوں کو تکلیف دے اور یا رکھ ان میں خوبی ☆

ذوالقرنین کا مقام ومرتبہ:

یعنی "ذوالقرنین" کو ان لوگوں پر ہم نے دونوں بات کی قدرت دی جیسا کہ ہر بادشاہ ہر حاکم کو نیک وبد کی قدرت ملتی ہے۔ چاہے خلق کو ستا کر بدنام ہو، چاہے عدل وانصاف اور نیکی اختیار کر کے اپنا ذکر خیر جاری رکھے یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ کافر تھے، ہم نے ذوالقرنین کو اختیار دیا کہ

چاہے ان کو قتل کر دے یا پہلے اسلام کی طرف دعوت دے۔ ذوالقرنین نے دوسری شق اختیار کی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو حق تعالیٰ نے خود خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے، اگر ذوالقرنین کو نبی قرار دیا جائے تب تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ بذریعہ وحی ان سے کہہ دیا گیا اور اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس قُلْنَا اور يٰذَا الْقَرْنَيْنِ کے خطاب کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی پیغمبر کے واسطہ سے یہ خطاب ذوالقرنین کو کیا گیا ہے جیسا کہ روایات میں حضرت خضرؑ کا ان کے ساتھ ہونا مذکور ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وحی نبوت اور رسالت نہ ہو، ایسی لغوی وحی ہو، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے قرآن میں و اوحینا کے الفاظ آئے ہیں، حالانکہ ان کے نبی یا رسول ہونے کا کوئی احتمال نہیں، مگر ابوحیان نے بحرمحیط میں فرمایا کہ ذوالقرنین کو جو یہاں حکم دیا گیا ہے وہ اس قوم کے قتل وسزا کا حکم ہے اس طرح کا کوئی حکم بغیر وحی نبوت کے نہیں دیا جاسکتا، یہ کام نہ کشف والہام سے ہوسکتا ہے نہ بغیر وحی نبوت کے کسی اور ذریعہ سے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی احتمال صحیح نہیں کہ یا تو ذوالقرنین کو خود نبی مانا جائے یا پھر کوئی نبی ان کے زمانے میں موجود ہوں ان کے ذریعہ ان کو خطاب ہوتا ہو، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ

بولا جو کوئی ہو گا بے انصاف سو ہم اس کو سزا دیں گے پھر

يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَاَمَّا

لوٹ جائے گا اپنے رب کے پاس وہ عذاب دے گا اس کو بُرا عذاب اور جو کوئی

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨ الْحُسْنٰى

یقین لایا اور کیا اس نے بھلا کام سو اس کا بدلہ بھلائی ہے

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

اور ہم حکم دیں گے اس کو اپنے کام میں آسانی ☆

عادل بادشاہ کا طریقہ:

یعنی آخرت میں بھلائی ملے گی اور دنیا میں ہم اس پر سختی نہ کرینگے۔ بلکہ اپنے کام کے لئے جب کوئی بات اس سے کہیں گے سہولت اور نرمی کی کہیں گے۔ فی الحقیقت جو بادشاہ عادل ہو اس کی یہی راہ ہوتی ہے۔ بروں کو سزا دے اور بھلوں سے نرمی کرے۔ ذوالقرنین نے یہی چال اختیار کی۔ (تفسیر عثمانی)

ذوالقرنین نے کہا جو ظلم کرے گا ہم اس کو سزا دیں گے پھر اس کو اس کے رب کے پاس لوٹا کر لے جایا جائے گا وہ اس کو سخت ترین سزا دے گا اور جو ایمان لے آئے گا اور اچھے کام کرے گا اس کے لئے نیکی کا اچھا بدلہ ہوگا۔ یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں یا اللہ کی طرف سے اختیار ملنے کے بعد جب اس نے دعوت اسلام دیدی تو کہا کہ میری اس دعوت کے بعد جو کوئی کفر پر جما رہا اور شرک کی صورت میں اپنے اوپر خود ظلم کرتا رہا تو میں اور میرے ساتھی اس کو قتل کر دیں گے اور آخرت میں اللہ اس کو ایسا عذاب دے گا جو کسی کے علم میں نہیں وہ اتنا عظیم ترین اور غیر معمولی ہوگا کہ اس دنیا میں کسی کے سامنے نہیں آیا۔ نیک کام کرنے سے مراد ہے تقاضا ایمان کے موافق عمل کرنا۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۹﴾

پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ☆

ذوالقرنین کا مشرقی سفر:

یعنی مغربی سفر سے فارغ ہو کر مشرقی سفر کا سامان درست کرنے لگا۔ قرآن وحدیث میں یہ تصریح نہیں کہ ذوالقرنین کے یہ سب سفر فتوحات اور ملک گیری کیلئے تھے ممکن ہے محض سیر وسیاحت کے طور پر ہوں، اثنائے سفر میں ان اقوام پر بھی گزر رہا ہو جو اس کے زیر حکومت آچکی تھیں اور بعض اقوام نے ایک طاقتور بادشاہ سمجھ کر ظالموں کے مقابلہ میں فریاد کی ہو۔ جس کا ذوالقرنین نے اپنی غیر معمولی قوت سے سدباب کر دیا۔ جیسا کہ آگے ''یاجوج ماجوج'' کے قصہ میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

یہاں تک کہ جب پہنچا سورج نکلنے کی جگہ پایا اسکو کہ نکلتا ہے

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

ایک قوم پر کہ نہیں بنا دیا ہم نے ان کیلئے آفتاب سے ورے کوئی حجاب

انتہائے مشرق کی وحشی قوم:

یعنی انتہائے مشرق میں ایک ایسی قوم دیکھی جن کو آفتاب کی شعاعیں بے روک ٹوک پہنچتی تھیں یہ لوگ وحشی جانگلو ہونگے گھر بنانے اور چھت ڈالنے کا ان میں دستور نہ ہوگا جیسے اب بھی بہت سی خانہ بدوش وحشی اقوام میں رواج نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾

یونہی ہے اور ہمارے قابو میں آچکی ہے اس کے پاس کی خبر ☆

یعنی ذوالقرنین کے سفر مشرق ومغرب کی جو کیفیت بیان کی گئی واقع میں اسی طرح ہے جو وسائل اس کے پاس تھے اور جو حالات وہاں پیش آئے ان

سب پر ہمارا علم محیط ہے۔ تاریخ والے شاید اس جگہ کچھ اور کہتے ہونگے اور فی الحقیقت اتنا ہے جو فرمادیا بعض مفسرین نے "کذلک" کا مطلب یہ لیا ہے کہ ذوالقرنین نے مغربی قوم کے متعلق جو روش اختیار کی تھی ویسی ہی اس مشرقی قوم کے ساتھ اختیار کی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾
پھر لگا ایک سامان کے پیچھے ☆

تیسرا سفر: یہ تیسرا سفر مشرق ومغرب کے سوا کسی تیسری جہت میں تھا۔ مفسرین عموماً اس کو شمالی سفر کہتے ہیں قرآن وحدیث میں یہ تصریح نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ
یہاں تک کہ جب پہنچا دو پہاڑوں کے بیچ پائے اُن سے ورے
دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾
ایسے لوگ جو لگتے نہیں کہ سمجھیں ایک بات ☆

یاجوج ماجوج کی ستائی ہوئی قوم:

یعنی ذوالقرنین اور اس کے ساتھیوں کی بولی وہ لوگ نہیں سمجھتے تھے۔ آگے جو گفتگو نقل کی گئی ہے غالباً کسی ترجمان کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ اور ترجمان کسی درمیانی قوم میں کا ہوگا، جو دونوں کی زبان قدرے سمجھتا ہو۔

تنبیہ: اس قوم اور "یاجوج ماجوج" کے ملک میں یہ دو پہاڑ حائل تھے جن پر چڑھائی ممکن نہ تھی۔ البتہ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں ایک درکھلا ہوا تھا اسی سے "یاجوج ماجوج" آتے اور ان لوگوں کو لوٹ مار کر چلے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

دو پہاڑ:

سد اور سُد ہم معنی ہیں عکرمہؒ نے کہا انسان کی بنائی بندش کو سد کہتے ہیں اور قدرتی رکاوٹ وآڑ کو سُد۔ سدین سے مراد اس جگہ وہ دو پہاڑ ہیں جن کے درمیان ذوالقرنین نے ایک دیوار بنادی تھی تاکہ یاجوج وماجوج پرے سے دیوار کے ورے نہ آسکیں۔ بیچ میں دیوار حائل ہوجائے۔ یہ دونوں پہاڑ آرمینیا اور آذربیجان کے تھے۔ ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ ترکوں کی حدود جہاں ختم ہوتی ہیں، اس کے بالکل آخری شمال میں دو پہاڑ تھے جن سے پرے یاجوج وماجوج تھے وہی دونوں پہاڑ مراد ہیں، یہ قول سعید بن منصور نے سنن میں اور ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یاجوج ماجوج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے چہرہ مبارک سرخ ہورہا تھا اور فرماتے جاتے تھے لا الہ الا اللہ عرب کی خرابی کا وقت قریب آگیا آج یاجوج ماجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہوگیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے حلقہ بنا کر دکھایا۔ اس پر ام المومنین حضرت زینب بنت جحشؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کیا ہم بھلے لوگوں کی موجودگی میں بھی ہلاک کردیئے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں جب خبیث لوگوں کی کثرت ہوجائے۔ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ بخاری ومسلم دونوں میں ہے۔ ہاں بخاری شریف میں راویوں کے ذکر میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں مسلم میں ہے اور بھی اس کی سند میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بہت ہی کم پائی گئی ہیں مثلاً زہری کی روایت عروہ سے حالانکہ یہ دونوں بزرگ تابعی ہیں اور چار عورتوں کا آپس میں ایک دوسرے سے روایت کرنا پھر چاروں عورتیں صحابیہ رضی اللہ عنہن۔ پھر ان میں بھی دو حضور علیہ السلام کی بیویوں کی لڑکیاں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ بزار میں یہی روایت حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکے تھے سام، حام اور یافث، سام کی نسل سے کل عرب ہیں اور حام کی نسل سے کل حبشی ہیں اور یافث کی نسل سے کل ترک ہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یاجوج ماجوج ترکوں کے اس جد اعلیٰ یافث کی ہی اولاد ہیں۔ انہیں ترک اس لئے کہا گیا ہے کہ انہیں بوجہ ان کے فساد اور شرارت کے انسانوں کی اور آبادی کے پس پشت پہاڑوں کی آڑ میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

ان پہاڑوں کے درے میں ذوالقرنین نے انسانوں کی ایک آبادی پائی جو بوجہ دنیا کے اور لوگوں سے دوری کے اور ان کی اپنی مخصوص زبان کے اوروں کی بات بھی تقریباً نہیں سمجھ سکتے تھے۔ ان لوگوں نے ذوالقرنین کی قوت وطاقت عقل وہنر کو دیکھ کر درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم آپ کیلئے بہت سا مال جمع کردیں اور آپ ان پہاڑوں کے درمیان کی گھاٹی کو کسی مضبوط دیوار سے بند کردیں تاکہ ہم ان فسادیوں کی روزمرہ کی ان تکالیف سے بچ جائیں۔ اس کے جواب میں حضرت ذوالقرنین نے فرمایا مجھے تمہارے مال کی ضرورت نہیں خدا کا دیا سب کچھ میرے پاس موجود ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ یہی جواب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ملکہ سبا کے قاصدوں کو دیا گیا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنے اس جواب کے بعد فرمایا کہ ہاں تم اپنی قوت وطاقت اور کام کاج سے میرا ساتھ دو تو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط دیوار کھڑی کردیتا ہوں۔ زبر جمع ہے زبرۃ کی۔ ذوالقرنین فرماتے ہیں کہ لوہے کے ٹکڑے اینٹوں کی طرح کے میرے پاس لاؤ جب یہ ٹکڑے جمع ہوگئے تو آپ نے دیوار بنانی شروع کرادی اور وہ لمبائی اور چوڑائی میں اتنی ہوگئی

کہ تمام جگہ گھر گئی اور پہاڑ کی چوٹی کے برابر پہنچ گئی۔ اس کے طول وعرض اور موٹائی کی پیمائش میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ جب یہ دیوار بالکل بن گئی تو حکم دیا کہ اب اس کے چوطرف آگ بھڑکاؤ جب وہ لوہے کی دیوار بالکل انگارے جیسی سرخ ہوگئی تو حکم دیا کہ اب پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور ہر طرف سے اس کے اوپر بہا دو چنانچہ یہ بھی کیا گیا پس ٹھنڈی ہوکر یہ دیوار بہت ہی مضبوط اور پختہ ہوگئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاریدار چادر ہو۔

ایک صحابی نے سدِ سکندری دیکھی تھی:

ابن جریر میں ہے کہ ایک صحابیؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے وہ دیوار دیکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیسی ہے؟ اس نے کہا دھاریدار چادر جیسی جس میں سرخ وسیاہ دھاریاں ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے۔

دیوار کی تحقیق کیلئے لشکر کی روانگی:

خلیفہ واثق نے اپنے زمانے میں اپنے امیروں کو ایک وافر لشکر اور بہت سا سامان دے کر روانہ کیا تھا کہ وہ اس دیوار کی خبر لائیں یہ لشکر دو سال سے زیادہ سفر میں رہا اور ملک در ملک پھرتا ہوا آخرش اس دیوار تک پہنچا دیکھا کہ لوہے اور تانبے کی دیوار ہے اس میں ایک بہت بڑا نہایت پختہ عظیم الشان دروازہ بھی اسی کا ہے جس پر منوں وزنی قفل لگے ہوئے ہیں اور جو مال مسالہ دیوار کا بچا ہوا ہے وہیں پر ایک برج میں رکھا ہوا ہے جہاں پہرہ چوکی مقرر ہے۔ دیوار بے حد بلند ہے کتنی ہی کوشش کی جائے لیکن اس پر چڑھنا ناممکن ہے اس سے ملا ہوا پہاڑوں کا سلسلہ دونوں طرف برابر چلا گیا ہے اور بھی بہت سے عجائب وغرائب امور دیکھے جو انہوں نے واپس آکر خلیفہ کی خدمت میں عرض کئے۔

بالآخر یاجوج ماجوج دیوار توڑیں گے:

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز یاجوج ماجوج اس دیوار کو کھودتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہوتا ہے کہ سورج کی شعاع ان کی نظر آ جائیں چونکہ دن گزر جاتا ہے اس لئے ان کے سردار کا حکم ہوتا ہے کہ اب بس کرو کل آکر توڑ دینگے لیکن جب وہ دوسرے دن آتے ہیں تو اسے پہلے دن سے زیادہ مضبوط پاتے ہیں۔ قیامت کے قریب جب ان کا نکلنا خدا تعالیٰ کو منظور ہوگا تو یہ کھودتے ہوئے جب چھلکے جیسی کر دینگے تو ان کا سردار کہے گا اب چھوڑ دو کل ان شاء اللہ اسے توڑ ڈالیں گے۔ پس ان شاء اللہ کہہ لینے کی برکت سے دوسرے دن جب وہ آئیں گے تو جیسی چھوڑ گئے تھے ویسے ہی پائیں گے فوراً گرا دیں گے اور باہر نکل پڑیں گے۔

لغات مشکلہ کا حل:

بَیْنَ السَّدَّیْنِ لفظ سد عربی زبان میں ہر اس چیز کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی چیز کے لئے رکاوٹ بن جائے خواہ دیوار ہو یا پہاڑ اور قدرتی ہو یا مصنوعی، یہاں سدین سے دو پہاڑ مراد ہیں جو یاجوج ماجوج کے راستہ میں رکاوٹ تھے لیکن ان دونوں کے درمیانی درے سے وہ حملہ آور ہوتے تھے جس کو ذوالقرنین نے بند کیا۔

زُبَرَ الْحَدِیْدِ، زبر، زبرہ کی جمع ہے، جس کے معنی تختی یا چادر کے ہیں، مراد لوہے کے ٹکڑے ہیں جن کو اس درہ کو بند کرنے والی دیوار میں اینٹ پتھر کے بجائے استعمال کرنا تھا۔

الصدفین، دو پہاڑوں کی دو جانبین جو ایک دوسرے کے بالمقابل ہوں۔

قطراً۔ قطر کے معنی اکثر مفسرین کے نزدیک پگھلے ہوئے تانبے کے ہیں، بعض نے پگھلے ہوئے لوہے یا رانگ کو بھی قطر کہا ہے۔ (قرطبی)

دکاء، یعنی ریزہ ریزہ ہوکر زمین کے برابر ہو جانے والی۔

قرآن کریم نے ان کا مختصر سا حال اجمالاً بیان کیا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بقدر ضرورت تفصیلات سے بھی امت کو آگاہ کر دیا، ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کی چیز صرف اتنی ہی ہے جو قرآن اور احادیث صحیحہ میں آ گئی ہے۔

طوفانِ نوح کے بعد انسانی آبادی:

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یافث کی اولاد میں ہیں، ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو صحیح مسلم اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اس میں خروج دجال، نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یاجوج ماجوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

فتنہ دجال کے متعلق مفصل حدیث:

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا، اور تذکرہ فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر وذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے (مثلاً جنت ودوزخ کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات)۔ آپ کے بیان سے (ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ) گویا دجال کھجوروں کے جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی تاثرات کو بھانپ لیا اور

پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں جن سے اس کا معاملہ حقیر اور آسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں ایسی فرمائیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے۔

امت محمدیہ کیلئے فتنہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بہ نسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں، (یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے) اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا، (تمہیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں، اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار ہے،

دجال کا حلیہ:

(اس کی علامت یہ ہے) کہ وہ نوجوان سخت پیچدار بالوں والا ہے، اس کی ایک آنکھ اوپر کو ابھری ہوئی ہے (اور دوسری آنکھ سے کانا ہے، جیسا کہ دوسری روایات میں ہے) اور اگر میں (اس کی قبیح صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے۔ (یہ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ قبیلہ کا ایک بدشکل شخص تھا)

فتنۂ دجال سے حفاظت:

اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے، (اس سے دجال کے فتنہ سے محفوظ ہو جائے گا)

دجال کہاں سے نکلے گا:

دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا، اے اللہ کے بندو! اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

دجال کتنی مدت رہے گا:

ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کس قدر مدت رہے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا، لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا، اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا، اور باقی دن عام دنوں کے برابر ہوں گے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوں گی۔

دجال کی تیزی:

پھر ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کریگا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو۔

دجال کے خوارق:

پس دجال کی قوم کے پاس سے گزرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائیگی، (اور ان کے مویشی اس میں چریں گے) اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کوہان پہلے کی بہ نسبت بہت اونچے ہوں گے، اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے، اور ان کی کوکھیں پر ہوں گی، پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا، اور ان کو بھی اپنے کفر واضلال کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کی باتوں کو رد کردیں گے، وہ ان سے مایوس ہوکر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویران زمین کے پاس سے اس کا گزر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ، چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہولیں گے، جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہولیتی ہیں، پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا، جس کا شباب پورے زوروں پر ہوگا، اس کو تلوار مار کر دو ٹکڑے کردے گا، اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کردیئے جائیں گے جس قدر تیر مارنے والے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ (زندہ ہوکر) دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آ جائے گا۔

حضرت عیسیٰؑ کا نزول:

دریں اثنا حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے چنانچہ وہ دو رنگدار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے۔

کافروں کی موت:

جس کافر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مرجائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی۔

دجال کا قتل:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپ اسے باب اللد پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کر دیں گے۔

لوگوں کو خوشخبری:

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے اور (بطور شفقت کے) ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ حق تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے)

یاجوج ماجوج کا خروج:

اور حق تعالیٰ یاجوج ماجوج کو کھول دینگے۔ تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلتے ہوئے دکھائی دیں گے ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گزریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی ہوگا۔

مسلمانوں کی پناہ گیری:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے، اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا مگر وہ کم پڑ جائیگا تو ایک بیل کے سر کو سو دینار سے بہتر سمجھا جائے گا۔

مؤمنوں کی دُعاء اور یاجوج ماجوج کی موت:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دفع ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کریں گے (حق تعالیٰ دعا قبول فرمائیں گے) اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری بھیجیں گے اور یاجوج ماجوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مر جائیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں، (اور لاشوں کے سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا (اس کیفیت کو دیکھ کر دوبارہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق تعالیٰ سے دعا کریں گے (کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، حق تعالیٰ قبول فرمائیں گے) اور بہت بھاری بھرکم پرندوں کو بھیجیں گے جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی۔ (وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی، وہاں پھینک دیں گے) بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی، اور شیشہ کے مانند صاف ہوگی۔

قحط کا خاتمہ برکات کا ظہور:

پھر حق تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اگا دے اور (از سرِ نو) اپنی برکات کو ظاہر کر دے، چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکت ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا، اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا، اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہو جائے گا۔

سب مؤمنوں کی وفات:

(یہ غیر معمولی برکات اور امن وامان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو) اس وقت حق تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بغلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے، اور باقی صرف شریر و کافر رہ جائیں گے، جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

یاجوج ماجوج کی فتوحات:

اور حضرت عبدالرحمٰن بن یزید کی روایت میں یاجوج وماجوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے، وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گزرنے کے بعد یاجوج ماجوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل الخمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو سب کو قتل کر دیا ہے لو اب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کریں گے چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر حق تعالیٰ کے حکم سے خون آلود ہو کر ان کی طرف واپس آئیں گے (تاکہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا)۔

دجال مدینہ میں:

دجال کے قصہ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ منورہ سے دور رہے گا، اور مدینہ کے راستوں پر بھی اس کا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ کے قریب ایک شور زمین کی طرف آئے گا۔

ایک حق پرست آدمی:

اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا، اور وہ آدمی اس وقت کے

بہترین لوگوں میں سے ہوگا، اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی (یہ سن کر) دجال کہنے لگے گا، لوگو! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کردوں اور پھر اسے زندہ کردوں تو میرے خدا ہونے میں شک کروگے۔ وہ جواب دیں گے، نہیں، چنانچہ وہ اس آدمی کو قتل کردے گا، اور پھر اس کو زندہ کردے گا تو وہ دجال کو کہیگا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا ہے دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا، (صحیح مسلم)

یاجوج ماجوج جہنم میں:

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار (یعنی جہنمی لوگ) اٹھایئے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنمی ہیں، صرف ایک جنتی ہے، صحابہ کرام سہم گئے اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ایک اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے۔

یاجوج ماجوج کی انسانوں سے نسبت:

مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں (روح المعانی)

حضرت عیسیٰؑ کا زمین پر قیام:

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان روایات کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کی تعداد ساری انسانی آبادی سے بیحد زائد ہے۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں باسناد صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد چالیس سال زمین پر رہیں گے، مسلم کی ایک روایت میں جو سات سال کا عرصہ بتلایا ہے حافظ نے فتح الباری میں اس کو مؤول یا مرجوح قرار دے کر چالیس سال ہی کا عرصہ صحیح قرار دیا ہے اور حسب تصریح احادیث یہ پورا عرصہ امن وامان اور برکات کے ظہور کا ہوگا، بغض وعداوت آپس میں قطعاً نہ رہے گا، کبھی دو آدمیوں میں کوئی جھگڑا یا عداوت نہیں ہوگی، (روایت مسلم واحمد)

حج وعمرہ: بخاری نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ کا حج وعمرہ خروج یاجوج ماجوج کے بعد بھی جاری رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب:

بخاری و مسلم نے حضرت زینب بنت جحش ام المومنینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک روز) نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہورہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے۔ لا الہ الا اللہ ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل هذه وحلق تسعین۔ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے جو قریب آچکا ہے، آج کے دن یاجوج وماجوج کی روم یعنی سد میں اتنا سوراخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا''۔

ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ اس ارشاد پر ہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم ایسے حال میں ہلاک ہوسکتے ہیں جبکہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہلاک ہوسکتے ہیں، جبکہ خبث (یعنی شر) کی کثرت ہوجائے، (مشکوٰۃ فی الصحیحین عن ابی ہریرۃؓ، کذا فی البدایۃ والنہایۃ ابن کثیر) اور سد یاجوج میں بقدر حلقہ سوراخ ہوجانا اپنے حقیقی معنی بھی ہوسکتا ہے اور مجازی طور پر سد ذوالقرنین کے کمزور ہوجانے کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے۔ (ابن کثیر، ابوحیان)

روایات حدیث سے حاصل شدہ نتائج:

احادیث میں یاجوج ماجوج کے متعلق جو باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے ثابت ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یاجوج ماجوج عام انسانوں کی طرح انسان حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، جمہور محدثین ومورخین ان کو یافث ابن نوح علیہ السلام کی اولاد قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یافث ابن نوح کی اولاد نوح علیہ السلام کے زمانے سے ذوالقرنین کے زمانے تک دور دور تک مختلف قبائل اور مختلف قوموں اور مختلف آبادیوں میں پھیل چکی تھی، یاجوج ماجوج جن قوموں کا نام ہے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب سد ذوالقرنین کے پیچھے ہی محصور ہوگئے ہوں، ان کے کچھ قبائل اور قومیں سد ذوالقرنین کے اس طرف بھی ہوں گے، البتہ ان میں سے جو قتل وغارت گری کرنے والے وحشی لوگ تھے، وہ سد ذوالقرنین کے ذریعہ روک دیئے گئے، مورخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں، مگر ان میں سے یاجوج ماجوج نام صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے، انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین

جو متمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

(۲) یاجوج ماجوج کی تعداد پوری دنیا کے انسانوں کی تعداد سے بدرجہا زائد، کم از کم ایک اور دس کی نسبت سے ہے۔

(۳) یاجوج ماجوج کی جو قومیں اور قبائل سدذی القرنین کے ذریعہ سے اس طرف آنے سے روک دیئے گئے ہیں وہ قیامت کے بالکل قریب تک اسی طرح محصور رہیں گے، ان کے نکلنے کا وقت مقدر ظہور مہدی علیہ السلام پھر خروج دجال کے بعد وہ ہوگا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر چکیں گے۔

(۴) یاجوج ماجوج کے کھلنے کے وقت سدذوالقرنین منہدم ہو کر زمین کے برابر ہو جائے گی (آیت قرآن) اس وقت یہ یاجوج ماجوج کی بے پناہ قومیں بیک وقت پہاڑوں کی بلندیوں سے اترتی ہوئی سرعت رفتار کے سبب ایسی معلوم ہوں گی کہ گویا یہ پھسل پھسل کر گر رہے ہیں، اور یہ لاتعداد وحشی انسان عام انسانی آبادی اور پوری زمین پر ٹوٹ پڑیں گے، اور ان کے قتل وغارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے گا، اللہ کے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بامر الٰہی اپنے ساتھی مسلمانوں کو لے کر کوہ طور پر پناہ لیں گے، اور عام دنیا کی آبادیوں میں جہاں کچھ قلعے یا محفوظ مقامات ہیں وہ ان میں بند ہو کر اپنی جانیں بچائیں گے کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے کے بعد ضروریات زندگی انتہائی گراں ہو جائے گی، باقی انسانی آبادی کو یہ وحشی قومیں ختم کر ڈالیں گی، ان کے دریاؤں کو چاٹ جائیں گی۔

(۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کی دعا سے پھر یہ ٹڈی دل قسم کی بے شمار قومیں بیک وقت ہلاک کر دی جائیں گی ان کی لاشوں سے ساری زمین پٹ جائے گی، ان کی بدبو کی وجہ سے زمین پر بسنا مشکل ہو جائے گا۔

(۶) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء ہی کی دعا سے ان کی لاشیں دریا برد یا غائب کر دی جائے گی اور عالمگیر بارش کے ذریعہ پوری زمین کو دھو کر پاک صاف کر دیا جائیگا۔

(۷) اس کے بعد تقریباً چالیس سال امن وامان کا دور دورہ ہوگا، زمین اپنی برکات اگل دے گی، کوئی مفلس محتاج نہ رہے گا، کوئی کسی کو نہ ستائے گا، سکون واطمینان آرام وراحت عام ہوگی۔

(۸) اس امن وامان کے زمانے میں بیت اللہ کا حج وعمرہ جاری رہے گا۔

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر زمانے میں بذریعہ وحی خواب آپ کو دکھلایا گیا کہ سدذوالقرنین میں ایک سوراخ ہو گیا ہے جس کو آپ نے عرب کے لئے شروفتنہ کی علامت قرار دی، اس دیوار میں سوراخ ہو جانے کو بعض محدثین نے اپنی حقیقت پر محمول کیا ہے اور بعض نے اس کا مطلب بطور استعارہ اور مجاز کے یہ قرار دیا ہے کہ اب یہ سدذوالقرنین کمزور ہو چکی ہے خروج یاجوج ماجوج کا وقت قریب آ گیا ہے اور اس کے آثار عرب قوم کا تنزل وانحطاط کے رنگ میں ظاہر ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کا قیام زمین پر چالیس سال ہوگا، ان سے پہلے حضرت مہدی علیہ السلام کا زمانہ بھی چالیس سال رہے گا، جس میں کچھ حصہ دونوں کے اجتماع واشتراک کا ہوگا، سید شریف برزنجی نے اپنی کتاب اشراط الساعۃ صفحہ ۱۴۵ میں لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا قیام قتل دجال اور امن وامان کے بعد چالیس سال ہوگا، اور مجموعہ قیام پنتالیس سال ہوگا، اور صفحہ نمبر ۱۱۲ میں ہے کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تیس سال سے اوپر کچھ سال پہلے ظاہر ہوں گے، اور ان کا مجموعہ زمانہ چالیس سال ہوگا، اس طرح پانچ یا سات سال تک دونوں حضرات کا اجتماع رہے گا، اور ان دونوں زمانوں کی یہ خصوصیت ہوگی کہ پوری زمین پر عدل وانصاف کی حکومت ہوگی زمین اپنی برکات اور خزائن اگل دے گی، کوئی فقیر محتاج نہ رہے گا، لوگوں کے آپس میں بغض وعداوت قطعاً نہ رہے گی، ہاں حضرت مہدی علیہ السلام کے آخری زمانے میں دجال اکبر کا فتنہ عظیم سوائے مکہ اور مدینہ اور بیت المقدس اور کوہ طور کے سارے عالم پر چھا جائے گا، اور یہ فتنہ دنیا کے تمام فتنوں سے عظیم تر ہوگا، دجال کا قیام اور فساد صرف چالیس دن رہے گا، مگر ان چالیس دنوں میں سے پہلا دن ایک سال کا، دوسرا دن ایک مہینہ کا، تیسرا دن ایک ہفتہ کا ہوگا، باقی دن عام دنوں کی طرح کے ہونگے۔ جس کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حقیقۃً یہ دن اتنے طویل کر دیئے جائیں کیونکہ اس آخر زمانے میں تقریباً سارے واقعات ہی خرق عادت اور معجزہ کے ہوں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ دن رات تو اپنے معمول کے مطابق ہوتے رہیں مگر دجال کا بڑا ساحر ہونا حدیث سے ثابت ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے سحر کے اثر سے عام مخلوق کی نظروں پر یہ دن رات کا تغیر وانقلاب ظاہر نہ ہو، وہ اس کو ایک ہی دن دیکھتے اور سمجھتے رہیں، حدیث میں جو اس دن کے اندر عام دنوں کے مطابق اندازہ لگا کر نمازیں پڑھنے کا حکم آیا ہے اس سے بھی تائید اس کی ہوتی ہے کہ حقیقت کے اعتبار سے تو دن رات بدل رہے ہوں گے مگر لوگوں کے احساس میں یہ بدلنا نہیں ہوگا، اس لئے اس ایک سال کے دن میں تین سو ساٹھ دنوں کی نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا، ورنہ اگر دن حقیقۃً ایک ہی دن ہوتا تو قواعد شرعیہ کی رو سے اس میں صرف ایک ہی دن کی پانچ نمازیں فرض ہوتیں، خلاصہ یہ ہے کہ دجال کا کل زمانہ اس طرح کے چالیس دن کا ہوگا۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو کر دجال کو قتل کر کے اس فتنہ کو ختم کریں گے مگر اس کے متصل ہی یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا جو پوری دنیا میں فساد اور قتل وغارت گری کریں گے مگر ان کا زمانہ بھی چند ایام ہی ہوں گے

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے یہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، غرض حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانے کے آخر میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے شروع میں دو فتنے دجال اور یاجوج ماجوج کے ہوں گے جو تمام زمین کے لوگوں کو تہہ و بالا کر دیں گے ان ایام معدودہ سے پہلے اور بعد میں پوری دنیا کے اندر عدل وانصاف اور امن وسکون اور برکات وثمرات کا دور دورہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسلام کے سوا کوئی کلمہ و مذہب زمین پر نہ رہے گا، زمین اپنے خزائن ودفائن اگل دے گی، کوئی فقیر محتاج نہ رہے گا، درندے اور زہریلے جانور بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچا ئیں گے۔

یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کے متعلق یہ معلومات تو وہ ہیں جو قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتلا دیئے ہیں اسی پر عقیدہ رکھنا ضروری اور مخالفت ناجائز ہے۔ باقی رہی اس کی جغرافیائی بحث کہ سد ذوالقرنین کس جگہ واقع ہے، اور قوم یاجوج ماجوج کونسی قوم ہے، اور اس وقت کہاں کہاں بستی ہے، اگر چہ اس پر نہ کوئی اسلامی عقیدہ موقوف ہے اور نہ قرآن کی کسی آیت کا مطلب سمجھنا اس پر موقوف ہے لیکن مخالفین کی ہفوات کے جواب اور مزید بصیرت کے لئے علماء امت نے اس سے بحث فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ نقل کیا جاتا ہے۔

یاجوج ماجوج کی قومیت:

مؤرخین عام طور سے ان کو ترک اور مغول یا منگولین لکھتے ہیں، مگر ان میں سے یاجوج ماجوج نام..... صرف ان وحشی غیر متمدن خونخوار ظالم لوگوں کا ہے جو تمدن سے آشنا نہیں ہوئے انہی کی برادری کے مغول اور ترک یا منگولین جو متمدن ہو گئے وہ اس نام سے خارج ہیں۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا، ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا، وہ ترک ہیں، اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یاجوج ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے، پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ترک قوم کی بڑی بھاری تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یاجوج ماجوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں۔ (قرطبی ص ۵۸ ج ۱۱)

تاتار یاجوج ماجوج نہیں تھے:

(قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تاتار ظاہر ہوا، اور اسلامی خلافت کو تباہ و برباد کیا، ان کا عظیم فتنہ تاریخ اسلام میں معروف اور تاتاریوں کا مغول ترک میں سے ہونا مشہور ہے) مگر قرطبی نے ان کو یاجوج ماجوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یاجوج ماجوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ آلوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے تاتار ہی کو یاجوج ماجوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے، البتہ یہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یاجوج ماجوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے (روح ص ۴۴ ج ۱۶) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس یا چین یا دونوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہوتی جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ یاجوج ماجوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوتا، مگر اسی کو وہ خروج یاجوج ماجوج قرار دینا جس کی خبر قرآن وحدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی ہے اور اس کا وقت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

یاجوج ماجوج کا محل ومقام:

مشہور مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کے بحث میں یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین اور ان کے محل ومقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے۔

''ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قنجاق اور چرکس کہلاتے ہیں۔ اور مشرق کی جانب یاجوج ماجوج کی آبادیاں ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں ہو چکا ہے، کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے، جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے، اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہوا یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہوا پانچویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے، یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری واقع ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع قرآن نے بھی دی ہے''۔

اور عبداللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب میں واثق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے، چنانچہ وہ

گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا، اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات واوصاف بیان کئے (مقدمہ ابن خلدون ص ۷۹)

دیوارِ سکندری:

واثق باللہ خلیفہ عباسی کا سد ذوالقرنین کی تحقیق کرنے کیلئے ایک جماعت کو بھیجنا اور ان کا تحقیق کر کے آنا ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں ذکر کیا ہے اور یہ کہ یہ دیوار لوہے سے تعمیر کی گئی ہے اس میں بڑے بڑے دروازے بھی ہیں جن پر قفل پڑا ہوا ہے اور یہ شمال مشرق میں واقع ہے اور تفسیر کبیر وطبری نے اس واقعہ کو بیان کر کے یہ بھی لکھا ہے کہ جو آدمی اس دیوار کا معائنہ کر کے واپس آنا چاہتا ہے تو رہنما اس کو ایسے چٹیل میدانوں میں پہنچاتے ہیں جو سمرقند کے محاذات میں ہے۔ (تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۱۳)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق:

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام سیدی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام میں یاجوج ماجوج اور سد ذوالقرنین کا حال اگرچہ ضمنی طور پر بیان فرمایا ہے مگر جو کچھ بیان کیا ہے وہ تحقیق وروایت کے اعلیٰ معیار پر ہے، آپ نے فرمایا کہ مفسد اور وحشی انسانوں کی تاخت وتاراج سے حفاظت کے لئے زمین پر ایک نہیں، بہت سی جگہوں میں سدیں (دیواریں) بنائی گئی ہیں جو مختلف بادشاہوں نے مختلف مقامات پر مختلف زمانوں میں بنائی ہیں ان میں سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے جس کا طول ابوحیان اندلسی (دربار ایران کے شاہی مورخ) نے بارہ سو میل بتلایا ہے اور یہ کہ اس کا بانی فغفور بادشاہ چین ہے اور اس کی بناء پر کی تاریخ ہبوط آدم علیہ السلام سے تین ہزار چار سو ساٹھ سال بعد بتلائی اور یہ کہ اس دیوار چین کو مغل لوگ اتکووہ اور ترک لوگ بورقورقہ کہتے ہیں اور فرمایا کہ اسی طرح کی اور بھی متعدد دیواریں سدیں مختلف مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

حضرت مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاریؒ کی وضاحت:

ہمارے خواجہ تاس مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ نے اپنی کتاب قصص القرآن میں حضرت شیخ کے اس بیان کی تاریخی توضیح بڑی تفصیل وتحقیق سے لکھی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

یاجوج ماجوج کی تاخت وتاراج اور شر وفساد کا دائرہ اتنا وسیع تھا کہ ایک طرف کاکیشیا کے نیچے بسنے والے ان کے ظلم وستم کا شکار تھے تو دوسری جانب تبت اور چین کے باشندے بھی ہر وقت ان کی زد میں تھے انہی یاجوج ماجوج کے شر وفساد سے بچنے کیلئے مختلف زمانوں میں مختلف مقامات پر متعدد سد تعمیر کی گئی، ان میں سب سے زیادہ بڑی اور مشہور دیوار چین ہے، جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

دوسری سد وسط ایشیا میں بخارا اور ترمذ کے قریب واقع ہے اور اس کے محل وقوع کا نام دربند ہے یہ سد مشہور مغل بادشاہ تیمور لنگ کے زمانہ میں موجود تھی، اور شاہ روم کے خاص ہمنشین سیلا برجر جرمنی نے بھی اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے اور اندلس کے بادشاہ کسٹیل کے قاصد کلافچو نے بھی اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ ۱۴۰۳ء میں اپنے بادشاہ کا سفیر ہو کر جب تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس جگہ سے گزرا ہے وہ لکھتا ہے کہ باب الحدید کی سد موصل کے اس راستہ پر ہے جو سمرقند اور ہندوستان کے درمیان ہے۔ (از تفسیر جواہر القرآن طنطاوی ج ۹ ص ۱۹۸)

تیسری سد روسی علاقہ داغستان میں واقع ہے یہ بھی دربند اور باب الابواب کے نام سے مشہور ہے یاقوت حموی نے معجم البلدان میں، ادریسی نے جغرافیہ میں اور بستانی نے دائرۃ المعارف میں اس کے حالات بڑی تفصیل سے لکھے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''داغستان میں دربند ایک روسی شہر ہے یہ شہر بحر خزر (کاسپین) کے غربی کنارے پر واقع ہے اس کا عرض البلد ۳-۴۳ شمالاً اور طول البلد ۱۵-۴۸ شرقاً ہے اور اس کو دربند انوشیرواں بھی کہتے ہیں، اور باب الابواب کے نام سے بہت مشہور ہے''۔

چوتھی سد اسی باب الابواب سے مغرب کی جانب کاکیشیا کے بہت بلند حصوں میں ہے، جہاں وہ پہاڑوں کے درمیان ایک درہ درہ داریال کے نام سے مشہور ہے اس جگہ یہ چوتھی سد جو قفقاز یا جبل قوقایا کوہ قاف کی سد کہلاتی ہے بستانی نے اس کے متعلق لکھا ہے:

''اور اسی کے (یعنی سد باب الابواب کے) قریب ایک اور سد ہے جو غربی جانب بڑھتی چلی گئی ہے، غالباً اس کو اہل فارس نے شمالی بربروں سے حفاظت کی خاطر بنایا ہوگا کیونکہ اس کے بانی کا صحیح حال معلوم نہیں ہو سکا بعض نے اس کی نسبت سکندر کی جانب کر دی ہے، اور بعض نے کسریٰ ونوشیرواں کی طرف اور یاقوت کہتا ہے کہ یہ تانبا پگھلا کر اس سے تعمیر کی گئی ہے۔

(دائرۃ المعارف جلد ۷، ص ۶۵۱ معجم البلدان جلد ۸، ص ۹)

چونکہ یہ سب دیواریں شمال ہی میں ہیں اور تقریباً ایک ہی ضرورت کے لئے بنائی گئی ہیں اس لئے ان میں سے سد ذوالقرنین کونسی ہے، اس کے متعین کرنے میں اشکالات پیش آئے ہیں اور بڑا اختلاط ان آخری دو سدوں کے معاملہ میں پیش آیا، کیونکہ دونوں مقامات کا نام بھی دربند ہے اور دونوں جگہ سد بھی موجود ہے مذکور الصدر چار سدوں میں سے دیوار چین جو سب سے زیادہ بڑی اور سب سے زیادہ قدیم ہے اس کے متعلق تو سد ذوالقرنین ہونے کا کوئی قائل نہیں اور وہ بجائے شمال کے مشرق اقصیٰ میں ہے، اور قرآن کریم کے اشارہ سے اس کا شمال میں ہونا ظاہر ہے،

اب معاملہ باقی تین دیواروں کا رہ گیا جو شمال ہی میں ہیں، ان میں سے عام طور پر مورخین مسعودی، اصطخری، حموی وغیرہ اس دیوار کو سدذ والقرنین بتاتے ہیں، جو داغستان یا کاکیشیا کے علاقہ باب الابواب کے دربند میں بحرخزر پر واقع ہے بخارا اور ترمذ کے دربند اور اس کی دیوار کو جن مورخین نے سدذوالقرنین کہا ہے وہ غالباً دربند کے اشتراک کی وجہ سے ان کو اختلاط ہوا ہے اب تقریباً اس کا محل وقوع متعین ہو گیا کہ علاقہ داغستان کا کیشیا کے دربند باب الابواب میں یا اس سے بھی اوپر جبل قفقازیا کوہ قاف کی بلندی پر ہے اور ان دونوں جگہوں پر سد کا ہونا مورخین کے نزدیک ثابت ہے۔

ان دونوں میں سے حضرت الاستاذ مولانا سید محمد انور قدس سرہ نے عقیدہ الاسلام میں کوہ قاف قفقاز کی سد کو ترجیح دی ہے کہ یہ سدذ والقرنین کی بنائی ہوئی ہے۔ (عقیدۃ الاسلام ص ۲۹۷)۔ سدذ والقرنین اس وقت تک موجود ہے اور قیامت تک رہے گی یا وہ ٹوٹ چکی ہے؟

قرآن واحادیث کی تصریحات کا تقاضا:

احادیث صحیحہ کے انکار کے بغیر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ جس خروج یاجوج ماجوج کو قرآن کریم نے بطور علامت قیامت بیان کیا، اور جس کے متعلق صحیح مسلم کی حدیث نواس بن سمعان وغیرہ میں اس کی تصریح ہے کہ یہ واقعہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام اور قتل دجال کے بعد پیش آئے گا وہ واقعہ ہو چکا کیونکہ خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ اب تک نہیں ہوا۔

البتہ یہ بات بھی قرآن وسنت کی کسی نص صریح کے خلاف نہیں ہے کہ سدذوالقرنین اس وقت ٹوٹ چکی ہو، اور یاجوج ماجوج کی بعض قومیں اس طرف آ چکی ہوں، بشرطیکہ اس کو تسلیم کیا جائے کہ ان کا آخری اور بڑا حملہ جو پوری انسانی آبادی کو تباہ کرنے والا ثابت ہوگا وہ ابھی نہیں ہوا، بلکہ قیامت کی ان بڑی علامات کے بعد ہوگا، جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے، یعنی خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ۔

اہل یورپ کے دعویٰ کی تردید:

حضرت الاستاذ حجۃ الاسلام علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق اس معاملہ میں یہ ہے کہ اہل یورپ کا یہ کہنا تو کوئی وزن نہیں رکھتا کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے ہمیں اس دیوار کا پتہ نہیں لگا کیونکہ اول تو خود انہی لوگوں کی یہ تصریحات موجود ہیں، کہ سیاحت اور تحقیق کے انتہائی معراج پر پہنچنے کے باوجود آج بھی بہت سے جنگل اور دریا اور جزیرے ایسے باقی ہیں جن کا ہمیں علم نہیں ہو سکا دوسرے یہ بھی احتمال بعید نہیں کہ اب وہ دیوار موجود ہونے کے باوجود پہاڑوں کے گرنے اور باہم مل جانے کے سبب ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کر چکی ہو، لیکن کوئی نص قطعی اس کے بھی منافی نہیں کہ قیامت سے پہلے یہ سد ٹوٹ جائے یا کسی دور دراز کے طویل راستے سے یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آسکیں۔

اس کا تحقق یوں بھی ہو سکتا ہے کہ دیوار منہدم ہو کر راستہ ابھی کھل گیا ہو، اور یاجوج وماجوج کے حملوں کی ابتداء ہو چکی ہو، خواہ اس کی ابتداء چھٹی صدی ہجری کے فتنہ تاتار سے قرار دی جائے، یا اہل یورپ اور روس وچین کے غلبے سے مگر یہ ظاہر ہے کہ ان متمدن قوموں کے خروج اور فساد کو جو آئینی اور قانونی رنگ میں ہو رہا ہے وہ فساد نہیں قرار دیا جا سکتا جس کا پتہ قرآن وحدیث دے رہے ہیں کہ خالص قتل وغارت گری اور ایسی خون ریزی کے ساتھ ہوگا کہ تمام انسانی آبادی کو تباہ برباد کر دے گا بلکہ اس کا حاصل پھر یہ ہوگا کہ انہیں مفسد یاجوج ماجوج کی کچھ قومیں اس طرف آ کر متمدن بن گئیں اسلامی ممالک کے لئے بلاشبہ وہ فساد عظیم اور فتنہ عظیمہ ثابت ہوئیں مگر ابھی ان کی وحشی قومیں جو قتل وخون ریزی کے سوا کچھ نہیں جانتیں وہ تقدیری طور پر اس طرف نہیں آئیں اور بڑی تعداد ان کی ایسی ہی ہے ان کا خروج قیامت کے بالکل قریب میں ہوگا۔

مورخین نے لکھا بھی ہے کہ یاجوج ماجوج کو طویل بحری سفر کر کے اس طرف آنے کا راستہ مل گیا ہے تو اس حدیث سے اس کی بھی نفی نہیں ہوتی۔

خلاصۂ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں کوئی ایسی دلیل صریح اور قطعی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ سدذوالقرنین قیامت تک باقی رہے گی، یا ان کے ابتدائی اور معمولی حملے قیامت سے پہلے اس طرف کے انسانوں پر نہیں ہو سکیں گے البتہ وہ انتہائی خوفناک اور تباہ کن حملہ جو پوری انسانی آبادی کو برباد کر دے گا اس کا وقت بالکل قیامت کے متصل وہی ہوگا جس کا ذکر بار بار آ چکا ہے، حاصل یہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص کی بناء پر نہ یہ قطعی فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ سد یاجوج ماجوج ٹوٹ چکی ہے اور راستہ کھل گیا ہے اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ از روئے قرآن وسنت اس کا قیامت تک قائم رہنا ضروری ہے، احتمال دونوں ہی ہیں، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ
بولے اے ذوالقرنین یہ یاجوج اور ماجوج
مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ
دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں سو تو کہے تو ہم مقرر کر دیں
خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿۹۴﴾
تیرے واسطے کچھ محصول اس شرط پر کہ بنا دے تو ہم میں اور ان میں ایک آڑ